ماہنامہ
کرن
اگست 2012
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتاب
گوری کرے سنگھار

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 600 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 6000 روپے

عید مبارک

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

اگست 2012

جلد 35 شمارہ 5

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

منیرہ

اداریہ

اگست کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رحمت و مغفرت کا بابرکت مہینہ ہم پہ سایہ فگن ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جسے نزولِ قرآن کا مہینہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس ماہِ مبارک کی صبح و شام، دن رات تمام ہی اوقات دعاؤں کی قبولیت کے ہیں۔ رحیم و کریم رب کا در مانگنے والوں کے لیے ہمہ وقت کھلا ہے۔ صبر و شکر، ذکر و عبادت رضا بالقضا، نیکیوں پر استقامت اور گناہوں سے اجتناب غرض یہ کہ وہ کون سے محاسن و خوبیاں ہیں جو عباداتِ صوم میں موجود نہیں۔

درسِ رمضان یہ ہے کہ جب کوئی نہ دیکھے تب بھی اللہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہی ایک اللہ جو نہ ہم سے دور ہے اور نہ ہی ہم سے جدا۔ جس نے حقیقتِ صوم کو پالیا اس نے تقویٰ کو پالیا اور جس نے تقویٰ اختیار کیا اسے قربِ الٰہی نصیب ہو گیا۔ لہٰذا یہ ہی وقت ہے تقویٰ اختیار کر کے قربِ الٰہی حاصل کرنے کا۔

اسی ماہِ مبارک میں ہم نے آزادی جیسی نعمت حاصل کی۔ یومِ آزادی کے پُر مسرت موقع پر اللہ رب العزت سے پاکستان کے بقائے دوام اور خوشحالی کے لیے دعا کریں اور عہد کریں کہ آنے والے دنوں میں ہم صرف سچے محب الوطن پاکستانی ہوں۔ آپس کی نفرتوں اور کدورتوں سے پاک سچے پاکستانی بنیے۔ یہ ہی حب الوطنی کا تقاضا ہے۔

قارئین کرام کو یومِ آزادی اور ماہِ رمضان مبارک۔

محمود خاور کی برسی،

زندگی کے حقائق کا مشاہدہ اور غور و فکر کے ساتھ وسیع اور سنجیدہ سوچ صرف ان ہی لوگوں کا خاصہ ہوتی ہے جو عمیق نگاہوں سے دُنیا کو دیکھتے ہیں۔ "محمود خاور" بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھے جو دُنیا کو بہت گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے بہت حساس دل پایا تھا۔ ان کے تیکھے جملوں میں بڑی کاٹ تھی۔

20۔ اگست کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔ (آمین)

اس شمارے میں،

- "میرا پہلا روزہ" رمضان المبارک کے موقع پر اداکاروں سے سروے،
- نعت خواں "صدیق اسماعیل" سے شاہین رشید کی باتیں،
- اداکارہ "سنبل علی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکار "راشد فاروقی" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "مجھ سے ملیے" میں مصنفہ "رابعہ افتخار" کی باتیں،
- فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے سلسلے وار ناول،
- "محبتیں بکھرنے نہ دینا" مصباح نوشین کا دلچسپ مکمل ناول،
- "وصال کی شام" عائشہ نصیر احمد کا مکمل ناول،
- "میرا ستارہ" نفیسہ سعید کا ناولٹ،
- "وفا میری ضد" فرحت شوکت کے ناولٹ کا دوسرا اور آخری حصہ،
- رفاقت جاوید، شہزادی عباس، فاخرہ گل، رابعہ افتخار،
- "وہ اک پری ہے" ریحانہ امجد بخاری کا دلچسپ ناولٹ،
- اقصیٰ اسلام اور ام طیفور کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "گوری کرت سنگھار" ہر شمارے کے ساتھ مفت پیشِ خدمت ہے۔ استفادہ کریں۔

حمد باری تعالیٰ

تیری ذات اعلیٰ صفات ہے
تُو رحیم ہے تُو کریم ہے

تُو گمان و فہم سے دُور ہے
تیرا ذرے ذرے میں نُور ہے

تُو ہی کارسازِ جہان ہے
تیرے ہاتھ خلق کی جان ہے

ہے تیری رضا میری زندگی
تیری یاد ہے میری بندگی

تُو ہی جسم و جاں میں مقیم ہے
تیری ذات اعلیٰ صفات ہے

تیرا بندہ سالکِ بے نوا
کرے کس زباں سے تیری ثناء

کہ یہ ادنیٰ ہے تُو عظیم ہے
تیری ذاتِ اعلیٰ صفات ہے

نعت رسول مقبولﷺ

آئی نبیؐ کی یاد تو دل شاد کر گئی
ان کے مریضِ عشق کی قسمت سنور گئی

گھیرا ہوا تھا گردشِ ایام نے مجھے
یادِ نبیؐ یہ مشکلیں آساں کر گئی

سینے میں نور بھر گیا دل پر ہوئی جلا
نعتِ رسولِ پاک بڑا کام کر گئی

بادِ صبا دیارِ مدینہ سے آئی تھی
زلفِ نبیؐ کی خوشبو سے سرشار کر گئی

ان کی نگاہِ خاص پہ قربان جائیے
دُنیا کے پیچ و تاب سے آزاد کر گئی

بحرِ معصیت میں جو پھنس گئی کبھی
ان کے کرم سے ڈوبتی کشتی اُبھر گئی

سالکؔ سیاہ تھے میرے اعمال تو مگر
فردِ عمل کچھ ان کے کرم سے سنور گئی

صدیق اسماعیل سے ملاقات

شاہین رشید

صدیق اسماعیل ایک خوب صورت آواز ' ہمارے ملک کا سرمایہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں، جب ان کی آواز گونجتی ہے تو ماحول ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی مناسبت سے ہم نے صدیق اسماعیل صاحب کا انٹرویو کیا۔ آپ بھی فیض یاب ہوں۔

★ "السلام علیکم ..... کیسے ہیں۔ کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟"

※ "وعلیکم السلام ..... جی الحمد للہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور جناب میں 17 رمضان المبارک 1956ء میں کراچی میں پیدا ہوا۔ میرے والد کا نام اسماعیل ہے اور انہوں نے ہی میرا نام محمد صدیق رکھا ہمارا تعلق میمن برادری سے ہے اور جیسا کہ آپ سب کو پتا ہے کہ میمن .... زیادہ تر بزنس کرتے ہیں تو میرے والد بھی بزنس مین تھے۔ میٹھادر کے علاقے میں ہماری رہائش تھی اور اس علاقے میں آج بھی میمن برادری کثرت سے آباد ہے۔"

★ "آپ کے بہن بھائی اور آپ کی تعلیم؟"

※ "چار بھائی اور دو بہنیں اور والدین ہماری کل کائنات تھی۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر میٹرک تک کی تعلیم "اوکھائی میمن" اسکول سے حاصل کی اور پھر اسلامیہ کالج سے میں نے گریجویشن کیا۔"

★ "کب یہ انکشاف ہوا کہ آپ کے گلے میں سُر ہے؟"

※ "میرے والد نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی "باوانی مسجد" کے نام سے اور یہ گاؤں گلی میں تعمیر ہوئی تھی ..... اور اس مسجد میں میں ابتدا سے ہی ہوں اور مسجد میں چونکہ حمد و نعت ہوتی تھیں تو بچپن سے ہی یہ آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں ..... اور ہمارے علاقے میں ایک، بہت ہی اچھے نعت خواں تھے

حاجی یوسف اشرفی صاحب تو ان کی آواز جب میرے کانوں میں گونجتی تھی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا..... اور ان کو سن سن کر مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی حمد و نعت پڑھا کروں..... اور پھر میں بھی مسجد میں جا کر حمد و نعت پڑھنے لگا اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس ادا سے خوش ہو کر ہمیں اتنا بڑا انعام دے گا اور ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔"

★ "موسیقی کے لیے تو ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا حمد و نعت کے لیے بھی ٹرینگ ضروری ہوتی ہے؟"

※ "جی بالکل ضروری ہوتا ہے۔ جس طرح سونا اور ہیرے کو تراشا نہ جائے اس میں خوب صورتی نہیں آتی ہے۔ تو میں نے بھی حاجی یوسف اشرفی صاحب سے تربیت لی اور اس وقت میری عمر تقریباً" نو یا دس سال تھی۔ جب میں نے ریڈیو میں بچوں کے پروگرام میں حمد و نعت پڑھنا شروع کی کیونکہ اس وقت ریڈیو ہی ایک ایسا ذریعہ تھا جہاں، ہم اپنا شوق پورا کر سکتے تھے تو بچوں کے پروگراموں میں پسندیدگی کے بعد مجھے جنرل پروگراموں میں بھی لیا جانے لگا۔"

★ "ریڈیو تک کیسے پہنچے تھے؟"

※ "ریڈیو پاکستان تک ایسے پہنچا کہ ریڈیو پاکستان نے مقابلہ نعت خوانی کرایا جس میں شہر کے 100 بچے شامل ہوئے اور اس میں الحمد للہ میری پہلی پوزیشن تھی ..... اور پھر باقاعدگی سے میں ریڈیو پاکستان کراچی سے پروگرام کرنے لگا..... پھر جب کراچی میں پی ٹی وی کا آغاز ہوا تو پی ٹی وی کی پہلی نعت پڑھنے کے لیے مجھے بلایا گیا۔ اس وقت عبد الکریم بلوچ پروڈیوسر ہوا کرتے تھے۔ سید آفتاب عظیم' قاسم جلالی' سید محسن علی اور دیگر پروڈیوسرز نے میرے، بہت پروگرام کیے۔"

★ "اس زمانے میں لائیو کا رواج تھا یا ریکارڈنگ کا؟"

※ "ارے نہیں ریکارڈنگ نہیں ہوتی تھی بلکہ لائیو پروگرام ہوا کرتا تھا چار گھنٹے کی نشریات ہوتی تھیں۔ تو میں نے کافی پروگرام کیے۔"

★ "گویا پی ٹی وی سے آپ کی شہرت کا آغاز ہوا؟"

※ "جی ہاں پی ٹی وی نے مجھے کافی شہرت دی اور ٹی وی میں ہی مجھے دیکھ کر لوگ پھر نجی محفلوں میں مجھے بلانے لگے ..... پھر کراچی میں بلدیہ عظمیٰ کراچی کے "میئر عبد الستار افغانی" نے مجھے بلدیہ عظمیٰ کراچی کے لیے مستقل ہائر کر لیا اور اس کے تحت جتنی بھی سرکاری تقریبات ہوتی تھیں جن میں سربراہان مملکت شرکت کیا کرتے تھے مجھے حمد و نعت کے لیے بلایا جاتا تھا۔"

★ "پھر تو آپ کی بڑے بڑے لوگوں سے بھی ملاقات ہوتی ہوگی؟"

※ "بالکل جی..... دنیا کے مشہور و معروف لوگ اور سربراہ آتے تھے اور ان سب سے میری ملاقات ہوتی تھی اور پھر ان خدمات کے عوض مجھے 1986ء میں جنرل ضیاء الحق نے پرائڈ آف پرفارمنس دیا..... اور پھر مجھے یورپ اور دیگر ممالک میں بھی بلایا جانے لگا 1982ء میں عمرے کی سعادت بھی پہلی بار حاصل ہوئی۔"

★ "سب سرکاری سطح پر ہوتا تھا؟ یعنی غیر ملکی دورے؟"

※ "نہیں..... سرکاری سطح پر نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بسنے والے لوگوں کی پرائیویٹ تنظیمیں مجھے بلاتی

تھیں اپنے اخراجات پر۔"

★ "کن کن ممالک میں آپ جا چکے ہیں؟"

✻ "یورپ کے تقریباً تمام ممالک ـــــ امریکہ کی بہت سی ریاستوں میں بلجیم، ناروے، ڈنمارک وغیرہ میں پروگرام کیے امریکہ کا تو ایک ماہ کا دورہ کیا ـــــ اور پروگرام کیے۔"

★ "عمرے کی سعادت سرکاری سطح پر حاصل ہوئی یا آپ خود گئے؟"

✻ "سرکاری سطح پر بھی گیا اور کئی بار خود سے گیا دو بار تو اپنی فیملی کو بھی لے گیا جن میں میرے بھائی اور بہنیں بھی شامل تھیں۔"

★ "آپ کو لکھنے کا بھی تو شوق تھا اور شاید آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں؟"

✻ "کچھ تو نہیں صرف دو ہی کتابیں لکھی ہیں۔ "انوار حرمین" اور "رنگ حنا" ان میں ـــــ دو سو تیس نعتیں شامل ہیں ـــ اور ان کتابوں کو سرکاری سطح پر بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور ابھی میں آپ کو غیر ملکی دوروں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے سرکاری طور پر ماریشس کی حکومت نے بلایا اور بارہ دن اپنا مہمان رکھا اس وقت کے صدر قاسم متین تھے اور پاکستان کے سفیر سلمان گیلانی تھے اور سلمان گیلانی کے ذریعے مجھے بلایا گیا اور وہاں کے صدر نے مجھے سول اعزاز سے بھی نوازا۔ اور ساؤتھ افریقہ کا میں آٹھ مرتبہ دورہ کر چکا ہوں اور ان کے تمام بڑے شہروں میں میرے ساتھ پروگرام کیے گئے اور اب بھی غیر ملکی دورے جاری ہیں۔"

★ "یہ غیر ملکی دورے صرف اور صرف پاکستان کی بدولت ہیں جس نے آپ کو نام اور پہچان دی ہے؟"

✻ "جی بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میری پہچان میرا ملک پاکستان ہے اور اب تو جب سے پاکستان میں بہت سارے چینلز کھل گئے ہیں تو تقریباً سب ہی چینلز ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے پروگرام ریکارڈ کرتے ہیں۔"

★ "چینلز کے لیے آپ نے اپنی خدمات دیں غیر ملکی دوروں پر بھی گئے تو آپ اپنی خدمات کا معاوضہ لیتے تھے یا لوگ آپ کو ہدیہ دیتے تھے۔ مطلب آمدنی کا کیا ذریعہ ہوتا تھا؟"

✻ "جب میں نے نعت گوئی شروع کی تو ہدیہ اور نذرانے کا کوئی رجحان نہیں تھا لیکن جب شب و روز اس میں گزرنے لگے تو سچ پوچھیے تو اپنے بزنس کی طرف ہمارا رجحان نہیں ہوا ـــــ اس حمد و نعت کو ہم نے اپنا نصیب سمجھ لیا اور اسی کو اللہ نے ہماری آمدنی کا ذریعہ بنانا تھا ـــــ ہم نے از خود کبھی کوئی فرمائش نہیں کی نہ کچھ مانگا۔ لوگ خود ہی ہماری خدمت کرتے تھے اور کرتے ہیں تو ہمیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، بس اللہ تعالیٰ نے ہماری ڈیوٹی لگا دی کہ اپنے رب کی ثناء خوانی کروں اور اس میں اپنی زندگی بسر کرو۔"

★ "یعنی آپ کو اپنی زندگی بنانے سنوارنے کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی جیسا کہ نوجوانی میں لوگ اپنی زندگی بنانے کے لیے کرتے ہیں؟"

✻ "الحمد للہ ـــــ میں آپ کو سچ بتاؤں کہ ہم پر اللہ کا اتنا کرم ہوا ہے کہ پیسہ ہمارے پیچھے بھاگتا رہا ہے۔ ہم پیسوں کے لیے نہیں بھاگے ہمیں وقت ہی نہیں ملتا تھا اللہ اور اس کے حبیب کی ثناء خوانی سے کہ ہم کچھ اور سوچتے ـــــ اللہ نے ہماری جھولی کو اتنا بھر دیا کہ ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

★ "آپ کے بھائیوں اور بہنوں میں کوئی اس فیلڈ میں آیا اور والدین کا کیا رد عمل تھا جب آپ اس جانب آئے؟"

✻ "نہیں بھائیوں بہنوں میں کوئی اس طرف نہیں آیا اور والدین کی دعاؤں سے ہی اللہ نے مجھے یہ مقام دیا ہے اور انہوں نے مجھے بہت سپورٹ کیا ہے۔ اور میرے بھائیوں اور بہنوں نے بھی میرا بہت ساتھ دیا ـــــ اور گھر میں سب سے زیادہ میری پذیرائی ہوتی تھی۔"

★ "والد صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جاب کر لو یا

بزنس کر لو؟"

✻ "مجھے اعزازی طور پر بہت سی جاب کی آفرز ہوئیں۔ مجھے بینک والے بلاتے تھے پی آئی اے نے آفر کی، لیکن میں ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ جاب کرتا کیونکہ اس زمانے میں بے حد مصروفیات ہوتی تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میں جاب کے لیے ہامی بھر لوں اور کچھ نہ کر سکوں اور بلاوجہ میں تنخواہ وصول کرتا رہوں چنانچہ میں شکریے کے ساتھ معذرت کر لیتا تھا کہ میں جاب کو وقت نہیں دے سکوں گا۔ ہاں جب ریڈیو پہ پڑھنے جاتا تھا تو وہاں سے مجھے چیک ملا کرتے تھے تو مجھے بہت خوشی ہوتی تھی اور آپ کو بتاؤں کہ میں نے اپنے تعلیمی اخراجات بھی خود پورے کیے اور کبھی مجھے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑی۔"

★ "حمد و نعت تو آپ پڑھتے ہی تھے۔ دین کے ساتھ دنیا کو بھی رکھا یا دنیاوی خواہشات کو مار دیا؟"

✻ "میں نے دنیاوی خواہشات کو مارا تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارا ذہن اس طرف لگایا نہیں ـــــ اور نوجوانی میں انسان کی بہت سی خواہشات ہوتی ہیں لیکن یہ کہہ دینا کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ ایسا نہیں ہے اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کوئی غلط کام نہیں کیا۔ نظروں میں حیا بھی تھی اور دماغ کو ایسا بنا دیا کہ کوئی قدم بڑھانے سے پہلے اس نے سوچنے سمجھنے کا موقع ضرور دیا ـــــ دوستیاں سب سے رہیں لیکن پاکیزگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔"

★ "شادی کب ہوئی اور بچے کتنے ہیں؟"

✻ "جب میں چوبیس سال کا تھا تو میری شادی ہو گئی اور میری پسند سے ہوئی اور ہماری برادری میں ہی ہوئی اور میرے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور دونوں بیٹیوں کی شادی ہو چکی ہے میں نے اپنے بچوں کی تربیت پہ خصوصی توجہ دی۔ میرے بڑے بیٹے سلمان نے چار ماسٹرز کیے ہیں۔"

★ "بیٹیوں کی شادی ہوئی اور بیگم ہاؤس وائف ہیں کیا؟"

✻ "بیگم میمونہ ہاؤس وائف تھیں۔ اب تو تقریباً سال ہو گیا ہے وہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں لیکن یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی سارے بچوں کی شادیاں کر گئیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ حج کیے، عمرے کیے۔ میرے ساتھ سفر بھی بہت کیے ـــــ بغداد، کربلا معلیٰ اور کئی جگہوں کی زیارتیں ہم نے مل کر کیں۔"

★ "سال پہلے ان کا انتقال ہوا تو زیادہ عمر تو نہیں ہو گی ان کی؟"

✻ "جی ہاں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 45 سال تھی۔ وہ شوگر کی مریضہ تھیں۔ ایک دن اچانک ان کی شوگر لو ہو گئی اور وہ "کوما" میں چلی گئیں اور بس اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔"

★ "اب زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

✻ "ظاہر ہے کہ وہ میری شریکِ حیات تھیں۔ بہت لمبا ساتھ رہا ان کا اور میرا ہر جگہ میرے ساتھ ہوتی تھیں۔ میرا ہی نہیں بچوں کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں وہ تو ایک اچھی بیوی اور ایک اچھی ماں تھیں۔ ہم سب بہت ادھورا محسوس کرتے ہیں ان کے بغیر۔"

★ "بچپن سے لے کر اب تک آپ مزاج کے کیسے

رہے؟"

٭ "میرے مزاج کی اپنی ایک طبیعت یا روٹین کہہ لیں کہ بنی ہوئی ہے کہ مجھے کھانا وقت پہ چاہیے اور اچھا کھانا چاہیے۔ میرا کمرہ بالکل صاف ستھرا ہونا چاہیے۔ میری چیزیں جہاں رکھی ہیں وہیں رکھی رہنی چاہئیں اگر ان کی ترتیب میں کوئی فرق آجائے تو میری طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے..... اور اس طرح جب میں کسی محفل میں جاؤں اور وہاں بد نظمی دیکھوں تو میرے مزاج میں فرق آتا ہے۔"

★ "عام لائف میں کیسے ہیں؟"

٭ "عام لائف میں میں بہت ملنے جلنے والا انسان ہوں سب سے بہت ہی خلوص و پیار سے پیش آتا ہوں ..... لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مزاج کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو یا میری بات کو کوئی سمجھنے کی کوشش نہ کر رہا ہو تو پھر مجھے غصہ آتا ہے ظاہر ہے کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔ غصہ آنا ایک فطری عمل ہے اور مجھے بھی آتا ہے۔"

★ "پھر کیا کرتے ہیں؟"

٭ "حدیث شریف میں ہے کہ جب غصہ آئے تو درود شریف پڑھ لیا کرو تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ ہمارا شعبہ ایسا ہے کہ ہم عام لوگوں کی طرح لوگوں سے بدمزاجی سے مل نہیں سکتے کیونکہ ہمارا تاثر ہماری اثاث ہے ہمارا اخلاق ہی ہماری میراث ہے..... اگر ایک سے بدمزاجی سے ملیں گے تو وہ آگے سو لوگوں کو بتائے گا اور سو ہزاروں کو بتائیں گے۔ اس لیے ہم کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں سے اچھی طرح ملیں..... نرم لہجہ رکھیں اور محبت سے بات کریں لوگ ہماری طرف کیوں لپکتے ہیں کوئی تو بات ہے کوئی تو نسبت ہے ہم میں۔ اس لیے کہ ہم حمد و ثناء کرتے ہیں۔"

★ "عید کی آمد آمد ہے۔ آپ بتائیں کہ لوگ عید پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کیوں کرتے ہیں؟"

٭ "شاید اس لیے کہ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں لوگ عبادت کرتے ہیں اور پھر عید ان کے لیے انعام ہوتی ہے تو اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ عید کے دن نیا جوڑا پہنیں گے لوگوں سے ملیں گے اس حد تک کے اخراجات تو جائز بھی ہیں عید منانے کا حق تو ان کو ہے جنہوں نے پورے مہینے عبادت کی ہو اور روزے رکھے ہوں۔ تراویح پڑھی ہو اور استغفار کی ہو۔ عید کا دن ان کے لیے انعام ہے۔"

★ "اتنی مہنگائی ہے اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

٭ "مہنگائی..... اس نے تو عوام کا جینا حرام کر دیا ہے..... لوگوں کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ لوگ خودکشی کر رہے ہیں۔ پہلے تین طبقے ہوا کرتے تھے امیر، غریب اور متوسط۔ اب تو متوسط طبقہ تقریباً" ختم ہو کے رہ گیا ہے۔ اب صرف دو طبقے رہ گئے ہیں امیر اور غریب متوسط طبقے کے لوگوں کو محدود آمدنی میں اپنی عزت بچا کر رکھنی ہے، بچوں کو تعلیم بھی دینی ہے..... اور اپنے بھرم کو بھی قائم رکھنا ہے ان کے لیے اس وقت بہت زیادہ مشکلات ہیں..... ہاتھ پھیلانے والے طبقے کے لیے تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن وہ جو عزت کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ بہت مشکل وقت ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے صدیق اسماعیل صاحب سے اجازت چاہی۔

٭ ٭

مرد رق کی شخصیت،

ماڈل ——— رابعہ خان
ٹرانسپرنسی ——— موسیٰ رضا
میک اَپ ——— روز بیوٹی پارلر

سجل کی باتیں

شاہین رشید

جب سوپ "محمود آباد کی ملکائیں" شروع ہوا تو اس کی پہلی قسط میں ہی ایک شوخ و چنچل سی لڑکی بہت بھائی۔ بہت کم لڑکیاں اپنی پہلی پرفارمنس سے متاثر کرتی ہیں اور بہت عرصے کے بعد ایسا ہوا تھا کہ کسی نئی آرٹسٹ نے پہلی ہی پرفارمنس میں متاثر کیا ہو۔ نازک سی کومل اور بڑی بڑی آنکھوں والی اس آرٹسٹ کا نام سجل علی ہے۔ بہت باادب اور خوش مزاج ہیں۔ مگر اپنی مصروفیات کی وجہ سے انٹرویو کے لیے بہت انتظار کروایا۔ لیکن بالآخر بات ہو ہی گئی جو نذرِ قارئین ہے۔

★ "کیسی ہیں سجل۔ آج ٹائم کیسے نکال لیا انٹرویو کے لیے؟"

✳ "ٹھیک ہوں اور سچ پوچھیں تو ٹائم تو آج بھی نہیں تھا۔ لیکن آپ کافی عرصے سے کہہ رہی تھیں تو میں شرمندہ ہو رہی تھی۔ بس اسی لیے آج آپ کے لیے ٹائم نکال ہی لیا۔"

★ "بہت شکریہ ..... مجھے اندازہ ہے آپ کی مصروفیات کا کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

✳ "بس جی دن رات کام ہی ہو رہا ہے۔ آج کل ایک نئے سیریل "محبت جائے بھاڑ میں" کی ریکارڈنگز چل رہی ہیں اسی میں مصروف ہوں۔"

★ "اچھا..... ! بڑے مزے کا نام ہے' آپ کا رول کیا ہے؟"

✳ "جی سیریل تو ہے ہی اچھا لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے نام کی وجہ سے بھی لوگ اس سیریل کو ضرور دیکھیں گے اور اس میں میرا لیڈنگ رول ہے اور ویسے بھی کافی بڑی کاسٹ ہے مثلاً "عدنان صدیقی' حنا دل پذیر' عمران اسلم' میں' ریشم مین کاسٹ ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کافی لوگ ہیں۔"

★ "اتنا زیادہ کام اور جان چھوٹی سی' تھک تو جاتی ہوں گی؟"

✳ "جی..... کچھ ایسی ہی صورت حال ہے۔ آپ تو یہ سمجھیں کہ میں تو گھر پر سونے کے لیے ہی جاتی ہوں۔ میرا تو فون بھی میری مما کے پاس ہی ہوتا ہے۔"

★ "تو کیوں لے رہی ہیں اتنا کام کہ آرام کا بھی وقت نہ ملے؟"

✳ "ان شاء اللہ اب ایسا نہیں ہو گا..... اب ایک وقت میں ایک یا دو ہی پروجیکٹس کروں گی' جیسے میں آج کل "محبت جائے بھاڑ میں" ہی کر رہی ہوں اس کے بعد دوسرا پروجیکٹ لوں گی۔"

★ "آپ کی بہن بھی اس فیلڈ میں ہیں؟"

✳ "جی تھی۔ اب نہیں ہے اس نے بھی میرے ساتھ ہی کام شروع کیا تھا اور دو ہی ڈرامے کیے ہیں "چھوٹی سی کہانی" اور "محمود آباد کی ملکائیں" ب پھر اسے مشکل لگا یا شاید مزا نہیں آیا۔ اس نے چھوڑ دیا۔"

★ "آپ گھر میں بڑی ہیں؟"

✳ "میں اپنے بارے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ میرا پورا نام سجل علی ہے۔ ویسے تو سب مجھے پیار سے "سجا" یا میرا نام ہی لیتے ہیں۔ لیکن آج کل تو جو نام ڈرامے میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اسی نام سے بلاتے ہیں اور میں سترہ جنوری 1994ء میں لاہور میں پیدا ہوئی..... میرا ستارہ کیپری کورن ہے اور میری ہائٹ 5 فٹ 4 انچ ہے۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ میں گھر میں بڑی ہوں میرے بعد ایک بہن اور پھر بھائی ہے۔ میں سیکنڈ ایئر کی

طالبہ ہوں اور اردو اسپیکنگ ہیں ہم لوگ' میری امی راحت فردوس بڑی اچھی نعت خواں ہیں اور وہ تھیٹر میں بھی عثمان میمن اور لہری صاحب کے ساتھ کام کر چکی ہیں اور مولانا شاہ احمد نورانی میری امی کے ماموں ہیں اور میرے ابو سید صولت علی بزنس مین ہیں۔"

★ "آپ سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہیں۔ فیوچر میں کون سی فیلڈ میں جانے کا ارادہ ہے؟"

✳ "میرا تو خیال ہے کہ میں جس فیلڈ میں ہوں اسی کو پڑھوں گی۔ اس لیے ان شاء اللہ سیکنڈ ایئر کے بعد "میڈیا" کی لائن کو ہی اپناؤں گی۔ میرا کوئی ارادہ نہیں ڈاکٹر یا انجینئر بننے کا۔ اور ڈاکٹر یا انجینئر بننے کے باوجود میں اس لائن میں رہوں تو فائدہ' بہتر ہے کہ "میڈیا" کی ہی لائن میں جاؤں۔"

★ "تلپا جوائن کیا ہے؟"

✳ "نہیں بالکل نہیں..... اور میں نے تو کہیں سے بھی کچھ نہیں سیکھا شاید اللہ نے صلاحیتیں دیں اسکول میں بہت اچھی Debater اور نعت خواں رہ

چکی ہوں اور بہترین نعت خواں کا ایوارڈ بھی حاصل کر چکی ہوں اور بہترین Debater کا بھی یہ ایوارڈ مجھے منو بھائی نے دیا تھا اور ان کے ہاتھوں سے ایوارڈ لے کر مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی اور ابھی بھی خاندان میں یا کہیں بہت اچھی جگہ پر کوئی محفل میلاد ہو تو میں اور میری مما ہی نعت خوانی کرتے ہیں۔ کیونکہ میری مما بہت اچھی نعت خواں ہیں۔"

★ "آپ نے بتایا کہ آپ لاہور میں پیدا ہوئیں تو لاہور سے کراچی شفٹ ہونے کی کوئی خاص وجہ تھی؟"

* "لاہور میں میرا ددھیال ہے اور کراچی میں میرا ننھیال ہے تو دونوں شہر میرے ہیں۔ کراچی تو آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ پھر جب یہاں کام شروع کیا تو زیادہ کام ہونے کی وجہ سے یہاں ہی شفٹ ہو گئے اور کراچی میں چونکہ آنا جانا رہتا تھا تو یہ میرے لیے کوئی نیا شہر نہیں ہے اس لیے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔"

★ "شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟"

* "بس جی..... ایسے ہی ہمیشہ کی طرح کراچی آئی ہوئی تھی کہ ایک دن دل چاہا کہ کہیں اداکاری کے لیے آڈیشن دیا جائے۔ کیونکہ اداکاری کا شوق تو مجھے ہمیشہ سے تھا اور میں نا صرف آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بلکہ دوسروں کے سامنے بھی دوسروں کی نقلیں اتارا کرتی تھی۔ تو بس ایک دن دل چاہا تو یہ پروڈکشن ہاؤس چلی گئی بلکہ مجھے یاد آ رہا ہے کہ شاید میرے خالو نے بتایا تھا کہ _______ نئے چہروں کے لیے آڈیشن ہو رہے ہیں۔ خیر میں گئی اور آڈیشن کے لیے کہا اور ابھی میں نے بات ہی کی تھی کہ انہوں نے کہا کہ "اوکے" اور مجھ سے کوئی اسکرپٹ بھی نہیں پڑھوایا۔ اور ان کا ایک سوپ بن رہا تھا "محمود آباد کی ملکائیں" اس میں مجھے بک کر لیا گیا اور یوں میرے کیریئر کا یہ پہلا سوپ تھا اور اس نے مجھے شناخت دی اور اس کے بعد مجھے مزید کام کی آفرز آنا شروع ہو گئیں۔"

★ "گھر والے ناراض تو نہیں ہوئے؟"

* "نہیں نہیں بالکل بھی نہیں..... انہی کی اجازت سے تو میں آڈیشن دینے آئی تھی اور پھر انسان خود اپنے آپ کو منواتا ہے تو میرے گھر والے بہت خوش ہوئے اور یہ جو میں کہہ رہی ہوں کہ انسان اپنے آپ کو خود منواتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی روایات کو لے کر چلنا چاہیے۔ ہر فیلڈ بری بھی ہوتی ہے اور اچھی بھی اور اگر ہر کوئی برا ہو تو پھر یہ دنیا تو فنا ہی ہو جائے۔ اگر اپنی حدود میں رہ کر کام کریں گے تو میرا خیال ہے کہ ہم کبھی نقصان نہیں اٹھائیں گے۔"

★ "ابھی تو آپ بہت چھوٹی ہیں اور دنیا میں رہنے کا کچھ تجربہ بھی نہیں ہے تو شوٹ کے وقت آپ اکیلی ہوتی ہیں یا کوئی ساتھ ہوتا ہے؟"

* "میری مما ہر جگہ میرے ساتھ ہوتی ہیں اور ہر معاملے میں وہ ہی مجھے گائیڈ کرتی ہیں..... اور میرا فون بھی زیادہ تر میری مما کے پاس ہوتا ہے اور اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہر دن کہیں نہ کہیں سے مجھے کام کے لیے فون آ رہا ہوتا ہے۔"

★ "مگر ہر کام قابل قبول تو نہیں ہوتا ہو گا؟"

* "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں ہر کام پہ "اوکے" نہیں کرتی میں جن کے ساتھ کام کر رہی ہوں وہ بہترین "پروڈکشن ہاؤسز" ہیں تو جب میرے ساتھ بہترین لوگ ہیں تو مجھے کہیں اور جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

★ "اس فیلڈ میں اچھا خاصا پیسہ ہے۔ کیسے خرچ کرتی ہیں؟"

* "میرا سارا حساب کتاب میری مما ہی رکھتی ہیں۔ جو چیک مجھے ملتا ہے میں اپنی مما کو دے دیتی ہوں۔ ویسے میں نے کچھ ہی عرصہ پہلے اپنی کمائی سے اپنے لیے لیپ ٹاپ خریدا ہے۔"

★ "آپ بتا رہی تھیں کہ "میڈیا" کے بارے میں ہی پڑھنے کا ارادہ ہے۔ تو اداکاری کے علاوہ میڈیا کی کون

سی لائن پسند ہے؟"

* "اداکاری تو ان شاء اللہ جاری رہے گی ہی لیکن ساتھ ہی میرا ارادہ ہے کہ میں ڈائریکشن کے بارے میں پڑھوں اور پھر ڈائریکشن کی طرف آؤں۔"

★ "ڈراموں میں فنکار کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے کیا؟ اور نگیٹو رول کیے؟"

* "بالکل ہوتا ہے..... اگر آپ پوزیٹو ہیں تو یہ چیز آپ کی اداکاری کو خود بخود خوب صورت بنا دے گی اور یہ بات میں نے آزمائی ہے..... اور نگیٹو رول کیا ہے میں نے۔ ڈرامہ سیریل "میرے قاتل میرے دلدار" میں اور لوگوں نے مجھے اس رول میں بڑی حیرانی کے ساتھ دیکھا تھا کہ ایک بھولی بھالی لڑکی اس طرح بھی کر سکتی ہے۔ تو مجھے اس فیلڈ میں آ کر یہی اندازہ ہوا ہے کہ چیلنجنگ رول کرنے میں جو مزا ہے وہ سیدھے سادے میں نہیں ہے مجھے یاد ہے کہ ایک فلم میں فلم اسٹار رانی نے اندھی لڑکی کا رول کیا تھا۔ میں بھی ویسا رول کرنا چاہتی ہوں۔ شروع شروع میں معصوم رول کیے جیسے "مستانہ ماہی" میں کیا تھا مگر اب دل چاہتا ہے ایسے رول کروں جس میں پرفارمنس ہو..... مجھے ایسے رول نہیں کرنے کہ جس میں خوب صورت لگوں یا معصوم۔ میں کریکٹر رول کرنا چاہتی ہوں کیونکہ اس کا اپنا ہی مزا ہے۔ "محبت بھاڑ میں جائے" میں بالکل الگ انداز میں نظر آؤں گی۔"

★ "محبت بھاڑ میں جائے" کس کی تحریر ہے؟"

* "اسے فصیح باری خان نے لکھا ہے اور اس میں نا صرف بہت مختلف بلکہ بہت مشکل کردار ہے میرا اور فصیح باری خان کو تو آپ جانتی ہی ہیں کہ ان کی تحریریں کس طرح کی ہوتی ہیں اور عورتوں کو تو انہوں نے عورتوں سے بھی زیادہ سمجھا ہوا ہے۔ عورت بھی اپنے آپ کو اتنا ہی جانتی جتنا وہ عورت کو جانتے ہیں۔ کافی بولڈ کریکٹر ہے میرا اور بہت انجوائے کر رہی ہوں اس کردار کو کر کے۔"

★ "عموماً" ڈراموں میں رونے والے ہی کردار ہوتے ہیں۔ گلسرین لگاتی ہیں؟ "محمود آباد کی ملکائیں" کیوں چھوڑا تھا؟"

* "رونے دھونے کے سین کے لیے گلسرین لگاتی

ہوں لیکن کبھی کبھی کوئی سین ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بخود رونا آجاتا ہے اور "محمود آباد کی ملکائیں" جب آن ایئر ہوا تو سب سے زیادہ میرے کام کو پسند کیا گیا اور میری اتنی تعریف ہوئی کہ میں بتا نہیں سکتی اور اس سوپ کو میں نے خود چھوڑا کیونکہ میں کہتی ہوں کہ ایک چیز اپنی حد میں ہی اچھی لگتی ہے اور اس کو وہاں ہی ختم کر دینا چاہیے جہاں اس کا عروج ہو' بجائے اس کے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ لوگ بے زار ہو جائیں۔ تو میں نے یہ سوچ کر چھوڑا اور میں سمجھتی ہوں کہ میں نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اب دیکھ رہی ہیں اس کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ اب کہانی کہیں سے کہیں چلی گئی ہے۔ اگر میں بھی اس میں ہوتی تو لوگ مجھے گالیاں ہی دے رہے ہوتے۔ اب مجھے سب کہتے ہیں کہ "بہت اچھا کیا بڑے وقت پہ چھوڑ دیا تم نے۔"

★ "پہلا سیریل تھا اور اس میں نا صرف آپ کی اداکاری عمدہ تھی بلکہ آپ خوب صورت بھی بہت نظر آئیں۔ اپنا آپ دیکھ کر کیسا لگا تھا؟"

* "بہت اچھا لگا تھا اپنے آپ کو دیکھ کر..... اور میں اپنے اللہ تعالیٰ کی بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنا اچھا بنایا۔ مجھے اپنے آپ سے بہت پیار ہے میں جب جسمانی طور پر معذور اور واجبی سی شکل کے لوگ دیکھتی ہوں تو اللہ کا بہت شکر ادا کرتی ہوں۔ اور کبھی میں گھر میں تھوڑے نخرے دکھاؤں تو سب یہی کہتے ہیں کہ بیٹا غرور مت کرنا تو غرور نہیں ہے مجھ میں لیکن بحیثیت ایک لڑکی کے تھوڑا فخر ضرور ہے۔"

★ "ایک دم سے اتنی شہرت ملی تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے؟"

* "ڈر تو لگتا ہے۔ کیونکہ شہرت حاصل کرنا تو آسان ہے لیکن شہرت کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ بس اللہ سے یہی دعا ہے کہ کبھی غرور تکبر نہ آئے مجھ میں۔ کیونکہ غرور تکبر ہی اصل میں زوال ہوتا ہے۔"

★ "ماڈلنگ کی آپ نے؟"

* "بہت کم کی ہے..... برائیڈل شوز وغیرہ میں ماڈلنگ کر لیتی ہوں مگر دیگر ماڈلنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے فی الحال۔ آگے کے لیے کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

★ "فلم میں جائیں گی؟"

* "ایک فلم کی ہے میں نے..... عاصم رضا کی جس میں فواد اور نادیہ جمیل ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ ٹیلی فلم ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ فلم ہے اور اس میں میرا لیڈ رول ہے۔"

★ "اپنے ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

* "جی میں اپنے ڈرامے دیکھتی ہوں۔ اس لیے نہیں کہ مجھے اپنے آپ کو دیکھنا ہوتا ہے بلکہ اس لیے دیکھتی ہوں کہ مجھے اندازہ ہو جائے کہ میں نے کیسا کام کیا ہے اور میں مزید کتنا اچھا کر سکتی تھی۔"

★ "پرانے زمانے کے ڈرامے دیکھے جیسے "حسینہ معین" کے اور "بجیا" کے؟"

* "جی میں ڈرامہ سیریل "تنہائیاں" کے کچھ کلپس دیکھے تھے تو مجھے بہت مزا آیا تھا اور معین اختر (مرحوم) کی تو میں بہت بڑی فین ہوں اور ان کا ڈرامہ "روزی" تو میں نے بہت ہی شوق سے دیکھا تھا۔ مجھے ان کی اداکاری بہت ہی اچھی لگی تھی اور میں نے کئی بار ان کا یہ ڈرامہ دیکھا ہے۔"

★ "اس فیلڈ کی سیاست سے ڈر لگتا ہے؟"

* "کچھ کچھ..... مگر میری مما میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ اس لیے کوئی فکر کی بات نہیں اور ویسے بھی میں اپنے آپ کو کام میں ہی مصروف رکھتی ہوں۔ ان شاء اللہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

✡ ✡

دو کا پہاڑہ

دانش فاروقی

شاہین رشید

1 "خاندان کی دو شخصیات جو آپ کو بہت چاہتی ہیں؟"

○ "میری بیوی اور میری بیٹی۔ دونوں مجھے بہت چاہتی ہیں۔"

2 "کوئی دو نام جو آپ کو بہت پسند ہیں؟"

○ "ایسا تو کبھی نہیں سوچا۔ مجھے تو اپنا ہی نام بہت پسند ہے۔"

3 "دو باتیں جو آپ کو دوسروں میں ممتاز کرتی ہیں؟"

○ "یہ سوال تو آپ کو دوسروں سے پوچھنا چاہیے میں اپنے بارے میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ ویسے شاید میں صاف گو ہوں جو کہ دوسرے نہیں ہوتے اور میری ظرافت جو لوگوں کو بہت پسند ہے۔"

4 "دو تاریخی ادوار جس میں آپ جانا چاہتے ہیں؟"

○ "اگر میں قیام پاکستان کے وقت ہوتا تو مجھے اچھا لگتا پاکستان کو اپنے سامنے بنتے ہوئے دیکھتا اور 1857ء کی جنگ آزادی میں ہوتا تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔"

5 "کن دو افراد کے SMS کے جواب آپ فوراً دیتے ہیں؟"

○ "اپنی بیوی کو دیتا ہوں۔ خواہ خوشی سے دوں یا ڈر کے دوں اور میرے کام سے متعلق کسی کا ایس ایم ایس آئے تو فوراً دیتا ہوں۔"

6 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتے ہیں؟"

○ "سگریٹ نوشی کی عادت سے نجات چاہتا ہوں اور کوئی ایسی بری عادت نہیں ہے۔"

7 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتے ہیں؟"

○ "آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں اور جھوٹی تعریف ہی کرتا ہوں... کہ پرفارمنس اچھی تھی۔"

8 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آجاتا ہے؟"

○ "اگر کوئی کہے کہ آپ وقت کے پابند نہیں ہیں۔ جبکہ میں وقت کی پابندی کرتا ہوں اور یہ کہ آپ اپنے کام سے committed نہیں ہے۔ جبکہ ایسا بھی نہیں ہے۔"

9 "کن دو باتوں سے آپ کا دل ٹوٹ جاتا ہے؟"

○ "کوئی میرے اعتبار کو توڑے اور میرے قریبی لوگ مجھ سے جھوٹ بولیں یا مجھ سے غلط بیانی کریں تو۔"

10 "مارننگ شو کے دو بہترین اینکر آپ کی نظر میں؟"

○ "صرف مارننگ شو کے نہ پوچھیں بلکہ عام طور پر جو شوز ہوتے ہیں اگر ان کی بات کریں تو مجھے عمر شریف صاحب اور غزل سلام بہت پسند ہیں۔"

11 "دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

○ "ایک دوست "میزان" اور "ٹیکا" جس کا پورا نام رفیق احمد ہے۔"

12 "دو مشہور شخصیات جن کے ساتھ آپ دنیا گھومنا چاہتے ہیں؟"

○ "نہیں نہیں۔ کسی کے ساتھ نہیں سوائے اپنی بیگم اور بیٹی کے وہی میرے لیے مشہور بھی ہیں اور اچھی بھی ہیں۔"

13 "دنیا کی دو اہم شخصیات جن کی قسمت پر آپ کو رشک آتا ہے؟"

○ "کوئی ایسی خاص نہیں ہیں۔ بہت سی ہیں۔ جیسے شعیب ملک کی شادی ثانیہ مرزا سے ہوگئی ان کی قسمت پہ رشک آتا ہے اور دوسری شخصیت علی ظفر ہیں جنہوں نے فلم انڈسٹری میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔"

14 "دو تہوار جو آپ اہتمام سے مناتے ہیں؟"

○ "تہوار تو سارے ہی اہتمام سے مناتا ہوں لیکن عید اور محرم الحرام بھی اہتمام سے مناتا ہوں۔ ان میں تقدس بہت ہے۔"

15 "دن کے چار پہر میں سے کوئی سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

○ "شام کا پہر اور بہت صبح کا وقت جب سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔"

16 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازی بولتے ہیں؟"

○ "آپ کیسے ہیں؟ اور خیریت سے ہیں۔"

17 "دو کھانے جنہیں کھا کر کبھی بور نہیں ہوتے؟"

○ "ران بریانی اور دال گوشت جو کہ بچپن سے کھایا کرتا تھا آج بھی اچھا پکا ہوا ہو تو اسے چھوڑ نہیں سکتا۔"

18 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی؟"

○ "اپنی ماں سے اور اگر میری غلطی ہو چاہے کسی کے ساتھ بھی تو معافی مانگ لیتا ہوں۔"

19 "دو پسندیدہ کھلاڑی جن کی وجہ سے کرکٹ میچ دیکھتے ہیں؟"

○ "بہت سارے ہیں۔ لیکن ہمیشہ سے مجھے برائن لارا کی کرکٹ بہت پسند ہے اور سچن ٹنڈولکر بھی بہت پسند ہے۔ محمد حفیظ اور شاہد آفریدی بھی اچھے لگتے ہیں۔ کرکٹرز تو بے شمار ہیں۔"

20 "دو خواہشات جو ابھی تک پوری نہیں ہوتیں؟"

○ "ویسے تو اللہ نے سب خواہشات پوری کی ہیں لیکن فن کے حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ میں ملک سے باہر بھی کام کروں۔ "بالی ووڈ" اور "ہالی ووڈ" کے لیے کام کرنے کی خواہش ہے۔"

21 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتے؟"

○ "نظر کا چشمہ، والٹ اور موبائل۔"

22 "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں؟"

○ "یہ میں نہیں بتا سکتا۔ یہ تو دوسرے ہی بتا سکتے ہیں۔"

23 "شوبز میں جگہ بنانے کے دو گر؟"

○ "میرا خیال ہے کہ لوگوں کے درمیان ویسے ہی ہو جائیں جیسا ماحول ہے اور اگر آپ ہنس مکھ ہیں اور دوسروں کو خوش کرنے کا فن جانتے ہیں تو بہت جلدی جگہ بنا سکتے ہیں۔"

24 "سات دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

○ "پیر کا دن کہ نئے ہفتے کا آغاز ہوتا ہے اور ہفتہ کا دن کہ ویک اینڈ شروع ہو رہا ہوتا ہے۔"

25 "بارہ مہینوں میں سے کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

○ "اپریل کا مہینہ کہ اس میں میری بھی سالگرہ ہوتی ہے۔ میری شادی کی سالگرہ بھی ہوتی ہے اور ستمبر کا مہینہ کہ اس میں میری بیٹی کی سالگرہ ہوتی ہے۔"

26 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

○ "اپنا بیڈ روم اور گھر کی چھت۔"

27 "گھر کے دو کام جن کو نہ کرنے پر بیگم سے ڈانٹ پڑتی ہے؟"

○ قہقہہ "اکثر و بیشتر بہت سے کام نہ کرنے پر بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔"

28 "دو ایسی شخصیات جن پر آپ کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے؟"

○ "وہی دو دوست جن کا میں نے ذکر کیا ہے اوپر کے

سوال پر۔"

29 "دو سیاست دان جو ملک کے لیے بوجھ ہیں؟"

○ "بہت سارے ہیں۔ کس کس کا نام لیں۔"

30 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

○ "چین اور بنگلہ دیش۔"

31 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

○ "بلیو اور وائیٹ۔"

32 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

○ "کراچی اور لاہور۔"

33 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو کیا دو چیزیں لینا چاہیں گے؟"

○ "نہیں جی..... میں بھی سب کے ساتھ سونا پسند کروں گا۔"

34 "کن دو تاریخی شخصیات سے ملنے کی خواہش ہے؟"

○ "یونائیٹڈ نیشن کے صدر بان کی مون سے ملنا چاہتا ہوں اور موجودہ کوئی بھی امریکی صدر۔"

35 "لڑکیوں کے لیے کوئی دو نصیحتیں؟"

○ "خیالوں میں نہ رہا کریں حقیقت میں زندہ رہنے کی کوشش کریں اور جذباتیت سے پرہیز کریں اور حقیقت پسندی کو اپنائیں۔"

36 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

○ "سردی کا بہت پسند ہے اور خزاں کا جو سردی کے قریب ہوتا ہے۔"

37 "لڑکیوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

○ "لڑکیاں مجھے ساری اچھی لگتی ہیں تو ناپسندیدہ عادتیں بھی پسندیدہ ہو جاتی ہیں۔"

38 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام سب سے پہلے کرتے ہیں؟"

○ "چائے پیتا ہوں اور پھر ایکسر سائز کرتا ہوں۔"

39 "دو خواتین جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"

○ "میری ماں اور میری بیوی۔"

40 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

○ "شوبز اور ٹیچنگ۔"

41 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں؟"

○ "ذوالفقار علی بھٹو تھے اور بے نظیر بھٹو۔"

42 "دو چیزیں جن پر آپ بہت خرچ کرتے ہیں؟"

○ "چیزیں تو نہیں بلکہ میں تو اپنی بیگم اور بیٹی پر بہت خرچ کرتا ہوں۔"

43 "اپنے دو ڈرامے جو بھول نہیں سکتے؟"

○ "بہت سے ڈرامے ہیں جن کو بھولتا نہیں ہوں۔ پھر بھی ایک ڈرامہ ہے "گلو استاد" اس میں مجھے ایوارڈ ملا تھا اور "رام چند پاکستانی" اس میں بھی مجھے ایوارڈ ملا تھا۔"

44 "دو کردار جو آپ کرنا چاہتے ہیں؟"

○ "کرنا تو میں 5 کروڑ کردار کرنا چاہتا ہوں..... لیکن ایسا نہیں سوچا کہ یہ کرلوں یا وہ کرلوں۔ جو کردار ملتا ہے اس پر محنت کرتا ہوں۔"

45 "دو قیمتی چیزیں جو آپ خریدنا چاہتے ہیں؟"

○ "کار جو کہ باوجود کوشش کے نہیں خرید سکا اور گھر خریدنا چاہتا ہوں وہ بھی نہیں خرید پایا۔"

46 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے؟"

○ "نہیں ایسا کوئی فیصلہ نہیں ہے۔"

47 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سی دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتے ہیں؟"

○ "ایک وقت کی بھی نہیں پڑھتا۔"

48 "بیرون ملک شاپنگ میں کیا دو چیزیں لازمی خریدتے ہیں؟"

○ "بچوں اور بیگم کے لیے کپڑے اور دیگر چیزیں۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔" قہقہہ۔

49 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

○ "بیوی اور ماں کے غصے سے۔"

50 "کن دو لوگوں کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتے؟"

○ "میں کسی کی بھی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتا۔"

51 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر نہیں رہ سکتے؟"

○ "مشروبات کے بغیر تو رہ سکتے ہیں البتہ پانی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

52 "دھنک کے سات رنگوں میں سے کون سے دو رنگ پسند ہیں؟"

○ "دھنک کے 50 رنگ ہوتے تو وہ بھی بہت پسند ہوتے۔"

53 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتے ہیں؟"

○ "میں شادی کی رسمیں انجوائے نہیں کرتا۔"

54 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

○ "جھوٹ بولے یا مجھے بہکانے کی کوشش کرے تب۔"

55 "افسردگی میں کن دو لوگوں کے ساتھ دکھ بانٹنا اچھا لگتا ہے؟"

○ "وہی دو دوست میزان اور ٹریکا۔"

56 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں؟"

○ "صاف ستھرا اور فیشن کے مطابق ہو۔"

57 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتے ہیں؟"

○ "بیگم اور بیٹی ان کے سوا زندگی میں کوئی نہیں ہے۔"

58 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

○ "بچھو سے بہت ڈر لگتا ہے اور چھپکلی سے۔"

59 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتے ہیں؟"

○ "جہاں کھانا اچھا مل جائے وہیں مزا آجاتا ہے۔"

60 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا پسند کرتے ہیں؟"

○ "شاپنگ کا شعبہ میرا نہیں ہے۔ مجھے پکڑ کر لے جایا جاتا ہے اور جہاں لے جاتے ہیں وہاں سے شاپنگ کر لیتے ہیں۔"

61 "دو چینل جو آپ شوق سے دیکھتے ہیں؟"

○ "سارے ہی شوق سے دیکھتا ہوں لیکن ہم اور جیو زیادہ شوق سے دیکھتا ہوں۔"

62 "دو تبدیلیاں جو اپنی شخصیت میں لانا چاہتے ہیں؟"

○ "میرا دل چاہتا ہے کہ میرا جسم متناسب ہو بے ڈول نہ ہو۔"

63 "دو چیزیں جو آپ کے والٹ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

○ "شناختی کارڈ اور اے ٹی ایم کارڈ۔"

64 "کھانے کی ٹیبل پہ کون سی دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

○ "کھانے کا اتنا کریز نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا ہوں تو بھوک کے وقت جو بھی مل جاتا ہے کھا لیتا ہوں۔"

65 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گے اور تاوان میں کیا وصول کریں گے؟"

○ قہقہہ۔۔۔ "کرمنل نہیں ہوں۔ اس لیے ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔"

☆ ☆

میرا پہلا روزہ

شاہین رشید

زندگی میں کیا گیا پہلا کام انسان کو ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ خواہ وہ کام جوانی میں ہو' لڑکپن میں ——— بچپن میں یا انتہائی کم عمری میں ہو اور جو کام اللہ تعالیٰ اور ماں باپ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے وہ تو ہمیشہ یاد رہتا ہے اور آج ہم مسلمانوں میں نماز روزے کی جو عادت ہے وہ ہمارے والدین کی بہترین تربیت کا نتیجہ ہے..... اس لیے ہمیں اپنی زندگی کا پہلا روزہ آج تک یاد ہے ..... عید سروے میں ہم نے اس مرتبہ شوبز کی مصروف شخصیات سے ان کے پہلے روزے کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے پہلا روزہ کس عمر میں رکھا تھا اور کیا اہتمام ہوا تھا۔

فاطمہ آفندی

☆ مجھے یاد ہے میں نے پہلا روزہ سات سال کی عمر میں رکھا تھا اور پہلا روزہ میں نے گھر والوں سے ضد کر

کے رکھا تھا۔ کیونکہ سب کہتے تھے کہ تم ابھی چھوٹی ہو اس لیے ابھی روزہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر جب میں سب کو روزے میں اور پھر افطار و سحر میں اہتمام کرتے دیکھتی تھی تو مجھے بہت اچھا لگتا تھا..... میرے پہلے روزہ پر گھر والوں نے بہت اہتمام کیا تھا اور خاندان کے لوگوں کو مدعو کیا تھا جو میرے لیے گفٹ لے کر آئے تھے اور میں آج بھی پورے روزے رکھتی ہوں عبادت کرتی ہوں۔ اور جس طرح پہلے روزہ میں excited تھی آج بھی اسی طرح excited ہوتی ہوں اور سحر و افطار کو انجوائے کرتی ہوں۔

عاصم بشیر FM-101

☆ پہلا روزہ میں نے نو سال کی عمر میں رکھا اور باقاعدہ روزہ کشائی ہوئی تھی اور بہت اہتمام ہوا تھا بہت گفٹس ملے تھے۔ پیسے بھی ملے تھے اور سب نے مجھے پھولوں کے ہار پہنائے تھے جن کو پہن کر میں بہت خوشی محسوس کر رہا تھا..... اور یہ میری زندگی کی پہلی تقریب تھی اور واحد بھی کہ جس میں میرے والد

مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس لیے زندگی میں آنے والی ہر خوشی میں ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

کنور ارسلان

☆ جی بالکل یاد ہے مجھے' میں نے پہلا روزہ سات سال کی عمر میں رکھا تھا اور بہت اہتمام ہوا تھا۔ سحری میں بھی کسی کو اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی میں خود ہی اٹھ گیا تھا اس خوشی کے ساتھ کہ آج میں نے روزہ رکھنا ہے۔ شام کو افطار میں بہت اہتمام ہوا تھا اور کافی سارے گفٹس ملے تھے اور کھانے پینے سے زیادہ مجھے گفٹ کی ——— خوشی تھی اور سچ بتاؤں پہلا روزہ بھی اسی خوشی میں رکھا تھا کہ شام کو تحفے ملیں گے۔ روزہ رکھ کر سارا دن پوچھتا رہا کہ افطاری میں کتنا وقت رہ گیا ہے۔ بچپن میں روزہ رکھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھر آپ کو روزہ رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے اور گھر کا جو ماحول ہوتا ہے بچوں کے اندر وہی آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں پورے روزے رکھتا ہوں عبادت کے ساتھ اور پھر عید بھی بہت اہتمام سے مناتا ہوں۔

طاہر کاظمی

☆ پہلا روزہ تیرہ سال کی عمر میں رکھا تھا..... سحری تو اتنے اہتمام سے نہیں ہوئی تھی لیکن افطار میں بہت اہتمام ہوا تھا۔ روزہ گزرنے کا بالکل پتا نہیں چلا تھا کیونکہ سردیاں تھیں اور روزہ کافی چھوٹا تھا۔ میری روزہ کشائی میں کافی رشتے دار آئے تھے۔ تحفے لائے تھے یا نہیں۔ یہ یاد نہیں ہے۔ ہاں افطار کا وقت یاد ہے کیونکہ بھوک بہت نہیں لگی مگر پیاس بہت لگی تھی۔ حالانکہ سردیاں تھیں لیکن مزا بہت آیا تھا۔

عدنان شاہ ٹیپو

☆ پہلا روزہ..... شاید آٹھ یا نو سال کا تھا جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا اور فیصل آباد کی سخت گرمی میں رکھا تھا۔ اب سوچیں کہ میرا کیا حشر ہوا ہو گا۔ میرے پہلے روزہ سے میری والدہ بہت خوش تھیں اور وہ خوش

تھیں اس بات پر کہ میرے بیٹے نے روزہ رکھا ہے کافی لوگ آئے تھے میری روزہ کشائی میں اور میرے لیے تحفے تحائف بھی لے کر آئے تھے۔ اب بھی روزے رکھتا ہوں اور عید بھی اہتمام سے مناتا ہوں۔

عمیر لغاری

☆ میں نے پہلا روزہ سات سال کی عمر میں رکھا تھا اور میرے لیے سحر اور افطار دونوں میں بہت اہتمام ہوا تھا۔ سحری میں میں نے اپنی پسند کا قیمہ پکوایا تھا اور افطاری میں آلو کے پکوڑے' فروٹ چاٹ اور بہت سارا شربت فرمائش کر کے بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی

امی نے بہت ساری چیزیں بنائی تھیں اور اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ کم عمری میں روزہ رکھا تھا اس لیے گھر والوں نے ناز بھی بہت اٹھائے تھے اور خاندان کے تقریباً" سارے ہی رشتے داروں کو بلایا تھا۔ خاصی بڑی روزہ کشائی ہو گئی تھی اور جب اتنے سارے لوگ مدعو ہوں اور وہ خالی ہاتھ آئیں یہ کیسے ممکن ہے تو جناب گفٹس بھی ملے اور دعائیں بھی' عید بھی اہتمام سے منائی تھی اور آج بھی عید اہتمام سے مناتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں۔

جگن کاظم

☆ مجھے تو اپنا پہلا روزہ بہت اچھی طرح یاد ہے۔

کیونکہ میں نے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر رکھا تھا۔ میرے گھر والے راضی نہیں تھے اس بات پر کہ میں روزہ رکھوں شاید میں دس یا گیارہ سال کی تھی کہ میں نے روزہ رکھا اور سارا دن گھر والوں کی ڈانٹ کھائی۔ افطار میں بھی مزا نہیں آیا۔ گھر والوں کو روزہ رکھنے کی اتنی پختہ عادت نہیں ہے۔ لیکن مجھے روزہ رکھنے میں مزا آتا ہے۔ عبادت کرنے میں سکون ملتا ہے اس لیے میں روزے ضرور رکھتی ہوں اور ہر دن انجوائے کرتی ہوں۔

ریحان اسدی FM-101

☆ جی میں بارہ سال کا تھا جب میں نے پہلا روزہ رکھا تھا۔ امی نے جب سحری ۔۔۔ کے لیے اٹھایا تو میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی اور اس نیند میں میری امی نے زبردستی مجھے کھلایا پلایا۔ سحری میں بھی انہوں نے میری پسند کی چیزیں پکائی ہوئی تھیں۔ سارا دن لاڈ اٹھوانے میں گزر گیا کہ بیٹے نے روزہ رکھا ہے۔ شام کو افطار کے وقت کافی لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ خاصا اہتمام کیا گیا تھا' زبردست قسم کی افطاری بنی تھی۔ جو لوگ آئے وہ پھولوں کے ہار لے کر بھی آئے تھے اور مجھے اسی وقت بہت اچھا لگ رہا تھا کہ آج میرے روزہ رکھنے سے سب لوگ کتنے خوش ہیں۔۔۔ لوگ تحفے بھی لے کر آئے تھے زیادہ تر لوگوں نے پیسے دیے تھے۔ میرے روزے کا زیادہ وقت پلے لینڈ میں گزر تا تھا ۔۔۔ شاید اس لیے روزے نے پریشان بھی نہیں کیا اور وقت اچھا گزر گیا۔

آغا فیضان FM-101

☆ میں نے پہلا روزہ گیارہ سال کی عمر میں رکھا۔ سحر اور افطار کا بہت زیادہ اہتمام ہوا تھا اور رشتے داروں کی ایک بڑی تعداد نے افطاری میں شرکت کی تھی۔ افطار کے ساتھ ساتھ ڈنر کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ گفٹ میں زیادہ تر شلوار قمیص اور پیسے ملے تھے ۔۔۔ اور دلچسپ بات بتاؤں کہ میری روزہ کشائی کا فیصلہ اچانک ہوا تھا اور میں خود حیران تھا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ اچانک ہی سب کی مبارک بادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور گھر والوں نے اس دن میرا بہت زیادہ خیال رکھا اور مجھ پر گہری نظر رکھی کہ کہیں میں ادھر ادھر جا کر کچھ کھا پی نہ لوں۔ دن بہت اچھا گزرا اور لوگوں کی اپنے ساتھ یہ محبت دیکھ کر بہت خوشی بھی ہوئی۔ اب بھی سوچتا ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے۔

عروج ناز FM-101

☆ پہلا روزہ دس سال کی عمر میں رکھا تھا اور آپ یقین کریں کہ سحری میں بھی بہت اہتمام ہوا تھا جبکہ ہوتا" لوگ سحری میں اہتمام نہیں کرتے۔ مگر میرے لیے بہت اہتمام ہوا تھا۔ سحری میں وہی' کھجلا پھینی کھائی تھی تاکہ دن میں پیاس نہ لگے اور کھانے میں پراٹھا اور چکن کا سالن کھایا تھا ۔۔۔ افطاری میں بہت مہمانوں کو بلایا گیا تھا اور اچھی خاصی پر تکلف افطاری تھی۔ آنے والوں میں کوئی خالی ہاتھ نہیں آیا تھا' سب ہی گفٹ لے کر آئے تھے اور بہت مزا آیا تھا اور ہاں آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ سردی کے دنوں میں میری روزہ کشائی ہوئی تھی۔ صبح چھ بجے روزہ بند ہوا تھا اور شام چھ بجے افطار۔ ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ رمضان المبارک کے پہلے جمعہ کو روزہ کشائی ہوئی تھی تاکہ میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھ سکوں ۔۔۔ ورنہ عموماً" لوگ جمعۃ الوداع کو اپنے بچوں کی روزہ کشائی کرواتے ہیں۔

صائمہ قریشی

☆ بہت چھوٹی عمر میں روزہ رکھا تھا۔ یہی کوئی

سات سال کی عمر میں اور اس میں بہت اہتمام کیا تھا۔ سحری تو سادگی کے ساتھ نیند بھری آنکھوں میں کرلی تھی مگر افطار کے وقت بہت اہتمام ہوا تھا اور بہت لوگوں کو امی نے بلایا تھا بہت بڑی روزہ کشائی تھی میری ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کسی کی شادی ہو رہی ہو اور جب اتنے سارے لوگ آئیں گے تو اتنے ہی سارے گفٹس بھی ملیں گے۔ تو جناب بے شمار گفٹس ملے تھے۔ جنہیں کھولنے میں بھی خاصا ٹائم لگ گیا تھا۔

ابن آس (رائٹر)

☆ جی۔۔۔ میں نے پہلا روزہ سات سال کی عمر میں رکھا اور اسی دن میری آمین بھی ہوئی تھی یعنی قرآن پاک مکمل کیا تھا میں نے۔ ہم لوگ مالی طور پر بہت غریب تھے اس لیے کسی تقریب کا یا اہتمام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور جب کوئی تقریب نہیں تو گفٹ کون لاتا میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے میرا پہلا روزہ ہی بہت بڑا گفٹ تھا۔ امی ابو کی محبت اور چھوٹی بہنوں کا پیار اور جوش و خروش یہ سب چیزیں میرے لیے اہم تھیں۔ یہ اسی طرح کا پہلا روزہ اور پہلی افطار تھی جس طرح پاکستان کے لاکھوں غریب بچوں کی ہوتی ہے۔

خاص بات یہ تھی کہ دن میں کئی بار پانی پینے کو دل چاہا، مگر ہمت نہیں ہوئی جیسے اس دن کے بعد سے آج تک روزہ چھوڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ حالانکہ میں دل کا مریض ہوں اور ڈاکٹر نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے مگر پہلے روزہ کی لذت اور سرور ایسا ہے کہ آج وہی لذت اور سرور محسوس ہوتا ہے۔ ایک اور اہم بات بتانا چاہوں گا، میری امی مجھے روزہ نہیں رکھنے دیتی تھیں کہ میں ابھی بہت چھوٹا ہوں۔ مگر میں نے ضد کر کے روزہ رکھا اور اسی رمضان میں یعنی سات سال کی عمر میں "روزے کی خوشبو" کے عنوان سے ایک کہانی لکھی اور جب یہ کہانی ماہانہ "ساتھی" میں شائع ہوئی تو اس کہانی پر مجھے ایوارڈ ملا تھا بہترین کہانی نویس کا۔۔۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ یہ کہانی میں نے اپنی فیلنگز اپنے احساسات کے حوالے سے لکھی تھی۔

فضیلہ قیصر

☆ پہلا روزہ کب رکھا یاد نہیں یقیناً" کم عمری میں ہی رکھا ہو گا اسی لیے یاد نہیں ہے۔ ورنہ بڑی عمر میں رکھا ہوتا تو یاد رہ جاتا اور اہتمام بھی ہوا ہو گا۔ ہمارے ہاں تو ویسے ہی افطار کے وقت امی کے گھر میں بہت اہتمام ہوتا ہے تو پھر بھلا میری روزہ کشائی میں کیوں نہ ہوا ہو گا۔۔۔ سچ بتاؤں مجھے ٹھیک طرح سے یاد ہی نہیں ہے روزہ رکھنے کی عادت بچپن سے ہے۔ جو آج تک چلی آرہی ہے۔

نوشین شاہ

☆ پہلا روزہ رکھا ہو گا یہ کوئی آٹھ نو سال کی عمر میں

سحری تو نارمل ہی ہوئی تھی اور میرے خیال میں سحری تو کوئی اہتمام ہوتا بھی نہیں ہے بس سادا سا کھانا جو عام طور پر ہوتا ہے۔ ہاں البتہ افطاری میں خاصا اہتمام تھا سب ہی گھر میں خوش تھے کہ ان کی لاڈلی بیٹی نے روزہ رکھا ہے دوستوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور خاندان کے لوگوں کو بھی۔۔۔ افطاری کے ساتھ ساتھ رات کے کھانے کا بھی اہتمام تھا اور جب اہتمام ہو تو لوگ خالی ہاتھ نہیں آتے۔ میرے لیے بھی کافی سارے گفٹس آئے تھے۔ مگر اس وقت گفٹ کے بارے میں اتنی زیادہ عقل نہیں تھی۔ جو چیز میرے مطلب کی تھی میں نے رکھ لی باقی امی نے سنبھال لیں۔۔۔ پہلے روزہ کے بعد سے آج تک کوشش کرتی ہوں کہ باقاعدگی کے ساتھ روزے رکھوں۔

شہروز سبزواری

☆ شاید آٹھ سال کی عمر میں۔۔۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بہت لاڈ اٹھوائے ہیں مگر والدین کی بہترین تربیت نے بگڑنے نہیں دیا۔ دین اور دنیا کی ساری باتوں کا درس دیا۔ اس لیے کم عمری میں روزہ رکھا۔ مجھے شوق بھی بہت تھا روزہ رکھنے کا۔ سحری میں بھی اپنی پسند کی چیزیں پکوائی تھیں اور افطاری میں بھی۔ افطاری میں خاصا اہتمام تھا۔ بہت لوگ آئے تھے خاندان سے باہر کے بھی اور خاندان کے بھی۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ دونوں ماموں ماشاء اللہ کتنی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔۔۔ گفٹس بھی بہت اچھے اور قیمتی ملے تھے۔۔۔ نیا ڈریس بھی بنوایا تھا۔ تحفوں میں پیسے، کپڑے اور بہت سی چیزیں ملیں۔۔۔ ہمارے یہاں روزوں کا بہت اہتمام ہوتا ہے۔ بہت جوش و خروش ہوتا ہے اور میری امی اپنے ہاتھوں سے سب کچھ پکاتی ہیں۔

ٹیپو شریف

☆ پہلا روزہ بہت کم عمری میں نہیں رکھا تھا اس لیے یاد ہے۔ شاید آٹھ سال کی عمر میں۔ سحری میں کوئی خاص اہتمام نہیں تھا۔ البتہ افطاری میں اہتمام تھا اور میری پسند کی چیزیں بنی تھیں۔ پھولوں کے ہار بھی پہنائے گئے تھے۔۔۔ کچھ مہمان بھی بلائے گئے تھے۔۔۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ پھر اس دن کے بعد میں مسلسل روزے رکھنے لگا جس سال پہلا روزہ رکھا اس سال دو تین اور پھر چودہ سال کی عمر تک چھوڑ چھوڑ کر روزے رکھے۔ البتہ چودہ سال کے بعد پھر باقاعدگی کے ساتھ روزے رکھنے شروع کیے اور اللہ کا شکر ہے ہر سال پورے روزے رکھتا ہوں۔

☆ ☆

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن، بھائی ہیں، مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے، وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے، جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے بادامتیاز مل جاتا ہے، جو اسے کام کی آفر کرتا ہے، جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے، اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

داور آزر شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے، وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے، اس نے

کبھی ہارنا نہیں سیکھا، اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

۲۳ تیئسویں قسط

اس کی نظریں زری کے چہرے پہ تھیں اور زری پر نزع کا عالم تھا۔
اس کی قوت گویائی سلب کرنے کے لیے یہ احساس ہی کافی تھا کہ... وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا رواں رواں دل آور شاہ کی نظروں کی خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے کھڑے کھڑے اس کا پورا بدن خوشبودار ہو گیا ہو' وہ صندل کی طرح مہکنے لگی تھی۔
لیکن خود اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ایک سیکنڈ سے بھی زیادہ اس کے چہرے کی سمت دیکھ پاتی۔ دل آور شاہ کی آنکھوں کا سامنا کرنا بہت مشکل تھا۔ اس کی دیوار جاں کی طرح اس کی پلکیں بھی لرز رہی تھیں... وہ موم تھی۔ سرتاپا موم' اور دل آور شاہ کی نظروں کی گرمی سے اس کے سامنے کھڑی پگھل رہی تھی۔ یوں ہی قطرہ قطرہ پگھلتے ہوئے شاید اس کی پوری ذات پگھل جاتی۔ اگر درمیان میں نبیل حیات نہ آجاتا۔
"السلام علیکم... !کیسی ہیں آپ؟" نبیل نے قریب آتے ہی سلام کیا تھا۔ جس پہ زری کے ساتھ دل آور شاہ بھی چونک گیا تھا اور اپنے اس طرح چونکنے پہ خود دل آور کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ کیا وہ زری کو اتنی محویت سے دیکھ رہا تھا کہ پل بھر کے لیے سب کچھ فراموش کر بیٹھا تھا؟ یہاں تک کہ عبداللہ اور نبیل کو بھی؟ اف... یہ کیا کر بیٹھا تھا وہ۔

اس نے اپنے آپ کو سرزنش کی تھی اور سر کو بری طرح جھٹکا تھا۔ اس کی ذات پہ دبے پاؤں اک بے اختیاری کا لمحہ آیا تھا۔ سو بیت گیا تھا۔ اب پھر وہ مشتاق تھی اور وہ بے زار۔ اسے تعلق سے لاتعلق ہوتے ہوئے محض چند سیکنڈز لگے تھے۔ زری نے اسے نظریں اور قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ پاس آکے اسے خوشبوؤں میں بسا کے' بنا کچھ کہے واپس مڑ گیا تھا اور اس کا یوں واپس مڑنا زری کی تڑپ اور پیاس کو اور بھی بڑھا گیا تھا۔ وہ بھلا کب سیراب ہو پائی تھی؟ دل آور شاہ صدیوں بھی اس کے سامنے کھڑا رہتا تو اس کی پیاس نہیں بجھ سکتی تھی۔ وہ عشق کا صحرا تھی۔ اتنی جلدی سیراب نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی تشنگی مٹانا آسان نہیں تھا... وہ اس پہ ساون کی طرح ٹوٹ کر برستا تو کوئی بات بھی تھی۔

اور ادھر نبیل حیات تھا... دل کے کشکول میں محبوب کی نظر عنایت کے چند سکے اور فقیر راضی...
زری اگر کبھی یہ نہیں دیکھ پائی تھی کہ نبیل حیات اسے دیکھتا ہے تو نبیل حیات بھی کبھی یہ نہیں دیکھ پاتا تھا کہ وہ کسے دیکھتی ہے۔ دیکھ لیتا تو شاید کشکول اس کے قدموں میں ہی توڑ دیتا۔
"لگتا ہے آپ ذہنی طور پہ ابھی تک انگلینڈ میں ہی ہیں؟" نبیل نے اس کی طرف سے جواب نہ پا کر دلچسپی سے کہا تھا اور زری نے ایک بار پھر چونک کر دیکھا تھا۔
"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں؟" اس کے انداز میں ناسمجھی سی تھی۔
"مطلب کہ نہ سلام کا جواب' نہ خیریت کی تسلی' یہاں ہو کر بھی یہاں نہیں لگ رہیں آپ؟" نبیل نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔ سادگی میں بھی بلا کا وقار تھا۔ نبیل کا دل چاہا وقت ٹھہر جائے اور وہ یوں ہی کھڑا سب سے بے نیاز ہو کر اسے دیکھتا رہے۔
"تو پھر کہاں لگ رہی ہوں آپ کو؟" زری نے بھی جواباً" دلچسپی سے پوچھا تھا۔
"میرے دل میں..." نبیل کا دل چاہا کہہ دے۔ لیکن وقت اور جگہ مناسب نہیں تھے۔
"زری... !" مدحیہ' نگارش اور عبداللہ سے مل کر لپک کے اس کے پاس آئی اور اس سے لپٹ گئی تھی۔
"مدحیہ تم؟" زری اس کے اتنے شوخ اور فریش انداز پہ حیران رہ گئی تھی۔
"ہاں میں... کیوں کیا تمہیں یقین نہیں آرہا؟" مدحیہ شرارت سے مسکرائی تھی۔
"ارے! یقین کیسے آئے؟ کہاں تو تم پاکستان آنے پہ خوش ہی نہیں تھیں اور کہاں پاکستان آ کر اتنی خوش ہو کہ

مسکراہٹ ہی نہیں رک رہی۔" زری نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا جس پہ مدحیہ اور بھی ہنسی تھی۔
"ڈونٹ وری... تم آگئی ہو تو یقین بھی آجائے گا۔" مدحیہ نے مزید شرارت سے اس کا ہاتھ تھپکا تھا اور اس کی اس شرارت پہ نبیل بھی بے ساختہ ہنسا تھا۔
"کیا آپ لوگوں نے یہیں کھڑے رہنا ہے؟" نگارش' دل آور کے پاس سے ہٹ کے ان لوگوں کے پاس آگئی تھی اور دل آور' عبداللہ کے ساتھ اس کے سامان کی طرف بڑھ گیا۔
"ارادہ تو یہی ہے۔" نبیل نے نگارش کی بات پہ کافی دلچسپی سے جواب دیا تھا۔
"لیکن آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ آپ کے گھر کا لان نہیں ہے جہاں آپ کا مزید کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔ یہ پبلک پلیس ہے۔ یہاں کھڑے رہنا کافی معیوب لگتا ہے۔" نگارش کے ٹوکنے پہ نبیل نے حیرت اور خفگی سے دیکھا تھا۔
"او اچھا... تو آپ نے بھی بھابھیوں والے طور طریقے سیکھ لیے ہیں؟" نبیل کے انداز پہ نگارش بے ساختہ ہنسی تھی۔
"ظاہر ہے بھئی! بھابھی ہوں تو بھابھیوں والے طور طریقے بھی تو سیکھوں گی نا؟ یوں بیچ راستے میں کھڑے ہونا بھی کوئی اچھی بات ہے بھلا؟ جس پہ آپ لوگوں کو شاباش دوں؟" نگارش کے لہجے میں مصنوعی خفگی تھی۔
"اف توبہ... آپ تو واقعی بھابھی بن گئی ہیں۔" نبیل نے توبہ توبہ کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے اور نگارش کے ساتھ ساتھ زری اور مدحیہ بھی ہنس پڑی تھیں۔
"نبیل... !" عبداللہ کی آواز پہ نبیل نے فوراً" پلٹ کر دیکھا تھا۔
"چلیں اب... ؟" سامان کلیئر ہو کے باہر آچکا تھا۔ اس لیے اب وہ یہاں سے جانے کے لیے تیار تھا۔
"چلیں بھابھی... آپ کے سرتاج' آپ کے ملک صاحب بلا رہے ہیں۔" نبیل نے نگارش وغیرہ کو چلنے کا اشارہ دیا۔
"ان کے بلانے پہ تو میں کہیں بھی جا سکتی ہوں۔" نگارش بھی اس وقت کافی شرارتی اور فریش موڈ میں تھی۔
"اوہو... بہت خوب۔" نبیل نے بھی جواباً" چھیڑا اور یوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے وہ لوگ ایئرپورٹ کے مرکزی حصے سے پارکنگ ایریا کی سمت بڑھے تھے۔
"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" دل آور نے عبداللہ کے ساتھ چلتے ہوئے کافی سنجیدگی سے پوچھا تھا... سامان کافی زیادہ تھا۔ تین ٹرالیاں سامان سے لدی ہوئی تھیں اور وہ تینوں سامان کی یہ ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے تقریباً" ایک ساتھ ہی چل رہے تھے۔ اس لیے دل آور کے پوچھنے پہ نبیل کو اچنبھا ہوا تھا۔
"کیا مطلب؟ کہاں جانا ہے اس نے؟"
"اپنے گھر یا اپنی حویلی؟" دل آور نے اپنا سوال واضح کیا تھا۔
"او اچھا... تو یہ پوچھ رہے ہو تم؟" نبیل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔
"کیا بات ہے؟ تم چپ کیوں ہو؟" عبداللہ کو چپ دیکھ کر دل آور کو الجھن ہوئی تھی۔
"میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ میں کیا کروں؟ اپنے گھر جاؤں یا حویلی۔" عبداللہ بھی اس معاملے پہ آکر کافی الجھا ہوا تھا۔
"فیصلہ اتنا مشکل تو نہیں ہے۔" دل آور نے نارمل سے لہجے میں کہا تھا۔
"یہ تم کہہ سکتے ہو' مگر میں نہیں... یہ فیصلہ میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ مگر زری کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ ایک رسک ثابت ہو گا۔ زری کو لے کر سیدھا اپنے گھر جاؤں تو تب بھی بابا جان کو غصہ آئے گا کہ میں

پہلے حویلی کیوں نہیں گیا؟ اور اگر یہاں سے سیدھا حویلی جاؤں تو تب بھی ان کا غصہ کہ میں نگارش کو حویلی لے کر کیوں آیا ہوں؟ اس لیے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟" عبداللہ واقعہ پریشانی اور کشمکش کا شکار تھا اور نبیل کو سن کر حیرت ہوئی تھی کہ زری کا کیا معاملہ ہے۔ آخر ایسا کون سا مسئلہ ہے جس کی اسے خبر ہی نہیں؟

"میں کچھ کہہ سکتا ہوں اس معاملے میں؟" دل آور کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ معاملہ سنگین تھا۔ نبیل کو بے چینی ہونے لگی تھی۔

"ہوں... کہو یار! میں تم سے ہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کیا کروں؟" عبداللہ نے فوراً" اثبات میں جواب دیا تھا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم پہلے حویلی جاؤ' وہاں سب سے اچھے طریقے سے ملو' صلح جو انداز اپناؤ۔ تمہاری بی بی جان نے اتنے سالوں سے تمہیں نہیں دیکھا۔ وہ تم سے ملیں گی' تمہیں دیکھیں گی' تمہارے ساتھ ساتھ بھابھی کو دیکھیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس دیکھنے اور ملنے ملانے کے چکر میں ان کا دل کچھ نرم ہو جائے اور معاملہ سلجھ جائے اور جب تمہارا اپنا معاملہ سلجھ گیا تو تم بعد میں دوسرا معاملہ بھی سلجھا سکتے ہو۔" دل آور شاہ کا مشورہ وہ بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عبداللہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا خاندان اور اس کی فیملی کیسی ہے؟ اس فیملی میں نرمی نام کو نہیں تھی... بس جو تھی وہ عبداللہ اور زری میں تھی۔ اسی لیے وہ اپنے گھر والوں سے بالکل مختلف تھے۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے دل آور! لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اگر میں وہاں رہ نہ سکا تو وہاں سے نکل بھی نہیں سکوں گا۔ کیونکہ میں زری کو وہاں نہیں چھوڑنا چاہتا اور وہ دوبارہ زری کو میرے ساتھ بھیجنے پہ تیار نہیں ہوں گے... اس بات پہ خون خرابا بھی ہو سکتا ہے۔" عبداللہ نے اسے پہلے سے آگاہ کرنا چاہا تھا۔

"اس کا انتظام بھی ہے میرے پاس' تم فکر مت کرو' بس حویلی جاؤ' تاکہ بعد میں وہ لوگ تم پہ یہ اعتراض نہ کریں کہ تم حویلی نہیں گئے۔" دل آور اسے آئندہ کے لیے ایک پوائنٹ سمجھا رہا تھا۔

"دل آور! میں وہاں زری کو ایک پل کے لیے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ راتوں رات زبردستی زری کا نکاح پڑھوانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔" عبداللہ کو صرف اور صرف زری کی فکر تھی اور اس فکر کے بارے میں جان کر نبیل جیسے گنگ سا ہو گیا تھا۔

"زری کا نکاح؟ مگر کس سے؟" نبیل کی حیرانی عروج پر تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اسے اب واقعی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ دونوں کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ اور یہ سب کیا چکر ہے؟ بات زری کے متعلق تھی۔ اس لیے عبداللہ کے سامنے وہ کھل کے استفسار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن دل آور ایک نظر میں اس کے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھ چکا تھا۔ وہ نبیل کی کیفیت محض ایک نظر میں ہی بھانپ گیا تھا۔

"میں نے کہا نا تم فکر نہ کرو' تم لوگ جیسے جاؤ گے' ویسے ہی واپس آؤ گے' تم گاڑی میں بیٹھو' تمہیں ساری تفصیل سمجھا دیتا ہوں۔" وہ لوگ گاڑیوں کے پاس آکر ٹھہر گئے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی گلاب خان گاڑی سے نکل آیا۔

"السلام علیکم صاحب۔" گلاب خان نے عبداللہ کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو گلاب خان؟" عبداللہ دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ دل آور کا ملازم گلاب خان ہے۔

"ٹھیک ہوں صاحب! اللہ کا کرم ہے۔ لائیں سامان گاڑی میں رکھ دوں۔" اب سامان رکھنے کی ذمہ داری گلاب خان کی تھی۔ وہ ذمہ داری پوری کرنے لگا۔

"ملک عبداللہ ہم سے نہیں ملو گے کیا؟" دل آور اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ جب اس آواز پہ ٹھہر گیا۔ وہ جو بھی تھا عبداللہ سے مخاطب تھا۔ لیکن اس کی زہریلی نظریں سب پہ تھیں۔ زری بھی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے رک گئی تھی۔ اس نے بھی جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتھر کی ہو گئی تھی... ملک اسد اللہ کے پہلو میں زری کی موت کا فرشتہ

کھڑا تھا' جسے دیکھ کر وہ زرد پڑ گئی تھی اور اس پہ سرتاپا کپکپی طاری ہو گئی تھی۔

"ملوں گا' ضرور ملوں گا' آپ سے ملنے کے لیے ہی تو آیا ہوں۔" عبداللہ گاڑی سے پاؤں نیچے اتارتا ہوا ان کے قریب آگیا تھا اور پھر خود ہاتھ آگے بڑھا کے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

"آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں۔" دل آور نے مدیحہ اور نگارش کو اشارہ کیا تھا۔

"دل آور بھائی..." نگارش سہم گئی۔

"ڈونٹ وری! کچھ نہیں ہوتا' آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں' یہاں کھڑے ہونا ٹھیک نہیں ہے۔" دل آور کا لہجہ سخت تھا۔ اس لیے مجبوراً" ان تینوں کو گاڑی میں بیٹھنا پڑا اور دل آور نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔

"مجھے ملک حق نواز کہتے ہیں۔" یہ جملہ دل آور کی سماعتوں پہ کسی چابک کی طرح پڑا تھا۔ وہ یک دم دوبارہ پلٹا تھا۔ ملک حق نواز' نبیل کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔

"ملک حق نواز؟" اس نے زیر لب دہرایا اور پھر نبیل سے ہاتھ ملاتے ملک حق نواز کو ایک قہر بھری نظر سے دیکھا تھا اور مضبوط قدم اٹھاتا ان کے قریب آگیا۔

"اور مجھے دل آور شاہ کہتے ہیں۔" اس نے بھی ملک حق نواز کے سے انداز میں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا' جس پہ ملک حق نواز نے بری طرح ٹھٹک کے دیکھا تھا۔ ملک حق نواز کے چہرے کی بدلتی کیفیت دیکھ کر عبداللہ اور نبیل کو بیک وقت حیرت ہوئی تھی۔ دل آور کے تعارف نے اس کے چہرے کے تاثرات بدل کے رکھ دیے تھے' سارا تفاخر سرد پڑ گیا تھا۔

"مجھے امید نہیں تھی ملک صاحب کہ آپ میرے تعارف کو یوں دل پہ لے لیں گے۔" دل آور' ملک حق نواز کو کافی گہری اور کاٹ دار نظروں سے دیکھتا چوٹ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"جو لوگ ہمارے دماغ میں گھڑی کی سوئیوں کی طرح ٹک ٹک کرتے رہتے ہیں وہ اگر سامنے آجائیں تو ان کے تعارف کو دل پہ لینا ہی پڑتا ہے۔" ملک حق نواز نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا اور دل آور سے ہاتھ ملایا تھا۔

"چلیں یہ بھی جان کر خوشی ہوئی کہ میں آپ کے دماغ میں ٹک ٹک کرتا رہتا ہوں' یعنی ہر دم آپ کے ساتھ ہی رہتا ہوں؟" دل آور کا انداز استہزائیہ تھا۔ جو ملک حق نواز کو کافی ناگوار گزرا۔

"اور میں آج کل اس ٹک ٹک کو بند کرنے کی کوشش میں ہوں' امید ہے جلدی بند ہو جائے گی۔" ملک حق نواز کافی چبا کے بولا تھا۔

"اور مجھے یقین ہے یہ ٹک ٹک بند نہیں ہو گی اور بڑھے گی' اتنی کہ ملک صاحب نیند کو ترسیں گے۔" دل آور کا لہجہ مضبوط اور مستحکم تھا۔

"یہ تو وقت آنے کی بات ہے شاہ صاحب؟" ملک حق نواز کچھ جتا رہا تھا۔

"وقت آچکا ہے ملک صاحب اور کس وقت کا انتظار ہے آپ کو؟ اپنا بندوبست کر رکھیں' بلاوا کسی وقت بھی آسکتا ہے۔" دل آور نے بھی اسے اشارہ دے دیا تھا۔

"یہ بلاوا جتنا میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا' اتنا آپ کے لیے بھی ہو گا۔" ملک حق نواز نے ڈھکی چھپی دھمکی دی تھی۔

"میں قاتل' زانی اور شرابی نہیں ہوں۔ میں غریبوں کا گوشت کھانے والا بھیڑیا نہیں ہوں' بلکہ میں تم جیسے بھیڑیوں کو دنیا کے سامنے لانے والا آدمی ہوں۔ تم جیسے دس بھی آجائیں تو میرا نقصان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اوپر والا جانتا ہے' کون کتنا غلط ہے۔" دل آور کے چہرے پہ غصہ اتر آیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا ملک حق نواز کے ٹکڑے کر دے۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر تو اس کا پارہ ویسے ہی ہائی ہو جاتا تھا اور ملک حق نواز تھا کہ الٹا اسے دھمکی

دے کر اور رعب جما کر بات کر رہا تھا اور دل آور کا خون کھول اٹھا تھا۔

"دل آور۔۔۔ پلیز کول ڈاؤن! کیا مسئلہ ہے آخر؟" عبداللہ نے دل آور کا غصہ امڈتے دیکھا تو فوراً اس کا بازو تھام لیا تھا۔

"مسئلہ تم ان ہی سے پوچھنا کہ ان کے کرتوت اور کارنامے کیا ہیں؟" دل آور نے انتہائی غضب اور حقارت سے ملک حق نواز کو دیکھتے ہوئے عبداللہ کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

"حق نواز چلو تم گاڑی میں بیٹھو' بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔" ملک اسد اللہ نے ملک حق نواز کو وہاں سے ہٹانا چاہا۔

"چلو۔۔۔! تم بھی گاڑی میں بیٹھو۔" عبداللہ نے دل آور کو اشارہ کیا تھا۔

"جا رہا ہوں' میں بھی فی الحال کوئی بدمزگی نہیں چاہتا' لیکن ملک حق نواز اتنا یاد رکھنا کہ تمہاری گردن اور انصاف کا پھندا ایک دوسرے سے دور نہیں ہیں۔" اس نے جاتے جاتے ملک حق نواز کو وارننگ دی تھی اور پھر پلٹ کر دوبارہ گاڑی تک آگیا۔

"دل آور پلیز یار۔۔۔ کچھ بتاؤ تو سہی؟ آخر آپ لوگوں کے درمیان کیا مسئلہ چل رہا ہے؟" عبداللہ کو تجسس ہو رہا تھا۔

"بعد میں بتاؤں گا' ابھی تم گاؤں جاؤ۔" اس نے بتانے سے گریز کیا تھا۔

"ارے نہیں یار! تم سمجھ نہیں رہے' میں صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اگر ملک حق نواز کے حوالے سے کوئی اور ویک پوائنٹ ہے تو کم از کم مجھے حویلی جانے سے پہلے پتا تو ہو؟ تاکہ میں اس پہ کچھ بول تو سکوں۔" عبداللہ' ملک حق نواز کے بارے میں کچھ اور معلومات چاہتا تھا۔۔۔ دل آور نے اس کی بات پہ پہلے نبیل کو' پھر دوبارہ عبداللہ کو دیکھا اور گہری سانس کھینچی تھی۔

"اس نے ایک لڑکی مومنہ بی بی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔۔۔ آج سے تقریباً" دس گیارہ ماہ پہلے کی بات ہے۔۔۔ مومنہ بی بی! انصاف چاہتی ہے۔۔۔ اس کا کیس میرے ہاتھ میں ہے اور مومنہ بی بی آج کل نبیل کے گھر میں رہ رہی ہے۔ اس گھٹیا انسان سے چھپ چھپ کے جی رہی ہے کہ کہیں یہ اس کے الزام سے بچنے کے لیے اس کا قتل ہی نہ کروا دے۔" دل آور نے غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے بتایا تھا اور عبداللہ اور نبیل ششدر رہ گئے تھے۔

نبیل کے دماغ کو ایک اور جھٹکا لگا تھا کہ یہ وہی ملک حق نواز ہے' جس کے بارے میں اس روز انسپکٹر شہناز بتا رہی تھی اور جو مومنہ بی بی کا مجرم تھا۔ جس نے مومنہ بی بی کی زندگی برباد کر کے رکھ دی تھی۔۔۔ وہ کتنے دھڑلے سے دندناتا پھر رہا تھا؟ لیکن ایک بات اور تکلیف دہ تھی کہ وہ عبداللہ کا رشتہ دار تھا' بلکہ زری کا بھی۔

"دل آور۔۔۔ تم سچ کہہ رہے ہو؟" عبداللہ تو جیسے شرمندگی سے مر گیا تھا۔

"میرے سچ کی تصدیق کرنی ہے تو مومنہ بی بی کے پاس جاؤ' نبیل کے گھر پہ ملے گی۔" دل آور نے تلخی سے اشارہ کیا۔

"اف خدایا! میرے خاندان میں ذلالت اب اس حد تک بڑھ گئی ہے۔" عبداللہ کا دماغ پھٹنے کے قریب تھا۔ اس نے سر تھام لیا۔

"تم خاندان کی بات کرتے ہو' میرے تو اپنے گھر میں ہی ذلالت پائی گئی ہے۔" نبیل کا خیال اپنے باپ کی طرف چلا گیا تھا اور دل میں اک اذیت کا ابال سا اٹھا تھا۔

"خیر چھوڑو اس مسئلے کو۔۔۔ میں نبٹ لوں گا' تم جاؤ اب۔" دل آور نے اپنے اعصاب ٹھکانے پہ لاتے ہوئے

عبداللہ کا کندھا تھپکا تھا۔

"لیکن یار۔۔۔ میں ان ظالم اور بے حس لوگوں میں زری کو لے کر کیسے جاؤں؟" وہ اس ندی میں پیر ہی نہیں ڈال رہا تھا۔

"یہ لو۔۔۔ یہ اپنے پاس رکھ لو' کام آئیں گے۔" دل آور نے ایک موبائل فون اور ایک ریوالور عبداللہ کو تھمایا تھا۔

"اس موبائل میں' میرے نمبر کے علاوہ گلاب خان' نبیل' انسپکٹر شہناز اور ایس پی کامران اور پولیس اسٹیشن کا نمبر بھی سیو ہے۔ تمہیں فوری طور پہ جس کی بھی مدد کی ضرورت ہو تم کال کر سکتے ہو اور یہ بھی لوڈڈ ہے' اس کو استعمال کرنے کی نوبت آئے تو کسی کے سینے پہ مت استعمال کرنا' سیدھا سیدھا قتل کا کیس ہو گا' اس لیے استعمال کرنا پڑا تو کسی کی ٹانگ یا بازو پہ استعمال کرنا' تاکہ کسی کی جان نہ جائے' ہوش و حواس بے شک چلے جائیں۔" دل آور نے اسے ہر طرح سے سمجھا دینا ضروری سمجھا تھا اور عبداللہ اس کا مشکور ہو گیا تھا۔

"تھینک یو یار۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ سب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' کیونکہ تم میرے ساتھ ہو۔" عبداللہ بے ساختہ اس سے بغل گیر ہو گیا اور دل آور نے غصہ جھٹک کر اس کو تسلی دی اور گلاب خان کو اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار کیا تھا۔

اور گاڑی میں بیٹھی زری کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اسے آنے والے وقت سے خوف آ رہا تھا کہ نہ جانے آگے کیا ہونے والا ہے۔ دل آور' عبداللہ اور نبیل گاڑی سے باہر کھڑے نہ جانے کیا کیا پلان بنا رہے تھے کہ نگارش کو بھی پریشانی اور بے چینی ہونے لگی تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دل آور ان کو گاڑی میں بٹھا کے گیا تھا۔ اس لیے نہ تو وہ گاڑی سے نکل سکتی تھیں اور نہ ہی ان کو اپنے پاس بلا سکتی تھیں۔ لیکن شاید اللہ کو ہی ان کی حالت پہ رحم آگیا تھا کہ وہ تینوں گاڑی کے قریب آگئے اور نبیل نے آگے بڑھ کے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

"مدحیہ۔۔۔ تم اپنی گاڑی میں آجاؤ' ان لوگوں نے گاؤں جانا ہے۔" نبیل کے کہنے پہ زری نے یک دم ہراساں سے انداز میں نگارش کو دیکھا تھا۔

"گاؤں؟" اس کی سانسیں اٹکنے لگی تھیں۔

"کچھ نہیں ہو گا! یوں سمجھ لیں کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ ہی ہیں۔" نبیل نے تسلی دی تھی اور مدحیہ' زری اور نگارش سے مل کر گاڑی سے اتر آئی تھی۔

زری نے بے اختیار گاڑی سے باہر کھڑے عبداللہ سے بات کرتے دل آور کو دیکھا تھا۔ زری کے دل کی تو پیاس بھی نہیں بجھی تھی اور وہ لوگ گاؤں جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے؟ زری کے دیکھتے دیکھتے ہی نبیل نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ گلاب خان نے سنبھال لی تھی اور دل آور سے رخصت ہو کر عبداللہ بھی فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھا تھا۔ دل آور اور نبیل وہیں کھڑے تھے اور گلاب خان گاڑی نکال لے گیا تھا۔ اس کے پیچھے مدحیہ بھی گاڑی نکال لے گئی تھی اور رفتہ رفتہ وہ دونوں بھی وہاں سے نکل آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ نہا کر نکلا اور تولیے سے بال رگڑتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا تھا جہاں مریم پہلے سے موجود کمرے کی صفائی کرنے میں مصروف تھی۔ عدیل کو گنگناتے دیکھ کر اس کے ہاتھ ٹھہر گئے تھے۔ وہ کل سے کافی خوش اور فریش لگ رہا تھا۔

"یہ گانا آپ نے سنا پہلی بار ہے؟ یا اچھا پہلی بار لگا ہے؟" مریم کے سوال پہ عدیل گنگناتے ہوئے رک گیا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" عدیل نے تولیہ کھونٹی سے لٹکا کے اپنی شرٹ ۔۔۔ پہنتے ہوئے مریم کو نا سمجھی سے دیکھا تھا۔

"مطلب کہ آپ کل سے جب سے کام سے واپس آئے ہیں مسلسل یہی گانا گنگنا رہے ہیں؟ کیا یہ گانا زیادہ اچھا لگ گیا ہے آپ کو۔" مریم کے کہنے پر عدیل یک دم اک بے ساختہ سا قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔ تو گویا مریم کل سے اسے نوٹس کر رہی تھی؟

"یہی سمجھ لو کہ اچھا پہلی بار لگا ہے۔ ورنہ سنا تو پہلے بھی تھا۔" عدیل نے بھی دلچسپی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اوہ اچھا اچھا۔۔۔ تو جس کی وجہ سے اچھا لگا ہے اس کا نام بتا سکتے ہیں؟" مریم جاننا چاہتی تھی۔

"میرے بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ تم خود جانتی ہو اسے۔۔۔ بلکہ مل بھی چکی ہو۔" عدیل اپنی خوشی اپنے دل کی کیفیت مریم سے نہیں چھپا سکتا تھا۔

"یعنی مدحیہ حیات؟" مریم نے بستر کی چادر سے سلوٹیں دور کرتے ہوئے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ وہی۔" عدیل اثبات میں جواب دیتا آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش پھیرنے لگا۔

"سچ؟ مجھے یقین نہیں آرہا؟" مریم چادر کا کونا چھوڑ کے پوری طرح سے عدیل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کیوں؟ اس میں ناقابل یقین کیا ہے؟ کیا اپنے بھائی کی پرسنالٹی پہ کوئی شک ہے؟" عدیل نے مریم کو چھیڑا تھا۔

"ارے نہیں، نہیں! مجھے اپنے بھائی کی پرسنالٹی پہ پورا یقین ہے۔ بس اس لیے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ تو شاید لندن پلٹ ہے اور تھوڑی اکھڑ مزاج بھی ہے۔ آپ کا اور اس کا یہ جوڑ میل۔۔۔؟" مریم بات ادھوری چھوڑ کے چپ ہو گئی تھی۔

"لندن پلٹ ہے تو کیا ہوا؟ کیا اس کے پاس دو آنکھیں اور ایک دل نہیں ہے؟ کیا وہ دیکھ کر محسوس نہیں کر سکتی؟ کیا وہ لڑکی نہیں ہے؟ اور ہاں وہ اکھڑ مزاج اور ضدی ضرور ہے، لیکن اندر سے بہت حساس اور نرم ہے۔ اس کو آئینے کی طرح دیکھ چکا ہوں میں۔ اتنی شفاف تھی کہ مجھے اس میں اپنا آپ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ ناریل کی طرح ہے، باہر کا خول بہت سخت سہی، لیکن اندر سے کچی گری (کچے ناریل) کی طرح ہے نرم اور میٹھی۔" عدیل نے مدحیہ کے حوالے سے دل کھول کے اظہار کیا تھا اور مریم اس کے اظہار پہ مسکرا اٹھی تھی۔

"یعنی آپ گئے کام سے؟" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"ہاں۔۔۔ کہہ سکتی ہو۔" عدیل نے بھی جواباً شرارت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اپنے بال سہلائے تھے۔

"تو کیا یہ گلاسز بھی اسی کے ہیں؟" مریم نے عدیل کے تکیے کے نیچے رکھے گلاسز نکالے، جو کافی عرصے سے عدیل کے تکیے کے نیچے ہی پائے جاتے تھے۔

"آف کورس۔۔۔ اور کس کے ہو سکتے ہیں بھلا؟" عدیل یوں لاپروائی سے کہہ رہا تھا جیسے اس کا مدحیہ کے ساتھ صدیوں سے کوئی ریلیشن چلا آرہا تھا۔

"اوہ۔۔۔ مجھے تو پہلے ہی شک تھا۔۔۔ خیر آپ یہ بتائیں کہ آپ ان سے ہماری ایک پراپر طریقے سے مہذب اور پر تکلف سی ملاقات کب کروا رہے ہیں؟" مریم نے فرمائش کی تھی۔

"جب مجھے سیلری ملے گی۔" عدیل کے چہرے سے ابھی تک مسکراہٹ جھلک رہی تھی۔

"اوہونہہ۔۔۔ سیلری ملنے میں تو ابھی دس، بارہ دن باقی ہیں؟" مریم نے بدمزہ ہوتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

"تو کیا یوں ہی خالی گھر میں لے آؤں؟ آج کل کے دنوں میں تو گھر میں ہمارے کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے،

کسی مہمان کو کیا کھلائیں گے بھلا؟" عدیل نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا اور مریم ذرا دیر کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔ پھر ذرا توقف سے گویا ہوئی۔

"میں کوشش کروں گی کہ مجھے جلدی سیلری مل جائے، پھر انہیں انوائیٹ کروں گی۔" مریم کے لہجے میں اک عجیب سی چاہ تھی۔ وہ مدحیہ سے جس رشتے کے حوالے سے ملنا چاہتی تھی اس کو سمجھتے ہوئے عدیل کے چہرے پہ نرمی بکھر گئی اور پھر مریم کے قریب آتے ہوئے اس کا سر تھپکا تھا۔

"ان شاء اللہ... اللہ بہت بہتر کرے گا... کبھی وہ وقت بھی آئے گا، جب مہمان جس وقت بھی آئے گا، ہمیں پریشانی نہیں ہو گی کہ ہمارے پاس خاطر مدارات کے لیے چائے اور کولڈ ڈرنک کے علاوہ کچھ بھی نہیں... جب تمہیں تمہارے لیے لایا ہوا برگر کسی اور کو نہیں دینا پڑے گا۔" عدیل اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے تسلی دے رہا تھا۔ سمجھا رہا تھا اسے... اور مریم اپنے آنسو ضبط کرنے کے لیے سر جھکا گئی تھی۔

"عدیل... تمہارے بابا کو تیار کر دیا ہے میں نے۔" برآمدے سے امی کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے آج اباجی کے چیک اپ کے لیے جانا تھا۔ اس لیے عدیل نے آج ورکشاپ سے چھٹی کی تو مریم بھی اکیڈمی جانے کی بجائے گھر پہ رہ گئی تھی۔ تاکہ عدیل کے ساتھ اسپتال جا سکے، کیونکہ عدیل اکیلا ان کے ساتھ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتا تھا۔ سرکاری اسپتالوں میں ڈاکٹرز کے پیچھے بھاگنا، چیک اپ کے لیے نمبر لگوانا اور ساتھ ساتھ مریض کو سنبھالنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اسی لیے مریم، عدیل کی مدد کے خیال سے گھر پہ ہی رک گئی تھی اور اب ان دونوں بہن بھائی نے ساتھ ہی جانا تھا۔

"چلو... جلدی کرو، تم بھی تیار ہو جاؤ، تب تک میں ٹیکسی لے آتا ہوں۔" وہ نرمی سے اس کا سر تھپک کے باہر نکل گیا تھا اور مریم ہاتھ میں پکڑے گلاسز دوبارہ اس کے... تکیے کے نیچے رکھ کے بستر کی چادر درست کر کے باہر نکل آئی تھی۔ اور چادر اوڑھ کے تیار ہو گئی تھی۔ اتنے میں عدیل واپس بھی آ گیا۔ ٹیکسی گلی کی نکڑ پہ کھڑی تھی۔ عدیل، اباجی کو بازوؤں میں اٹھائے گاڑی تک لے گیا اور اس کے پیچھے پیچھے مریم بھی ٹیکسی میں آ بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼
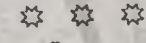
اس کی گاڑی اپنے آفس کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی تھی اور اس کے پیچھے نبیل کی۔

دل آور گاڑی سے اترا تو اس کے پیچھے نبیل بھی اتر آیا تھا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے آفس روم میں داخل ہوئے تھے۔

"بتاؤ اب کیا مسئلہ ہے؟" دل آور نے موبائل اور چابیاں ٹیبل پہ ڈالتے ہوئے نبیل کو دیکھا۔ نبیل کرسی کے ہتھوں پہ بے چینی سے ہاتھ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے سوال پہ فوراً ہی بے چینی سے کھڑا بھی ہو گیا۔

"مسئلہ میں نے بتانا ہے یا تم نے بتانا ہے؟ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ملک حق نواز کا کیا سلسلہ ہے؟ اور وہ نکاح کی کیا بات کر رہے تھے تم لوگ؟" نبیل بے چینی سے ٹہلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"آرام سے بیٹھو گے تو بتاؤں گا نا؟" دل آور اپنی چیئر دھکیل کر بیٹھ گیا تھا اور بے چین اور بے کل سے ٹہلتے نبیل کو سراپا دیکھا تھا۔ نبیل پہ کیا گزر رہی تھی دل آور بخوبی جانتا تھا۔ اسی لیے تو اس نے اپنی بے چینیوں کو سینے کے سب سے سرد خانے میں دفن کر دیا تھا۔ صرف ایک کا بے چین رہنا ہی اچھا تھا۔ کیونکہ اگر دونوں ہی بے چین رہتے تو شاید ایک دوسرے کے دوست ہی نہ رہتے۔

اور اس وقت ان دونوں کے درمیان سچویشن اور کنڈیشن کچھ اور ہوتی، اور یقیناً" ایک دوسرے سے نظر بھی نہ ملا پاتے۔ شاید اسی لیے دل آور شاہ بہت پہلے ہی ان بے چین اور بے کل کر دینے والی راہوں سے قدم واپس موڑ

چکا تھا۔ وہ اس منزل کو نہیں پانا چاہتا تھا۔ جس کو پانے کے لیے نبیل کے قدم بھی رواں دواں تھے۔ جس کو پانے کی چاہ نبیل کے دل میں بھی ہمکتی تھی۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا کہ خود وہ منزل پا لیتا اور نبیل کو نامراد ٹھہرا دیتا۔ اس کی مسافت رائیگاں کر دیتا، اسے مایوس لوٹنے پہ مجبور کر دیتا؟ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ دل آور شاہ جیسا بھی تھا لیکن خود غرض نہیں تھا... یہ سچ تھا کہ اسے یہ سارے رشتے اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز تھے۔

"ہوں... بتاؤ؟" نبیل اپنی بے چینی کنٹرول کرتا ہوا دوبارہ کرسی پہ بیٹھ گیا اور دل آور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے گہری سانس خارج کرتا خود بھی سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"ملک حق نواز کو جانتے ہو... وہ کون ہے؟" دل آور نے آغاز سوال کرنے سے کیا تھا۔

"نہیں...!" نبیل کا جواب حسب توقع تھا۔

"وہ ملک شرافت علی کا چچازاد کزن ہے۔"

"ملک شرافت علی...؟" نبیل کا دماغ اس وقت آدھا حاضر... آدھا غیر حاضر تھا۔

"عبداللہ کے بابا جان..."

"واٹ... ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟" دل آور کے انکشاف پہ نبیل دنگ رہ گیا تھا۔

"مجھے بھی اسی طرح شاک لگا تھا۔ خیر آگے سنو۔" دل آور نے بات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"ملک حق نواز، ملک شرافت علی کا سب سے چھوٹا کزن ہے، عبداللہ سے آٹھ دس سال بڑا اور ملک اسد کا تقریباً" ہم عمر ہی ہو گا۔ ملک حق نواز ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس لیے اس کے چاؤ چونچلے بھی کچھ زیادہ ہی تھے اور ان چاؤ چونچلوں میں بڑے بزرگوں نے بنا سوچے سمجھے عبداللہ کی بڑی بہن شہرین کو ملک حق نواز کے ساتھ منسوب کر دیا۔ لیکن ملک حق نواز شروع سے ہی ایک خبیث انسان ثابت ہوا ہے اس نے جوانی کے منہ زور گھوڑے پہ سوار ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شہرین کے ساتھ اپنا رشتہ توڑ دیا، پتا نہیں یہ شہرین کی خوش قسمتی تھی کہ بدقسمتی... البتہ ملک حق نواز اپنے چچازاد... کی بیٹی کے ساتھ بندھ کے نہیں رہنا چاہتا تھا حالانکہ بہت لوگوں نے اسے منانے کی کوشش بھی کی تھی یہاں تک کہ ملک شرافت علی نے خود بھی اسے راضی کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ ملک شرافت علی کی ملک حق نواز پہ نہیں اس کی جاگیر، اس کی جائیداد پہ نظر تھی، کیونکہ وہ اکلوتا جو تھا... ؟ مگر اکلوتا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ضدی، بدلحاظ اور ایک نمبر کا گھٹیا آدمی تھا، وہ نہیں مانا اور اپنی من مانی کرتا رہا، شراب اور حرام کاری اس کا شوق بن چکے ہیں، وہ کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا، آس پاس کے گاؤں والے اور اس کے اپنے گاؤں والے ہر وقت اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

دوبار الیکشن میں بھی حصہ لے چکا ہے اور دونوں بار جیت بھی چکا ہے۔ ملک شرافت علی کی بیٹی کو ٹھکرانے کے بعد بھی وہ ان کا منظور نظر ہے اور اب زری سے شادی کا خواہش مند ہے، کیونکہ وہ اپنی طرف سے شہرین کو ٹھکرانے کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ اور عبداللہ مسلسل احتجاج کر رہا ہے کہ یہ ازالہ ہے یا ظلم... ؟ وہ اپنے گھر والوں کے اس فیصلے کے خلاف ہے... وہ زری کی شادی زری کی پسند سے کرنا چاہتا ہے، اس لیے یوں سمجھو کہ عبداللہ آج اپنے گاؤں، اپنی حویلی میں جنگ لڑنے گیا ہے۔ اب یہ جنگ کیا نتائج سامنے لاتی ہے یہ تو رات کو پتا چلے گا... یا پھر کل... ؟" دل آور نے نبیل کو ساری تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کندھے اچکائے تھے اور نبیل دم بخود سا بیٹھا سب سن رہا تھا۔

"ملک حق نواز، زری سے شادی کا خواہش مند ہے... ؟" یہ سوچ ہی نبیل کی رگوں کو کاٹ دینے کے لیے کافی تھی نبیل کا دل چاہ رہا تھا ملک حق نواز دوبارہ اس کے سامنے آ جائے تو وہ اسے گولی سے اڑا دے، اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔

"وہ... وہ کیا کہتی ہے اس بارے میں...؟" نبیل کو زری کا خیال آیا تھا جس پہ دل آور کے دل و دماغ کا سکون منتشر ہو گیا تھا وہ اپنی کرسی چھوڑ کے اٹھ گیا۔
"مجھے کیا پتا کہ وہ کیا کہتی ہے...؟ میں کون سا اس کے ساتھ ہوتا ہوں...؟ یا پھر اس کے دل کی خبریں رکھتا ہوں...؟" دل آور کہتے ہوئے رخ موڑ گیا تھا۔
"لیکن دل آور...! تم جانتے ہو نا کہ میں..." نبیل کافی بے بسی سے بولا تھا لیکن بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ دل آور کا منشی قادر دروازے پہ دستک دے کر اندر آ گیا تھا۔
"سر! وہ آپ کے سیالکوٹ والے کلائنٹ آئے ہیں' قتل کے کیس والے... آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔" قادر اس کی اجازت طلب کر رہا تھا۔
"پانچ منٹ بعد انہیں اندر بھیج دو۔" دل آور نے قادر کو جانے کا اشارہ کیا اور نبیل کے قریب آ کھڑا ہوا۔
"مجھے پورا یقین ہے کہ عبداللہ کچھ نہیں ہونے دے گا۔ اس لیے تم بھی یہ یقین اپنے ساتھ رکھو۔ ان شاء اللہ سب بہتر ہی ہو گا۔" دل آور نے اپنا مضبوط ہاتھ نبیل کے کندھے پہ جماتے ہوئے اسے تسکین دی تھی۔ اور دل آور کے ایسے مضبوط لہجے اور انداز پہ نبیل کو کافی حد تک تسلی ہوئی تھی اسی لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے ہاتھ ملا کر چلا گیا تھا' کیونکہ دل آور کے کلائنٹ اس کے انتظار میں تھے۔

☼ ☼ ☼
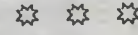
وقار آفندی پوری طرح سے ہوش و حواس میں آ چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ ساکت و صامت سے لگ رہے تھے۔
ان کی آنکھوں کے سامنے سارے ہی چہرے موجود تھے۔ آذر' دانیال' جودت' احمد' عماد' زین' عون' عدید' اسرار آفندی' اظہار آفندی سب چہرے باری باری ان سے ملنے کے لیے ان کے سامنے آتے رہے۔ لیکن جس چہرے کو ان کی پتھرائی ہوئی آنکھیں دیکھنا چاہتی تھیں وہ سامنے ہی نہیں آ رہا تھا' وہ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ان کے وجود کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی پتھر ہو گئی تھیں۔
"وقار...!" ان کے قریب سے گلوگیر اور آنسوؤں کے بوجھ سے بھیگی اور بوجھل آواز ابھری تھی اور اس آواز کو سنتے ہی ان کے دل پہ لرزا طاری ہو گیا تھا۔
"آسیہ...!" ان کا دل زور سے دھاڑا تھا اور پھر دھاڑیں مار مار کے رویا تھا۔ زبان سے وہ پکار نہیں سکتے تھے اور دل سے پکارنے پہ آسیہ آفندی سن نہیں سکتی تھیں... وقار آفندی کا دل بھر آیا تھا۔
"وقار...! مجھے دیکھیں نا... میں ہوں آپ کی آسیہ... آپ... آپ مجھ سے منہ موڑے یہاں ہسپتال میں کیوں پڑے ہیں؟ آپ کو نہیں پتا آپ کے بغیر میرا کیا حال ہو گیا ہے؟ آپ کی آسیہ چار دن میں ہی بوڑھی لگنے لگی ہے۔ یقین کریں وقار' آسیہ آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے میں تو سب کچھ آپ پہ وار چکی ہوں۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟ کیا کروں گی میں...؟ یہاں کوئی کسی کا نہیں ہوتا... میرا کون ہو گا؟" آسیہ آفندی' وقار آفندی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے بے تحاشا رو رہی تھیں اور ان کے اس طرح رونے پہ وقار آفندی کی پتھر آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ ان کا پورا جسم بے جان تھا اور بے جان جسم کی پتھر آنکھوں سے آنسو بہہ کر خود بخود ہی ان کی کنپٹیوں سے لڑھک کر بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔
"وقار... آپ کو میرا خیال کیوں نہیں آتا؟ آپ ٹھیک کیوں نہیں ہو رہے؟ آپ... آپ میرے لیے نہ سہی میرے بچوں کے لیے ٹھیک ہو جائیں۔ میرے عون اور عدید کے لیے ٹھیک ہو جائیں۔ میری... میری علیزے

کے لیے ٹھیک ہو جائیں... وقار آپ سن رہے ہیں نا؟ میں آپ سے کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ کو ہم سب کی خاطر ٹھیک ہونا ہے۔" آسیہ آفندی تڑپ تڑپ کے کہہ رہی تھیں اور وقار آفندی کے آنسو خاموشی سے بہتے جا رہے تھے۔ وقار آفندی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ان کے سوالوں کا' ان کے پاس صرف خاموشی تھی۔ لمبی اور گہری خاموشی' سوال کرنے والوں کو نڈھال کر دینے والی خاموشی... عمر بھر کی خاموشی۔
"آنی پلیز! آپ باہر آ جائیں۔" دانیال' آسیہ آفندی کو دونوں کندھوں سے تھام کے ان کے روم سے باہر لے آیا تھا جو ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔
"ہم آپ کو اس لیے ساتھ لے کر آئے تھے کہ آپ ان کو تسلی دیں' دلاسا دیں' ان کی ہمت بڑھائیں نا کہ ان کی طبیعت پہلے سے زیادہ خراب کر دیں۔" دانیال خفا ہو رہا تھا۔
"دانیال...! عون اور عدید کو بھی آنی کے ساتھ واپس گھر بھیج دو۔" احمد نے عون اور عدید کو دانیال کی طرف بھیجا' دانیال تھوڑی دیر آنی کو تسلی دلاسا دینے کے بعد مبارک خان کے ہمراہ واپس گھر بھیج کر دوبارہ روم میں آیا تو وقار آفندی کی حالت کافی تشویشناک پائی تھی ڈاکٹرز ایک دم سے پریشان نظر آنے لگے تھے۔ اور ان کا ٹریٹ منٹ نئے سرے سے شروع ہو گیا تھا۔
"یہ اچانک کیا ہوا ہے ان کو؟" آذر پریشانی سے آگے بڑھا تھا۔
"انہوں نے کوئی گہری ٹینشن لی ہے' دل بہت کمزور ہو چکا ہے' سہہ نہیں پا رہا۔" ڈاکٹر پریشانی سے جواب دے رہا تھا۔
"یہ میڈیسن فوراً" چاہئیں۔" ڈاکٹر نے تیزی سے کاغذ قلم تھام کے نسخہ لکھا اور کاغذ آذر کی سمت بڑھا دیا تھا۔
"ہسپتال کی ڈسپنسری سے یہ میڈیسن ختم ہو چکی ہیں' اس لیے آپ کو کسی اور جگہ سے تلاش کرنا پڑیں گی۔" ساتھ ساتھ ڈاکٹر نے بتا بھی دیا تھا اور آذر وہ نسخہ ہاتھ میں تھامے پرائیویٹ روم سے باہر نکل آیا تھا۔
"لائیے! یہ میڈیسن میں لے آتا ہوں۔" جودت نے آذر کو روک دیا تھا اور وہ نسخہ خود تھام لیا تھا۔
"لیکن تم...؟" آذر نے کچھ کہنا چاہا تھا۔
"میرے پاس بائیک ہے۔ میں جلدی لے کر آ جاؤں گا۔" جودت نے اسے یقین دلایا تھا۔
"او کے...! لے آؤ لیکن پھر وہی بات کہ جلدی پہنچنا ڈیڈ کی کنڈیشن خاصی سیریس ہے۔" آذر نے پھر بھی اسے تاکید کرنا ضروری سمجھا تھا۔
"او کے...! جلدی پہنچوں گا۔" جودت اسے تسلی دے کر پلٹ گیا تھا۔
"چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" جودت کا دوست کامی بھی ڈیڈ کی عیادت کے لیے ہسپتال آیا ہوا تھا' جودت کو میڈیسن لانے کے لیے تیار دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہی آ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ڈاکٹر نے یہ میڈیسن اور انجکشن لکھ کر دیے ہیں تم اباجی کے پاس ٹھہرو میں یہ سب لے آؤں۔" عدیل ڈاکٹر کے روم سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں سفید پرچی تھی وہ مریم کو بتا کر میڈیکل اسٹور پہ جانے والا تھا کہ مریم نے اسے روک دیا تھا۔
"ٹھہریں! آپ ایسا کریں کہ اباجی کو کچھ دیر کے لیے کسی وارڈ کے بیڈ پہ لٹا دیں' وہ زیادہ دیر اس وہیل چیئر پہ نہیں بیٹھ سکتے' تھک جائیں گے۔"
"لیکن مریم! کوئی خالی بیڈ ڈھونڈنے میں ٹائم لگے گا ڈاکٹر نے یہ انجکشن فوری منگوائے ہیں۔" عدیل پریشانی

سے بولا۔

"لائیں! یہ میڈیسن اور انجکشن میں لے آتی ہوں۔" اس نے عدیل کے ہاتھ سے پرچی تھام لی تھی اور پھر پلٹ کر ہسپتال کے اندرونی حصے سے باہر نکل آئی اور اپنی بے دھیانی میں وہ عدیل سے دوائیوں کے لیے پیسے لینا بھی بھول گئی تھی۔

تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ ہسپتال کے باہر بنے میڈیکل اسٹورز میں سے ایک اسٹور کی طرف بڑھی تھی۔

"پلیز! یہ میڈیسن دے دیں۔"

اس نے سفید پرچی پہ لکھا نسخہ میڈیکل اسٹور کے سامنے والے کاؤنٹر پہ رکھا اور سیلز مین کو جلدی دوائیاں نکالنے کا کہا تھا' وہ اپنے دھیان میں تھی اپنے قریب کھڑے، جودت کو بھی نہ دیکھ سکی البتہ جودت کے ساتھ کھڑے کامی نے اسے ضرور دیکھ لیا تھا۔

"جودت۔۔۔!" اس نے جودت کو ٹھوکا دیا۔

"ہوں۔۔۔؟" پریشانی میں جودت کو بھی آس پاس کا کوئی دھیان نہیں تھا۔

"ادھر دیکھو؟" کامی نے اشارہ کیا تھا۔

اور جودت نے اپنی سائیڈ پہ دیکھا اس سے تین قدم کے فاصلے پہ مریم کھڑی تھی جودت اس کو دیکھتے ہی چونک گیا تھا۔

"مریم۔۔۔؟" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں اس کا نام لیا تھا۔

"بات کرو گے؟" کامی کو پتا تھا کہ یہ لڑکی جودت کی کمزوری ہے' وہ اپنی فیلنگز کا کئی بار سرعام اظہار کر چکا تھا۔

"نہیں۔۔۔! ٹائم نہیں ہے مجھے میڈیسن لے کر جلدی پہنچنا ہے۔" جودت کو پتا تھا کہ اگر ذرا بھی لیٹ ہو گیا تو آذر کے ہاتھوں اس کی شامت آجائے گی۔

"کتنا بل ہے ان کا۔۔۔؟" مریم دوائیوں کا شاپر دیکھتی ہوئی بولی۔

"دو ہزار۔۔۔" سیلز مین نے ذرا لاپروائی سے بتایا تھا۔

"دو ہزار۔۔۔؟" مریم بری طرح ٹھٹکی تھی۔

اس کے پاس تو پیسے ہی نہیں تھے اس نے ذرا پریشانی اور عجلت میں اپنا پرس کھنگالا' پرس میں صرف پندرہ سو روپے تھے جو اس نے اپنے اکیڈمی آنے جانے کے کرائے کے لیے رکھے ہوئے تھے ان میں سے بھی پانچ سو روپے کم تھے' میڈیسن دو ہزار کی تھیں۔

"سوری سر! میں پیسے بھول آئی ہوں' آپ یہ میڈیسن سیو رکھیں میں ابھی آکر لے لیتی ہوں؟" مریم عجلت سے کہتی ہوئی پلٹ کر میڈیکل اسٹور سے نکل آئی تھی۔

"آپ میڈیسن لے جائیں بل میں پے کر دیتا ہوں؟" جودت اچانک اس کے راستے میں آگیا تھا مریم جہاں اسے دیکھ کر ٹھٹکی تھی وہیں چکرا بھی گئی تھی وہ نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا تھا؟

"دیکھیں۔۔۔ میں اس وقت خود پریشانی میں ہوں' آپ کو تنگ نہیں کرنا چاہتا بس آپ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں' آپ پلیز میڈیسن لے جائیں۔"

جودت کافی مہذب طریقے سے بات کر رہا تھا لیکن مریم اس کی کسی بھی ہیلپ کے چکر میں پڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"تھینک یو سو مچ! مجھے آپ کی کسی بھی ہیلپ کی ضرورت نہیں ہے' پیسے بھائی کے پاس ہیں اس لیے زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے' یہ میڈیسن میں خود ہی آکر لے جاؤں گی۔" مریم نے کافی سختی اور بے گانگی سے اس کی آفر

مسترد کر دی تھی اور وقت کی نزاکت دیکھتے ہوئے جودت مزید کچھ کہے بغیر اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا' مریم تیزی سے سڑک کراس کر کے ہسپتال کے اندر چلی گئی اور جودت پلٹ کر میڈیکل اسٹور کے اندر آگیا تھا ان کی مطلوبہ میڈیسن بھی مل چکی تھیں میڈیسن کا بل کلیئر کروا کے وہ کامی کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا لیکن مریم جب پیسے لے کر وہاں پہنچی تو سر تھام کے رہ گئی تھی' جودت اس کی میڈیسن کا بھی بل پے کر گیا تھا اور مریم کو لگا وہ اسے مقروض کر گیا ہے۔ لیکن وہ کسی بھی صورت اس کا یہ احسان نہیں رکھ سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

گاڑی مین روڈ سے گاؤں کی چھوٹی سڑک کی سمت مڑی تو زری کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

گاؤں میں داخل ہوتے ہی ایک شان دار سا ڈیرہ نظر آتا تھا یہ ڈیرہ ملک شرافت علی کا ہی ڈیرہ تھا' یہاں ہر وقت پنچائیت لگی رہتی تھی' آس پاس کے علاقے والوں' ملنے ملانے والوں اور دوست احباب کا ہر وقت یہاں آنا جانا لگا رہتا تھا گاؤں کا غریب طبقہ بھی اپنے مسائل حل کروانے' زمینوں اور لڑائی جھگڑوں کے معاملات طے کروانے کے لیے یہاں ہی پایا جاتا تھا۔ اس لیے اس ڈیرے سے لوگوں کی محفل کبھی ختم نہیں ہوتی تھی۔ آئے روز دور دراز کے علاقوں سے ان کے مہمان آتے رہتے تھے اور مہمانوں کی خاطر مدارات کا انتظام بھی یہیں پہ ہوتا تھا' رات گئے تک محفلیں جمتی تھیں اور اس وقت بھی یہی حال تھا گاڑی ڈیرے کے قریب سے گزری تو عبداللہ نے ڈیرے کے اندر نظر دوڑائی تھی۔

ملک اسد اللہ اور ملک حق نواز کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ یہاں ہی تھے اور یقیناً" ابھی ابھی ہی پہنچے تھے۔ عبداللہ گہری سانس کھینچتا ہوا لب بھینچ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا وہ اکیلا ہوتا تو یقیناً" پہلے اس ڈیرے پہ ہی اترتا۔ لیکن فی الحال زری اور نگارش اس کے ساتھ تھیں وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا' گاڑی اگلے پانچ منٹ میں ان کی حویلی کے سامنے موجود تھی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ عبداللہ کو دیکھتے ہی حویلی کے دونوں چوکیداروں نے بڑا سا لکڑی کا پھاٹک وا کر دیا تھا۔ گلاب خان' عبداللہ کے اشارے پہ گاڑی اندر لے آیا تھا کشادہ اور طویل ترین ڈرائیوے پہ سلو اسپیڈ سے چلتی گاڑی حویلی کے مرکزی برآمدے کے عین سامنے آرکی تھی اور عبداللہ گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ بھی کھول دیا تھا عبداللہ سب کے سامنے ہر طرح سے ڈٹ جانے کے لیے تیار تھا جبکہ زری اور نگارش اپنی اپنی جگہ پہ دونوں سہمی بیٹھی تھیں' زری کی حالت تو کچھ زیادہ ہی خراب تھی کہ اپنے ہی گھر میں قدم رکھتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔

"زری۔۔۔!" زری کو کسی سوچ میں گم پا کر عبداللہ نے متوجہ کیا تھا۔

"جج۔۔۔ جی؟" وہ چونک کر متوجہ ہوئی اور عبداللہ کو انتظار میں کھڑے دیکھ کر فوراً" نیچے اتر آئی تھی۔

یہاں سب کو خبر تھی کہ عبداللہ اور زری دونوں بہن بھائی آج واپس پاکستان آرہے ہیں لیکن پھر بھی حویلی یوں نظر آرہی تھی جیسے صدیوں سے ویران پڑی ہو' ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ حالانکہ شام سے پہلے کا وقت تھا' شام بس ڈھلنے کو تھی' پنچھی پکھیرو اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے' وہ بھی اپنے آشیانے میں لوٹ کر آئے تھے مگر یہاں شاید کسی کو بھی ان کا انتظار نہیں تھا شام کے وقت حویلی میں خاصی چہل پہل ہوتی تھی لیکن آج ایسا کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا اور عبداللہ اس خاموش "ویلکم" کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی سر جھٹک کر قدم آگے بڑھا دیا تھا۔

"عبداللہ۔۔۔!" نگارش کی آواز پہ عبداللہ نے چونک کر نگارش کو دیکھا اور قدم ٹھہر گئے تھے۔

نگارش کی آنکھوں اور چہرے پہ ایک عجیب سا خوف ہلکورے لے رہا تھا اور یہ خوف عبداللہ کی نظروں سے

پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا اور بے ساختہ ایسے حالات میں بھی مسکرا دیا تھا۔ زری نہ ہوتی تو شاید وہ نگارش کے اس انداز اس خوف زدہ سی ادا پہ اسے بانہوں میں بھر لیتا لیکن فی الحال اس کا ہاتھ تھپکنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"پاگل ہے۔ !محبت کرتا ہوں تم سے اور محبت انسان کے قدم اکھڑنے نہیں دیتی۔ تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ کہیں میں تمہیں چھوڑ نہ دوں؟"

عبداللہ کے انداز میں سرزنش تھی وہ کافی آہستگی سے اس سے مخاطب ہوا تھا اس لیے ذرا فاصلے پہ رخ پھیر کے کھڑی زری نہیں جان سکی تھی کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی ہے؟

"بی بی جی !بی بی جی !چھوٹے ملک صاحب آ گئے۔ باہر دیکھیں۔۔۔ چھوٹے ملک صاحب آ گئے۔"

ایک نوعمر۔۔۔ ملازمہ برآمدے کی بائیں طرف سے نکل کر اپنے دھیان میں ادھر ہی آ رہی تھی جب عبداللہ اور زری کو دیکھتے ہی اس کے وجود میں بجلی سی بھر گئی تھی۔ اور بی بی جان کو اطلاع دینے کی غرض سے زور زور سے چلاتی ہوئی ان سے پہلے ہی راہداری میں گم ہو گئی تھی۔

"چلو۔۔۔ !تم بھی چھوٹے ملک صاحب کی ملکانی صاحبہ ہو اندر جانا ہے؟" عبداللہ نے نگارش کو ٹینشن فری کرنے کی خاطر کافی شرارت سے کہا تھا اور پھر تینوں اندر آ گئے تھے۔

"میں بسم اللہ۔۔۔ میں بسم اللہ !میں صدقے۔۔۔ میں واری۔۔۔ میرے کلیجے دی ٹھنڈک۔۔۔ میری اکھاں دا چانن۔"

بی بی جان بے تحاشا ممتا سے مغلوب اپنے خالص پیار کا خالص پنجابی میں اظہار کرتیں اپنے شاہانہ تخت سے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور قریب آتے عبداللہ کو آگے بڑھ کے سینے سے لگا لیا تھا۔

"کیسی ہیں بی بی جان؟" عبداللہ کا لہجہ بھی ماں کی ممتا کے سامنے نرم ہو گیا تھا۔

"تجھے دیکھ لیا ہے تو سمجھو کہ میں ٹھیک ہی ہوں۔" وہ عبداللہ کی پیشانی پہ بوسہ دیتی ہوئی بولی تھیں۔

"بی بی جان۔۔۔ !" عبداللہ کے عقب سے زری کی آواز سنائی دی تھی اور بی بی جان نے اپنی بھیگی آنکھیں پونچھتے ہوئے بازو وا کر دیے تھے اور زری بچوں کی طرح لپک کے ان کے سینے سے لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی وہ آج اپنی ماں سے پانچ سال بعد مل رہی تھی اور ان پانچ سالوں میں یوں لگ رہا تھا جیسے بہت کچھ بدل گیا تھا اپنے بھی اپنے نہیں رہے تھے۔ اور اپنوں کے پرائے ہونے کا دکھ ہی اسے یوں بے پناہ رلا رہا تھا۔

"زری۔۔۔ !کسی اور کو بھی ملنے دو گی یا نہیں؟" عبداللہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا اور پھر بی بی جان کو کندھوں سے تھام کے زری سے الگ کیا تھا۔

"بی بی جان۔۔۔ !یہ آپ کی بہو ہے 'نگارش'۔" عبداللہ نے نگارش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اور بی بی جان اتنی خوبصورت اور پیاری سی لڑکی کو اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔ کافی باوقار سی لڑکی تھی عبداللہ کے پہلو میں کھڑی سج رہی تھی۔

"السلام علیکم بی بی جان۔۔۔ !" نگارش نے کافی جھجکتے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں سلام کیا تھا۔

بی بی جان نے ایک نظر عبداللہ کو دیکھا اور پھر دوبارہ نگارش کو دیکھا تھا وہ اپنے دل کو پتھر نہیں بنا سکی تھیں انہوں نے نگارش کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے بھی سینے سے لگا لیا تھا۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو۔ اللہ سدا سہاگن رکھے۔" انہوں نے اسے دعاؤں سے نوازا تھا اور نگارش کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ عبداللہ کے حوالے سے زری کے بعد یہ دوسرا رشتہ تھا جو اس سے اس طرح محبت سے پیش آیا تھا اور اسے بہت اچھا لگا تھا دل کو سکون محسوس ہوا تھا۔

"آؤ بیٹھو تم لوگ۔ تھک گئے ہو گے؟" بی بی جان نے تخت پہ رکھی تسبیح دوبارہ تھام لی تھی اور۔۔۔ صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ان کے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے یہاں۔" ملک شرافت علی کی کرخت آواز پہ صوفے کی سمت اٹھتے عبداللہ کے قدم یکدم ٹھہر گئے تھے اس نے فوراً پیچھے پلٹ کے دیکھا تھا۔

"بابا جان۔۔۔ !" عبداللہ بے ساختہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

"بس۔۔۔ !اس کی ضرورت نہیں ہے جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔"

انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا اور عبداللہ دم بخود سا کھڑا رہ گیا تھا اسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ بابا جان نے اسے اس طرح کہا ہے؟

بے شک ان لوگوں میں ہزاروں اختلافات سہی' ہزاروں رنجشیں اور گلے شکوے ہی سہی لیکن پھر بھی وہ ان کا بیٹا تو تھا؟ اتنے عرصے بعد واپس آیا تھا۔ کم از کم ان کو اس سے ایک بار ملنا تو چاہیے تھا؟ بعد کی بعد میں دیکھی جاتی لیکن انہوں نے تو کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی تھی۔ چہرے پہ جاہ جلال لیے دونوں ہاتھ پشت پہ باندھے وہ عبداللہ کو بڑی خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"ملک صاحب۔۔۔ !یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میرا بچہ اتنے سالوں بعد آیا ہے آپ اسے دم تو لینے دیں۔" بی بی جان تڑپ گئی تھیں۔

"اتنے سالوں بعد آیا ہے تو اسی طرح آتا نا جس طرح ہم نے کہا تھا؟" ملک شرافت علی کا اشارہ نگارش کی طرف تھا ان کی شرط تھی کہ عبداللہ جب بھی واپس آئے نگارش کو طلاق دے کر واپس آئے ورنہ اس حویلی میں عبداللہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔

"چھوٹے ملک صاحب نے پہلے کب آپ کی کوئی بات مانی ہے جو اب مانیں گے؟" ملک اسداللہ کی آواز بھی داخلی دروازے کی سمت سے ابھری تھی آواز میں طنز اور تمسخر تھا۔ عبداللہ نے چونک کر دیکھا تھا دونوں باپ بیٹا برابر کھڑے تھے دونوں کی طرز زندگی اور قول و فعل ایک سے ہی تھے انیس بیس کا بھی فرق نہیں تھا دونوں میں اور کسی ایک سے بھی کسی قسم کی گنجائش کی امید رکھنا فضول تھا۔ یہاں کوئی بھی عبداللہ کا طرف دار نہیں تھا کیونکہ بی بی جان بھلا کب شوہر کے سامنے ٹھہر سکتی تھیں۔ اس لیے عبداللہ نے اس میدان میں اکیلے ہی اترنا تھا۔

"چلیں۔۔۔ !آج ایک فیصلہ کرتے ہیں۔ جو میں منوانا چاہتا ہوں وہ آپ مان لیں جو آپ منوانا چاہتے ہیں وہ میں مان لیتا ہوں جو اپنی بات سے ہٹ جائے وہ مرد نہیں کہلائے گا؟" عبداللہ کا لہجہ بھی ان جیسا ہی کرخت ہو چکا تھا اور آنکھوں کا رنگ بھی سنگین تیوروں میں بدل گیا تھا۔

"کیسا فیصلہ۔۔۔؟" اب کی بار ملک اسداللہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

"بیوی کو طلاق دینے کا فیصلہ؟" عبداللہ کا لہجہ کاٹ دار اور دو ٹوک تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟" بابا جان سمجھ نہیں پائے تھے۔

"مطلب کہ انہی قدموں پہ کھڑے کھڑے ملک اسداللہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو میں بھی ابھی یہیں کھڑے کھڑے اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا اور وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔" عبداللہ نے گویا ملک اسداللہ کے گلے میں پھندا ڈالا تھا۔ بابا جان' ملک اسداللہ اور بی بی جان کے ساتھ ساتھ زری اور نگارش بھی دنگ رہ گئی تھیں۔

"یہ کیسی شرط ہے بھلا؟" ملک اسداللہ کو غصہ آیا تھا۔

"مجھ سے میری بیوی کو طلاق دلانے کے لیے میری یہی شرط ہے؟" عبداللہ کا انداز استہزائیہ تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہو؟" وہ کافی چبا کے بولے تھے۔

"میں تو تیار ہوں۔ بس آپ کے تیار ہونے کا انتظار ہے؟ کیا خیال ہے پھر گاؤں کے نکاح خواں سے دو طلاق

ناموں کے پیپرز منگواؤں؟" عبداللہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بکواس بند کرواپنی۔ اور زبان سنبھال کے بات کرو۔ تم اپنی بیوی سے میری بیوی کا مقابلہ کررہے ہو؟" ملک اسداللہ بھڑک اٹھے تھے ان کے لہجے میں واضح حقارت تھی۔

"اگر نام نہاد رشتے کو دیکھا جائے تو آپ کی بیوی میری بھابھی ہوتی ہیں اس لیے میں ان کے لیے کوئی غیر مہذب الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ مگر اتنا ضرور پوچھوں گا کہ کیا آپ کی بیوی کسی اعلا قسم کے میٹریل سے تیار ہوئی ہیں جن کا کسی سے کوئی مقابلہ نہیں ہے؟ جتنا اعلا حسب نسب ہے ان کا وہ میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔"

عبداللہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔

"خبردار...! میری بیوی کے بارے میں کچھ کہا تو۔" ملک اسداللہ یکدم دھاڑے تھے۔

"تو پھر آپ کون ہوتے ہیں میری بیوی کے لیے کچھ کہنے والے؟ جس روز میرے کہنے پہ آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس روز مجھ سے کوئی بات کیجیے گا کوئی حق نہیں ہے آپ کو میری بیوی کے بارے میں کچھ کہنے کا۔ اب ایک لفظ بھی کہا تو بہت برا ہوگا آپ کے لیے۔" عبداللہ نے رنگ بدل کے بات کی تھی اور ملک اسداللہ اور بابا جان کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"تم اس لڑکی کی خاطر ہم کو چھوڑ رہے ہو؟" بابا جان کے لہجے کی کرختگی ہنوز تھی۔

"آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس لڑکی کی وجہ سے آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں؟" عبداللہ کے جواب دوبدو ہوتے تھے۔

"ہم نے ہمیشہ اس لڑکی کی جگہ وجاہت علی کی بیٹی کو دیکھا ہے تمہاری دلہن وہی بنے تو اچھا ہے۔"

انہوں نے اپنے مرحوم بھائی وجاہت علی کا ذکر کیا تھا۔

"جانتا ہوں...! بڑی اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ آپ کی بھتیجی ہے اسی لیے تو آپ اسے یہاں لانا چاہتے ہیں لیکن بابا جان آپ کو اس معاملے میں بھی مجھ سے مایوسی ہوگی۔ میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ کسی کی اچھی بھلی زندگی تباہ کرکے رکھ دوں۔ مجھے یقین ہے کہ چچا وجاہت علی کی بیٹی جہاں بھی ہوگی خوش ہوگی اور خوشحال زندگی گزار رہی ہوگی میں اس کی زندگی برباد نہیں کرسکتا۔ اگر ایسا کرنا ہی ہوتا تو آج سے پانچ سال پہلے کرلیتا۔" عبداللہ کا طنز اور تلخی بابا جان کو طیش دلا گئے تھے۔

"تو پھر تم یہ بھی بھول جاؤ کہ ہم تمہاری لائی ہوئی اس دو ٹکے کی لڑکی کو قبول کریں گے۔ ہمارے گھر میں نہ تمہارے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ ہی اس لڑکی کے لیے۔ اس لیے بہتر ہے کہ جن قدموں پہ کھڑے ہو انہی قدموں پہ واپس لوٹ جاؤ۔ تم ہمارے لیے مر گئے۔ ہم تمہارے لیے مر گئے۔" انہوں نے تو انتہا کردی تھی۔

"جو انسان آپ کا مطلب پورا نہیں کرتا وہ آپ کے لیے مرہی جاتا ہے یہ بات بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہوں میں۔" عبداللہ تلخ سا ہنسا تھا۔

"اسے کہو...! ہماری نظروں سے دور ہوجائے' چلا جائے یہاں سے' نکل جائے اس حویلی سے۔" بابا جان غصے سے بی بی جان کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز سے دھاڑے تھے اور ان کی اتنی بلند آواز پہ حویلی کے دیگر مکین بھی ڈرائنگ روم میں آگئے تھے جن میں ملک اسداللہ کے بیوی اور بچے بھی تھے۔

"جارہا ہوں...! اور اس ظلم کدے میں میں رہنا بھی نہیں چاہتا۔ اور نہ ہی میں یہاں رہنے کا ارادے سے آیا تھا۔ یہ کمین گاہ آپ کو مبارک۔"

وہ بھلا کب ہار ماننے والا تھا بابا جان کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"یعنی تمہارا پلان تھا کہ تم نے یہاں نہیں رہنا؟" بابا جان سے پہلے ملک اسداللہ بول پڑے تھے۔

"بے شک میرا پلان تھا۔ لیکن آپ میں دم ہے تو آپ میرا پلان بدل بھی سکتے ہیں میرے پلان کو ناکام بھی بنا سکتے ہیں بس ذرا سی ہمت اور حوصلے کا کام ہے آپ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں میں اپنی بیوی کو دے دیتا ہوں پھر آپ کی پسند کی بیوی لاؤں گا اور یہیں ڈٹ کے رہوں گا آپ کے ساتھ آپ کے شانہ بہ شانہ۔"

عبداللہ نے کہتے ہوئے اپنی بھابھی کو ایک نظر دیکھا تھا وہ عبداللہ کی بات پہ سٹپٹا گئی تھیں۔

"اور ہاں...! میں جانتا ہوں کہ آپ کی ایک بیوی نہیں' کئی بیویاں ہیں کچھ ایسی جن سے آپ نے شادیاں کر رکھی ہیں اور کچھ ایسی جن سے شادیاں نہیں کیں لیکن میں نے ان کو طلاق دینے کا نہیں کہا' میں نے تو آپ کی اعلا حسب نسب والی بیوی کو طلاق دینے کا کہا ہے تاکہ آپ کو پتا تو چلے تاکہ آپ نے کس کو طلاق دی ہے؟"

اب سٹپٹانے کی باری ملک اسداللہ کی تھی وہ عبداللہ کو کھا جانے والی خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"ملک عبداللہ...! بہت غلط کر رہے ہو تم بھائی' بھائی کا شریک ہوتا ہے اور تم شریک کو اور شریکِ (دشمن) بنا رہے ہو۔" ملک اسداللہ کے لہجے میں عجیب سی دھمکی تھی۔

"میں برٹش ایمبیسی میں کمپلین لکھوا کے آیا ہوں کہ پاکستان میں قیام کے دوران مجھے' میری بیوی کو اور میری بہن کو اگر ذرا سا بھی نقصان پہنچے تو ذمہ دار ملک شرافت علی' ملک اسداللہ اور ملک حق نواز ہوں گے۔ اس لیے میرا شریک بننے سے پہلے سوچ لیجیے گا کہ آپ نے اگر شریک بننا ہے تو کس حد تک بننا ہے؟ کیونکہ میں نے اپنے نقصان کی کوئی بھی معافی نہیں لکھوائی' سیدھی سزا کی درخواست کی ہے۔" عبداللہ نے اسے وارن کر ہی دیا تھا کہ کہیں وہ اپنے ہی زعم اور غصے میں نہ رہیں۔ وہ سارا بندوبست کرکے آیا ہے "بہن کے ساتھ اب تمہارا کیا علیک سلیک ہے۔ وہ گھر آگئی ہے۔ بس بات ختم۔" بابا جان چونک کے بولے تھے۔

"بات ختم کہاں ہوئی ہے بابا جان؟ جب میں اس گھر میں نہیں رہ سکتا تو میری بہن بھی نہیں رہ سکتی۔ مجھے آپ سب پہ اب کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی کرسکتے ہیں آپ راتوں رات اس کی شادی بھی کرسکتے ہیں اور بربادی بھی۔ آپ کے لیے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔" عبداللہ بڑے سکون سے کہہ رہا تھا جبکہ ان کا سکون منتشر ہوگیا تھا اور زری کی جان بھی جیسے مٹھی میں آگئی تھی۔

"یہ میری بیٹی ہے۔" بابا جان نے دانت پیس کر جتایا تھا۔

"آپ کی بیٹی ہے تو کیا آپ کو قتل کا اختیار دے دیا جائے؟" وہ زیادہ سنگین لہجے میں بولا تھا۔

"میں اس کا قتل بھی کروں تو مجھے کسی کے اختیار کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ آپ خدا بن بیٹھے ہیں جس کو کسی کے اختیار کی ضرورت نہیں ہے' جو خود ہی اتنا بااختیار ہے کہ کچھ بھی کردیتا ہے؟" اس کے جواب پہ وہ لاجواب ہوگئے تھے مگر پیچھے تو کسی نے بھی نہیں ہٹنا تھا۔

"زری...! تم اندر جاؤ۔" ملک اسداللہ نے اشارہ کیا۔

"زری...! اندر نہیں جائے گی بلکہ میرے ساتھ میرے گھر جائے گی۔" عبداللہ نے روک دیا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا؟" وہ دونوں باپ بیٹا تو اور زیادہ بھڑک اٹھے تھے۔

"یہ بھی بڑے اچھے طریقے سے ہوگا کیونکہ میرے ساتھ اس وقت پولیس فورس ہے اور پولیس فورس کے ساتھ ایکدم الرٹ میڈیا۔ جو آپ کے ذرا سے ہنگامے اور میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔ اور اگلے دس منٹ میں آپ کے یہ سفاک اور بے رحم چہرے پوری دنیا کے سامنے ہوں گے اور آپ لوگوں کے وہ کرتوت بھی سامنے آئیں گے جو آج تک کسی کی بھی نظروں سے نہیں گزرے۔" عبداللہ کی دھمکی پہ ان کے رنگ بدل گئے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟" بابا جان پھر گرجے تھے۔

"ہاں۔۔۔! پاگل ہو گیا ہوں۔ جب آپ کے پاس میرے لیے کوئی گنجائش کوئی رعایت نہیں ہے تو میرے پاس بھی نہیں ہے جو انسان اپنوں کا اپنا نہیں بن سکتا وہ بے چاری غریب عوام کا اپنا کیسے ہو سکتا ہے؟" عبداللہ بھی مکمل اجنبیت پہ اتر آیا تھا۔

"ملک عبداللہ۔۔۔! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" ملک اسد اللہ کا بس چلتا تو عبداللہ کو گولی مار دیتا۔

"آپ نے مجبور کیا ہے مجھے۔" وہ کندھے اچکا کے بولا تھا۔

"اسد اللہ۔۔۔! گاؤں کی باہر والی سڑک پہ پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی ہیں کیا تمہیں پتا ہے کہ پولیس کی گاڑیاں یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

ملک حق نواز کہتا ہوا اندر داخل ہوا تھا اور ان سب پہ نظر پڑتے ہی خاموش ہو گیا تھا زری غیر محسوس طریقے سے نگارش کی اوٹ میں ہو گئی تھی کہ ملک حق نواز کی غلیظ اور گندی نظر اس پہ نہ پڑے جبکہ ادھر بابا جان اور ملک اسد اللہ حیرت زدہ سے رہ گئے تھے کہ عبداللہ انہیں محض دھمکی نہیں دے رہا تھا بلکہ سچ کہہ رہا تھا پولیس اور میڈیا ساتھ لے کر آیا تھا۔

"یہ پولیس کی گاڑیاں تو فی الحال ہماری سیکیورٹی کے لیے یہاں آئی ہیں لیکن آپ فکر نہ کریں جس روز آپ کو گرفتار کرنے آئیں گی اس روز دو نہیں بلکہ چار گاڑیاں آئیں گی۔ آخر اللہ نے ایک روز مومنہ بی بی کا بھی تو انصاف کرنا ہے۔" عبداللہ کا رخ اب ملک حق نواز کی طرف تھا بابا جان ٹھٹک گئے تھے کہ عبداللہ کو مومنہ بی بی کے معاملے کا بھی علم ہے؟

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب دل آور شاہ کی شہ پہ کر رہے ہو۔ اور دیکھ لینا مومنہ بی بی کے اس چکر میں کسی روز میری گولی سے دل آور شاہ مارا جائے گا۔"

"آہ۔۔۔!" ملک حق نواز کی بے رحم دھمکی پہ نہ جانے کیسے زری کے منہ سے ایک ہچکی نما آہ نکل گئی تھی کہ نگارش نے یکدم گھبرا کے دیکھا تھا۔

"اور اس روز میری گولی سے ملک حق نواز مارا جائے گا۔ کیونکہ آپ لوگ خود کہتے ہیں قتل کے بدلے قتل اور عزت کے بدلے عزت۔ اور فی الحال تو آپ پہ کسی کی عزت کا قرض ہے۔ جو آپ سے دل آور شاہ ہی وصول کرے گا اور ایسا وصول کرے گا کہ کبھی کسی عورت کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے بلکہ اپنی بیوی کو بھی بہن سمجھو گے آپ۔" عبداللہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔

"ملک عبداللہ۔۔۔!" اس کی بات پہ ملک اسد اللہ یکدم غرا کے اس کی طرف بڑھا تھا لیکن ملک حق نواز نے اسے دبوچ کر روک لیا تھا۔

"چھوڑ دیں انہیں۔۔۔! دیکھتا ہوں میں کہ کیا کرتے ہیں یہ؟" عبداللہ نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے اس کا بولٹ چڑھایا تھا۔

اور اس کو ریوالور تانے دیکھ کر بی بی جان، زری، نگارش کے ساتھ ساتھ ملک اسد اللہ کے بیوی بچے بھی چیخ اٹھے تھے۔

"ملک حق نواز۔۔۔! چھوڑو مجھے۔۔۔"

ملک اسد اللہ غرایا تھا۔

"عبداللہ۔۔۔! پلیز چلیں یہاں سے۔ پلیز عبداللہ۔۔۔! ہم لوگ اگر اور یہاں ٹھہرے تو اور زیادہ ہنگامہ ہو گا۔" نگارش نے روتے ہوئے لپک کر عبداللہ کا بازو تھام لیا تھا۔

"جاؤ بیٹا۔۔۔! چلے جاؤ یہاں سے۔ تمہارا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔" بی بی جان بھی رو پڑی تھیں۔

اور بی بی جان کو روتے دیکھ کر عبداللہ کے اشتعال دھیما پڑ گیا تھا اس نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کر لیا تھا۔

"ٹھیک ہے جا رہا ہوں۔۔۔! لیکن آپ سب لوگ ایک بات کان کھول کے سن لیں کہ زری کی شادی اس درندے سے کبھی مر کے بھی نہیں ہو گی اس کے ساتھ شادی کرنے سے بہتر ہے کہ میں زری کو خود گولی مار دوں اس لیے آپ لوگ اس شادی کا خیال دل سے نکال دیں تو اچھا ہے باقی آپ کی مرضی۔"

عبداللہ نے جاتے جاتے ایک بار پھر وارن کیا تھا۔

"چلو۔۔۔!" اس نے زری اور نگارش کو چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں اور زری کو یوں لگا جیسے ملک حق نواز کی چبھتی ہوئی نظریں اس کے ساتھ اس کے پیچھے تک آ گئی ہوں۔

"تم زری کو دنیا کے کسی بھی کونے میں لے جاؤ لیکن شادی اس کی ملک حق نواز سے ہی ہو گی یہ ملک حق نواز کا دعوا ہے یاد رکھنا۔"

ملک حق نواز کی آواز پہ داخلی دروازے کی سمت بڑھتے عبداللہ کے قدم یکدم رک گئے تھے۔

"اور جس دن ایسا ہو گا وہ دن یا تو آپ کی زندگی کا آخری دن ہو گا یا میری زندگی کا یا پھر زری کی زندگی کا۔ یہ بھی یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔" وہ کہتا ہوا سب پہ ایک طائرانہ سی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا تھا زری اور نگارش پہلے ہی گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھیں عبداللہ کے آتے ہی گلاب خان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

ہر سو اندھیرا پھیل چکا تھا شام سے رات ہو چکی تھی۔ وہ لوگ مسلسل سفر میں تھے۔ انگلینڈ سے لاہور اور لاہور سے اپنے گاؤں اور اب پھر گاؤں سے لاہور کا سفر جاری تھا۔ نیند، تھکن اور ذہنی دباؤ سے برا حال ہو رہا تھا۔ عبداللہ نے تھکے تھکے انداز میں سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا تھا۔

گلاب خان ان کے آتے ہی ایس پی کامران کو اطلاع دے چکا تھا کہ وہ لوگ باخیریت حویلی سے نکل آئے ہیں تب ایس پی کامران نے پولیس فورس کو واپسی کا آرڈر دے دیا تھا۔ یہ کام انہیں دل آور شاہ نے کہا تھا اور وہ دل آور شاہ کی بات ٹال نہیں سکتے تھے کیونکہ دل آور شاہ بھی ان کے ایسے ایسے کام نکلوا دیتا تھا جو کوئی اور نہیں کر سکتا تھا اس لیے یہ لین دین تو چلتا ہی رہتا تھا لیکن آج عبداللہ کو دل آور کی وجہ سے خاصی بیک سپورٹ حاصل ہوئی تھی وہ اس کی ذہانت اور داؤ پیچ کا معترف ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آج کافی لیٹ گھر آیا تھا۔

گاڑی کے ہارن پہ زلفی نے گیٹ کھولا تھا اور وہ گاڑی اندر لے آیا تھا، زلفی گیٹ بند کر کے بھاگتا ہوا اس کی گاڑی کے قریب آیا تھا۔

"سلام صاحب۔۔۔!" زلفی کے انداز کی طرح اس کا سلام بھی بڑا پرجوش قسم کا ہوتا تھا۔

"وا السلام۔۔۔! کیسے ہو؟ خیریت؟" دل آور گاڑی سے اتر آیا تھا۔

"جی صاحب۔۔۔! خیریت ہی ہے، وہ گلاب خان نہیں آیا آپ کے ساتھ؟" زلفی نے دل آور کو اکیلے دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

"گلاب خان کسی کام سے گیا ہوا ہے اس نے فون پہ بتایا نہیں تھا تم لوگوں کو؟" وہ اپنا بریف کیس نکال کے اندر کی طرف بڑھا۔

"بتایا تو تھا لیکن میں سمجھا کہ آپ کے ساتھ ہی کام سے گیا ہو گا۔" زلفی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"نہیں۔۔۔! میرے ساتھ نہیں' میرے دوست کے ساتھ گیا ہوا ہے۔"
"آپ کا دوست جو آج انگلینڈ سے آیا ہے؟" زلفی کو دل آور سے باتیں کرنے کا شوق تھا اسی لیے بات کو طول دیتا تھا۔
"ہاں وہی۔۔۔!" دل آور کہہ کے سیڑھیوں کی سمت بڑھا تھا۔
"کھانا کھائیں گے؟ گل کو بلاؤں؟" اس کے پوچھنے پہ دل آور سیڑھیاں طے کرتے ہوئے ٹھہر گیا تھا اور پلٹ کر زلفی کو دیکھا جو سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا۔
"گل تمہاری کیا لگتی ہے؟"
"جی۔۔۔! بہن۔"
"تم سے بڑی ہے کہ چھوٹی؟"
"جی۔۔۔! بڑی ہے۔"
"تو تمہیں اس کو کیا کہنا چاہیے؟"
"جی۔۔۔! باجی۔" زلفی نے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔
"تو پھر۔۔۔؟"
"معافی چاہتا ہوں صاحب۔۔۔! غلطی ہو گئی ہے' میں انہیں گل باجی ہی کہتا ہوں بس ویسے ہی منہ سے پھسل گیا تھا۔" اس کے انداز پہ دل آور مسکرا دیا تھا۔
"اوکے۔۔۔! لیکن دھیان سے رہا کرو یار۔ اتنے بدحواس کیوں ہو جاتے ہو؟"
"پتا نہیں صاحب۔۔۔! مجھے کیا ہو جاتا ہے؟" زلفی سر کھجا کے رہ گیا۔
"تھوڑے اور ذمہ دار ہو جاؤ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھا کروں گا؟"
دل آور پلٹ کے دوبارہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔
"سچ کہہ رہے ہیں صاحب؟" وہ پیچھے سے چہکا تھا۔
"اپنے دل کے سوا میں کسی کو جھوٹی تسلیاں نہیں دیتا۔" وہ سر جھٹک کر کہتا سیڑھیاں طے کر گیا تھا اور زلفی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا گل سامنے ہوتی تو وہ اسے بھی ضرور بتاتا۔

☆ ☆ ☆
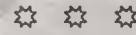
میرے بابل کا اونچا محل
میرے ساجن کی گلیاں تنگ
میں پھولوں کی رہنے والی
مجھے ملا ہے کانٹوں کا سنگ

وہ اپنے گھٹنوں کے ارد گرد دونوں بازو لپیٹے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی اور اس کے قریب ہی فرش پہ بیٹھی گل اسے چپ کروانے اور تسلیاں دلاسے دینے میں مصروف تھی۔ گل آج ذرا فارغ تھی اس لیے شام سے ہی علیزے کے پاس آکر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے بیٹھنے میں کتنا ٹائم گزر گیا تھا اس کی دونوں کو ہی خبر نہیں تھی۔
"دیکھو بی بی جی۔۔۔! یہ وقت اللہ نے شروع سے ہی آپ کی قسمت میں لکھ دیا تھا' یہ وقت آپ نے دیکھنا ہی تھا اس لیے اس طرح رونے دھونے سے کیا ہو گا؟ ہونا تو وہی ہے جو ازل سے لکھا جا چکا ہے۔" گل بار بار اسے سمجھا

رہی تھی۔
"لیکن مجھے کم از کم پتا تو چلے کہ میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا ہے؟ یہ سزا کس گناہ کی سزا ہے؟ مجھے کیوں اس قبر میں اتار دیا گیا ہے؟ وہ مجھے بتاتا کیوں نہیں؟" علیزے روتے روتے اچانک چیخ اٹھی تھی اور پھر اچانک ہی اس کی چیخ حلق میں ہی پھنس گئی تھی اور وہ ایک پل کے لیے خوف سے کانپ کے رہ گئی تھی بیسمنٹ کی سیڑھیوں کے پاس ہی دل آور شاہ کھڑا تھا جس کو دیکھ کر گل کے ہاتھوں کے توتے بھی اڑ گئے تھے وہ بھی لرز اٹھی کیونکہ اس کے تیور بہت سنجیدہ تھے۔
"سلام صاحب۔۔۔!" گل بمشکل ہمت مجتمع کرتی ہوئی اٹھی اور اسے سلام کرتے ہوئے سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی دل آور نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا اور گل دل ہی دل میں علیزے کی خیریت کی دعا مانگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔
دل آور خاموشی سے اسے دیکھتا ہوا ذرا فاصلے پہ رکھی کرسی کھینچ کر عین اس کے سامنے لے آیا تھا اور اس کے سامنے کرسی رکھ کے اس کے روبرو بیٹھ گیا۔ وہ اس کے سامنے دیوار سے ٹیک لگائے نیچے زمین پہ بیٹھی ہوئی تھی دل آور کی کاٹ دار آنکھیں اسی کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں اور علیزے سر سے پاؤں تک جل اٹھی تھی۔
اس کے چہرے کے ناگوار تیور دیکھتے ہوئے دل آور نے اپنی نظریں پھیر لی تھیں اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا تھا۔
"اگر میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارے ساتھ یہ سب کیوں ہوا ہے؟ یہ سزا کس گناہ کی سزا ہے؟ اور تمہیں کیوں اس قبر میں اتار دیا گیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ تم جس زمین پہ بیٹھی ہو اسی زمین میں سما جاؤ گی' جو اذیت میں سہہ رہا ہوں' وہی اذیت تم سہہ لو یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا سنو گی تو مر جاؤ گی اور میں تمہیں وقت سے پہلے نہیں مارنا چاہتا۔" دل آور نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دھواں فضا میں چھوڑا اور نظروں کا زاویہ دوبارہ علیزے کی سمت بدل لیا تھا۔
"لیکن میرا کیا گناہ ہے آخر؟" اس کی آواز پھر سے بھرا گئی تھی۔
"ہونہہ۔۔۔!" اس کے سوال پہ دل آور تلخی سے ہنسا تھا۔
"اس دنیا میں تمہارا صرف ایک ہی گناہ ہے کہ تم وقار آفندی کی بیٹی ہو۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" اس کا فیصلہ دو ٹوک تھا کافی سکون اور اطمینان بھرا۔

رفاقت جاوید

دوستاروں کا ملن
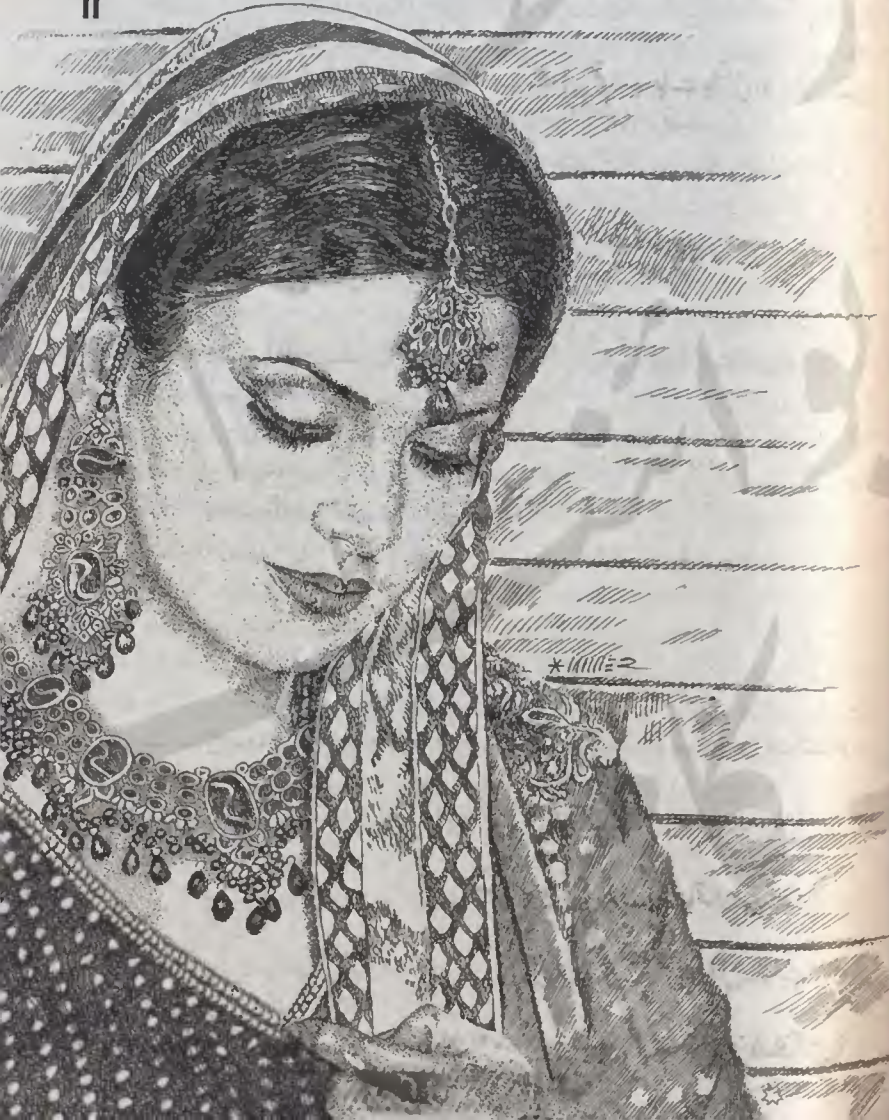
"تمہاری میرے پاپا کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟" وہ اس سے ڈری ہوئی تھی اتنی کہ دل آور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھانے کے لیے سیدھا ہوا تو اس کی چیخ نکل گئی وہ اس کے ایک تھپڑ سے ہی خوف زدہ ہو چکی تھی۔

"وہ سوال نہ کرو کہ جن سے تمہارا اور میرا یوں آمنے سامنے بیٹھنا بھی محال ہو جائے۔" دل آور نے اسے ٹوکا تھا۔

"پلیز ڈرائیور۔۔۔! میں۔۔۔ میں۔۔۔ تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پلیز مجھے یہاں سے جانے دو۔ مجھے میرے گھر جانے دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے نیند نہیں آتی۔ میں سو نہیں پاتی۔ پلیز مجھے جانے دو۔" علیزے کہتے ہوئے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔ دل آور نے اس کے اس طرح رونے پر خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"تو چلی جاؤ۔ تمہیں روکا کس نے ہے؟ سارے دروازے کھلے ہیں تم جب چاہے جا سکتی ہو میں نے تمہارے پیروں میں زنجیریں تو نہیں ڈال رکھیں؟" دل آور نے بڑی لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔

لیکن علیزے اس کی لاپروائی کا مفہوم بھی اچھی طرح سمجھتی تھی اسی لیے تو اپنی بے بسی پہ اور زیادہ رونا آیا تھا۔ وہ اور زیادہ روئی تھی۔

اور اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے مزید کچھ کہتے اچانک دل آور کے سیل پہ وائبریشن ہونا شروع ہو گئی تھی یہ کال گلاب خان کے نمبر سے تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔!"

"وعلیکم السلام صاحب۔۔۔! کافی دیر سے فون کر رہا ہوں مگر کال ہی نہیں مل رہی تھی۔" گلاب خان شاید ساتھ ساتھ ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

"میں بیسمنٹ میں ہوں شاید اس لیے۔"

"آپ کی آواز نہیں آ رہی صاحب؟"

"مجھے تمہاری آواز صاف سنائی دے رہی ہے تم کہو کیا کہنا ہے۔"

دل آور سگریٹ بوٹوں تلے مسل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ہم لوگ واپس آ رہے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔! کون کون آ رہے ہو؟ سب خیریت ہے نا؟"

"صاحب۔۔۔! کچھ سنائی نہیں دے رہا۔" گلاب خان خاصی اونچی آواز میں بولا تھا۔

"ارے یار۔۔۔! میں پوچھ رہا ہوں کہ عبداللہ اور زری وغیرہ ٹھیک ہیں؟ سب خیریت ہے نا؟ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟" اس نے اب باقاعدہ نام لے کر اور دہرا کے پوچھا تھا۔ جس پر علیزے نے روتے روتے چونک کر دیکھا تھا۔

"عبداللہ اور زری؟" علیزے کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا یہ نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھے یہ نام تو آسیہ آفندی کی زبان سے اس نے کئی بار سنے تھے۔

"ٹھہرو۔۔۔! میں بیسمنٹ سے باہر جاتا ہوں۔" دل آور کہتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا اور علیزے یکدم کسی سکتے سے باہر آئی تھی۔

"ڈرائیور۔۔۔! رکو میری بات سنو۔ ڈرائیور پلیز۔" علیزے بمشکل گرتے پڑتے اٹھی اور اس کے پیچھے بھاگی تھی لیکن اتنے میں وہ باہر جا چکا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

ثوبیہ شان بے نیازی سے کار میں آبیٹھی۔ آج وہ قدرے پرسکون تھی۔ اس نے اشارے سے ڈرائیور کو نرسری اسکول کا راستہ بتایا۔ وہاں پارک میں بچے کھیل رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا اپنا بچپن کھیل میں شامل ہو کر بے فکری اور لاابالی پن ظاہر کر رہا ہو۔ پھر وہ اپنے اسکول کی جانب بڑھ گئی۔ وہاں لڑکپن کی شرارتیں اور بچپن کی الوداعی نظروں نے استقبال کیا۔ وہ اس منظر سے لطف اندوز ہوتی ہوئی اپنے کالج پہنچ گئی۔ جہاں جوانی بھرپور امنگوں کے ساتھ براجمان ملی۔ وہ بیتے ہوئے حسین لمحوں کی یاد میں جھوم اٹھی۔ ایک ایک لمحہ خوب صورتی میں ڈوبا ہوا معلوم ہوا۔

ان ان مٹ یادوں کو دامن میں بھرے وہ اپنی ذات کے ہونے کے احساس میں یونیورسٹی پہنچی۔ ذہن و قلب میں زندگی سے انصاف کا فسوں بڑھتا جا رہا تھا اور لطافت کے جذبے سے سرشار آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ جب گھر واپس پہنچی تو اس کی پیشانی پر طمانیت اور تسکین کی چھاپ لگی ہوئی تھی اس نے ماں کو پیار کیا۔ سوئے ہوئے منے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر گلے لگا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور اسے کاٹ میں لٹا کر ممتا بھری نگاہ اس پر جمادی۔ اسی اثناء میں پورچ میں کوئی گاڑی آکر رکی۔ گاڑی کی آواز اور دروازے کے بند کرنے کے انداز سے وہ چونک کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ عرفان چہرے پر شرمندگی اور ندامت کا احساس لیے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ گہری سوچ اور اضطراب سے وہ ہاتھوں کو رگڑ رہا تھا۔ سچ تھا کہ وہ کس منہ سے اس گھر کے اندر آتا اور سب سے کیسے نظریں چار کرتا۔ ثوبیہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ دور بہت دور ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ خوبصورت تھی، تعلیم یافتہ، ذہین و فطین تھی۔ خوش مزاج ملنسار ایسی کہ کالج کی جان اور ہر ایک کا دل موہ کر اس پر حکمرانی کیا کرتی تھی۔ اسٹیج پر ڈرامہ ہو یا گانا، تقریر ہو یا قرات یا مشاعرہ ہر چیز میں وہ شامل ہوتی۔ گراؤنڈ میں ہمیشہ نمایاں، اسٹڈی میں نام سرفہرست۔ لبوں پر کلیوں کی سی پاکیزہ مسکان سجائے، آنکھوں میں تجسس آمیز چمک لیے، دل و دماغ میں آگے بڑھنے کی لگن سموئے، آکاش کی وسعتوں اور رفعتوں کو چھو لینے کا جذبہ لیے وہ منزل بہ منزل گامزن تھی کہ ایکدم اس کی تقدیر کے فیصلے کا وقت آگیا۔ اس کی ذہانت و فطانت کو سیکنڈری قرار دینے پر والدہ نے والد سے طولانی قیل و قال کے بعد اسے کنونس کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور ثوبیہ کا رشتہ اس کی رضامندی دریافت کیے بغیر عرفان سے طے کر دیا گیا۔

عرفان لاکھوں میں ایک تھا۔ برسر روزگار، سترہ گریڈ کا افسر، جس کی ترقی کے چانسز بہت روشن تھے کھاتا پیتا گھرانہ، باعزت و بارسوخ خاندان اور شکل و صورت میں بھی بے مثال، سب ہی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ گو کہ ثوبیہ بھی کسی لحاظ سے ان سے کم نہ تھی۔ وہ بھی لاجواب تھی۔ باقی رہا بیٹی کی پسندیدگی اور رجحان کا مسئلہ۔ اس کا کیا ہے؟ تھوڑا بہت تو لڑکیوں کو خود بخود دل پر جبر کر کے نئے لوگوں اور ان کے تشکیل شدہ ماحول اور قوانین کے ڈھانچے میں ایڈجسٹ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ خود کو اس سانچے میں ڈھال کر اپنی جگہ تو بنانی ہی ہوتی ہے نا۔ کیا ہوا اگر بیٹی کی ساری امنگیں، دلچسپیاں اور خواہش ذرا دب بھی گئیں تو قیامت تو نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ تعلیم کی تمنا کو بالائے طاق رکھنا کون سا گناہ عظیم ہے۔ آخر اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوگی کہ بیٹی کا ماتھا جھومر سے سج اٹھے گا اور والدین اپنے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے۔

ثوبیہ بھی فرماں برداری کا ثبوت دیتے ہوئے راضی بہ رضا رہی اور ان دیکھی زندگی کے لیے کمربستہ ہو کر اپنی تمام ایکٹیویٹیز کو خیرباد کہہ کر شادی کی تیاریوں میں ماں کا ساتھ دینے لگی۔

وہ عرفان کو پا کر خوش و خرم ہو گئی تھی۔ آج کے بعد وہ اس کا محرم اور جیون بھر کا ساتھی اس کا وارث اور محسن و مربی ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی وہ چھوئی موئی کی بیل بن گئی۔ وہ آغوش جس میں اس نے آنکھ کھولی تھی، باپ کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا تھا۔ راتوں کو چوری چھپے بہن بھائیوں کے کمروں میں جا کر رات گئے تک ڈراؤنی کہانیاں سنا کر سب کو دہلایا تھا۔ وہ گھر جہاں ماں باپ کی بے لوث محبت اور شفقت تھی لاڈ و چاؤ چونچلے تھے۔ اس نے آنسو بہائے بغیر وہ جنت و گلزار چھوڑ دیا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کی پرموشن ہو گئی ہو۔ وہ ایک بلند و بالا اسٹیٹس میں پہنچ کر خود مختار اور آزاد ہو گئی ہو۔ اسے شادی گلیمر ہی تو لگ رہا تھا اسے کیا معلوم کہ وہ نئے ماحول میں نئے رشتوں کے سنگ نئی زندگی گزارنے کی کبھی نہ ختم ہونے والی آزمائش میں گرفتار ہو گئی ہے۔

ماں جانتی تھی کہ اس معصوم اور ناسمجھ بچی کو کیا معلوم کہ یہاں شادیاں پھولوں کی سیج نہیں ہوتیں۔ سسرال والے چار سو پھول ہی پھول نچھاور کر کے سیج کو نرم و گداز اور معطر و دلفریب بنا کر دلہن کو اس ملن کی حقیقت اور سچائی سے ناآشنا رکھ کر فقط شادی خانہ آبادی کا یقین دلانے میں فتح پا جاتے ہیں۔ لیکن فریب کی عمر دراز نہیں ہوتی۔ دیرپا پائیداری ہوتی ہے نہ اسے ہیشگی نصیب ہوتی ہے۔ جلد ہی اس رشتے کی سچائی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان سجے ہوئے لاتعداد پھولوں کی نرمی سے ان نوکیلے کانٹوں کو چھپا تو دیا جاتا ہے جو صبح تک نمودار ہو کر اپنی اصلیت کا منہ بولتا ثبوت بننے کو تیار کھڑے ہوتے ہیں جہاں پھول وہاں کانٹا کے مترادف جتنے پھول اتنے ہی کانٹے چننے پڑتے ہیں۔ ادھر پھول مرجھائے ادھر کانٹوں نے سر نکالا۔

کتنا حسین مذاق ہے کہ بعض اوقات کانٹے چنتے چنتے عمریں بیت جاتی ہیں۔ کامیابی نصیب والیوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو عقلمندی، ہنرمندی اور قربانی بھی بے کار اور رائیگاں جاتی ہے اور کہیں بے وقوفی، نادانی اور بدسلیقی بھی فاتح بن جاتی ہے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود ماں کی بیٹی کو رخصت کرنے کی تمنائیں سب سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔

وہ آہ بھر کر پھر سوچنے لگی کہ کہا جاتا ہے شوہر بیوی کا مجازی خدا ہوتا ہے۔ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اس کی رضا میں۔

میں نے تمہارے ساتھ زندگی بتانے کے حسین سپنے دیکھے تھے۔ تمہیں بن دیکھے آئیڈیل تصور کر کے بخوشی اپنے پیاروں کی جدائی کو سینے سے لگا کر تمہاری ہو گئی تھی کیونکہ میرے سامنے تمہاری رفاقت میں گزرنے والا ہر پل شاندار اور خوش آئند تھا۔ تمہاری قربت، لگاوٹ اور توجہ میں میری فرماں برداری، اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کی چاشنی کی آمیزش سے اپنا گھر بسانے کی چاہ تھی۔ لگتا تھا ہر سو شادمانی اور کامرانی ہم دونوں پر مہربان تھی۔ یہ میرے تصورات کے محلات تھے۔ حقیقت تو اس کے برعکس تھی۔ تم تو میرے ذہن میں تراشے ہوئے صنم سے بالکل ہی مختلف نکلے۔ تمہارے لیے بیوی کا تمہاری زندگی میں آجانا اک عام اور معمولی سا حادثہ تھا جو ہر مرد اور عورت کی زندگی میں رونما ہو کر رہتا ہے۔ میرے لیے تمہاری طبیعت میں بلا کی سنجیدگی اور ٹھہراؤ تھا جبکہ تم اپنے گھر کے تمام افراد سے گھل مل کر رہنے کو اولیت دیتے تھے۔ تمہیں میرے علاوہ ہر ایک کو خوش و مطمئن رکھنے کی فکر لگی رہتی تھی۔ کیونکہ ماں کا ہر وقت برین واش کرنا کہ تم میرے اکلوتے ناز و نعم میں پلے ہوئے بیٹے اور چار بہنوں کے واحد بھائی ہو۔ جن کی ذمہ داری تم پر تاحیات لاگو ہے۔ تم اپنی دور اندیشی سے یہ حقیقت بہت جلد جان گئے تھے کہ بیوی کو نظر انداز کرنے میں دوسروں کی بے شمار خوشیوں کے ہمراہ اس کی ذہنی و قلبی سکون کی سلامتی کا بھی گہرا تعلق ہے۔ اگر ایک کے زخم سے اتنے سارے لوگوں کے گھاؤ بھر سکتے ہیں یا ایک کو پیاسا رکھنے سے اتنے سارے لوگوں کی پیاس بجھ سکتی ہے تو ایک کو ہی قربان کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ تمہاری یہ سوچ تمہیں مجھ سے کوسوں دور کرتی گئی۔

تم ہر وقت مجھ سے اکھڑے اکھڑے رہتے۔ بات

بات پر ڈانٹتے‘ سب کے سامنے تذلیل کرتے اور میں سب کچھ ہنس کر برداشت کرجاتی۔ لیکن کسی کو مجھ پر رحم نہ آیا کسی نے تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ بیوی کے کیا حقوق ہوتے ہیں اور ایک گھر آباد کرنے اور صحیح معنوں میں جنت بنانے میں جہاں بیوی کا کردار بہت اہم ہوتا ہے وہاں شوہر کا بھی رول بہت حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن تمہارے گھر میں تو معاملہ ہی بہت گمبھیر تھا۔ تمہیں مردانہ خودداری کا شاہکار اور نہایت ثابت قدم سمجھ کر پرستش کی جاتی کہ تم بیوی کے آنے سے رتی بھر بدلے جو نہ تھے۔

☼ ☼ ☼

ثوبیہ جن حسین سپنوں کے مرغزاروں میں اس کی زندگی میں آئی تھی۔ حقیقی جہاں میں کھڑی ہر ایک کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے لیے بڑے دکھ کی بات تھی کہ عرفان کا اس سے شادی کرنا گویا خاندان کے ہر بچے‘ بوڑھے اور جوان کا اس پر احسان عظیم تھا۔ وہ اکلوتا بیٹا‘ چار بہنوں کا لاڈلا بھائی کسی صورت شادی کے قابل نہ تھا۔ اس لیے تو عرفان کو مطلب تھا صرف اور صرف خود سے وابستہ تمام رشتوں ناتوں سے اور ان کے سامنے سرخرو ہونے کا۔ اسے صرف ایک فرماں بردار‘ گونگی‘ دلی خواہشات سے بے بہرہ اور ذہنی سوچ سے مفلوج بیوی چاہیے تھی۔ خاوند کے اس بے جا رویے کے اثرات خاصے بھیانک نکلے۔ وہ کسی کے لیے اہم اور قابل محبت نہ رہی۔ ہر فرد اپنی اہمیت‘ اپنا رعب دکھانے میں اپنی مثال آپ تھا۔ ماں غرور و تکبر کی جیتی جاگتی منہ بولتی تصویر۔ بہنیں اپنی جگہ لاتعداد خواہشات اور حاکمانہ ذہنیت کی مالک۔ عزیز و اقارب‘ نوکر چاکر سب کے سب اس پر حکمران تھے۔ مگر ثوبیہ جانتے ہوئے بھی اس چیلنج کو قبول کیے ہوئے تھی کہ وہ عرفان اور اس کے گھر والوں کی ذہنیت کو اپنے صبر و شکر سے بدل کر چھوڑے گی اور وہ بھی اپنے رشتے اور موجودگی کی اہمیت کا لوہا منوا کر رہے گی۔

اس نے ساس کی خوشی کی خاطر ——— والدین سے ملنا کم کردیا۔ جسے والدین نے برا نہ سمجھا‘ نندوں کو اپنانے کے لیے بہنوں سے منہ موڑ لیا اور عرفان کے دل میں جگہ بنانے کے لیے اس کی ہستی میں گھل مل گئی۔ اس کی نہ تو اپنی سوچ رہی نہ اپنی پسند اب وہ زندہ لاش تھی۔ وہ دوبارہ جنم لینا چاہتی تھی مگر ان تمام ہستیوں کو جیت کر اسی دھن میں پس پس کر سرمہ بنی سب کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بنی شاک میں چلی گئی۔ جب ساس عرفان کی دوسری شادی رچانے کے خوابوں کی تعبیر اس کے سامنے بیان کرنے لگیں۔ ماں بننے کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرگیا۔ اسی عالم بے بسی میں خوش جمال اور خوش رو ثوبیہ بدلتی چلی گئی۔ اسے ہر ایک سے ڈر لگنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے سائے سے بھی خوفزدہ ہو کر چونک اٹھتی۔ رفتہ رفتہ تلاطم خیز شباب پر سکوت چھانے لگا۔ تمام شوق اور ولولے پہلے ہی دم توڑ چکے تھے۔ شوخیاں شرارتیں لٹ گئی تھیں۔ اب تو اس کی ہمت و حوصلے پر مردنی کی کیفیت چھا چکی تھی۔ چار سال کے عرصے میں دیوتا داسی کی پوجا کو بے معنی اور لاحاصل قرار دیتے ہوئے اسے بنجر زمین سے مشابہہ کرتے ہوئے وقت کے زیاں پر تاسف کرنے لگا۔

وہ ذہنی رد و کد میں اپنے حواس کھونے لگی تھی۔ سوتے میں چیخیں مارتے ہوئے عرفان سے لپٹ جاتی۔ ہلکی سی آہٹ پر بے ہوش ہو کر گر جاتی اور ہوش آنے پر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی۔ اس کے والدین کو ان حالات کی خبر ہوچکی تھی۔ مگر منہ کھولنے کی جسارت نہ کرسکتے تھے۔ انہوں نے دنیا دیکھی تھی۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بیٹی کا سہاگ چھین کر ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا سکتا تھا۔ نہ جانے یہ کیسی آزمائش تھی کہ جس کا اختتام ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ یوں کہنا بجا ہوگا کہ والدین بیٹی پیدا کرنے کا خمیازہ اور بیٹی اس معاشرے سے تعاون کرنے کا مزا چکھ رہی تھی۔

آخر وہ دن بھی آہی گیا جب عرفان ماں کی رضا کی خاطر طلاق دینے پر آمادہ ہوگیا۔ ثوبیہ کا دل چاہا زہر کھا کر اپنی زندگی ختم کرلے اور تاحیات عرفان کو احساس جرم

کی سزا دے دے۔ لیکن ایسا کرنا حرام تھا۔ برداشت کا حوصلہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں نہ چہرے پر غم و فکر کے گہرے اور سیاہ بادلوں کا دھندلکا۔ اسے دیکھ کر عرفان ماں سے بولا۔

"امی یہ سب کیا ہوگیا؟" عرفان چونک اٹھا۔ رحم اور ترس اس کی رگ رگ میں سرائیت کرنے لگا۔ وہ اسے سینے سے لگا کر التجائیہ انداز میں بولا۔

"ثوبی! ٹھیک ہو جاؤ۔ میں کچھ بھی کرنے والا نہیں۔ جو بھی ہوا اور جو میں نے کہا۔ سب مذاق سمجھ کر بھول جاؤ۔"

"عرفان حوصلہ رکھو۔ مرد بنو۔ تم نہیں جانتے عورتیں بڑے ڈھونگ رچالیتی ہیں۔ خاوند کو اپنی گرفت میں کرنے کے لیے کچھ بھی کرلیتی ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ اس کے باپ کو فون کرتی ہوں آکر اس پگلی کو لے جائے۔ سارا ناٹک ختم ہوجائے گا۔" ساس حقارت سے بولیں۔

"امی! یہ اپنے باپ کے گھر اس حالت میں نہیں جائے گی۔" عرفان کے لہجے میں بے پناہ ترس تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے تم نارمل نہیں رہے۔ اس کے ساتھ تمہارا بھی دماغ چل گیا ہے۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ اس بانجھ کے ساتھ رہو گے تو تمہارا مستقبل بھی تاریک ہوجائے گا۔" وہ پچکارتے ہوئے بولیں۔

"ہاں امی شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شاید میں اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر نارمل نہیں رہا۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"بیٹے تم اس ذات کو سمجھنا چاہو تو احمق کہلاؤ گے۔ کم بخت نامراد تمہیں جونک کی مانند چپک گئی ہے۔ میں تمہیں دیکھتی ہوں تو ہول اٹھنے لگتا ہے‘ میرا اتنا ہینڈسم بیٹا‘ ویل ایجوکیٹڈ‘ دولت جس کی لونڈی ہے شہرت جس کا مقدر ہے اس جہاں کی زینت سے محروم رہ جائے جس کا نام اور نسل ہی باقی نہ رہے۔ تم اس کی چالبازی اور مکاری میں نہ آنا دیکھنا تمہارے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔ تم دیکھو گے تو اش اش کر اٹھو گے۔ مگر پہلے اس کا یہاں سے باپ کے گھر جانا ضروری ہے۔" اماں سختی سے بولیں۔

"اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔" عرفان کے دل میں ہمدردی کا طوفان موجزن تھا۔

"چلو یوں کرلیتے ہیں۔ اسے طلاق جیسی ذلالت سے بچالیتے ہیں۔ پڑی رہے ایک کونے میں خدمت گزاری کے لیے ملازمہ بھی تو رکھی جاتی ہے۔ یہ روٹی کپڑے پر بھاری نہیں۔" ماں نے نیا پینترا بدلا۔

"تمہارے بچوں کی آیا گیری تو کر ہی سکتی ہے نا۔ فی الحال اسے باپ کے گھر آرام کرنے کو چھوڑ آؤ۔ جب تک نارمل ہوتی ہے تمہاری دلہن کا انتظام کیے دیتی ہوں۔ میری بات یاد رکھنا عورت بہت دانش مند اور زیرک ہوتی ہے صرف ماں‘ بہن کے روپ میں۔ تمہارے باپ کو اللہ جنت نصیب کرے میری سمجھ پر اور میری دور اندیشی پر کبھی یقین نہ آیا۔ بیمار ہوئی بھی تو اسے نخرہ قرار دے کر کبھی ڈاکٹر کے پاس نہ لے گئے۔ ماں بہنیں دل میں بستی تھیں۔ بات بھی درست تھی۔ آخر ماں نے نو مہینے اپنا خون سینچ کر پالا تھا۔ درد میں مرتے مرتے بچی اور راتوں کی نیندیں اور دن کا قرار قربان کرکے اسے پروان چڑھایا۔ میری جرات نہیں تھی کہ ان سے آنکھ ملا کر بات بھی کرجاؤں۔"

"ثوبی بھی تو ایسی ہی ہے امی! چار سال میں ایک دفعہ بھی میری کسی بات کو انکار نہیں کیا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"اگر میں اپنی بہنوں سے اس کا مقابلہ کروں تو ثوبی بے مثال بیوی ہے۔"

"تم تو زن مریدوں والی گھٹیا اور بے وقوفانہ باتیں کرنے لگے ہو۔ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔ اس کا یہ ناٹک جادو کرگیا ہے تم پر۔" وہ غصے سے بولیں۔

"جاؤ یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ میرے معاملے میں

دخل اندازی کرنے کی کوشش کی تو بخشیں دھاریں نہ بخشوں گی۔"

"امی خفا تو نہ ہوں۔ آپ میرے لیے بہتر ہی فیصلہ کریں گی۔ آخر اولاد ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ثوبی کو آرام کے بہانے اس کے میکے بھیج دیتے ہیں۔ مگر میں اسے طلاق دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کے صبر و تحمل کا یہ پھل نہیں۔" وہ مودبانہ انداز میں بولا۔

"تندرست ہو کر اس گھر میں آئے گی۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ ماں' باپ پاگل بیٹی کا خود خیال رکھیں۔ ہمیں کسی باؤلے کتے نے کاٹا ہے کہ اسپتالوں میں مارے مارے پھریں۔" وہ بے دردی سے بولیں۔

"میں آج ہی اس کی ماں سے بات کرتی ہوں کہ اپنی بیٹی کو آکر لے جائیں۔ ہاں تم ہمارے درمیان ٹانگ اڑانے کی کوشش مت کرنا' میں جانتی ہوں۔ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ فیصلہ کرنے والی تمہاری ماں موجود ہے۔ مردانگی سے کام لینا۔ مردوں کو بزدلی اور کم ہمتی زیب نہیں دیتی۔" وہ اسے سمجھاتی رہیں اور وہ مودبانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

فون کال پر والدین بھلا کیسے نہ جان جاتے کہ دال میں کالا ہے۔ حالات سے وہ خبردار تو تھے۔ مگر نئے منصوبے کا انہیں اندازہ نہ تھا۔ اب شک اور وہم یقین میں بدل رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے بال دھوپ میں سفید کیے تھے نہ ہی اس معاشرے میں بہو اور بیوی کے مقام سے نا آشنا تھے۔ بیٹی کی حالت پر سکتے میں آگئے کہ آج بیٹی کے صبر و شکر اور ان کی برداشت کا یہ اجر ملا تھا کہ بیٹی کو پاگلوں کی حالت میں اپنے گھر لے آئے تھے۔ ساس کی زہریلی باتیں اور شوہر کی خاموشی نے ان کا سکون غارت کر دیا تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود دل تھا کہ سنبھلنے کا نام نہ لے رہا تھا۔

ثوبیہ کا فوری طور پر ماہر نفسیات سے علاج ہونے لگا۔ اس علاج کے دوران یہ سچائی خوشی بن کر ان کے آزردہ دلوں کو خوشیوں سے ہمکنار کر گئی کہ ثوبیہ ماں بننے والی ہے۔ ثوبیہ کے تو جیسے تمام غموں اور دکھوں کا مداوا ہو گیا ہو۔ علاج معالجہ جیسے مکمل ہو چکا ہو۔ اب اس نے خلاؤں میں گھورنا اور الجھی گتھیاں سلجھانا چھوڑ دیا۔ اکیلے میں باتیں کرنا' کبھی رونا اور کبھی قہقہے لگانا سب ہی بھول گیا تھا۔ اب وہ بدحواس ہوتی نہ خوفزدہ ہو کر چلاتی۔ نہ کسی قسم کی پشیمانی اور احساس محرومی اسے تنگ کرتی۔ معمولی سے ذہنی اثرات کی وجہ سے کہ وہ کبھی کبھی بالکل خاموش ہو جاتی اور گھنٹوں اسی عالم میں بیٹھی سب کی باتیں سنا کرتی۔ اس لیے علاج اس نوعیت کا جاری تھا۔

والدین اور ثوبیہ نے سسرال میں یہ خبر دینے پر میٹنگ کی اور آخر یہ مژدہ شیر مادر سمجھ کر پی لیا گیا۔ اس کے وجود میں پلنے والا بچہ اس کی ہر محرومی و ناکامی کو ختم کرنے کے لیے بہت کارگر ثابت ہوا اور اس نے اپنی توجہ کتابوں کی طرف مبذول کر لی۔

اسی عالم میں وقت بیت رہا تھا سب کا سمجھانا بہلانا ایسا کام آیا کہ خاموشی کو زبان مل گئی۔ وہ غیر ارادی طور پر ہی اپنے وجود کے قریب ہو کر زندگی کی دلچسپیوں میں حصہ لینے لگی۔ بچے کی آمد کی تیاریوں میں ماں کے ساتھ شامل ہوتی۔ اب اسے اپنی زندگی نہایت کار آمد اور لازم لگنے لگی تھی۔ عرفان کی طرف سے نہ ٹوٹنے والی خاموشی اسے مضطرب کرتی نہ ہی پشیمان کرتی وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں اپنے کردار پر فخر سے تنی ہوئی تھی۔

ثوبیہ نے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور وہ ٹیسٹ کی تیاری کرنے لگی۔ اب اس میں اتنی ہمت آگئی تھی کہ وہ اپنی اور بچے کی زندگی کے فیصلے خود کر سکتی تھی۔ ماضی کو ذہن سے کھرچ کر نکالنا اور حال میں رہ کر آگے قدم بڑھانا زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ وہ جو خوبیوں اور اچھائیوں کا مجسمہ تھی۔ اپنی شوخ و شنگ فطرت کے ساتھ اپنے بچے کو جسم میں پالنے پر متوجہ ہو چکی تھی۔ اسے ایک صحت مند اور نارمل اولاد چاہیے تھی۔ پھر وہ کیونکر مایوسیوں اور اداسیوں میں گھری رہتی۔

وہ صبح کس قدر مبارک اور بے پناہ خوشیوں کے

ہمراہ طلوع ہوئی تھی جب ثوبیہ نے ایک خوبصورت صحت مند اور توانا بچے کو جنم دیا تھا۔ ددھیال کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ کیونکہ عرفان بھی دوسری شادی کر چکا تھا۔ وہ بھی اپنی پسند اور بھرپور آزادی کے ساتھ اپنے نئے ساتھی کے ساتھ زندگی گزارنے کے حق میں تھی۔ والدین نے جائیداد میں شریعت کے پیش نظر اسے حصے دار ٹھہرایا اور ثوبیہ سیکیورٹی ملنے پر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔ اعتماد کا پیمانہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ جو اس کی شخصیت میں نظر آتا تھا۔

"ہائے میرے بچے کاش میں تیری قسمت اپنے ان ہاتھوں سے لکھ پاتی۔" عرفان کی ماں نے بلکتے ہوئے عرفان سے کہا۔

"پہلی شادی کس چاؤ سے کی۔ دوسری میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پہلی ہیرا تھی تو دوسری پو لکی سے کم نہ تھی۔ مگر تمہارے مقدر کہ دونوں ہی اس جنت میں رہنے پر اعتراض اور انکار ہی کرتی رہیں۔"

"آپ غلط بیانی سے کام مت لیں۔ ثوبیہ کو تو ہم نے خود دیس نکالا دیا تھا اور پھر پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی۔ بھلا کوئی انسان اتنا بھی بے حس اور لاپروا ہو سکتا ہے جیسے ہم نکلے۔" وہ تلخی سے بولا۔

"ہم نے اس پر کیا ظلم کیا ہے بیٹا؟ اب میں پاگل بہو کو تو گھر رکھنے سے رہی۔" وہ بھی برجستہ بولیں۔

"چلیں ایک نارمل بہو کا مزا تو آپ نے خوب چکھ لیا ہے۔ اب رونا دھونا کیوں؟" وہ طنزیہ ہنسا۔

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ ہمارے اپنے نصیب۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"اماں اب آپ کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہو گی کہ بہو کو ملازمہ کا اسٹیٹس دینے والا سسرال ہمیشہ منہ کی کھاتا ہے۔ ثوبیہ ایک شریف خاندان کی بہت سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ آپ نے اس کی قدر ہی نہیں۔ اس گھر میں سسک کر اور تڑپ کر دن گزارے ہیں اس نے۔ مگر کیا مجال اف تک کی ہو۔ ہمارے سامنے رکھ رکھاؤ اور اخلاقیات کی دیوی بن کر مشکل وقت کاٹ گئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے صبر کا پھل بچے کی صورت میں بخشا ہے۔ یونیورسٹی وہ جانے لگی ہے۔ ایک دن اپنے قدموں پر کھڑی ہو کر ہمارا تمسخر اڑا رہی ہو گی کہ روٹی کے بدلے تم لوگوں نے مجھ سے کتنی مشقت کرائی۔ کتنی تذلیل کی۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"ماں کی فرماں برداری اس کی تذلیل تھی تو تم بھی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو گئے ہو۔ آج کی لڑکیوں کو فقط شوہر چاہیے تاکہ اسے اکیلا دیکھ کر اس پر اپنا رعب جما کر من مانیاں کر سکیں۔ باقی رشتے تو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ نبھانا تو کجا بات کرنے کی بھی روادار نہیں ہوتیں ماں تو ٹھہری چغد جس نے ایک بچے کو پالنے میں کیا کیا قربانیاں نہیں دیں۔" وہ نفرت و حقارت سے بلند آواز میں بول رہی تھیں۔

"اور دوسری بہو کو دیکھو۔ کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ مہینے بھر میں ہی خلع لینے پر تل گئی۔ بتاؤ اس گھر میں اسے بھلا تکلیف کیا تھی؟ اب بوڑھی ساس اس کی جی حضوری سے تو رہی اور نندیں مٹھی چاپی کیونکر کریں۔ وہ اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی۔ ہمارے اصولوں پر چلتی۔ نہ کہ ہم اس کے خاندانی طرز زندگی کو اپنا لیتے۔"

"امی جان جب پرائی بیٹی کو بہو بنا کر گھر کا فرد بناتے ہیں تو اسے کچھ تو حق دینا چاہیے۔ قصور دونوں کا نہیں ہے۔ ذرا خود کا بھی احتساب کریں۔ شاید آپ کو اپنے سینے میں چھپی سیاہی' سنگدلی اور بے دردی نظر آئے۔ عظیم تو ثوبیہ تھی۔ چار سال گزار گئی مگر انجام کیا ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھی۔ عقلمند اور دور اندیش حنا ثابت ہوئی کہ ایک مہینے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ کر ہمارے جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ معصوم آپ کے عتاب میں آکر پاگل ہونے سے پہلے ہی میکے سدھار گئی۔"

"ایسی بات نہیں۔" ماں گویا ہوئی۔

"اسے والدین نے شہ دی ہے۔ اس کے نام جائیداد بھی کی اور بینک بیلنس بھی دے ڈالا۔ پڑھا لکھا کر قدموں پر کھڑا بھی کر دیا وہ اس گھر میں کیونکر ایڈجسٹ ہوتی۔ بگاڑ تو اس کے والدین کا ہے۔"

"آپ کی بات سو فیصدی درست ہے امی! ہمارے

معاشرے کی ان تمام خرابیوں کا سدباب والدین کو کرنا چاہیے۔ ورنہ حشر ثوبیہ جیسا ہوگا۔" وہ مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

"اب ایک عدد بیٹے کے لیے تیسری بہو لانے کا کیا خیال ہے۔ بہت راحت افزا اور خوش کن ہے نا امی۔"

"تیسری بھی آئے گی۔ ناک پر نہ بیٹھی تو چوتھی آجائے گی۔ اس میں قباحت ہی کیا ہے؟" وہ ڈھٹائی سے بولیں۔

"امی سنا ہے کہ جس ماں کی اپنی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ وہ ساس بے مثال ہوتی ہے۔ مگر آپ۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"بدتمیزی سے باز آؤ گے کہ تھپڑ رسید کروں۔" وہ غصے سے چیخیں۔

"تھپڑ ایک چھوڑ کے بیسوں رسید کرلیں۔ بس میری ریکوسٹ مان لیں۔ دل میں نرمی پیدا کریں دوسروں کی بچیوں کے لیے ورنہ اس کا انجام بہت عبرت ناک ہوگا۔

آج اپنے تمام غصے اور ناراضی کو یکجا کرکے اس کی وجہ کے بارے میں سوچیں۔ شاید ماضی میں آپ پر ہونے والی تمام زیادتیوں اور بے انصافیوں کی تلخیوں کا انتقام مجھ پر تھپڑوں کی بارش میں ڈھل جائے اور آپ کے من میں اٹھنے والی جنگ و جدل اور بدلے کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے۔ امی آپ کو تو اس کرب اور دکھ کا اندازہ ہے جس کا آپ نے ماضی میں سامنا کیا تھا۔ پھر اتنا نیگیٹو ری ایکشن کیوں؟ آپ کو اپنی بہو کے ساتھ وہ سلوک روا رکھنا چاہیے تھا۔ جس کی آپ نے تمنا کی تھی۔ جس کو آپ نے کاش کی گردان میں حسرت و یاس کا لبادہ اوڑھا دیا تھا۔ امی انتقام کی آگ کبھی بجھتی نہیں۔ مدھم پڑنے پر بھی چنگاریاں سلگتی رہتی ہیں۔ آپ اس دنیا سے نکل آئیں امی۔ مجھے آپ کو ہر وقت اس حالت میں دیکھ کر دلی رنج ہوتا ہے۔"

"بس، ہمدردیاں اپنے پاس رکھو۔ چلا ہے مجھے سبق سکھانے۔" وہ زچ ہو کر بولیں۔

"آپ سے بے پناہ پیار اور ہمدردی میں ہی تو نوبت یہاں تک آگئی۔ امی آئی لو یو۔" وہ انہیں گلے لگا کر بولا۔

"ہٹو۔ خوشامدی کہیں کا۔ اپنے مطلب کی خاطر اس وقت کچھ بھی کرنے کو تیار ہو۔ ہے نا۔" وہ قدرے مدھم پڑ گئیں۔

"کون سا لالچ اور کیا مطلب؟" وہ بظاہر حیرت سے بولا۔

"یہی نا کہ جاکر ثوبیہ کو لے آؤں۔ مگر ایسا نہیں ہوگا۔ میں ایک دفعہ تمہاری دادی کی حرکات سے تنگ آکر میکے چلی گئی تھی۔ تین سال تک مجھے تمہارے ابا نے نہیں پوچھا۔ تمہاری پھوپھیاں ہر دوسرے دن مجھے طلاق کی دھمکی دے کر خوفزدہ رکھتی تھیں۔ میں اس نگوڑی کو کیونکر لینے جاؤں۔ خود آنا چاہتی ہے تو دروازہ کھلا ہے۔" وہ طنز سے بولیں۔

"امی ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اور صرف آپ کو خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولا۔

"دیکھیں امی میری جنت تو آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔"

"بیٹے اب دنیا کے اصولوں کے ساتھ یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ شوہر کی جنت بیوی کی چاپلوسی، خاطر داری سے اس کی آغوش میں ہے۔ ذرا زمانہ بدلنے دو۔ کل کلاں! اس کا حصول قدموں کی بوسہ بازی میں منتقل ہوجائے گا۔" وہ طنز کے نشتر چلا رہی تھی۔

"امی! آپ مجھے نہیں خود کو ہرٹ کرنے پر تلی ہیں۔ آتش انتقام میں آپ نے اپنے گھر کو جہنم بنا رکھا ہے۔ جو اصول اپنی بیٹیوں کے لیے مناسب سمجھتی ہیں۔ وہی طریقہ بہو سے روا رکھیں تو یہ گھر اس روئے زمین پر جنت کا ٹکڑا ہوگا۔" وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب میں سمجھ گئی ہوں۔ بچے! عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ دراصل میں ہوں فساد کی جڑ۔ مجھے زہر پلا کر مار کیوں نہیں دیتے۔" وہ قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔ تو وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بڑبڑایا۔

"خدایا معاف کرنا۔ تو ایسی فطرت رکھنے والی ماں کو اولاد نرینہ دے کر کتنی ہی بے گناہ معصوم زندگیوں کو جہنم رسید کیوں کردیتا ہے؟ تیرے بھید تو ہی جانے۔"

ثوبیہ کی ہر سوچ منے کے اردگرد گھومتی رہتی۔ خود کو ہشاش بشاش رکھ کر اس نے ماضی کے دکھ درد غم اور پچھتاوے یکسر بھلا دیے تھے۔ زندگی اپنے مزاج اور اپنے معمول سے ہمکنار تھی۔ لیکن پھر بھی تاریک راتوں میں عرفان کی بے وفائی، لاپرواہی کا خیال آتا تو سینے میں کچھ ٹوٹ سا جاتا۔ آنکھوں کے گوشے بھیگ جاتے اور منے پر بے پناہ ترس آجاتا۔ جس نے ابھی تک باپ کے شفقت بھرے ہاتھوں کے لمس کو محسوس ہی نہ کیا تھا۔ کیا وہ بن باپ ایک مکمل انسان بن سکے گا۔ "ہائے منا ہم دونوں کی محبت اور شفقت میں پروان چڑھتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔" وہ حسرت و یاس سے سوچ کر تڑپ اٹھتی۔

ثوبیہ اس دن جب گھر پہنچی تو عرفان کی آمد پر خوشی کے ساتھ پریشانی اور فکرمندی بھی عود کر آئی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹ کر ساس، نندوں اور شوہر کی باتوں پر غور کرنے لگی۔ یونیورسٹی جانا واپس آکر بچے کو ٹائم دینا اسے تھکا دیتا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے چہرے کی زردی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ عرفان کو دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں ایسے پھولے کہ وہ بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔ ماں گرم دودھ کا گلاس لے کر اندر داخل ہوئیں تو اس نے فوراً" آنکھیں بند کرلیں۔ بس چلتا تو کان بھی بند کرلیتی۔ وہ سائیڈ ٹیبل پر دودھ رکھتے ہوئے پاس بیٹھ گئی اور نہایت ملائمت بھری آواز میں بولیں۔

"عرفان آیا ہے۔ تمہیں اور بچے کو لینے۔ بیٹا کچھ سدھرا ہوا لگ رہا ہے۔ بس تمہارا یونیورسٹی جانا پسند نہیں۔ اور تو کوئی اعتراض نہیں کر پایا۔"

"بہت خوب۔ میں دوسروں کے ٹکڑوں کی محتاج رہوں تو تب درست ہے۔ اس بزدل مرد کو ان سکیورٹی مارے جارہی ہے۔" وہ قدرے خفگی سے بولی۔

"نہیں میری جان! ایسے نہیں سوچتے۔ اپنی سوچ مثبت رکھو گی کہ تو تمام معاملات کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔ عورت برداشت کرنے، درگزر کرنے اور خطاکار کو ہنس کر سینے سے لگانے کا دوسرا نام ہے۔"

"امی آج آپ نرم پڑ گئی ہیں۔ لیکن میں نے جو فیصلہ کیا ہے بالکل اٹل ہے۔ میں عرفان کے ساتھ ایک پل بھی گزارنے میں اپنی ہتک اور توہین سمجھتی ہوں۔ یہ کیا اصول ہیں شوہر کے کہ جب دل چاہا دھتکار دیا جب چاہا گلے سے لگالیا۔ شادی نہ ہوئی مذاق اور تماشا ہوگئی۔ جس مرد کی قربت مجھے تحفظ نہ دے سکی وہ اپنے بیٹے کے لیے کیا کرے گا۔ میں اس کے قدموں کی دھول بن کر زندگی گزارنے کا تہیہ کرچکی تھی اس نے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ میں نے بمشکل خود کو بحال کیا ہے۔ یہ لوگ پھر سے مجھے توڑ پھوڑ کر گلیوں اور بازاروں کی نذر کردیں گے اب ایسے نہیں ہونے دوں گی۔ میری اچھی ماں آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

وہ ماں کے پاؤں پڑ گئی۔

"میری بچی! تم ہم پر بار نہیں ہو۔ ہمارے لیے رحمت ہو سراسر۔ مگر ہماری مجبوری تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے ابا عمر رسیدہ ہوگئے ہیں۔ میں اکیلی تمہارا کب تک ساتھ دے سکتی ہوں۔ یہ دنیا پہاڑ سی جوانی کو داغ دار کیے بغیر نہیں رہتی۔ بیٹی کی عزت و تکریم اس کی شوہر کے دم سے ہوتی ہے۔ اگر تمہاری کوئی شرط ہے تو عرفان کو بتاؤ۔ مجھے امید ہے اس وقت وہ ہر بات پر آمادہ ہوجائے گا۔ کافی پشیمان نظر آرہا ہے۔" وہ سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"میری کوئی شرط نہیں۔ میری زندگی شرطوں کی غلام نہیں ہے۔ عرفان خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے۔ اپنی زندگی کو خوشگوار اور دلفریب بنانے کے لیے کسی راستے کا تعین نہیں کرسکتے تو ان کی بزدلی ہے۔ بس میرے چند دلائل کو زیادہ سمجھیں اور مجھے مت چھیڑیے۔ جو چنگاریاں دبی ہوئی ہیں انہیں ہوا دی تو بہتر نہ ہوگا۔ امی آپ

میری فکر مت کریں۔ حوصلے سے کام لیں۔ آپ کی بیٹی کے مقدر اس دن بدل گئے تھے جب عرفان نے اسے زندگی سے نکال دیا تھا اور میری رضامندی لیے بغیر دوسری شادی رچالی تھی۔ اس کا انجام کیا ہوا؟ جب تک اس کی ماں کا بیٹے پر ہولڈ رہے گا۔ اس کی کوئی شادی کامیاب نہ ہوگی۔ آج کی تاریخ میں میری یہ پیشن گوئی اپنی ڈائری میں درج کریں۔"

وہ ٹھوس دلائل دے کر ماں کے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔

"آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ کی یہ بیٹی راج کرے گی، مگر اپنے بازوؤں کے زور پر اور اپنے بل بوتے پر۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"بیٹا ہمیشہ باپ کی شفقت اور اس کے ڈر و لحاظ سے راہ راست پر رہتا ہے۔ تم اسے کنٹرول نہیں کر پاؤ گی۔ عرفان کا ساتھ تم دونوں کے لیے بے حد اہم ہے۔" ماں بھی ہار ماننے والی نہ تھی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں امی۔ ہم ایک دوسرے کے عزم بلند رکھیں گے۔ دیکھیے سوتے میں بھی ہنس رہا ہے۔ میرے اس فیصلے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر رہا ہے۔ میری ہمت کو بتدریج بڑھانے والی یہ معصوم ہستی ہے۔" وہ خوشی و غم کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر رو پڑی۔

عرفان دروازے سے باہر کھڑا تمام گفتگو سن چکا تھا۔ دبے قدموں سے واپس ڈرائنگ روم کی جانب چلا گیا۔ حیرت و اشتیاق سے اس کی زبان گنگ تھی۔ ذہن اور دل کو ایسی چوٹ لگی تھی کہ سنبھلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ثوبیہ جسے اس نے ہمیشہ بے جان تصور کر کے اہمیت نہیں دی۔ آج کس قدر جان دار اور پُراعتماد لگ رہی تھی۔ آج اس کے ہر لفظ میں ہمت تھی اور پختہ عزم نمایاں تھا۔ کسی پچھتاوے کی ہلکی سی رمق نہ تھی۔

اب تو وہ خود ایسی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں بے پناہ فکریں، خدشے اور خوف تھے۔ جان لیوا خلش تھی اور لاتعداد پچھتاوے تھے۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اس بھری دنیا میں تن تنہا کھڑا ہے۔ کوئی اس کا غمگسار نہیں۔ سب ہی اس کے دشمن ہیں۔ اس کی خوشیوں اور راحتوں کے۔ تو پھر ان تمام رشتوں میں اس کا حقیقی اور ابدی غمگسار اور ہمدرد کون ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ آج اسے فیصلہ خود کرنا تھا۔

ثوبیہ اپنی جگہ بے حد مطمئن تھی۔ زندگی کا مشکل ترین فیصلہ اس نے بڑی آسانی سے کر لیا تھا۔ اس کے سامنے باعزت زندگی بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔ جس میں منا تھا۔ اس کے قہقہے اور شرارتیں تھیں اور ذہن کے ایک گوشے میں عرفان کے تعاون کی موہوم سی امید تھی۔

اس نے اپنے ذہن کو پراگندہ خیالات سے دور رکھنے کے لیے اپنی بچپن سے جوانی تک کے تمام حسین لمحوں کو اپنے دل میں سمو دیا اور آنکھ لگ گئی۔ دروازہ اندر سے کسی نے لاک کیا تو وہ چونک کر بیٹھ گئی۔ سامنے عرفان کھڑا تھا۔ تمام تر رعنائیوں اور شگفتگی کی جگہ پچھتاوے نے لے رکھی تھی۔ نگاہیں نادم اور حرکات میں تذبذب تھا۔

"ثوبی۔۔۔ حقیقت تم ہو اور یہ منا ہے۔ باقی تمام سراب، دھوکہ اور جھوٹ میری بات پر یقین کرو۔"

وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے معاف نہیں کرو گی۔" وہ بے قراری سے بولا۔

"صرف مجھے ہی نہیں، میرے گھر کا ہر فرد تم سے معافی کا خواستگار ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کر منے کو گود میں اٹھا لیا۔

"اسی وقت چلو، سونا گھر تمہارا منتظر ہے۔ ماں سجدے میں گر کر تمہاری واپسی کے لیے دعا گو ہے۔ پلیز مسکرا دو۔ اس منے کی خاطر سہی۔ کتنی عیدیں تمہارے بن بیت گئیں۔ گھر چلو اور اس ملن کی خوشی میں عید کی تیاری کرو۔ دستور اور موقع کے مطابق میرا دامن خوشیوں سے بھر دو میری جان۔" ثوبیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ صبح کا بھولا شام کو لوٹ آیا تھا۔ ثوبیہ نے اس کے ساتھ جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

عائشہ نصیر احمد

تیرے وصال کی شام

مکمل ناول

"اچھا..... تو تم لوگوں نے ابھی تک ڈیسائیڈ نہیں کیا کہ سونیا کی شادی میں کون کون جانے والا ہے۔" وہ تینوں ہی اپنی اپنی دلچسپیوں میں گم تھیں جب آپی نے اندر داخل ہوتے ہوئے پرجوش آواز میں انہیں مخاطب کیا۔ ہمہ وقت ہنسنے بولنے والی سامعہ کہیں بھی خاموشی اور اداسی باقی نہیں رہنے دیتی تھیں اور اب بھی تین تین لڑکیوں کی موجودگی کے باوجود کمرے میں جو بوجھل پن چھایا ہوا تھا اسے ان کی ایک آواز نے دور کر دیا۔

"امی اور ابو..... !" اربا نے کانوں سے ایئر فون ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"جی نہیں وہ نہیں جا رہے۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ابو کو چھٹیاں نہیں مل سکتیں۔" آپی نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

"اسی لیے اب تم تینوں میں سے کسی دو کو تو میرے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔"

"دو کو کیوں..... ایک کو کیوں نہیں؟" اربا چونک کر پوچھنے لگی۔

"ظاہر ہے یہاں سے صرف ایک بندہ جائے گا شادی بھگتانے تو میری سسرال میں میری کیا عزت رہ جائے گی۔" آپی کچھ ناگواری سے بولیں۔

"پھر تو انہی دونوں سے کہیے 'میری تو نئی نئی کلاسز اسٹارٹ ہوئی ہیں۔ میں تو کہیں جانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ پہلے ہی اپنی پوری کلاسز میں نالائق مشہور ہو چکی ہوں کم از کم اس سال میں اپنا ریکارڈ صاف رکھنا چاہتی ہوں۔" ثمر نے موٹا سا ناول کشن کے نیچے چھپاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم اور تمہاری پڑھائی۔" آپی نے اسے گھورا تو وہ کھسیا گئی۔

"تو آپ کیا چاہتی ہیں..... میں اپنی پڑھائی چھوڑ کر محض آپ کی چہیتی نند کی شادی کے لیے اتنی دور کا سفر کروں۔ یہ دونوں تو ویسے بھی زمانے بھر کی فارغ ہیں لے جائیے انہیں گاؤں کی شادی دیکھ لیں گی۔ انجوائے کر لیں گی اور ان کا دماغ بھی فریش ہو جائے گا۔"

"گاؤں کی شادی کا تو یوں کہہ رہی ہے جیسے شہزادہ ولیم کی شادی میں شرکت کرنی ہو۔" نیل پالش لگانے میں مصروف ارفع اس بات پر طنز کیے بنا نہ رہ سکی۔

"کیا کہتی ہو تم دونوں؟" آپی نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میری طرف مت دیکھیے..... موتیا کی شادی چھوڑ کر اگر میں آپ کا وہ دیہاتی میلہ دیکھنے جاؤں گی تو وہ میری جان نہیں لے لے گی۔" ارفع کے لہجے میں ایک بار پھر طنز گھلا تھا۔

"جھوٹی..... موتیا کی شادی تو اگلے مہینے کی پانچ کو ہے۔" اربا نے فوراً ہی اسے ٹوکا۔ شاکنگ پنک نیل پالش ناخن کے بجائے ارفع کی انگلی کو رنگ دار کر گئی تھی وہ دانت کچکچا کر اسے دیکھنے لگی۔

"بکواس کرنے کے لیے کس نے کہا تھا تم سے" آپی! ایسا کریں اربا کو لے جائیں۔ اسے ویسے بھی بڑا شوق ہو رہا ہے جانے کا۔" ارفع اسے گھورے جا رہی تھی اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ آ گئی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ تم لوگوں کو گاؤں کے نام سے اتنی وحشت کیوں ہوتی ہے۔"

"مجھے گاؤں دیکھنے کا شوق ہے آپی مگر صرف گاؤں دیکھنے کا۔" اربا سنجیدگی سے بولی۔

"سنو کل رات وسیم کا فون آیا تھا بائی ایئر واپس آنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا اگر اربا

اور ارفع ساتھ ہو ئیں تو پھر میں زین سے آؤں گی۔"

"کیوں؟" حیرت سے اربا کی آواز بلند ہوئی۔

"یہ ہمارے ساتھ جانے کا انعام ہے یا سزا۔"

"ہمارے جانے سے تمہارا کیا مطلب ہے.... میں کہیں نہیں جا رہی۔"

"نہیں .... جانا تو میں نے بھی نہیں ہے۔" وہ دھیمی پڑ گئی۔

"مصیبت کیا ہے تم دونوں کو۔" آپی زچ ہو گئیں۔

"مصیبت یہ ہے کہ آپ جا رہی ہیں ابھی سے اور شادی ہے دس پندرہ دنوں بعد.... جبکہ میرے پاس ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے پہننے کے لیے.... شادی کے لیے تو امی لے بھی دیں مگر اتنے دن میں کیا کروں گی۔" اربا نے بالآخر اپنا مسئلہ بیان کیا۔

"بس اتنی سی بات.... تم آج ہی میرے ساتھ چل کر جتنی شاپنگ کرنا چاہو کر لو۔" اس کا اتنا سا مسئلہ سن کر آپی پر جوش ہوئیں اور اربا کھل اٹھی اس آفر پر۔

"ہاں بھئی! ہماری آپی اب چودھری کی بیگم ہیں۔ پیسہ کہاں مسئلہ رہا ہے ان کا۔" ارفع ہنسی تھی۔

"پھر تو آپی.... میں بھی چلوں گی۔" ثمر نے فوراً اپنا فیصلہ بدلا۔

"اور ارفع تم بھی اپنی پیکنگ کر لو۔ پرسوں تک نکلنا ہے۔ گھر کی شادی ہے اور میں اتنے دنوں سے یہاں بیٹھی ہوں کل تو وسیم اچھا خاصا غصہ ہو گئے تھے مجھ پر۔"

"کیا میرا جانا ضروری ہے۔" ارفع نے بے زاری سے انہیں دیکھا۔

"اور نہیں تو کیا.... اماں نے تو آتے ہوئے کہا تھا مجھ سے۔ اپنی دونوں بہنوں کو ضرور لے کر آنا' ثمر تو پھر بھی میری شادی میں ہو آئی تھی۔ مگر تم دونوں تو ایک بھی بار وہاں نہیں گئیں۔"

"ہاں واقعی!" ثمر نے سر ہلایا۔

"ویسے ان کا گاؤں ہے بہت خوب صورت.... کھیت کھلیان' نہریں' باغات' کچے پکے گھر.... ڈھور ڈنگر' بانکے سجیلے لڑکے....؟"

"توبہ ہے ثمر.... بہت بے شرم ہو گئی ہو۔" آپی نے ملامت کرنے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"مذاق کر رہی تھی۔" وہ خفیف سا ہو کر منمنائی۔

"اگر ارفع نہیں جا رہی .... تو پھر میں بھی نہیں جاؤں گی۔" اربا دھیرے سے بولی۔

"بس تو طے ہو گیا میں موتیا کی شادی مس نہیں کر سکتی اور اربا میرے بغیر جا نہیں سکتی تو ہمارا جانا کینسل رہی آپ کی سسرال والوں کی بات تو آپ کی ساس اتنی بھولی اور سادہ ہیں کہ آپ کوئی بھی بہانہ بنائیں ہمارے نہ جانے کا وہ بنا طعنے تشنے دیے آپ کی بات پر یقین کر لیں گی۔" ارفع ہاتھ اٹھاتے ہوئے یکدم قطعی انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے تم لوگوں سے تو اب امی ہی بات کریں گی۔" چند لمحے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد وہ کافی غصے میں کمرے سے نکل گئیں۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ.... آپی کو ناراض کر دیا۔" ثمر نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

ان چاروں بہنوں کی آپس کی انڈر اسٹینڈنگ مثالی تھی۔ سامعہ گو کہ بڑی تھی مگر اپنے بے تکلفانہ مزاج کے سبب اس نے کبھی اپنی بہنوں پر اپنے بڑے پن کا بے جا رعب نہیں جمایا تھا۔ وہ ہمیشہ گہری سہیلیوں کی طرح ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات کہہ جاتی تھیں۔ مگر جب طاہر صاحب نے سامعہ کا رشتہ اپنے کزن کے بڑے بیٹے سے طے کیا جو جدی پشتی زمیندار تھے اور اپنے گاؤں کی باا ثر شخصیت مانے جاتے تھے تب ان سبھی کو بے طرح جھٹکا لگا تھا اور پھر سامعہ سے زیادہ اس رشتے کی مخالفت ارفع نے کی تھی ویسے بھی وہ مزاج کی تھوڑی نڈر واقع ہوئی تھی اور بلا جھجک اپنی ہر بات اور ہر اعتراض بابا تک پہنچا دیتی تھی اور اکثر وہ قائل بھی ہو جاتے۔ مگر اس بار ایسا نہ ہو سکا۔ ان کے نزدیک تو یہ اعتراض سرے سے کوئی اعتراض ہی نہیں تھا۔ کیا گاؤں میں رہنے والے انسان نہیں ہوتے جو وہ محض اس بنا پر اتنا شاندار رشتہ ٹھکرا دیتے۔

اسی لیے محض چند ماہ بعد ہی سامعہ دلہن بن کر رخصت ہو گئی اور جاتے ہوئے اس نے خوب ہی رونا دھونا مچایا تھا۔ مگر اربا اور ارفع تب حیرت سے گنگ رہ گئیں جب چھ ماہ بعد وہ اپنے وجیہہ و شکیل دولہا کے سنگ ان سے ملنے آئی تھی اور خوشی کے اتنے رنگ اس کے حسین چہرے پر بکھرے ہوئے تھے کہ نگاہ ہی نہیں ٹھہر پا رہی تھی۔

"آپی تو بہت خوش لگ رہی ہیں۔" اربا حیرت سے بڑبڑائی۔

"چلو یہ خوش تو ہم بھی خوش۔" اربا نے خود کو اطمینان دلایا تھا۔

ارفع اور اربا میں ڈیڑھ سال کا فرق تھا۔ صورتوں میں مماثلت تھی قد کاٹھ بھی ایک جیسا تھا۔ اکثر پہلی بار ملنے پر لوگ انہیں جڑواں ہی سمجھتے مزاجوں میں البتہ زمین آسمان کا فرق تھا۔ نازک سے نین نقش والی اربا دھیمے مزاج کی مالک تھی۔ جس بات پر ثمر اور ارفع پانچ منٹ لمبی تقریر کر سکتی تھیں۔ وہاں اربا صرف ایک جملے سے کام چلا لیتی۔ بولتی تو کان لگا کر سننا پڑتا۔ جبکہ اس کے برعکس ارفع کے مزاج میں تندی تھی کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا اور چپ رہنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا اور ثمر بھی اسی کا پرتو تھی۔ وہ ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ تھی اور یہ دونوں گریجویشن کرنے کے بعد فراغت کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ اسی لیے اب آپی کو اپنی نند کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے انہیں تیار کرنا پڑ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سنو ارفع' میں کپڑے پیک کر رہی ہوں تم لیپا پوتی کے تمام تر آئٹمز یاد سے رکھ لینا ایسا نہ ہو وہاں میک اپ کے بجائے چہرے پر صرف شرمندگی ہی نظر آئے۔" اس نے ارفع کو مخاطب کیا جو ہاتھوں میں سر گرائے بے زار سی بیٹھی تھی۔ آپی نے انہیں امی سے اچھی خاصی جھاڑ پلوانے کے بعد پھر اس کا اثر زائل کرنے کے لیے انہیں شاپنگ بھی کروائی تھی اور اب وہ بڑی شرافت سے جانے کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں ارفع کا موڈ لیکن بحال نہیں ہو رہا تھا۔

"اب اس طرح منہ بنائے کیوں بیٹھی ہو کیا پتا وہاں جا کر تمہارا نصیب ہی کھل جائے۔ گاؤں کا کوئی سوہنا گھبرو جوان تمہارے عشق میں رانجھا بنے اور.... پھر تم کھیتوں میں اس کے آگے پیچھے کد کڑے لگاتے کوئی پنجابی گانا گاتی پھرو۔" کمرے میں داخل ہوتی ثمر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔ وہ سر سے پیر تک سلگ اٹھی۔

"منہ بند رکھو اپنا...."

"اٹھو نا ارفع! کیا کیچڑ میں پھنسی بھینس کی طرح بیٹھی ہو۔" اربا جھنجلائی اسے اپنی جگہ سے ہلتے نہ دیکھ کر اور ثمر پر جیسے ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

"اف اربا! کیا ڈھونڈ کے مثال نکالی ہے۔"

"تمہیں کوئی اور محاورہ نہیں ملا تھا کہنے کو۔" ارفع نے قہر بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں' اب اس سے پہلے کہ میں ایسے ہی تین چار محاورے اور سناؤں۔ اٹھ جاؤ' عین وقت پر پھر مت ہر چیز ڈھونڈتی رہنا۔"

"ایک تو یہ ٹرین کا سفر بھی مجھے زہر لگتا ہے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تو بہت پسند ہے۔ ان فیکٹ مجھے بہت ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے سوچ سوچ کے۔" اربا مسکرائی۔

"تمہیں کوئی چیز بری بھی لگتی ہے۔ بائی ایئر جاتے تو چند گھنٹوں میں پہنچ جاتے.... اب تو یہ اکتا دینے والا سفر۔" .... اف میرا تو سوچ سوچ کر ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔" بڑبڑا کر کہتے ہوئے وہ چھوٹے بیگ کی زپ کھول کر اس میں شیمپو لوشنز اور کریمز وغیرہ رکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اسٹیشن پر انہیں لینے کے لیے وسیم بھائی آئے تھے ننھا صیم انہیں دیکھتے ہی خوشی سے بابا' بابا چلاتے ان کی گود میں چڑھ گیا۔ وسیم بھائی انہیں دیکھ کر کافی خوش ہوئے۔

"شکر ہے کسی بہانے سے ہی سہی' تم لوگوں کو بھی بہن کے گھر آنے کا خیال آیا۔" وہ بیگ جیپ میں رکھتے ہوئے بولے۔

"خیال آیا نہیں ہے۔ خیال دلوایا ہے میں نے نہ

جائے گی سوں گرکوں کے بعد اسے پر آ رہی ہوتی ہیں۔" آپی نے بتایا تھا گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ارفع نے بیک ویو مرر میں دیکھا اور ارباسے کہا۔

"بھوتنی لگ رہی ہوں۔۔۔ کیا گھر پہنچنے سے پہلے بھائی جان کسی نہر کے کنارے گاڑی نہیں روک سکتے تاکہ ہم اپنا منہ دھولیں۔"

"تمہیں ہمیشہ انوکھی ہی سوجھتی ہے۔ چپ رہو۔"

اربانے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ سفر کی دھول' مٹی' تھکاوٹ اور اضمحلال نے واقعی ان کے چہروں کی رنگت اڑا دی تھی۔ ارفع کو اپنے امیج کی فکر تھی جو شہری لڑکی ہونے کی حیثیت سے آپی کی سسرال والوں کی نظر میں ان کا بنا ہوا تھا۔ اب ایسے بے حال حلیے میں وہ ان کے سامنے جاتیں تو یقیناً" وہ انہیں شہر کے بجائے کسی خانہ بدوش بستی کی لڑکیاں سمجھتے۔

شام ڈھلنے کو تھی' سورج اپنی تمام تر تمازت سمیت ڈوب چکا تھا۔ مگر شام کی نارنجی مدھم پڑتی روشنی تاحد نگاہ تک لہلہاتی ان کھڑی فصلوں کو جگمگاتی آنکھوں کو عجیب ہی نظارہ بخش رہی تھی۔ پرندے اڑانیں بھرتے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے اور مویشی اپنے گلے میں پڑی گھنٹیوں کو بجاتے اپنی اپنی پناہوں کی جانب' دور سے نظر آتے کچے پکے گھروں سے اٹھنے والا دھواں بتا رہا تھا کہ وہاں رات کے کھانے کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ وہی مخصوص اجلاپن' سادگی اور تراوٹ جو دیہی ماحول کا خاصہ ہوا کرتی ہے۔ اربا گاڑی کے اندر کی فضا سے بے نیاز باہر کے مناظر میں گم تھی۔ ہوا کے سنگ آتی کھیتوں کی خوشبو سانسوں میں اتارتے اسے یکایک ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایک لمحے کے لیے چونک کر اس نے اندر دیکھا۔ وسیم بھائی شاید آس پاس کی زمینوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اس نے اپنے اندر اٹھتی بے چینی سے دامن چھڑا کے توجہ ان کی باتوں پر مرکوز کر دی مگر من میں رہ رہ کے ایک چبھن سی اٹھتی رہی۔

وسیم بھائی نے زراعت کی تعلیم حاصل کی تھی اور اب اپنی تعلیم کا تمام تر فائدہ اپنی زمینوں کو پہنچاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ تاحد نگاہ تک پھیلے سرسبز لہلہاتے کھیت جو ہر سال بہت شاندار فصل دیتے تھے ان کی ملکیت تھے اس کے علاوہ پھلوں کے باغ بھی تھے جن کے بہترین پھل منڈیوں میں مہنگے داموں بک کر ان کی آمدنی کو مزید چار چاند لگا دیتے تھے۔ ان کی مالی حیثیت اس گاؤں میں سب سے زیادہ مستحکم تھی جس کا احساس فخران کے لہجے میں بول رہا تھا۔ اصل حیرت انہیں تب ہوئی جب انہیں یہ پتا چلا کہ ان کے چھوٹے بھائی زعیم نے بھی آئی آر میں ماسٹرز کرنے کے باوجود گاؤں میں رہنے اور زمینداری کرنے کو ہی ترجیح دی تھی۔

گاؤں کی حدود شروع ہوتے ہی مخصوص چہل پہل نظر آنے لگی اور نزدیک ہی کسی مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہوئی تھی۔ گھر کے سامنے جیپ رکتے ہی وسیم بھائی گاڑی سے بیگز اتارنے لگے تھے' پیچھے کسی کو آواز بھی دی تھی۔

"اوئے مجید آ کر یہ سامان اندر لے جا' میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" پھر ان کی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولے۔

"آؤ۔۔۔ تم لوگ۔" جیپ کی آواز سن کر ہی شاید گھر سے کئی چھوٹے بڑے بچے نکل کر اشتیاق بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"یہ سارے بچے آپ کے گھر کے ہیں؟" ارفع نے کچھ حیرت سے آپی سے سوال کیا۔

"ارے نہیں ہمارے گھر میں صمد کے علاوہ کوئی بچہ نہیں ہے۔ یہ تو آج ہماری وجہ سے اور تھوڑی دیر میں ابا نے بھی آجانا ہے اسی لیے تائی اور ان کی بہو اور کلثوم خالہ آئی ہوئی ہیں۔ یہ انہی کے بچے ہیں اور کچھ آس پڑوس کے۔" آپی نے لمبی وضاحت دی ان کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ خبر اندر پہنچ گئی تھی کہ بھابھی کے ساتھ دو کڑیاں بھی آئی ہیں اور اسی لیے اندر جاتے ہی عجیب سی ہلچل کا احساس ہوا۔

"نی سامعہ تو نے بتایا نہیں تیری بہنیں بھی آ رہی ہیں ساتھ۔" ایک بھاری بھرکم گندمی رنگت والی خاتون نے مسکراتے ہوئے اربا کو بڑے پرجوش انداز میں گلے لگایا اور آپی سے مخاطب ہوئیں۔

"جی چاچی! بالکل آخری وقت میں بنا ہے ان کے آنے کا پروگرام۔" بڑی عمر کی خواتین گلے لگاتے ہوئے ماتھے پر بوسے دے رہی تھیں اور پرجوش لڑکیوں نے بھی معانقہ جیسے خود پر فرض کر لیا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا تو انہیں صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھنے کی اجازت ملی تھی ارفع بے دم سی ہوئی گر سی گئی اور اربا تفصیل سے گھر کا جائزہ لینے لگی در و دیوار پر نیا رنگ و روغن ہوا تھا۔ وسیع و عریض صحن جس میں دو بے حد گھنے اور چھتنار درخت سر اٹھائے کھڑے تھے ایک طرف پھولدار پودوں کی کیاریاں تھیں دوسری طرف تنور لگا ہوا تھا جس سے اٹھتا دھواں اور روٹیوں کی سوندھی سوندھی خوشبو پورے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی صحن کے آگے بڑا سا برآمدہ تھا اور پھر لاتعداد کمرے تھوڑی ہی دیر میں ان کے لیے پیتل کے کنگ سائز گلاسوں میں ٹھنڈی ٹھار لسی آگئی اربا ویسے تو لسی نہیں پیتی تھی مگر تھکن اور پیاس کے مارے ایک ہی سانس میں آدھا گلاس خالی کر ڈالا۔

"ست بسم اللہ آج تو بہت سوہنے لوگ آئے ہیں۔" مشفق چہرے اور مہربان سی مسکراہٹ لیے آپی کی ساس نے انہیں باری باری لپٹا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ سونیا الگ انہیں دیکھ کر کھل گئی تھی۔ دھان پان سی گندمی رنگت والی سونیا کافی ملنسار اور پرجوش لڑکی تھی۔

"بہت اچھا کیا جو آپ دونوں بھابھی کے ساتھ آ گئیں۔ مجھے اتنا شوق تھا آپ سے ملنے کا بھابھی بڑی باتیں کرتی رہتی تھیں آپ لوگوں کی۔" وہ ان کے ساتھ ہی آکر بیٹھ گئی بلکہ صرف ایک وہی نہیں دو تین لڑکیاں اور بھی پاس آکر بہت کچھ بولنے کے لیے بے چین نظر آ رہی تھیں۔

"ہمیں خود بھی آپ سے ملنے کا شوق تھا کیونکہ آپی ہم سے بھی اکثر آپ کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔" ارفع اس کی ایکسائٹمنٹ دیکھ کر مسکرائی۔

"میں نے تو بھابھی سے کہا تھا آپ دونوں کو ساتھ لانے کے لیے مگر پھر بھی مجھے ڈر تھا کہ پتا نہیں آپ آئیں گی بھی کہ نہیں بھابھی نے بتایا تھا آپ کو گاؤں نہیں پسند۔"

"ارے اب ایسی بھی کوئی بات نہیں آپ نے اتنے خلوص سے بلایا تھا تو ہم کیسے نہ آتے۔" اربا کو یہ سادہ سی لڑکی بہت اچھی لگی۔

سونیا کا ابھی تعارف شاید ابھی رہتا تھا جب اس کی اماں نے اسے ٹوکا تھا۔

"سونی! یہ باتیں بعد میں کرتی رہنا پہلے کڑیوں کو نہا دھو لینے دو لمبا سفر کر کے آئی ہیں تھک گئی ہوں گی۔"

"آؤ' تم لوگ میرے ساتھ آجاؤ۔" اماں کی اس بات پر سامنے کی چارپائی پر نیم دراز آپی جو تھکن اتار رہی تھیں۔ اٹھ بیٹھیں پھر وہ انہیں لے کر اپنے کمرے میں آگئیں۔ آپی تو اپنے اور صمد کے کپڑے لے کر نکل گئی تھیں ارفع بیڈ پر لیٹ کر اربا کو دیکھنے لگی جسے شاید پہننے کے لیے ڈریس کا انتخاب کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"اگر میں وسیم بھائی کی اس انلارج فوٹو کو نہ دیکھوں تو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے بیڈ روم میں بیٹھی ہوں۔" چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد ارفع بولی تو وہ چونک گئی۔

"اچھا۔۔۔ اور ایسا لگنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا؟" اس نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

"تھوڑا سا اطمینان۔"

"تمہیں اطمینان حاصل ہو بھی گیا اور مجھے آتے ہی عجیب سی بے چینی ہونے لگی ہے۔"

"کیسی بے چینی۔" ارفع حیران ہو گئی۔

"پتا نہیں۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"شاید میری چھٹی حس مجھ سے کچھ کہہ رہی ہے۔ شاید میں کسی مشکل میں پڑنے والی ہوں۔" اربا خود بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔ اسے اچانک یہ کیا ہو گیا ہے۔

"مشکل میں تو تم واقعی پڑنے والی ہو' یہاں

تمہارے آرجیز کے شوز ہوں گے اور نہ تمہارے فیورٹ ڈرامے صبر کرلو' دل پر پتھر رکھ لو۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

کہہ کر اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم کی طرف چل دی۔

"ارے! تم ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" آپی آدھے گھنٹے بعد کمرے میں آئیں تو اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

"تو کیا کروں وہ جو گھس گئی ہے مجھ سے پہلے اب ایک گھنٹے تک تو مجھے ویٹ کرنا ہی پڑے گا۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"اچھا تم زعیم کا واش روم یوز کرلو۔" آپی نے اپنے دیور کا نام لیا اور وہ اچھل پڑی۔

"کیا.... ؟ آپی پلیز' کچھ تو ہوش سے کام لیں۔"

"تو کیا ہوا اربا.... وہ کون سا اپنے کمرے میں بیٹھا ہے۔ وہ لاہور گیا ہے آپا کو لانے' جب تک وہ آئے گا تب تک تو تم نکل بھی چکی ہو گی۔" آپی نے اس کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"اور جو وہ آگیا تو....." ان کی بات پر بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

"تو میں کہہ دوں گی کہ میری بہن تمہارے کمرے میں ہے۔ اسی لیے ابھی وہاں کا رخ نہ کرو۔ ویسے بھی تم کون سا ہمیشہ کے لیے اس کے کمرے پر قبضہ کرنے جا رہی ہو' تھوڑی دیر کی ہی تو بات ہے۔ زعیم کا کمرہ بالکل الگ تھلگ ہے' کوئی وہاں آتا جاتا نہیں اور زعیم کے آنے کا تو فی الحال کوئی امکان ہی نہیں ہے چلو اٹھو۔" آپی نے اطمینان دلاتے ہوئے بالآخر اسے اٹھایا۔

ویسے تو وہ جانتی تھیں کہ زعیم اپنے کمرے کو لے کر کتنا پوزیسو تھا' کسی غیر متعلقہ فرد کی تو وہ اپنے کمرے میں چھیڑ چھاڑ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا مگر یہاں بھی بات ان کی بہن کی تھی سو انہوں نے اس بات کو بالکل ہی پس پشت ڈال دیا۔ اپنا سوپ اور شیمپو اٹھاتے ہوئے اربا مسلسل الجھ رہی تھی۔

پھر آپی کے کہے کے عین مطابق خیریت رہی۔ شاور لے کر نکلنے کے بعد اربا نے اس بات پر شکر ادا کیا کہ وہ بنا کسی شرمندگی کے نکل آئی تھی' کمرے سے باہر آتے ہوئے اس کی نظر بلا ارادہ ہی بیڈ کے بالکل اوپر دیوار پر لگی اس کی تصویر پر پڑی تھی اور وہ ٹھٹک کر رک گئی نجانے کتنے ہی لمحے چپ چاپ سرک گئے۔ پھر آپی کی آواز پر ہی وہ چونکی تھی۔ بمشکل اس کی سیاہ چمکدار مسکراتی آنکھوں سے نظریں چراتی وہ باہر نکلی۔

کھانے کے دوران اماں بڑی محبت سے اصرار کر کے ایک ایک چیز کھلانے پر کمربستہ تھیں۔ کھانے کے بعد دوسری لڑکیاں بھی غالباً" اپنے کام ختم کر چکی تھیں اور اب ان کے گرد آبیٹھی تھیں باتیں کرنے کے لیے کہ تب ہی باہر سے شور سا اٹھا۔

"لگتا ہے بھا زعیم آگئے ہیں آپا کو لے کر۔" سونیا نے خیال ظاہر کیا اور زبیدہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں دیکھ کے آؤں۔"

"بیٹھ جاؤ۔ اندر ہی آنا ہے ان لوگوں نے۔" سونیا نے ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اسے بٹھا لیا ایک بار اربا کا دل چاہا وہ بھی اٹھ جائے۔ اس کے بال بے حد لمبے اور گھنے تھے اور اب تو گیلے ہو کر اسے اور بھی ڈسٹرب کر رہے تھے۔ مگر وہ ارفع کی وجہ سے بیٹھی رہی۔

"لگتا ہے یہ لوگ اندر نہیں آنے والے۔ باہر ہی بیٹھ گئے ہیں۔" زبیدہ شاید ان کے اندر آنے کے انتظار میں تھی اب باہر سے آتی آواز پہ کہنے لگی۔

"ہاں شاید۔" تائی نے سر ہلایا تو زبیدہ مزید رکے بغیر باہر نکل گئی۔ اور ادھر اربا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟" ارفع نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میرے گیلے بال مجھے ڈسٹرب کر رہے ہیں انہیں سکھانے جا رہی ہوں۔" وہ دھیمے سے بولی تھی پھر بڑے کمرے سے نکل کر صحن کی طرف جانے کے بجائے جہاں دوسرے سرے پر وہ سب چارپائیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ آپی کے کمرے میں چلی آئی۔ کیونکہ ان کا سامان ابھی تک یہیں رکھا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼
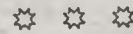
صبح اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی' شاید یہ کل کے سفر کی تھکان کا اثر تھا۔ ورنہ وہ تو فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی بستر چھوڑ دیتا تھا۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے سامنے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا آٹھ بج رہے تھے۔ یعنی آدھا دن چڑھ آیا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ کل رات تو اسے اتنی تھکن تھی کہ اماں کو اپنا چہرہ دکھاتے ہی وہ کمرے میں آکر بستر پر یوں پڑ گیا کہ شاور لینے تک کی اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

اس نے اٹھ کر الماری کھولی۔ اس کا استری شدہ سوٹ ہینگ کیا رکھا تھا۔ کپڑے اٹھاتے ہوئے وہ واش روم کی طرف آیا اور پھر کچھ چونک سا گیا۔ اسے کچھ احساس ہوا تو تھا اور جلد ہی اسے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔

اس کے نہا کر نکلتے ہی بھابھی ناشتا لیے آگئی تھیں اور صمد جو ان کا دوپٹہ پکڑے کسی بات پر ریں ریں کیے جا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اپنی توتلی زبان میں چاچو کہتے ہوئے اس کے پیروں سے لپٹ گیا تھا۔

"آگیا میرا شیر۔" اس نے جھک کر اسے اٹھاتے ہوئے ہوا میں اچھالا اور وہ کھلکھلا اٹھا۔

"لگتا ہے کل رات بہت تھک گئے تھے۔ جبھی تو کسی سے سلام دعا کیے بغیر اپنے کمرے میں چلے آئے۔" بھابھی نے ناشتے کی ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"لیکن میں.... تو سب سے ملا تھا۔" انہیں بتاتے ہوئے اس نے ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی کہ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ بھائی سے تو ڈیرے پر ہی مل لیا تھا اور گھر میں سب استقبال کے لیے باہر ہی موجود تھے تو کون رہ گیا تھا۔

"شاید سونیا رہ گئی تھی۔" اس نے بھابھی کی طرف دیکھا اور وہ جھلا سی گئیں۔

"اوہو! میں صرف سونیا کی بات نہیں کر رہی' تمہارے جانے کے تھوڑی دیر بعد ارفع بھی آگئی تھی سلام کرنے مگر تم نہیں تھے۔"

"اچھا.... آپ کی بہن آئی ہیں۔" ان کی بات سمجھتے ہی زعیم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"کوئی بات نہیں میں اب ان سے مل لوں گا اور سلام دعا بھی کرلوں گا آپ مجھے یہ بتایئے میرے واش روم میں یہ شیمپو کس کا ہے؟" اس نے وہ بات پوچھی جو کافی دیر سے اسے الجھا رہی۔

"شیمپو!" بھابھی نے کچھ حیرت سے دہرایا۔

"شیمپو کس کا ہو سکتا ہے بھلا۔" الٹا اس سے پوچھتے وہ یہ بات قطعی بھول گئی تھیں کہ کل وہی تو اربا کو یہاں لائی تھیں۔

"مجھے کیا پتا..... میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔" انہیں حیران دیکھ کر وہ اور بھی الجھ گیا۔

"اوہ اچھا۔" انہیں اچانک یاد آگیا۔

"وہ اربا بھول گئی ہو گی۔"

"اربا۔" زعیم نے زیر لب دہرایا۔

"ہاں وہ بھی آئی ہے میرے ساتھ۔ خیر تم ناشتا کرلو اس کے بعد باہر آؤ گے تو ان سے ملاقات ہو ہی جائے گی۔ آؤ صمد میں تمہیں چینج کرادوں اک دن میں کپڑوں کا حشر کردیا۔"

"ویسے بھابھی۔ اس بار آپ کی بہنوں کو کیا خیال آگیا۔ ہمارے گاؤں کو رونق بخشنے کا۔" وہ کچھ حیرت سے دریافت کرنے لگا۔

"کل تمہارے بھائی نے یہ بات کہی تھی اور اب تم پوچھ رہے ہو۔ بھئی انہیں کیسے خیال آسکتا تھا میں ہی لے کر آئی ہوں انہیں۔ وہ بھی تقریباً" زبردستی پتا نہیں انہیں گاؤں سے اس قدر بیر کیوں ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر میری طرح ان میں سے بھی کسی کا نصیب کسی گاؤں والے سے جڑ گیا تب وہ کیا کریں گی۔" وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔ زعیم نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

"ایڈجسٹ کرنا پڑے گا پھر اور کیا کریں گی۔" کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ بے نیازی سے بولا۔

"ہاں! ایڈجسٹ تو کرلیں گی مگر شاید خوش نہیں رہیں گی۔" "آپ تو خوش ہیں نا۔"

"میں تو بہت خوش ہوں۔" ان کی مطمئن سی ہنسی چھلکی تھی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

زبیدہ ان کے لیے ناشتا لے آئی تھی۔ ارفع اپنے

بالوں میں برش کر رہی تھی اور اربا اسی وقت منہ ہاتھ دھو کر آئی تھی۔

"اب تم بال بھی بناؤ گی۔" اسے برش کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر ارفع کی آواز بلند ہوئی۔

"یہاں ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"تو کرلو تم ناشتا۔ جب تک میں اپنے بال نہ سمیٹ لوں مجھے چین نہیں آئے گا۔" وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی۔

"تو کس نے کہا ہے ناگن جیسی زلفیں رکھنے کو کسی دن سوتے میں تمہارے یہ بال کاٹ ہی دوں گی دیکھ لینا۔" ارفع بری طرح چڑ گئی۔

"وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔" اس کے برعکس اربا اطمینان سے بولی تھی اور اب اپنے ریشمی بالوں کی چوٹی بنانے لگی۔

"آپی کہاں ہیں زبیدہ؟" وہ زبیدہ سے مخاطب ہوئی جو کافی حیرت سے ان کے مکالمے سن رہی تھی۔

"وہ۔۔۔" ابھی وہ جواب دینے بھی نہیں پائی تھی کہ اسی وقت آپی چلی آئیں۔

"ماشاء اللہ بڑی لمبی عمر ہے آپ کی۔" ارفع نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ آپی اس کی بات پر دھیان دیے بغیر پیچھے مڑ کر کسی کو آواز دیتے ہوئے بولیں۔

"اندر آجاؤ زعیم۔" اربا نے یہ سنتے ہی جھپٹ کر بیڈ سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اور شانوں پر پھیلا لیا۔ ارفع الرٹ ہو کر بیٹھ گئی اور تب ہی وہ نظر آیا تھا۔ اپنے دراز قد کے سبب قدرے جھک کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے بھاری لب و لہجے میں سلام کیا اس نے اور ارفع بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ دراز قامت اور مضبوط جسامت والے اس خوبرو نوجوان کو دیکھ کر اسے اچانک ہی ثمر کی بات یاد آگئی۔

"کہیں اس کا اشارہ زعیم کی طرف ہی تو نہیں تھا۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"زعیم! یہ ارفع ہے اور یہ اربا۔" آپی تعارف کروا رہی تھیں زعیم کی نظر ارفع سے ہوتی ہوئی اربا پر گئی تھی اور پھر جیسے وہیں ٹھہر گئی صرف ایک لمحے کی بات تھی مگر اس ایک لمحے میں ہی اس کے ساتھ وہ کچھ ہو گیا جو اس سے پہلے اس کے ساتھ کبھی نہیں ہوا تھا۔ اربا بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے نظر ملتے ہی جو برق سی اس کے پورے وجود میں کوندی تھی اس نے اربا کو مزید اس کی آنکھوں میں دیکھنے نہیں دیا۔ وہ بے اختیار نگاہیں جھکا گئی۔ زعیم کو اپنے آپ میں آتے صرف ایک پل لگا۔ اس بے حد قلیل سی مدت میں ان کے ساتھ کیا واردات ہو گئی تھی۔ اس کی کمرے میں موجود باقی نفوس کو خبر تک نہیں تھی۔

"خوش آمدید ہمارے گھر میں اور گاؤں میں 'کیسا لگا آپ کو۔" وہ ارفع سے مخاطب ہوا۔

"کیا 'گاؤں' گھر یا لوگ۔" ارفع نے الٹا اسی سے پوچھ لیا کچھ شریر سے لہجے میں' زبیدہ نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"چلیے لوگوں کے بارے میں ہی بتا دیجیے۔" وہ مسکرا دیا اس کے انداز پر ارفع دل ہی دل میں اس کی دلکش مسکراہٹ کی معترف ہو گئی۔

"ابھی لوگوں سے واسطہ ہی کہاں پڑا ہے' جو میں لوگوں کے بارے میں بتاؤں۔" وہ بے نیازی سے بولی تو زعیم کی سیاہ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کمال ہے اتنے مضبوط تعلق کے جڑ جانے کے بعد بھی کسی اور واسطے کی ضرورت رہ جاتی ہے بھابھی سن رہی ہیں آپ اپنی بہن کی باتیں انہوں نے تو ہمیں شرمندہ ہی کر دیا۔" وہ مصنوعی تاسف سے بولا تو ارفع گڑبڑا گئی۔

"شاید اس واسطے کی بات کر رہی ہے جو اس کا براہ راست کسی سے پڑے گا۔" آپی کی اس بات پر تو وہ مزید خجل ہو گئی۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ میں سمجھی شاید۔۔۔" اس نے کہتے کہتے زعیم کی طرف دیکھا اور پھر ہنس پڑا۔

"آپ نے تو مجھے کنفیوژ ہی کر دیا۔ خیر آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیے نا۔" اسے اچانک ہی خیال آیا تب ہی زبیدہ جو گم سم سی کھڑی تھی۔ جلدی سے ایک

موڑھا زعیم کے قریب رکھ دیا۔ مگر وہ کھڑا ہی رہا۔

"مجھے اپنے کسی کام سے جانا ہے۔ میں بس آپ لوگوں سے ملنے آیا تھا۔ کل رات تو ملاقات ہو نہیں پائی تھی۔ آپ لوگ غالباً" ناشتا کر رہے تھے۔ میں نے ڈسٹرب کر دیا۔" اس کی نظریں ناشتے کے لوازمات پر پڑیں تو کہہ اٹھا۔

"میں چلتا ہوں۔۔۔ آپ لوگ ناشتا کیجیے۔" وہ پلٹ کر آنے کو تھا جب ارفع بول اٹھی۔

"ہمیں اپنے گاؤں کی سیر ضرور کرائیے گا۔"

"ضرور۔" مسکرا کر کہتے اس کی نظریں ایک بار پھر اس کی جانب اٹھیں۔ دل میں پھوٹتی چنگاریوں سے شاید کوئی چنگاری آنکھوں ہی آنکھوں سے اس کے دل کو بھی چھو گئی تھی۔ جبھی تو اس کے چہرے پر گلال بکھرا تھا اور پلکیں لرزنے لگی تھیں۔ زعیم وہاں سے نکل آیا تھا مگر آتے ہوئے اپنی سب سے قیمتی چیز وہیں چھوڑ آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیری کے گھنے درخت کی چھاؤں میں وہ سب ایک ہی چارپائی میں بیٹھی تھیں۔ نہ جانے کیا باتیں ہو رہی تھیں مگر برآمدے میں چاچی سے اپنے بالوں میں تیل لگواتی اربا کے کانوں تک وقتاً" فوقتاً" گونج اٹھنے والی ان کی ہنسی ضرور پہنچ رہی تھی ارفع اپنے دوستانہ مزاج کے سبب بہت جلد ان سب سے گھل مل گئی تھی مگر اربا کا تکلف ابھی تک دور نہیں ہوا تھا۔ آپا بھی پاس ہی بیٹھی چاچی سے نہ جانے کدھر کدھر کے قصے چھیڑے ہوئے تھیں۔ وہ خاموشی سے صحن میں دوڑتے کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگی۔ آپا کے بیٹے شاید کہیں سے کوئی مینڈک پکڑ لائے تھے اور اب حمد کو اس سے ڈرا رہے تھے وہ پہلے تو پرجوش تھا اور اب خوف زدہ ہو کر چلانے لگا تھا۔ اسی وقت آپی ٹرے میں لسی کے گلاس لیے چلی آئیں۔

"تمہارے لیے چائے لا رہی ہوں اربا۔" آپا اور چاچی کو گلاس پکڑا کے وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

"نہیں آپی۔۔۔ مجھے بھی لسی ہی دے دیجیے۔" وہ بولی تو آپی نے کچھ حیران سا ہو کر اسے دیکھا وہ خوامخواہ ہی سٹپٹا گئی۔

"اچھا لے آتی ہوں' وہ تم لسی نہیں پیتیں اس لیے میں نے۔۔۔" آپی کی نظر صمد پر پڑی تو بات ادھوری چھوڑ کر چلا اٹھیں۔

"اف خدایا! صمد۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے۔" اس کے سفید کپڑے مٹی میں لت پت ہو کر اپنی اصل رنگت کھو چکے تھے۔ آپی کی ڈانٹ سے مشابہ چیخ پر وہ ہراساں ہو گیا۔

"یہ صبح سے تیسرا سوٹ ہے جو میں چینج کروا چکی ہوں۔۔۔ کہا تھا نا میں نے مٹی میں مت کھیلنا۔۔۔ پھر کیوں کیا کپڑوں کا یہ حال۔" انہوں نے کڑے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ صمد رو ہی پڑا۔

"حد کر دی ہے سامعہ۔ اتنا ڈانٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ صفائی کا خبط تمہیں ہے۔ وہ تو بچہ ہے کھیلے گا تو کپڑے گندے ہو ہی جائیں گے۔ کون کہتا ہے تمہیں دن میں تین تین بار کپڑے بدلوانے کو۔" آپا غصہ ہو گئیں بھتیجے کی رونی صورت دیکھ کر اربا نے اسے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ روتا ہوا اس کے پاس دوڑا چلا آیا۔

"اتنی بار کپڑے چینج نہ کراؤں تو کہیں سے یہ انسان کا بچہ لگے ہی نہیں۔ جتنا میں منع کرتی ہوں' اتنا ہی یہ مٹی میں لوٹ پوٹ ہوتا رہتا ہے۔" وہ دبی دبی ناگواری سے بولیں۔ یہ کچا صحن تو ان کے لیے دردسر بن گیا تھا۔ جب صمد چھوٹا تھا تب اسے مٹی کھانے کی لت پڑ گئی تھی اور اب کھیلنے کی یہ آپی کی نفاست پسند طبیعت ہی تھی کہ ہر وقت صمد کی شامت آئی رہتی تھی۔

"صحن پختہ کروالیں تو مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔" صمد کے آنسو صاف کرتے ہوئے اربا نے دھیرے سے کہا۔

"اور اس کے لیے اماں کو منائے کون۔۔۔ انہیں تو آج تک اس گھر کے کچے در و دیوار قلق میں مبتلا کیے رہتے ہیں کجا کہ ان کے سامنے صحن پختہ کرنے کی بات کی جائے۔" آپا نے جواب دیا۔

"پچھلے سال وسیم نے اوپر دو تین کمرے ڈلوانے کی بات کی تھی اور چچا نواز نے بھی تائید کی مگر اماں اس پر اتنا ناراض ہوئیں کہ الامان ـــــ حالانکہ ایسے شادی کے موقع پر جتنا بڑا ہمارا خاندان ہے۔ مہمانوں کو ٹھہرانے کا مسئلہ تو ہو ہی جاتا ہے ابھی تو خیر سے زعیم کی شادی بھی ہونی ہے۔ مگر اماں کی وہی ایک رٹ کہ جتنی تبدیلیاں اس گھر میں ہونی تھیں ہو گئیں۔ اب مزید کوئی تبدیلی وہ برداشت نہیں کرنے والیں۔" آپا شاید خاصی نالاں تھیں اپنی اماں کی قدامت پرست طبیعت سے اربا کو حیرت ہوئی اتنا بڑا گھر تو تھا کیا اس کے باوجود مہمانوں کو ٹھہرانے کا کوئی مسئلہ ہو سکتا تھا وہ صرف یہ سوچ کر رہ گئی۔

آپی صمد کے چلانے کی پروا کیے بغیر اسے نہلانے لے گئی تھیں۔ مگر جاتے ہوئے تاجی کے ہاتھ اس کے لیے لسی کا گلاس ضرور بھجوا دیا تھا۔ وہ سیدھی ہو کر اپنے بال سمیٹنے لگی۔ تب ہی بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی تھی۔ اور پھر اس کی بھاری آواز۔

"بھابھی کہاں ہیں؟"

"وہ تو کاکے کو نہلانے لے گئی ہے ـــــ کوئی کام تھا پتر۔" چاچی نے پوچھا۔

"ہاں' وہ مہمان آئے ہیں ساتھ والے گاؤں سے' ذرا چائے پانی کا انتظام کر لیں۔" اربا اوپر نہیں دیکھ رہی تھی مگر اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے ہی دیکھ رہا ہو۔

"وہ زبیدہ کر لے گی۔ زبیدہ! اپنی کھی کھی بند کر اور ادھر آ کر چائے پانی دیکھ لے ـــــ مہمان آئے ہیں۔" انہوں نے زبیدہ کو پکارا تھا۔ زبیدہ میں یہ سنتے ہی جیسے چابی بھر گئی تھی۔ وہ فوراً" ہی اٹھ کر اس طرف چلی آئی۔

"کیا بناؤں۔ چائے یا شربت۔" وہ زعیم سے پوچھ رہی تھی۔ زعیم متذبذب سا ہو گیا۔

"بھابھی بنا لیتیں تو اچھا ہوتا۔"

"کیوں' میں اچھی چائے نہیں بناتی۔" وہ خفا سی ہو گئی۔ ہاتھ غیر ارادی طور پر پراندے میں الجھنے لگے۔

"سچ کہوں تو نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ اربا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وائٹ کاٹن کے قمیص شلوار میں اس کی شاندار شخصیت کچھ زیادہ ہی نمایاں تھی۔ گندمی پیشانی پر بکھرے اس کے سیاہ چمکیلے بال۔ مغرور سی ناک اور بوجھل بوجھل سی اس کی گہری ساگر آنکھیں اس سے پہلے کہ یہ آنکھیں ایک بار پھر اس پر اٹھتیں اربا نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

"دیکھ لیں بے بے انہیں تو میرے ہاتھ کی چائے پسند ہی نہیں آپ نے ایویں ہی مجھے اٹھا دیا۔"

"چل نی ـــــ زیادہ نخرے نہ کر جو شاندہ بنائے گی تو کسے پسند آئے گا دودھ اور پتی تیز ڈال کے اچھی سی چائے بنا لے جا۔" چاچی نے اس کے شکوے پر دھیان دیے بغیر گھرکا تھا۔ وہ منہ بنائے پلٹنے لگی۔

"ٹھیک ہے' میں مجید کو بھیج دوں گا اور ایسا نہ ہو کہ صرف چائے بنا کر ہی جان چھڑا لیں۔"

"فکر نہ کریں۔ میں حلوے بھی بنا دوں گی۔" زبیدہ اسے تسلی دے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"آپا! آپ بھی جا کر دیکھ لیں پلیز۔ میرے دوستوں کو جلدی ہے زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔" زعیم نے آپا کی طرف دیکھ کر کہا۔ مگر پھر اس کی نظر پلٹ نہیں سکی ـــــ وہ آپا کے ساتھ ہی تو بیٹھی تھی اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اربا جو پہلے ہی اس کو دیکھ رہی تھی۔ نظروں کے اس اچانک تصادم پر گھبرا سی گئی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر یکایک ہی گھنی مونچھوں تلے اس کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ در آئی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ جانے کے لیے پلٹ گیا اور ادھر اربا حیران سی رہ گئی۔

"یہ مجھے دیکھ کر مسکرایا کیوں؟" وہ الجھ رہی تھی۔ اسی وقت آپا کا بیٹا دوڑتا ہوا آ کر اس سے ٹکرا گیا اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا تھا۔ برآمدے کے فرش پر پھیلتی لسی دیکھ کر اسے لمحہ بھر کو افسوس ہوا اور تب ہی اسے اچانک زعیم کی مسکراہٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس کا چہرہ آپ ہی آپ خجالت سے سرخ پڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

صبح صادق کے ہلکے سے دھندلکے میں' صحن میں ایک طرف جہاں پختہ اینٹوں سے بنے برتن وغیرہ دھونے کے لیے ایک جگہ بنائی گئی تھی۔ ارفع فجر کی نماز کے لیے وضو کر رہی تھی زعیم اسی وقت مسجد سے لوٹا تھا اور اسے دیکھ کر اس کے ہاتھ کی بابت دریافت کرنے لگا۔

"سنا ہے آپ کا ہاتھ جل گیا ہے۔"

"آپ ہاتھ کی جلن کا پوچھ رہے ہیں۔ میرا تو کلیجہ جلا دیا ہے کل شام سے انہوں نے طعنے دے دے کر۔" ارفع فوراً" ہی بول اٹھی اپنے بے تکلف انداز میں۔

"کون' کس کی بات کر رہی ہیں۔" زعیم الجھ گیا۔

"آپی اور اربا ـــــ اور کون؟" اس نے منہ بنا کر بتایا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں نے اربا کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں تنور میں روٹیاں بنانا چاہ رہی ہوں۔ اس نے یہ سنتے ہی مجھے دے دیا چیلنج اور بس اسی چکر میں' میں نے اپنے ہاتھ کا یہ حال کر دیا۔ پہلے میں نے سوچا تھا خالہ سے دودھ دوہنا بھی سیکھوں گی مگر ہاتھ کے جلنے کے بعد اب دولتیاں کھانے کی ہمت نہیں رہی بس جی بن گئی میں دیسی گرل۔" ارفع کا انداز ایسا تھا کہ زعیم کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ امڈ آئی۔

"آپ یہ سب کیوں سیکھنا چاہ رہی ہیں۔ یہ تو آپ کی بہن کو سیکھنا چاہیے۔" دوسرا جملہ اس نے دل میں سوچا تھا۔

"آج آپ جلدی جاگ گئیں یا یہ بھی سیکھنے سکھانے کا ہی کوئی سلسلہ ہے۔"

"ارے کہاں! اربا نے ہی جگایا ہے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے کہ اٹھ کے دیہات کی سویر دیکھ لو دیکھ لیجیے گا خود نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ بستر میں گھس جائے گی اور میں ـــــ اف دیر ہو گئی۔" اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا۔ روشنی پھیلنے لگی تھی۔

"میں نے شیطان بن کر آپ کی راہ کھوٹی کر دی۔" زعیم نے ہنس کر کہا۔

"کوئی بات نہیں میرا وضو تو بس پانچ منٹ میں ہو جائے گا۔"

"آپ کے لیے ناشتا لے آؤں؟" زبیدہ جو مرغیوں اور ان کے چوزوں کو باہر کی راہ دکھانے کے بعد بلا مقصد ہی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی زعیم سے پوچھنے لگی۔

"اماں کے کمرے میں لے آؤ ـــــ میں انہی کے ساتھ ناشتا کروں گا۔" زعیم نے کہا۔

"یہ زبیدہ ویسے بھی اتنی ہی مستعد ہے یا پھر زعیم کو دیکھ کر ہی ایسی ہو جاتی ہے۔" ارفع نے اسے دیکھ کر چند لمحے سوچا پھر سر جھٹک کر وضو کرنے لگی۔

"سامعہ! بچیوں نے ناشتا کر لیا؟" وہ اماں کے پاس ہی بیٹھا تھا جب بھابھی کے ناشتا لانے پر انہوں نے پوچھا۔

"نہیں اماں! ارفع تو نماز پڑھ رہی ہے اور اربا پھر سے سو گئی ہے۔"

"ہیں ـــــ پھر سے سو گئی۔" اماں کو حیرت ہوئی۔ زعیم کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ آ گئی ارفع نے بھی کچھ ایسا ہی کہا تھا۔

"یہ اربا تو پاگل ہے نیند کے پیچھے کوئی اسے جگانے نہ جائے تو یہ سارا دن سوتی ہی رہے۔"

"چھوٹی کہ بڑی؟" اماں ان کے ناموں میں گڑبڑ کر جاتی تھیں اکثر تو وہ ارفع کو اربا اور اربا کو ارفع کہہ کر پکار لیتیں۔

"چھوٹی اماں ـــــ بڑی ارفع ہے۔" بھابھی نے بتایا حالانکہ وہ جانتی تھیں تھوڑی دیر بعد اماں نے پھر سب بھول جانا ہے۔

"حسنہ سے کہہ وہ بھی ادھر ہی آ کر ناشتا کر لے۔" اماں نے انہیں تاکید کی تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گئیں۔ پھر آپا بھی آ گئیں اور بیٹھتے ہی انہوں نے جو موضوع چھیڑا زعیم کی حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔

"اماں! لڑکی تو گھر ہی کی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کیوں نہ ـــــ سونیا کی شادی میں لگے ہاتھوں ہم زعیم کی منگنی بھی کر دیں کیا خیال ہے آپ کا؟" زعیم

کی منگنی کی بات کر کے وہ اس سے کچھ پوچھنے کے بجائے اماں کا خیال جاننا چاہ رہی تھیں۔ وہ حیرت زدہ سا انہیں دیکھتا رہا۔

"خیال تو چنگا ہے۔ پھر پہلے اس سے تو پوچھ لو۔ یہ جو بیٹھا ہے لاٹ صاحب۔" اماں کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"کس لڑکی کی بات کر رہی ہیں آپ؟" وہ کشادہ پیشانی پر شکنیں ڈالے انہیں دیکھنے لگا۔

"زبیدہ کی اور کس کی؟" آپا کو اس کے انجان بننے پر حیرت ہوئی اور اسے نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ آگیا۔

"کیا مصیبت ہے۔ جب میں ایک بار آپ لوگوں کو اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں پھر کیوں بار بار بحث چھیڑی جاتی ہے۔"

"دیکھ لیا اس کے انہی تیوروں کے آگے تو میں چپ رہ جاتی ہوں۔" اماں آپا کو مخاطب کر کے ناگواری سے بولیں۔

"پھر کیوں لیتی ہیں آپ زبیدہ کا نام۔" زعیم نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"کیونکہ گھر کی بچی ہے۔ ہماری دیکھی بھالی ہے۔ بے چارے بھائی نواز نے تو کبھی منہ سے بھاپ نہیں نکالی مگر زلیخا تو شروع سے ہی آس لگائے بیٹھی ہے۔" ان کے لہجے میں ہلکا سا تاسف تھا۔

"آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر انہیں کوئی آس نہیں دلانی چاہیے تھی۔"

"لو اور دسو۔۔۔ کیوں نہ دلاتی میں انہیں آس مجھے تو ہمیشہ ہی زبیدہ بڑی پیاری لگی ہے کل کلاں کو کوئی اور رشتہ ڈال جاتا تو ہاتھ تو میں نے ہی ملنے تھے۔ مجھے کیا پتا تھا سولہ جماعتیں پڑھ کے تیرا دماغ آسمان تے چڑھ جائے گا۔" انہیں اور غصہ آگیا۔

"ایسی بات نہیں ہے اماں۔۔۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔" وہ زچ ہو گیا۔ آپا یہ موضوع چھیڑ کر اطمینان سے ناشتا کرنے لگی تھیں اور یہاں زعیم کی جان پھنس گئی تھی۔

"تو پھر کیا بات ہے' نا بتا خرابی کیا ہے زبیدہ میں صرف یہ کہ وہ پڑھی لکھی نہیں ہے پھر تو اس پنڈ کی کوئی بھی کڑی تیرے پاسے کی نہیں ہوگی میں کہاں سے ڈھونڈوں گی تیرے لیے ایسی سوہنی ووہٹی جو پڑھی لکھی بھی ہو۔" وہ ناراضی بھرے لہجے میں دریافت کرنے لگیں۔

"آپ کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے اماں اس نے اپنے لیے کوئی دیکھ ہی لی ہوگی جبھی تو اتنے شدومد سے انکار کیے جا رہا ہے۔" چائے کی چسکیاں لیتے آپا نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"خدا کے لیے آپا کم از کم آپ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کیجیے میں نے زبیدہ کے بارے میں کبھی اس طرح سے نہیں سوچا میرے اور اس کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے اور پھر۔۔۔ وہ مجھے ہمیشہ سونیا کی طرح لگی ہے۔" اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیسے انہیں اپنی بات سمجھائے۔

"وہ تو پھر بھی تمہارے ساتھ اس گھر میں پلی بڑھی ہے۔ تمہارا مزاج بخوبی سمجھتی ہے۔ مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ جو انجان لڑکی تمہاری زندگی میں آئے گی۔ اسے بھی تمہارے مزاج سے آشنائی ہو۔" آپا نے نکتہ اٹھایا تھا وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر قدرے توقف سے بولا۔

"آپ سے کس نے کہا میں کسی انجان' ان دیکھی لڑکی سے شادی کروں گا۔" آپا یکا یک ہی چونک کر بغور اسے دیکھنے لگیں۔

"تو لگتا ہے۔ واقعی تم نے کوئی لڑکی پسند کرلی ہے۔ شہر کی ہے یا یہیں کی؟"

"شہری ہی ہوگی اسی لیے تو آئے دن دوڑ لگی رہتی ہے شہر کی طرف۔" اماں بے زاری بولیں اور وہ جو کافی دیر سے ضبط کیے ہوئے تھا بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ لوگوں کو سمجھانے سے بہتر ہے۔ انسان دیواروں سے سر پھوڑ لے۔" تلخ لہجے میں کہہ کر وہ ناشتا کیے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔ اماں اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

"سوچ رہی ہوں زلیخا سے بات صاف کر ہی لوں۔" اماں پر سوچ انداز میں بولیں تو آپا چونک گئیں۔

"مرضی ہے آپ کی ویسے بھی زعیم جیسے ادکھے بندے کے ساتھ زبردستی تو کی نہیں جاسکتی دیکھ ہی لیا آپ نے کتنا غصہ ہو کر گیا ہے۔ چاچی کو جان کر دکھ تو ہوگا مگر بہرحال یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔" آپا نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ اماں سر ہلا کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"اف کتنی گرمی ہے۔ سورج نے شاید آج ہی اپنی تمام تر تپش ہم پر برسانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔" ارفع اپنے لان کے دوپٹے سے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی آج وہ سونیا' زبیدہ اور ناجی کے سنگ گاؤں کی سیر کو نکل آئی تھی۔ حالانکہ ناجی نے کہا بھی۔

"دوپہر میں کچھ زیادہ ہی گرمی ہوتی ہے صبح میں چلیں گے۔" مگر ارفع نے بے فکری سے اس کی بات اڑا دی اور اب اسے اپنا فیصلہ احمقانہ لگنے کے ساتھ ساتھ سفاکانہ بھی لگ رہا تھا کیونکہ اس کے ساتھ وہ تینوں بھی تپتے ہوئے چہروں کے ساتھ سورج کی یہ ناراضی جھیلنے پر مجبور تھیں۔ البتہ اربا نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اس گرمی میں نکل کر بیمار ہونے کا رسک نہیں لے سکتی۔ سونیا کے آنے پر بھی آپا اور چاچی نے بڑا شور مچایا کہ دو دن بعد اس کی شادی ہے اور یہ پورے پنڈ میں اس طرح لور لور پھرے گی تو لوگ کیا کہیں گے مگر ارفع نے اس کی سائیڈ لی اور پھر اماں کی حمایت بھی شامل ہوئی تو انہیں چپ ہونا پڑا تھا۔

سنسان سی دوپہر گاؤں کے گلی کوچوں کو گرما رہی تھی۔ سر پر روٹی کی چنگیریں رکھے کھیتوں سے واپس آتی جفاکش مزارعوں کی عورتیں جب انہیں دیکھتیں تو آنکھوں میں خلوص کی چمک ابھر آتی۔ پھر وہ چند لمحے رک کر ان سے بات چیت ضرور کرتیں گاؤں کے واحد سیکنڈری اسکول کی چھٹی کی گھنٹی بج چکی تھی اور بچے جیسے کسی قید سے رہائی پاتے اچھلتے کودتے گھروں کو پہنچنے کی جلدی میں تھے۔

"ہائے اللہ جی! کہیں آپ کو لو ہی نہ لگ جائے۔" سونیا اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی۔

"ڈونٹ وری۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔" اب تو اسے اپنی حماقت نبھانی ہی تھی۔

"فکر نہ کریں۔ کچھ ہی دیر میں ہم ندی کے پاس پہنچنے والے ہیں۔ وہاں تو گرمی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔" پتا نہیں ناجی سچ کہہ رہی تھی یا پھر یہ اسے تسلی دینے کی ایک کوشش تھی۔

وہ لوگ گاؤں کی حدود سے نکل آئے تھے اور اب دور دور تک گندم کے کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ زمین کے سینے پر بکھرا سبز و سنہری رنگ کا خوب صورت امتزاج جو آنکھوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا ہواؤں میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی گرم مگر تیز ہوا جب گندم کی سنہری بالیوں پر بکھرتی تو تاحد نگاہ تک کھیتوں میں اٹھنے والی ہر نگاہ مبہوت کر دیتی۔

"کاش میں کیمرہ ہی لے آتی۔" وہ یہ منظر دیکھ کر دم بخود تھی۔

"لو ان کھیتوں میں ایسا کیا ہے جو آپ نے ان کی فوٹو کھینچنی تھی۔" ناجی کے لیے یہ منظر نیا نہیں تھا اس لیے کچھ بے زاری سے بولی۔ اس کھیت سے کچھ ہی آگے آنے کے بعد انہیں زعیم نظر آگیا۔ جس کھیت میں وہ کھڑا تھا وہاں کٹائی کا کام زوروں پر تھا۔ اور وہ مزارعوں کے ساتھ۔۔۔ گفت و شنید میں مصروف تھا گرمی نے شاید اس پر بھی برا اثر کیا تھا جبھی تو گریبان کے اوپری دو بٹن کھولے آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے کھڑا تھا۔ اس کی گندمی رنگت دھوپ کی شدت سے سرخ ہو رہی تھی اور کنپٹیوں پر پسینے کی دھاریں یوں بہہ رہی تھیں گویا پانی۔

"ہوں۔۔۔ تصویر کھینچنے کا اصل موقع تو اب آیا ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرائی۔ اس نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ اس لیے تھوڑی ہی دیر میں ان کے پاس چلا آیا۔

"اس سے پہلے کہ آپ حیران ہوں اور میری دماغی حالت پر شبہ کریں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ میری طبیعت کے بے صبرے پن نے میرے ساتھ انہیں بھی اس جلتی دوپہر میں جلنے بھننے پر مجبور کر دیا ہے اور

اب میں واقعی بہت پشیمان ہوں۔" اس کے قریب آتے ہی ارفع کی زبان چل پڑی۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ زبیدہ نے اس لمحے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ کو پشیمان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ گرمی کا اثر تو ابھی کچھ ہی دیر میں زائل ہو جائے گا اور ان کے لیے آپ پریشان نہ ہوں یہ گاؤں کے لوگ ہیں عادی ہیں اس گرمی کے کیوں؟" اس نے گویا ان سے تائید چاہی۔

"اور نہیں تو کیا..... مجھے تو ان کی فکر ہو رہی تھی۔ پہلی بار ہمارے گاؤں آئی ہیں کہیں بیمار ہی نہ پڑ جائیں۔" سونیا جھٹ بولی تو ارفع نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بے فکر رہو تمہاری شادی سے پہلے تو میں بیمار ہرگز نہیں پڑوں گی۔" سونیا بے تحاشا جھینپ گئی بھائی کے سامنے ایسی بات پر۔

"اربا نہیں آئیں آپ کے ساتھ؟" زعیم کا دل جس چہرے کو دیکھنے کا متمنی تھا وہ نظر نہیں آیا تو بجھ سا گیا۔

"نہیں خود کو صحیح الدماغ ثابت کرنے کے لیے اس نے اس گرمی میں نکلنے سے صاف منع کر دیا۔" ارفع بولی تھی۔

"یعنی کافی نازک مزاج ہے آپ کی بہن۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"ہاں وہ تو ہے۔ لیکن اصل میں اسے شروع سے ہی یہی پرابلم ہے۔ بہت زیادہ گرمی ہو تو وہ برداشت نہیں کر پاتی..... بیمار پڑ جاتی ہے۔" اب کے ارفع نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ تو ہو گا ہی۔" اس کے تصور میں اس کا نرم و نازک دلکش سراپا لہرایا تو سیاہ آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی۔

"آپ لوگ آئیں میرے ساتھ۔" اسے یک بیک ہی احساس ہوا کہ وہ آگ اگلتے سورج کے عین نیچے کھڑے تھے۔

زعیم کی ہمراہی میں وہ باغ تک آئے تو فضائیں ہر سو پھیلی کچے آموں کی مہک نے ان کا استقبال کیا پیڑوں کی ٹھنڈک اور نرماہٹ نے لمحہ بھر میں ان کے دل و دماغ کو تراوٹ بخش دی تھی وہاں موجود ایک ادھیڑ عمر شخص، جو شاید یہاں کا رکھوالا تھا۔ زعیم کو دیکھتے ہی اس طرف چلا آیا۔

"سلام زعیم پتر..... پروہنے آئے نیں۔"

"جی چاچا..... ہمارے شہری مہمان ہیں۔ آپ ذرا طافو سے کہہ کر شربت کا انتظام تو کروائیں۔"

"آہو جی..... ابھی کرواتا ہوں۔ آج تو گرمی بھی غضب کی پڑ رہی ہے۔" وہ موسم پر تبصرہ کرتے چلے گئے تو ارفع نے زعیم کی طرف دیکھا۔

"بہت خوب صورت جگہ ہے میں اپنی زندگی میں پہلی بار آم کا باغ دیکھ رہی ہوں اور شاید آخری بار بھی۔"

"کیوں..... آخری بار کیوں؟" زعیم چونک گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ندی کے ٹھنڈے پانی سے منہ دھوتے ہوئے اس نے اپنے گیلے ہاتھ بالوں میں پھیرے تھے اور اب اس کا گریبان بھی تر ہو رہا تھا۔

"کل کس نے دیکھا ہے۔ کیا پتا دوبارہ میرا یہاں آنا ہو نہ ہو۔" کچھ بے نیازی سے کہتی وہ تاجی اور سونیا کی تلاش میں نگاہیں ادھر ادھر دوڑانے لگی۔ مگر وہ نہ جانے کہاں چلی گئی تھیں جبکہ زبیدہ پاس ہی ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"یہ تو آپ پر ہے۔ آپ یہاں آنا چاہیں گی تو ہم سو بار بسم اللہ کہیں گے۔" وہ ہنسا۔

"نہیں، تفریح کے لیے تو ایک بار ہی کافی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ دوبارہ آنے کی نوبت آئے گی۔"

"اور جو آنے کی صورت بن گئی تو۔" بے اختیار زعیم کے لبوں سے پھسلا۔

"میں نے کہا نا کوئی چانس نہیں۔" وہ ہنس کر بولی اس کا اتنا قطعیت بھرا انداز دیکھ کر زعیم چاہ کر بھی یہ نہ پوچھ سکا۔

"کیا اربا بھی گاؤں سے اتنی ہی الرجک ہے جتنی کہ آپ۔"

"مجھے تو آپ پر بھی حیرت ہوتی ہے زعیم آپ

اتنے پڑھے لکھے ہیں کہ شہر میں کوئی بھی اچھی جاب با آسانی آپ کو مل سکتی ہے۔ آپ بہت آسان زندگی گزار سکتے ہیں۔ شہر اور گاؤں کا فرق تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گا۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔" اپنی بات کر کے ارفع نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں؟"

"جب میں نے وسیم بھائی کے بارے میں سنا تھا۔ مجھے تب بھی بہت حیرت ہوئی تھی۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ وہ اپنے گھر کے بڑے بیٹے ہیں۔ اپنی خاندانی زمینوں کی دیکھ بھال کرنا ان کی ذمہ داری ہے، ان کی مجبوری بھی ہے۔ مگر زعیم، آپ نے تو مجھے ششدر کر دیا۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اپنے گاؤں اور زمینوں سے دور نہ جانے کا فیصلہ آپ نے کسی مجبوری میں نہیں کیا بلکہ آپ خود ہی یہاں سے کہیں اور نہیں جانا چاہتے۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے ارفع..... ہم یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتے کیونکہ ہم یہاں سے کہیں اور جا ہی نہیں سکتے اپنی مٹی سے محبت ہم دیہاتی لوگوں کے خون میں رچی بسی ہوتی ہے۔" وہ سچائی سے کہہ رہا تھا۔ ارفع خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"گردش دوراں اگر ہمیں کسی اور جگہ پٹخ بھی دے تو بھی ہماری روح گاؤں کی ان کچی پکی گلیوں میں بھٹکتی رہتی ہے ہمارے لہو میں شامل اس مٹی کی خوشبو ہمیں کہیں اور چین سے جینے ہی نہیں دیتی، ہمیں یہیں لوٹ کے آنا پڑتا ہے میں نے شہری زندگی کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اپنے تعلیمی دور کا ایک بڑا حصہ میں نے لاہور جیسے شہر میں گزارا ہے اور در حقیقت تب ہی مجھے ادراک ہوا کہ زندگی یہ نہیں ہے اس جگمگاتی، بھاگتی دوڑتی دنیا میں ہوا کے جھونکے کے مانند گزر جانے والی اور تیز رفتاری کا یہ عالم کہ پیچھے مڑ کر دیکھو تو ڈھونڈنے پر کسی خوب صورت یاد کی پرچھائیں تک نہ ملے۔ زندگی تو یہاں بخشی جاتی ہے جہاں فطرت اپنے تمام تر رنگوں میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ جہاں بناوٹ اور تصنع کا تصور تک نہیں جہاں زندگی سادگی، سچائی اور خوب صورتی کا نام ہے۔ کسی درخت کی جڑیں کاٹ دیں اسے پانی دیتے رہنے سے وہ ہرا بھرا نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح آسائشات اور تعیشات کسی بھی انسان کی ذہنی و قلبی طمانت کا باعث نہیں بن سکتیں اگر اسے اس کی جڑوں سے الگ کر دیا جائے تو..... اب تو آپ سمجھ ہی گئی ہوں گی کہ میں نے شہر کی زندگی چھوڑ کر گاؤں کی سادہ زندگی کا انتخاب کیوں کیا۔" اس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے اس طرف دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یقیناً" سمجھ گئی۔" اسی اثناء میں چاچا جی ایک بڑی سی ٹرے میں شربت کے گلاس لیے چلے آئے تھے۔

"لیجیے ارفع جی! تربوز کا ٹھنڈا ٹھار شربت پیجیے گرمی کے لیے اکسیر ہے۔"

"یہ تینوں کہاں گئیں؟" گلاس تھامتے ہوئے وہ کچھ حیرت سے بولی۔ کچھ دیر پہلے تک زبیدہ سامنے کھڑی تھی۔ اب وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"شاید کہیں آم توڑ رہی ہوں گی۔ تاجی کو بڑی پریکٹس ہے۔" زعیم نے ہنس کر کہا اور پھر واقعی اس کی بات صحیح ثابت ہوئی۔ تاجی واپس آئی تو اوڑھنی میں ڈھیر سارے کچے آم تھے۔

"بس زعیم بھائی، تاجی نے آپ کے ایک پیڑ کا کام تو ہلکا کر دیا۔" سونیا ہنستے ہوئے بولی۔ زعیم مسکرا کر رہ گیا۔

واپسی میں تاجی نے سامنے نہر والے راستے سے لے جانے کی بات کی تھی سونیا نے تائید کی البتہ زبیدہ چپ چپ سی تھی گرمی سے بے حال بچے قمیصیں اتارے ٹیوب ویل کے پانی میں نہانے میں مصروف تھے انہیں دیکھا تو شرمانے اور جھینپنے لگے ارفع کا دل تو اس ٹھنڈے میٹھے پانی کو دیکھتے ہی مچل اٹھا۔ پہلے تو بچتی رہی پھر خود بھی اس کھیل میں شامل ہو گئی۔

"بس کرو۔ کپڑے گیلے ہو گئے تو گھر کیسے جائیں گے۔" تاجی نے بالآخر اسے روکا وہ ہنستے ہوئے اٹھ

کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

رات کو اربا باہر آئی تو ناجی کو صحن میں بستر لگاتے دیکھا۔ آپا نے آنے کے بعد اپنا بستر صحن میں ہی لگوایا تھا اور اب ان کی دیکھا دیکھی سونیا اور زبیدہ بھی باہر ہی سونے لگی تھیں۔ اربا کو یہ سب بہت انوکھا اور خوشگوار لگا۔ کھلی فضا میں تاروں بھرے آسمان تلے سونا۔ مگر ارفع کھلے میں سونے کے لیے تیار نہیں تھی۔ مجبوراً اسے بھی اپنی خواہش دبانی پڑی۔

"آئیں نا اربا..... بیٹھیں..... آپ کھڑی کیوں ہیں؟" ناجی نے اسے کھڑے دیکھ کر کہا۔ وہ صمد کو گود میں اٹھائے ایک چارپائی پر آکر بیٹھ گئی۔

"آپ کو تو دیر تک جاگنے کی عادت ہو گی۔ یہاں نیند آجاتی ہے اتنی جلدی۔" وہ پوچھنے لگی۔

صحن میں اس وقت ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ آپا اندر چاچی اور زبیدہ کے ساتھ سونیا کے جہیز کے کپڑے پیک کرنے میں مصروف تھیں۔ اماں شاید نماز پڑھ رہی تھیں اور آپی وسیم بھائی کے کپڑے پریس کر رہی تھیں اسی لیے وہ انہیں تنگ کرتے صمد کو کہانی کا لالچ دے کر باہر لے آئی۔ سونیا اور ارفع کا البتہ کوئی پتا نہیں تھا پھر اسے ناجی نے بتایا کہ سونیا ارفع کو چھت پر لے گئی ہے۔

"سچ کہوں تو نہیں آتی نہ جانے کتنی دیر کروٹیں بدلتی رہتی ہوں کراچی میں ہمیں سوتے سوتے بارہ ایک تو بج ہی جاتا ہے۔" اربا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ناجی؟" کچن میں موجود نوری خالہ نے اسے آواز دی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔"

"آنی! کہانی سناؤ۔" صمد نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما۔

"ابھی سناتی ہوں آنی کی جان۔" اربا نے اسے چوما اس کی معصوم آنکھوں میں نیند جھلکنے لگی تھی۔ اپنی چوٹی کو شانے پر آگے کرتے وہ تکیہ ٹھیک کرکے اسے بازو میں لے کر لیٹ گئی جنگل کے جانوروں کی کہانی سناتے وہ اس کے نرم نرم بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اربا نے احتیاط سے اس کے سر کے نیچے سے اپنا بازو ہٹایا تھا اور ایک گہری سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

جہاں تک نظر جاتی تھی سیاہ آسمان پر تارے ہی تارے بکھرے پڑے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمان اس کے بے حد نزدیک ہو۔ یہاں وہ ہاتھ بڑھائے گی اور کئی ستارے اس کی مٹھی میں سمٹ آئیں گے۔ دن کی بہ نسبت اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ ہولے ہولے چلتی ٹھنڈی ہوا گرمی کا رہا سہا احساس بھی ختم کر گئی تھی۔ ماحول میں رچی نم سی ٹھنڈک کو اپنی سانسوں میں اتارتے اس نے بیری کے درختوں کی طرف دیکھا جو رات کی تاریکی میں کسی آسیب کا مسکن معلوم ہو رہا تھا۔

اسے یہ سب کچھ بہت دیکھا بھالا لگ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ گاؤں کی اس رومان پرور فضا کا اثر تھا یا پھر دل کو اچانک ہی جکڑ لینے والے جذبے کا انوکھا اور نوخیز احساس کہ اسے کراچی جیسے شہر میں گزارے گئے اپنے شب و روز ایک خواب لگنے لگے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی جسے وہ اب جی رہی تھی اور جسے اس نے اب جینا تھا۔ دل..... اس یقین پر دھڑک رہا تھا اور کبھی جو وہ اپنے اندر سے اٹھتی اس آواز کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتی تو اس کا دل اس کے وجود میں طوفان اٹھا کر اپنی ناراضی جتانا شروع کر دیتا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے مجھے..... کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ میں اس بار بھی یہاں نہ آتی۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا تھا اور تب وہ بوجھل بوجھل سی آنکھیں اپنی تمام تر فسوں خیزی سمیت جلوہ گر ہوئیں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں دل کی دھڑکنیں تیز ہو چلی تھیں۔ یہ اس کے ساتھ کوئی پہلی بار نہیں ہوا تھا جب سے وہ آنکھیں پہلی بار اس پر اٹھی تھیں تب سے ہی ان کا فسوں اسے سرتاپا اپنی گرفت میں لے چکا تھا اور اب تو یہ عالم تھا کہ جذبوں سے دہکتی یہ بولتی ہوئی آنکھیں اسے اکیلے میں بھی چونکا دیتیں۔ خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیتیں۔ اس کے اندر باہر ایسا پہرہ لگ گیا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کی بھی نہیں رہی تھی حالانکہ وہ نظریں چرانا چاہتی تھی دامن بچانا چاہتی تھی۔ خود کو کتنا سمجھایا تھا اس نے کہ محض کسی کی نظروں سے جھلکتے ایک ان کہے، آدھے ادھورے پیغام، جذبہ شوق کی ایک مختصر تحریر پر اپنے دل و جان وار کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ مگر دل نے جیسے سارے اختیارات اس سے چھین کر اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے اور وہ بے بسی سے اپنے لٹ جانے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ سو تو نہیں گئی ہو۔" ارفع کی آواز اس کے کانوں میں آئی تھی اور پھر اس کا ہاتھ کافی زور سے اس کے بازو پر پڑا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں کھولیں۔

"کیا مصیبت ہے؟" بازو سہلاتے ہوئے وہ اسے گھورنے لگی۔

"یہیں سونے کا موڈ ہے؟" ارفع نے بغور اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔

"نہیں۔" اس نے نظریں پھیر لیں مگر اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

"صمد کہاں ہے؟" اسے اچانک ہی اس کا خیال آیا۔

"آپی اسے لے گئی ہیں۔" ارفع نائٹ کریم سے ہاتھوں کا مساج کر رہی تھی۔

"اچھا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ حقیقتاً حیران ہوئی

"تم سو جو رہی تھیں۔ پتا کیسے چلتا۔" اس کی سرخ آنکھوں سے ارفع نے یہی اندازہ لگایا۔

"میں سو نہیں رہی تھی۔ بلکہ شاید ہاں میں سو ہی رہی تھی۔" اس کی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔ اس بے ربط بات پر ارفع نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہاں آکر تم پوری پاگل ہو گئی ہو پتا نہیں کیا کرتی رہتی ہو سارا دن۔ اس طرح بے زار ہو کر یہ دن گزارنے تھے تو یہاں آنا ہی نہیں تھا۔ اگر ان لوگوں کی مینٹلٹی تمہیں اپنے لیول کی نہیں لگتی تو مروت میں ہی دو چار باتیں کر لیا کرو۔" ارفع کو بولنے کا موقع مل گیا اور اپنی چوٹی کے بلوں سے کھیلتی خاموشی سے اسے سنتی رہی۔

"خیر چھوڑو۔" اسے کوئی رد عمل ظاہر نہ کرتے دیکھ کر ارفع نے خود ہی بات بدلی۔

"آپی بتا رہی تھیں ثمر کا فون آیا تھا..... کیا کہہ رہی تھی؟" وہ تکیہ ذرا سا کھینچ کر اس کے برابر میں ہی لیٹ گئی۔

"کچھ خاص نہیں تمہارے بارے میں پوچھا اس نے تو میں نے کہہ دیا جو بچی کچھی عقل اس کے پاس ہے اسے بھی گاؤں کے ڈھور ڈنگروں میں بانٹنے لگی ہے۔ سہ پہر میں آئے گی تو بات کر لینا۔"

"ویری فنی!" اس کے سادہ لہجے میں چھپے طنز پر وہ بری طرح تپ گئی۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟" اربا نے آس پاس کی خاموشی محسوس کرکے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑے کمرے میں..... سونیا کی شادی پر ڈسکشن چل رہی ہے۔" اس نے بتایا پھر اچانک ہی کچھ خیال آنے پر پرجوش ہو کر اس کا کندھا ہلایا۔

"پتا ہے اربا..... میں نے ایک بات نوٹ کی ہے..... یہ جو زبیدہ ہے نا..... یہ زعیم کو پسند کرتی ہے۔" اس کا لہجہ دھیما ہوا تھا بتاتے بتاتے۔

"نہ پسند کرتی تو حیرت کی بات ہوتی۔" کروٹ بدلتے ہوئے اس نے سوچا مگر کہا کچھ اور۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"کہہ تو رہی ہوں نوٹ کیا ہے اور تم..... میری طرف دیکھو نا میں تمہارے تاثرات نہیں دیکھوں گی تو مجھے بات کرنے کا مزا نہیں آئے گا۔" ارفع جھلائی۔

"یہی تو میں چاہتی نہیں ہوں کہ تم میرے تاثرات دیکھو۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"بتاؤ..... تمہاری اس بات کی بنیاد کیا ہے؟" اس کے اصرار پر اربا نے اس کی طرف دیکھا اور دلچسپی بھی ظاہر کی۔

"بنیاد و نیاد کا تو مجھے نہیں پتا۔" وہ اپنے ازلی لاپروا

انداز میں بولی۔
"لیکن اتنے دنوں سے ہم یہاں ہیں تو میں کوئی بے وقوف، بھوندو یا چغد تو ہوں نہیں تمہاری طرح کہ اتنی سی بات نہ محسوس کر پاؤں۔"
"تمہاری مشاہداتی صلاحیت پر مجھے کبھی بھروسا نہیں رہا، اسی لیے جانے دو۔" اربا نے پھر اس کی بات طنز میں اڑائی مگر ارفع سنی ان سنی کر کے کہنے لگی۔
"مگر مجھے نہیں لگتا کہ زعیم کو بھی اس میں کوئی دلچسپی ہے آج اس سے رسمی باتوں سے ہٹ کر باتیں ہوئیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ درحقیقت زعیم کتنا نفیس اور سلجھا ہوا انسان ہے، میں تو بہت متاثر ہو گئی ہوں اس سے زبیدہ بھی پیاری ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ ان کی ذہنی سطح بالکل بھی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتی۔"
بات کرتے کرتے اس کی نظر اربا کے چہرے پر پڑی تو کہا۔
"تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا نا۔ کبھی زبیدہ کے سامنے زعیم کا نام لو پھر دیکھو۔ وہ کیسے بلش کرتی ہے۔"
"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کا انداز اب بھی نہ ماننے والا تھا مگر اس سے پہلے کہ ارفع اس قائل کرنے کے لیے پھر کوئی دلیل دیتی تاجی چائے لیے چلی آئی۔
"تھینک یو تاجی! میرے سر میں بڑا درد ہو رہا تھا۔" چائے کا کپ لیتی ارفع نے ممنونیت سے کہا۔ وہ بھی اٹھ بیٹھی پھر زبیدہ اور سونیا بھی آگئی تھیں اور ارفع ان کے پاس بیٹھ کر حسب معمول اپنے قصے سنانے لگی تھی جبکہ وہ الگ تھلگ سی بیٹھی چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے نجانے کیا کیا سوچے جا رہی تھی کہ چائے ٹھنڈی ہونے کا احساس بھی نہ رہا تھا۔ اس کا دھیان تب بٹا جب دور کہیں سے سرسراتی ہوا کے سنگ آتی وہ مدھر سی دھن اس کے کانوں تک پہنچی وہ ایک دم سے چونک گئی۔
"یہ... یہ بانسری کی آواز ہے نا... کہاں سے آ رہی ہے؟" اس بات پر خوش گپیوں میں مصروف ان سبھی نے اس کی طرف دیکھا۔
"مجھے تو کوئی آواز نہیں آ رہی۔ یقیناً تمہارے کان بج رہے ہیں۔" ارفع نے یوں مشکوک نظروں سے اسے دیکھا گویا وہ نیند میں بول اٹھی ہو۔
"آ رہی ہے... میں سچ کہہ رہی ہوں تم غور سے سنو تو سہی۔" اس کے لہجے میں اصرار تھا کیونکہ وہ نامعلوم مگر بے حد خوب صورت پرسوز سی دھن تو اسے ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔
"اچھا ہاں۔" باجی نے سرہلایا شاید اسے بھی سنائی دے گئی تھی۔
"یہ دینو چاچا کا بیٹا ہے۔ بڑی خوب صورت دھنیں بجاتا ہے بانسری پہ چوپال میں جب رات کو سب اکٹھے ہوتے ہیں تو اکثر اس سے فرمائش کر کے کوئی دھن سنی جاتی ہے۔" تاجی اسے جواب دے کر پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئی۔
اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا پورا دھیان اس دھن پر لگا دیا۔ ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بانسری پہ یہ تان صرف اسی کے لیے چھیڑی ہو۔ اس کے رگ و پے میں دوڑتا اضطراب حیرت انگیز طور پر ختم ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج پٹواری دین محمد کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی جو زعیم کا جگری دوست بھی تھا اس کی شادی کی تمام تر تیاریوں میں زعیم نے ایک بھائی کی طرح حصہ لیا تھا اور آج بارات کے دن بھی تمام انتظامات اسی نے سنبھالنے تھے۔ مگر اسے تیار ہوتے ہوتے دیر ہو گئی۔
اس وقت وہ کچھ عجلت سے خود پر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا جب اسے زبیدہ کی آواز سنائی دی۔
"بھابھی پوچھ رہی ہیں آپ کے لیے ناشتا لے آؤں؟" اس کا لہجہ جھجکتا ہوا تھا۔
"ہوں!" وہ چونکا تھا پھر گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے نفی میں سرہلایا۔
"نہیں... مجھے دیر ہو رہی ہے۔" بلیک شلوار اور نیوی بلیو کلر کے کرتے میں اس کی مسحور کن شخصیت کچھ اور بھی نکھری نکھری لگ رہی تھی گھنے سیاہ بالوں کو سلیقے سے جمائے... وجیہہ چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں لیے وہ ہمیشہ کی طرح اتنا بے نیاز لگ رہا تھا گویا نہ اسے اپنی سحر انگیزی کا ادراک ہو اور نہ کسی کے تسخیر ہونے کی پروا کون مسحور ہوتا ہے اور کون مفتوح اسے شاید کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے زبیدہ کو بے اختیار اس کی ہنسی یاد آئی، ہمیشہ لیے دیے رہنے والا زعیم اس دن ارفع کی بات پر کتنا کھل کر ہنسا تھا اور کتنی باتیں کی تھیں ارفع نے آتے ہی اس مغرور شہزادے کی چپ توڑ ڈالی تھی اور ایسا کیوں ہوا زبیدہ نے یہ سوچا تو اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا۔
"کچھ اور بھی کہنا ہے؟" زعیم نے پلٹ کر اسے ہنوز دروازے میں کھڑا دیکھا تو پوچھ لیا۔
"نن... نہیں۔" وہ ہڑبڑا سی گئی تھی اور پھر تیزی سے واپس پلٹ گئی۔
"ارفع یہاں دیکھو۔" کمرے سے نکلتے ہی اس کی میٹھی مدھر آواز نے زعیم کے قدم روک دیے۔ وہ میمنے کو گود میں لیے کھڑی تھی۔ زعیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔
"ارے، یہ تمہیں کہاں سے ملا؟" ارفع نے دیکھتے ہی حیرت سے دریافت کیا۔
"ذرا ادھر لانا تو؟" ارفع نے آگے بڑھ کر اس کے کان پکڑے۔
"دور ہٹو ارفع! اسے کانوں سے پکڑنے پر یہ برا مانتا ہے۔" وہ جلدی سے پیچھے ہٹی۔
"اوہو! اتنا جان گئی ہو اسے۔" اس نے ہنس کر مذاق اڑایا۔
"جی ہاں! یہ میرا پکا والا دوست بن گیا ہے۔
زعیم انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے ہولے سے کھنکارا دونوں نے بیک وقت چونک کر اسے دیکھا مگر اس کی نظریں تو صرف اس کے خوشنما چہرے کا طواف کر رہی تھیں جو اسے دیکھتے ہی گلابی پڑ گیا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اس نے جھک کر میمنے کو چھوڑا۔ ٹی پنک کلر کے لباس میں اس کی دلکشی و رعنائی کے سامنے زعیم کو گلاب کی تشبیہ بھی ہیچ محسوس ہوئی۔ وہ تھی ہی اتنی سبک اتنی شفاف، اتنی نازک کہ زعیم اسے زیادہ دیر دیکھنے سے بھی ڈرتا تھا کہ کہیں وہ ٹوٹ نہ جائے، بکھر نہ جائے، اس وقت بھی اس نے بڑی مشکل سے اس پر سے اپنی نظریں ہٹائی تھیں۔ اسے اپنی نظروں کی گرمی کا اندازہ نہیں تھا مگر اپنے دل میں بھڑکتے آتش شوق سے تو وہ بخوبی واقف تھا جب اس کے اندر کی تڑپ اسے اتنی شدت سے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کانچ کی گڑیا پر اس کی نظروں کا کچھ اثر نہ ہوتا۔
"کہیں جا رہے ہیں زعیم؟" ارفع نے پوچھا۔
"ہاں... وہ میرے دوست کی شادی ہے۔ یہاں قریب ہی گھر والے بھی انوائیٹڈ ہیں۔ آپ بھی ضرور آئیے گا۔ کچھ رونق ہلا گلا دیکھ لیں گی۔"
"اچھا۔" ارفع نے سرہلایا۔
"لیکن شام میں تو آپ کی تائی کی طرف دعوت ہے۔ وہاں جانے کی بھی تیاری کرنی ہے... اربا تم چلو گی؟" اس نے روئے سخن اس کی جانب موڑا۔
"نہیں۔" اس نے جواب دینے میں ایک لمحے بھی نہیں لیا۔
"کیا... نہیں؟" ارفع اس کے فوری جواب پر الجھ گئی۔
"خود ہی تم پوچھ رہی ہو؟" وہ شاید الجھانے کی عادی تھی۔ زعیم کی نگاہیں پھر سے بے اختیار ہونے لگیں۔
"کیوں...؟" ارفع کو غصہ آگیا۔
"میرا موڈ نہیں ہے... تمہیں دعوت دی ہے تم ہی جاؤ۔" آخری جملہ اس نے دل میں سوچا کچھ جھنجلا کر جب وہ ارفع سے مخاطب ہو سکتا تھا، اس سے باتیں کر سکتا تھا تو اس سے کیوں نہیں، پھر وہ مزید رکے بغیر وہاں سے چلی آئی۔
"آپ کی بہن اپنے موڈ کی بہت سنتی ہیں۔" زعیم نے ارفع سے کہا تو اس نے ہنستے ہوئے سرہلا دیا۔ کچن سے پرات میں آٹا لے کر نکلتی زبیدہ کے قدموں میں اس منظر نے زنجیر ڈال دی تھی۔
"میں تو شکر ادا کر رہی ہوں کہ کراچی میں اس پریہ

موڈ سوار نہیں ہوا ورنہ اس وقت وہ آپ کو یہاں نظر نہ آتی۔"

"پھر تو اس بات پر مجھے شکر ادا کرنا چاہیے۔" وہ دھیرے سے بڑبڑایا تھا مگر ارفع سن نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اربا! تمہارے لیے کون سے کپڑے نکالوں پریس کرنے کے لیے۔" وہ بیڈ پر بیٹھی صمد کو گدگدا رہی تھی جب آپی نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا تھا۔

"میرے لیے کپڑے..... لیکن میں نے تو ابھی ہی چینج کیا ہے۔" اربا نے کچھ حیرت سے انہیں آگاہ کیا۔

"میں آج شام کے لیے پوچھ رہی ہوں..... تائی کے ہاں نہیں جانا۔" آپی پاس ہی آکر بیٹھ گئیں۔

"نہیں! میرا دل نہیں چاہ رہا میں گھر میں ہی ٹھیک ہوں۔" نظریں اپنے ناخنوں پر جمائے وہ بے دلی سے بولی۔

"کیا مطلب ہے اربا۔ گھر میں کیا کرو گی۔ تم یہاں کچھ تفریح کرنے آئی تھیں نا کہ قید ہونے کے لیے اور پھر انہوں نے اتنے پیار سے بلایا ہے۔ نہیں جاؤ گی تو انہیں برا لگے گا نا!" وہ سمجھانے لگی تھیں۔

"نہیں لگے گا برا..... ارفع تو جا ہی رہی ہے آپ کہہ دیجیے گا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اس کا انداز قطعی تھا۔

"تو گھر میں اکیلے رہ کر تم کیا کرو گی؟" انہیں پریشانی ہونے لگی اس کی ضد پر۔

"اکیلے کیوں.....؟ اماں اور خالہ کے علاوہ آپا بھی نہیں جا رہیں نا؟" اربا نے ان سے تصدیق چاہی۔

"ہاں کیونکہ وہ اور تاجی شادی میں جا رہی ہیں بلکہ جا چکی ہیں شام سے پہلے تو واپس نہیں آئیں گی اور تھوڑی دیر میں ہم بھی چلے جائیں گے۔ پھر صرف خالہ' چاچی اور اماں ہی رہ جائیں گی جو تمہیں کمپنی دے سکتی ہیں نہ تمہارے ساتھ گپ شپ کر سکتی ہیں کیا کرو گی تم اکیلی بور ہو جاؤ گی۔"

"میں رہ لوں گی آپی' آپ فکر نہ کریں یہ بتائیں ہمارے جانے کا کیا پروگرام ہے؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا تو آپی نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"پاگل ہو گئی ہو اربا..... تمہیں یہاں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں تمہیں جانے کی بھی سوجھنے لگی۔"

"آٹھ دن ہو چکے ہیں آپی' آپ کا حساب کتاب کافی کمزور ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے اربا..... آتے ہوئے تو تم بالکل ٹھیک تھیں مجھے بلکہ ارفع کی فکر ہو رہی تھی کہ وہ یہاں زیادہ دن تک نہیں رہ پائے گی مگر اب وہ تو ٹھیک ہے اور تمہیں نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔" انہیں غصہ آ گیا تھا۔

"ابھی سونیا کی شادی ہو جانے دو۔ اس کے بعد ہی تمہارے جانے کا سلسلہ بنے گا فی الحال تو بھول ہی جاؤ۔" وہ صمد کو گود میں اٹھائے باہر نکل گئیں۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر تکیے پر سر گرا دیا۔

"کاش! ایسا ہو کہ آج جب تم گھر آؤ تو میں تمہیں کہیں نظر نہ آؤں..... تمہاری نظریں مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جائیں اور تب تمہیں پتا چلے میرے جانے کا شاید تب ہی تم میرے بارے میں پوچھ لو..... میرا نام لے لو۔" وہ تکیے میں منہ دیے بے قراری سے سوچ رہی تھی اسے احساس بھی نہیں تھا اور تکیہ تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر سے نکلنے تک انہوں نے جتنی افراتفری اور جتنا ہنگامہ مچایا تھا۔ ان کے نکلنے کے بعد اس قدر سکون ہو گیا تھا۔ تاجی اور آپا ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ وہ چند لمحے تو برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے صحن میں ادھر سے ادھر پھدکتی چڑیوں کو دیکھتی رہی جو میدان خالی پا کر ہمت کرتے ہوئے پیڑ سے اتر آئی تھیں اور اب ان کے چہچہانے میں ایک عجیب سی سرخوشی اور آزادی کا اظہار تھا گویا وہ اس پورے صحن کو اپنی راجدھانی تصور کر رہی ہوں۔ اس نے پلٹ کر بڑے کمرے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی خاندانی بحث چل رہی تھی۔ پہلے اس نے وہاں جانے کا سوچا پھر بور ہونے کے خیال سے دوسرے کمرے میں چلی آئی باہر سے آتی ڈھول تاشوں کی آوازوں نے اسے چونکا دیا تھا۔

"لگتا ہے بارات واپس آ گئی۔" وہ باہر آئی تو چاچی اور خالہ کہیں جانے کے لیے تیار تھیں۔

"آپ دلہن دیکھنے جا رہی ہیں؟" اس نے دیکھتے ہی بھانپ لیا۔

"ہاں.....! تو بھی چل ہمارے ساتھ۔" چاچی نے بعجلت پیروں میں چپل گھسائے۔

"نہیں..... میں گھر میں ہی ٹھیک ہوں۔" اس نے معذرت کر لی اگر جانا ہی ہوتا تو صبح نہ چلی جاتی۔ انہوں نے زیادہ بحث نہیں کی ان کے جانے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے اماں کے پاس آ گئی۔ ان کے گھٹنوں میں درد رہتا تھا اور اس خیال سے کہ اگر انہیں کچھ چاہیے ہو تو وہ بروقت انہیں دے سکے۔ اربا ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر پہلے تک انسانی آوازیں ماحول کو گرمائے ہوئی تھیں اب خالہ اور چاچی کے جانے کے بعد مزید پرہول سناٹا چھا گیا تھا۔ ڈھول' تاشوں اور پٹاخوں کی آوازیں بھی معدوم ہو گئی تھیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اسے اچانک ہی تاریکی چھانے کا احساس ہوا حالانکہ ابھی صرف چار ہی بجے تھے اور تھے بھی گرمیوں کے دن۔ وہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سوئچ بورڈ کے قریب آکر لائٹ آن کرنے کی کوشش کی تب ہی اس پر بجلی کی عدم موجودگی کا انکشاف ہوا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا۔ اسے ہمیشہ ہی تاریکی اور خاموشی سے وحشت ہوتی تھی اور شومئی قسمت کہ اب یہ دونوں ہی اس کے ساتھی بن گئے تھے اماں گہری نیند میں تھیں۔ ابھی وہ اضطراب کے عالم میں کھڑی تھی کہ باہر سے آتی بوندوں کی ٹپاٹپ نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔

"اف خدایا!" وہ بے اختیار لرا ہی اس نے جلدی سے باہر آکر دیکھا۔

آسمان گھنگور گھٹاؤں سے اٹ گیا تھا بارش کی ننھی ننھی بوندوں نے دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔ وہ ساکت کھڑی اس دھواں دھار بارش کو دیکھ رہی تھی اور نہ جانے کب تک دیکھتی رہتی اگر جو بکری کے ممیانے کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچتی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ہرگز بھی اس طوفانی بارش میں نکلنے کا رسک نہ لیتی۔ مگر اس وقت اسے صرف اس معصوم بکری اور اس کے میمنوں کا خیال تھا۔ بھینسوں کے احاطے پر تو چھپر ڈلا ہوا تھا صرف بکری ہی کھلے میں باندھی جاتی تھی اسی لیے وہ تقریباً" بھاگتے ہوئے عقبی سمت آئی تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے دونوں بچوں کو اس چھوٹے کمرے میں پہنچایا اور پھر وہ بکری کی رسی کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن زیادہ کامیاب نہیں ہوئی نجانے وہ گانٹھ کس انداز میں باندھی گئی تھی کہ اسے کھولنے کی کوشش میں وہ ناکام ہو گئی۔

"یہ کیا مصیبت ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ ایک طرف تو وہ پانی میں شرابور ہو رہی تھی اور اس پر بکری کا گھبرانا اسے مزید پریشان کیے دے رہا تھا۔

"اربا..... اربا..... آپ یہاں ہیں۔" زعیم کی آواز بڑی واضح سنائی دی تھی اور پھر وہ خود بھی نظر آ گیا۔ کچھ پریشان سے تاثرات لیے۔ بارش میں بھیگا ہوا۔ وہ اسے پکار رہا تھا اربا کو بے اختیار اپنی صبح کی مانگی گئی دعا یاد آئی

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"وہ بارش کے ہوتے ہی بکری کے چلانے کی آواز آئی تو مجھے خیال آیا کہ بکری کو پانی سے ڈر لگتا ہے اور اسی لیے میں....." وہ دھیرے سے کہتے بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے..... بکری سے زیادہ آپ کو پانی سے ڈر لگتا ہے۔" اس کی اڑی ہوئی رنگت' ڈرا سہما بھیگا روپ دیکھ کے زعیم کی رگوں میں لہو کی گردش تیز ہوئی تھی دل میں دبی خواہشیں یکایک ہی مچل اٹھیں۔

"آپ وہاں پہنچ جائیے۔۔۔ اسے میں لے آتا ہوں۔"
اس کے ہوش ربا سراپے سے نظریں چرا کر اس نے کہا اور وہ جلدی سے بھاگ کر اس دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ زعیم نے لمحوں میں بکری کھول کر کمرے تک پہنچا دی تھی۔

"آپ نکل آئیے بارش کے رکنے کا تو کوئی امکان نہیں ہے۔" وہ دروازے کے بیچ کھڑا اس سے مخاطب ہوا مگر اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے۔
ایک تو پہلے ہی اندھیرا تھا اور جو تھوڑی بہت دھندلی سی روشنی دروازے سے آرہی تھی۔ اس میں بھی زعیم کا لمبا چوڑا وجود حائل ہو گیا تھا۔ نتیجتاً محتاط قدموں سے دروازے کی جانب بڑھنے کے باوجود اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا تھا اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔
"کیا ہوا۔" تشویش سے پوچھتے ہوئے اسے اندر آنا ہی پڑا۔
"میرا پیر۔۔۔ مجھے چوٹ لگ گئی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ انگوٹھے کا درد ناقابل برداشت تھا۔
"ایک منٹ۔۔۔ آپ رکیے" اسے بھوسے کے ڈھیر پر بٹھاتے زعیم نے جیب سے لائٹر نکال کے جلایا۔
"آپ کے پاس لائٹر تھا تو پہلے کیوں نہیں جلایا۔" وہ چیخ کر بولی۔
"مجھے خیال نہیں رہا۔" وہ اس کے ننگے پیروں کو دیکھ رہا تھا اس کے سفید گداز پیر مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے اور زخم کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔
زعیم نے غیر ارادی طور پر ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ اربا نے جلدی سے پیر ہٹا لیے۔۔۔ وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی تھی تب ہی زعیم نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جو اس کے ضبط کی حد ہوئی تھی۔ اس کی گہری ساگر آنکھوں کی جگمگاہٹ کے سامنے اربا کو لائٹر کا شعلہ مدھم پڑتا محسوس ہوا۔
دل کی تمام تر شدتیں تمام تر گہرائیاں خود میں سمیٹے زعیم کی بے تاب نگاہیں دیوانہ وار اس کا چہرہ چوم رہی تھیں۔ اس کا خود پر سے اختیار اٹھ گیا تھا۔ زعیم کو لگ رہا تھا کہ اگر اب بھی اس نے اپنے جذبوں پر بند باندھے رکھا تو کہیں۔۔۔ کوئی طوفان ہی نہ آجائے ہونٹوں پر چپ کے تالے تھے اور آنکھیں ان گنت داستانیں کہتی ہوئی اس کی سیاہ بوجھل آنکھیں اربا کے پور پور میں شرارے بھرتے اسے پاگل کرنے کے درپے تھیں اس کے وجود میں گویا آتش کدہ دہک اٹھا تھا۔ درد کا احساس تو مٹ ہی گیا تھا اور پھر۔۔۔ نہ جانے کیا ہوا کہ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر پہلے جس درد کی وجہ سے اسے بیٹھنا پڑا تھا۔۔۔ اب اسے یکسر بھولے وہ اس کے پہلو سے ہو کر باہر نکل آئی تھی۔
بارش زوروں پر تھی مگر اس کے جلتے جسم و جان پر بالکل بے اثر رہی کمرے تک وہ کیسے آئی اسے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اربا! کیسی ہو میری جان طبیعت کیسی ہے تمہاری۔"
آپی کی آواز اسے بہت دور سے آتی سنائی دی تھی۔
اس نے آنکھیں پوری طرح کھول کر انہیں دیکھنے کی کوشش کی وہ اس کے بالکل قریب بیٹھی تھیں۔
اسے اپنے ماتھے پر ٹھنڈک اور نمی کا احساس ہوا۔ مگر یہ یخ اور نم احساس اس جلن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا جو اس کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔
"کب سے ہوئی اس کی یہ حالت؟" اسے وسیم بھائی کی بھاری آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا اس کے اردگرد صرف آپی ہی نہیں گھر کے باقی لوگ بھی تھے۔
"ہم تو بارش رکنے کے بعد ہی گھر آئے تھے اور جب میں اسے بلانے کے لیے کمرے میں آئی تو یہ بخار میں پھنک رہی تھی۔" آپی نے بتایا۔
"رب خیر کرے۔۔۔ جوان کڑی ہے اور پھر اتنی سوہنی۔۔۔ کوئی ہوائی چیز ہی نہ چمٹ گئی ہو۔" اماں کا لہجہ پر تشویش تھا۔ آپی روہانسی ہو گئیں۔
"میں کہا بھی تھا میں نے اس سے ہمارے ساتھ چلو۔۔۔ اکیلے کیا کرو گی مگر یہ سنتی ہے کسی کی۔" اماں کی بات پر وہ گھبرا گئی تھیں۔ اتنا عرصہ گاؤں میں رہنے کے بعد وہ بھی کچھ توہم پرست ہو گئی تھیں۔
"تو کس نے کہا تھا اسے اکیلا چھوڑنے کو۔۔۔ اگر اس کے جانے کا موڈ نہیں تھا تو تم ہی اس کے ساتھ رہ جاتیں تمہارا جانا کیا ضروری تھا۔" وسیم بھائی آپی پر خفا ہونے لگے۔
"یہ اکیلی نہیں تھی پتر۔۔۔ ہم تو تھے ہی اس کے ساتھ یہ تو دین محمد کے لڑکے کی بارات آئی تو ہم دلہن دیکھنے وہاں چلے گئے اور پھر بارش نے ہمیں وہیں روک دیا۔" چاچی نے ان کا غصہ دیکھ کر وضاحت دی۔
کچھ لمحے پہلے ہی ڈاکٹر ضمیر جو وسیم بھائی کے دوست بھی تھے اسے چیک کر کے گئے تھے۔ بخار کی وجہ سے اس پر نیم بے ہوشی سی طاری تھی۔ انہوں نے اپنے پاس ہی سے ٹیبلٹس دے کر ٹھنڈی پٹیاں رکھنے کے لیے کہا تھا اب اس کی مدہوشی کم ہوتی تو اسے دوائی دی جاتی مگر اس سے تو اپنی جلتی ہوئی آنکھیں ہی نہیں کھولی جا رہی تھیں۔
اسے سب کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور کافی دیر سے وہ اپنے بالوں میں کسی کے سرسراتی انگلیاں بھی محسوس کر رہی تھی پھر جب اربا نے اسے خود پر جھکتے محسوس کیا تو اس کے وجود کی مخصوص خوشبو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئی تھی۔ ارفع نے اس کی جلتی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔
"جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ میری بہن۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ اس کی گود میں منہ چھپاتے ہوئے اربا ایک بار پھر ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گئی تھی۔
زعیم تب کا نکلا اب گھر آیا تھا۔ اس وقت تک عموماً سب سونے کے لیے لیٹ چکے ہوتے تھے۔ مگر آج نا صرف سب جاگ رہے تھے بلکہ اسے کچھ عجیب سی ہلچل بھی محسوس ہوئی تھی۔
"کیا ہوا۔۔۔ سب ابھی تک جاگ رہے ہیں خیریت ہے!" اس کا پہلا سامنا زبیدہ سے ہوا جو عجلت میں بڑے کمرے سے نکل رہی تھی۔ وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔
"میں نے پوچھا۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔" اس کے جواب نہ دینے پر اس نے دوبارہ پوچھا تو وہ بے ساختہ نفی میں سر ہلا گئی۔
"اربا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
"کیا ہوا اسے؟" اس کے دل کی بے چینی اس کے لہجے اس کی آنکھوں میں بھی اتر آئی اور زبیدہ کے پورے وجود میں اضطراب بھر گئی۔ زعیم کی بے تابی بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی تھی۔
"پتا نہیں۔۔۔ انہیں کسی وقت اتنا تیز بخار چڑھا کہ اب وہ بالکل بے سدھ پڑی ہیں۔" اس نے ہلکی آواز میں بتایا۔ زعیم نے بے اختیار ہی لب بھینچتے خود کو سرزنش کی تھی۔ پھر وہ مزید رکے بنا اس کمرے کی طرف چلا آیا تھا اور پیچھے زبیدہ بت سی بنی کھڑی رہ گئی۔
وہ ہلکی سی چادر اوڑھے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ اس کی سفید ہمہ وقت دمکتی رنگت اس وقت بخار کی حدت سے گلابی پڑ گئی تھی۔
"یہ تم نے کیا کیا زعیم۔ اپنے دل کو سلگاتے سارے انگارے تم نے اس کومل لڑکی کو سونپ دیے۔" شدید وحشت سے اس کے اندر عجیب ہی اتھل پتھل شروع ہو گئی تھی۔ اب اسے اپنی بے چینی اپنے اضطراب کا سبب سمجھ میں آرہا تھا کہ کیوں اس کی بے کلی حد سے سوا تھی۔
زعیم سے وہاں کھڑا نہ رہا گیا بھلا اسے اس حال میں کیسے دیکھ سکتا تھا۔ مگر اپنا چین، اپنی نیند اس کے سرہانے ہی چھوڑ آیا تھا۔ بستر پر جیسے کانٹے اگ آئے تھے اور کمرے کی فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس لیے باقی کی ساری رات اس نے چھت پر کھلے آسمان کے نیچے سگریٹ پھونکتے ہوئے گزار دی تھی۔

☆ ☆ ☆

تین چار دن اس اداس اور بے زار سی کیفیت میں گزر گئے۔ بخار تو اتر گیا تھا مگر کمزوری اتنی شدید تھی کہ اربا صحن تک کھلی فضا میں جانے کی ہمت بھی خود

میں نہیں پاتی تھی۔ اسے کمپنی دینے کے لیے ہمہ وقت کوئی نہ کوئی اس کے پاس موجود رہتا تھا۔ زعیم دوبارہ اسے دیکھنے نہیں آیا تھا یا شاید اس کے سونے کے کسی وقت میں آیا ہو۔ ویسے بھی آدھا دن تو وہ سو کر ہی گزار دیتی تھی۔ ارفع نے اس سے کہا تھا کہ ایسی کوئی بات ضرور ہے جو اسے پریشان کر رہی ہے مگر وہ بتانا نہیں چاہ رہی۔ اربا نے اسے یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اب تو واقعی میں اربا کے پاس اسے بتانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ سوائے ایک ان کہے ان سنے اقرار کے جو آنکھیں کرتی تھیں اور آنکھیں ہی سمجھتی تھیں۔ یا پھر یہ جذبہ ہی ایسا تھا کہ اس میں زبانی کلامی اظہار کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ پھر گھر میں شادی کی وہ روایتی ہلچل اور چہل پہل شروع ہو گئی۔ دور پاس کے رشتے داروں نے جو رونق بکھیری سو بکھیری

روز ہی رات کو سونیا کی سکھی سہیلیاں ڈھولک پیٹتی' نئے پرانے گانوں کی ٹانگیں توڑنے پر کمربستہ رہتیں اور خواتین ٹپے اور ماہیے گاتے ہوئے سر تان لگاتیں لڑکیوں نے تو ارفع کو ہی اپنا لیڈر مان لیا تھا۔ اس کی خوب صورت اور پراعتماد شخصیت سے تو وہ سب ویسے بھی بہت متاثر تھیں۔ اس پر اس کی فیشن سینس ایبلٹی' اس کی شہری لڑکی ہونے کا لیبل سونے پر سہاگہ کا کام کرتا تھا۔ جبکہ اربا نے تو کمرے سے نکلنا ہی خود پر حرام کر لیا تھا اور اس شام بھی وہ کمرے میں بیٹھی باہر سے آنے والی آوازیں سن رہی تھی جب ارفع تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"چلو اربا اٹھو۔۔۔ تیار ہو جاؤ فٹافٹ۔۔۔!"

"کہاں۔۔۔؟" وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی۔

"باہر آکر دیکھو تو۔۔۔ کتنی رونق لگی ہوئی ہے۔ اس اکیلے کمرے میں تمہارا دم نہیں گھٹتا۔"

"نہیں ارفع۔۔۔ میری طبیعت پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئی' زیادہ دیر بیٹھنے سے مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔"

"تو بیٹھنا مت۔ لیٹ جانا۔۔۔ سونیا کی فرینڈز تم سے ملنا چاہ رہی ہیں وہ تو کمرے میں آنے پر مصر تھیں' میں نے ہی انہیں روک لیا کہ کہیں تمہارا یہ سر جھاڑ منہ پہاڑ حلیہ دیکھ کر مارے ڈر کے الٹے قدموں واپس نہ بھاگ جائیں۔" وہ اس کے کپڑے نکالتی تیز سے لہجے میں بولتی جا رہی تھی۔

"چلو' اب جلدی سے نہا کر فریش ہو لو۔" اپنے ریشمی کرلی بالوں کو سمیٹتی ارفع اس کے پاس آئی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" چند لمحے اسے ستائش بھری نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد اربا نے کہا تو ارفع کو ہنسی آگئی۔

"محنت بھی تو بہت کی ہے خود پر۔۔۔ اب دیکھنا تمہیں تیار کروں گی تو سب مجھے بھول کر تمہیں دیکھنے لگیں گے چلو اٹھو۔" ارفع نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اٹھنا پڑا۔

آج ابٹن کی رسم تھی۔ اربا کو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے کمرے سے نکلنے تک اتنے لوگ آچکے ہوں گے۔ جب وہ ارفع کے ساتھ تیار ہو کر باہر آئی تو

سب کو اپنی جانب متوجہ پا کر نروس سی ہو گئی۔ پھر آپی نے ہی سب سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ وہ ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ان کی باتوں کا جواب دیتے دیتے اس کی نظر بلا ارادہ ہی آسمان پر گئی تھی۔

آسمان کی وسط میں ٹنگا ادھورا سا چاند۔۔۔ جو شاید اپنے ادھورے پن پر کچھ افسردہ اور اداس سا لگ رہا تھا۔

"کب تک یہ یونہی رہے گا ماند اور ویران۔ شاید ہر وہ چیز جو آدھی ہو۔۔۔ اس کا وجود بے معنی ہوتا ہے۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر تو میرا بھی کوئی وجود نہیں ہے۔ میں بھی تو آدھی ہوں اور میرا آدھا حصہ۔"

"اربا۔۔۔؟" ارفع نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے شربت کا گلاس اسے تھمایا۔

"اگر تھک جاؤ تو اس تکیے سے ٹیک لگا لینا ٹھیک ہے۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر چلی گئی۔

اس نے گہری سانس لے کر اپنے آس پاس دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ اس پر رونق ماحول سے کٹ گئی تھی سونیا کو باہر لایا جا رہا تھا۔ رسم کے لیے وہ رخ موڑ کر قدرے سنبھل کر بیٹھتی ہوئی اس طرف دیکھنے لگی۔

زعیم' عزیز کے ساتھ بیٹھک سے نکل رہا تھا جب اس کی نظر سامنے پڑی تو جیسے اس کے اندر تک روشنی پھیل گئی تھی۔ دھانی رنگ کے لباس سے جھانکتا اس کا چاندنی سا بدن۔۔۔ دونوں کلائیوں میں بھر بھر کے لباس کے ہم رنگ چوڑیاں پہنے وہ چہرے پر آنے والے بال سمیٹ رہی تھی۔ زعیم پہلی بار ان گھنگور گھٹاؤں جیسی زلفوں کو بکھرتے دیکھ رہا تھا۔ جب ہوا کی شرارت سے اس کے ریشمی بال اس کے خوب صورت چہرے کو چومتے تو ادھر زعیم کی ہتھیلیوں میں سنسناہٹ ہونے لگتی۔

"یہ تم کیا بت بنے کھڑے ہو۔۔۔ یہ لڑکیوں کو تاڑنے کا ٹائم نہیں ہے میرے بھائی۔" عزیز جو فون سننے واپس اندر چلا گیا۔ اسے دروازے میں ایستادہ دیکھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو زعیم گھور کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارا خیال ہے میں لڑکیوں کو تاڑ رہا ہوں۔ اتنا نظرباز سمجھ رکھا ہے مجھے۔"

"اب کیا کہوں۔۔۔ آج کل تمہارے انداز کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔" اس نے شرارت سے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات تو ہو گی۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے مسکراہٹ چھپائی۔

"ویسے۔۔۔ کون ہو سکتی ہے وہ۔" عزیز یہ کہہ کر نگاہیں ادھر ادھر دوڑانے لگا۔

"اس بہانے تم اپنی آنکھیں مت سینکو۔"

"کہیں وہ تو نہیں۔" عزیز نے اس کی بات ان سنی کر کے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ حیران ہو گیا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جو سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔" عزیز کے ہونٹوں پر [illegible] تھی۔

"گوری رنگت۔۔۔ لمبے بال بڑی بڑی آنکھیں اور۔۔۔"

"بس۔۔۔ خبردار اب اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا۔" اس سے پہلے کہ عزیز مزید قصیدہ خوانی کرتا زعیم نے فوراً ہی تند لہجے میں اسے ٹوک دیا اور عزیز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"تو منہ کھول ہی دیا تم نے۔۔۔ میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا تھا۔ امید تو نہیں تھی نشانے پر لگنے کی۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مگر بھلا ہو تمہاری پوزیسیو نیچر کا۔" زعیم لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بہت بڑا خبیث ہے تو۔"

"تھینک یو۔" عزیز نے سر کو ذرا سا خم کیا۔

"اب لڑکیوں کی طرح یہ شرمانا بند کرو اور جلدی سے مجھے میری ہونے والی بھابھی دکھا دو۔"

"تمہیں میری آنکھوں میں وہ نظر نہیں آتی۔"

اس کی نگاہیں اربا پر جمی تھیں کہ جس نے اس کی نظروں کی گرمی محسوس کر لی تھی جبھی کچھ بے چین سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کون ہیں یہ گاؤں کی تو نہیں لگتیں؟" عزیز اس کی نظروں کے تعاقب میں اربا کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"بھابھی کی بہن ہیں۔" اربا کی بے چینی محسوس کر کے زعیم نے زیر لب مسکراتے ہوئے رخ موڑا۔

"اربا نام ہے مگر عنقریب تم اسے اربا بھابھی کہہ کر پکارو گے۔" اس نے یقین اور استحقاق بھرے لہجے میں کہا۔

"میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔" عزیز کا انداز خلوص سے بھرپور تھا۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں سے وہ تو باہر بیٹھے ہوؤں کو صاف دیکھ سکتے تھے مگر باہر کے لوگوں کی نظر ان پر نہیں پڑ سکتی تھی اسی لیے جب وہ باہر نکلے اربا نے زعیم کو دیکھا تھا۔

بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ ہونٹوں میں

دباتے وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"تو یہ تم ہی تھے۔ یعنی میرے دل کی پکار غلط نہیں تھی جب جب بھی تم اپنی آنکھوں سے میرا نام لیتے ہو' میری ہر ہر دھڑکن لبیک کہہ اٹھتی ہے۔ تم یہ کیسے سوچ سکتے ہو کہ تم مجھے دیکھو گے اور مجھے کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

☼ ☼ ☼

"ارفع۔۔۔ اپنے کپڑے مت نکالو۔۔۔ تم لوگ آج یہ کپڑے پہنو گی۔" آج مہندی تھی اور ارفع اپنے کپڑے پریس کرنے کے لیے نکال رہی تھی۔ جب آپی نے آکر ایک شاپر اس کے سامنے رکھا اور دور بیٹھی اربا بھی چونک گئی۔

"یہ والے کپڑے۔۔۔" ارفع نے جلدی سے شاپر اٹھا کر کھولا اور چہرے پر مایوسی سی چھا گئی۔

"کس کے ہیں یہ کپڑے؟" اب وہ کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ ایک گلابی رنگ کا سوٹ تھا اور ایک سبز رنگ کا جس پر گوٹا کناری کا کام تھا۔

"کس کے ہیں مطلب۔۔۔ تم دونوں کے ہیں اور کس کے ہوں گے۔" آپی نے کچھ ناراضی بھری حیرت سے کہا۔

"اماں نے دیے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ آج تم یہ پہنو۔"

"آئم سوری۔" ارفع نے اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ میری پسند کے نہیں ہیں۔"

اربا نے اسے دیکھا اور پھر پاس آکر سبز رنگ کا سوٹ اٹھا لیا۔

"تم اسے پہنو گی۔۔۔" ارفع حیرت سے چلا اٹھی۔

"تو کیا ہوا۔ اب انہوں نے اتنے خلوص سے دیے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے پہننے میں کیا حرج ہے۔"

"تم ہر کسی کو اپنے جیسا مت سمجھا کرو۔۔۔ بدتمیز' بے لحاظ۔" آپی نے طنزاً کہا اور اس کا منہ بن گیا۔

"اپنے آپ کو بالحاظ ثابت کرنے کے لیے میں یہ زرق برق لباس نہیں پہن سکتی اربا تو پاگل ہے۔"

"ہاں ہوش مند تو ایک تم ہی ہو جسے نہ تو کسی کا [illegible] رکھنا آتا ہے اور نہ ہی کسی کے احساسات کی کوئی پ[illegible] ہے۔"

"اوہ آپی پلیز یہ ایموشنل ڈائیلاگز نہ بولیں آپ ان کے سامنے کچھ مت کہیے گا اگر انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھ لیا تو میں بہانہ بنا دوں گی۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔ آپی چند لمحے تو اسے گھورتی رہیں پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"چلو ٹھیک ہے اس طرح اماں کو بھی آسانی ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب۔۔۔ کیا آسانی ہو جائے گی۔" ارفع کو اچنبھا ہوا۔ وہ مسکرائیں۔

"اصل میں اماں کو تم دونوں بہت پسند آئی ہو اور وہ تمہارے رشتے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔" اربا کا دل دھڑک اٹھا۔

"لیکن وہ ہم دونوں کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں۔ دو بہنوں کا تو ایک بندے سے نکاح جائز ہی نہیں اور اگر بات ایک کی ہے تو پھر میں اربا کے حق میں دستبردار ہوتی ہوں۔"

"تمہاری تو زبان کے آگے خندق ہے ارفع۔۔۔ کچھ تو سوچ سمجھ کر منہ سے نکالا کرو۔" آپی کو شدید غصہ آیا اس کی بات پر۔

"اور تمہیں یہ خوش فہمی کس بات کی ہے وہ براہ راست بھی اربا کے بارے میں سوچ سکتی ہیں۔"

"یہی تو پوائنٹ ہے۔۔۔ ہم ہی کیوں انہیں اپنے گھر میں موجود ایک لڑکی نظر نہیں آئی۔"

"زبیدہ کی بات کر رہی ہو؟" آپی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو چاچی کی بھی خواہش تھی اور اماں کی بھی۔۔۔ زبیدہ بہت پیاری لڑکی ہے اور اچھا ہی ہے اگر وہ گھر میں رہے مگر اس بارے میں جب اماں نے زعیم سے بات کی تو اس نے انکار کر دیا۔"

"اچھا۔۔۔!" ارفع کے ساتھ ساتھ اربا کو بھی حیرت کا جھٹکا لگا۔

"یہ کب کی بات ہے۔"

"جب زعیم اپنی پڑھائی پوری کر کے واپس آیا اور جب اماں کو لگا کہ اب اس کی شادی ہو جانی چاہیے تب کی۔"

"کیا کہہ کر انکار کیا تھا اس نے؟" کچھ جھجکتے ہوئے اربا نے پہلی بار زبان کھولی۔

"اس نے کہا تھا کہ ابھی وہ شادی نہیں کرنا چاہتا اور پھر اس خیال سے کہ کہیں یہ لوگ زبیدہ کو اس کے لیے بٹھائے نہ رکھیں' اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا۔ ضروری نہیں کہ جس لڑکی سے وہ شادی کرے گا وہ زبیدہ ہی ہو۔ اماں سمجھ گئی تھیں کہ زعیم صاحب الفاظ میں تو نہیں کہہ رہا مگر ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ جتانا چاہ رہا ہے کہ اسے زبیدہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر بھی اماں نے زعیم کو کنوینس کرنے کی ٹھان لی۔ یہ الگ بات کہ جیسے جیسے ان کا اصرار بڑھتا گیا۔ ویسے ویسے زعیم کے انکار میں اور شدت آتی گئی اور اب تو وہ زبیدہ کا نام سنتے ہی ہانپو ہونے لگتا ہے۔" آپی نے تفصیل بتائی۔ اربا نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ تھوڑی دیر پہلے یکلخت ہی جو بھاری بوجھ دل پر آپڑا تھا۔۔۔ فوراً" ہی اتر بھی گیا تھا حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی ایک جھٹکا باقی تھا۔

"کیا زبیدہ کو یہ بات پتا ہے۔۔۔" ارفع نے پوچھا۔

"یقیناً" پتا ہو گی اور نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ لاپروائی سے بولیں۔

"بہت فرق پڑتا ہے آپی کیونکہ وہ معصوم سی لڑکی صرف زعیم کے خواب دیکھتی ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔" آپی ششدر رہ گئیں۔

"اس نے خود بتایا ہے مجھے پتا ہے وہ ہمارے آنے کے بعد کتنا ان سیکیور فیل کر رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ زعیم مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ پھر میں نے اس کی غلط فہمی دور کی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ٹینشن نہ لے۔"

"تو تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔" آپی کو تعجب ہوا اربا نے بے چین ہو کر پہلو بدلا تھا۔

"اس لیے کہ آپ اپنے دیور کو سمجھائیں وہ اتنی پیاری لڑکی کو کیوں ریجیکٹ کر رہا ہے بلاوجہ۔ نہ وہ کسی کو پسند کرتا ہے۔ نہ اسے کسی سے محبت ہوئی ہے تو وہ اس لڑکی کا ہاتھ تھام کیوں نہیں لیتا جو اسے اتنا چاہتی ہے۔۔۔ رہے ہم۔۔۔ تو یہ تو ممکن ہی نہیں ہے ہم میں سے کسی نے بھی گاؤں میں رہنے کا تصور بھی نہیں کیا۔۔۔ آج ہیں کل چلے جائیں گے۔۔۔" اس نے بات کرتے کرتے اربا کی طرف دیکھا گویا تائید چاہ رہی ہو وہ نظریں جھکائے بیڈ شیٹ کے ڈیزائن پر انگلی پھیر رہی تھی۔ ارفع نے اپنی بات جاری رکھی۔

"زعیم کو زبیدہ سے شادی کر لینی چاہیے آپی۔۔۔ وہ اس سے پیار کرتی ہے۔" اربا کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔

"زعیم کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔۔۔ یہ تمہیں ڈیسائیڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ارفع۔" آپی نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

"اپنے خیالات و نظریات دوسروں پر تھوپنا تمہاری پرانی عادت ہے۔ مگر یہ اس کی زندگی ہے اور اسے کیسے گزارنا ہے یہ وہ طے کرے گا نہ کہ تم۔"

"میں صرف مشورہ دے رہی تھی۔" اس کا لہجہ پُراحتجاج تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ زعیم خود سمجھ دار ہے اگر اس کا دل نہیں مانتا تو وہ کیوں ایک ان چاہے رشتے کا طوق اپنے گلے میں ڈالے جس سے نا صرف اس کا بلکہ زبیدہ کا بھی جینا حرام ہو جائے۔ ویسے بھی یہاں ایسی کئی شادیوں کے منطقی انجام دیکھ چکی ہوں میں۔"

آپی نے بہت تلخ حقیقت سے روشناس کروایا تھا۔ ارفع چپ سی رہ گئی وہ بھول گئی تھی۔ زبانی جمع خرچ سے زندگی نہیں بنتی اور جن فیصلوں میں جذبات اور احساسات سے زیادہ سمجھوتا شامل ہو جائے۔ پھر وہ پوری عمر کا آزار بن جاتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

مہندی آنے میں دیر تھی اربا نے کھینچ کر کے بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا بنائی۔ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگا کے کانوں میں بڑے بڑے بالے ڈالے وہ باہر نکلنے کو تھی جب آپا کی آواز پر اسے رک جانا پڑا۔

"ارے اربا یہ کیا تمہاری تیاری بس اتنی سی۔۔۔ کم از کم میک اپ تو ارفع سے کروالیتیں۔"

"نہیں آپا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا اور ویسے بھی اس وقت ارفع بہت مصروف ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اچھا پھر ایک منٹ ذرا ٹھہر جاؤ۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئیں اربا کچھ الجھی سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ پھر ذرا ہی دیر میں وہ واپس آگئیں۔

"تمہارے بال اتنے خوب صورت ہیں۔ میں نے سوچا اس میں موتیا کی کلیاں لگا دوں۔" وہ اس کی پشت پر آکر اس کے ریشمی بالوں میں گجرا لگانے لگیں۔

"تھینک یو آپا۔" وہ ممنونیت سے بولی۔

لڑکے والوں کی آمد کا غلغلہ اٹھا تو لڑکیاں اپنی تیاریاں ادھوری چھوڑ کر باہر نکل آئی تھیں۔ بے تحاشا میک اپ اور زیورات میں لدی پھندی خواتین کافی غرور اور استحقاق کے ساتھ انٹر ہوئی تھیں خود کو ہیرو سمجھتے' ہاتھوں میں موبائل فون پکڑے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر خوامخواہ شوخ ہو رہے تھے۔ بچے الگ بم اور پٹاخے پھوڑتے اس کان پھاڑ شور میں اپنا حصہ ڈال رہے تھے اربا ایک طرف کھڑی دلچسپی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ارفع اسے کہیں نظر نہیں آئی شاید وہ ابھی تک کمرے میں ہی تھی۔ لڑکیوں نے آتے ہی سب سے پہلے صحن کے بیچوں بیچ لڈی ڈالی تھی۔ شاید یہ لڑکے کی بہنیں اور کزنز وغیرہ تھیں اور ڈانس کی کافی شوقین لگ رہی تھیں۔

آپی نے اسے بلا کر کولڈ ڈرنک کی ٹرے تھمائی تھی۔ مہمانوں کو سرو کرنے کے لیے اس کے ساتھ تاجی بھی تھی۔ جب وہ شربت سرو کر کے کچن کی طرف آرہی تھی۔ تب ہی پیچھے سے کسی نے اس کا دوپٹہ پکڑ کر کھینچا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ ایک چھ سات سالہ سا بچہ تھا جو یقیناً "ان مہمانوں میں سے ہی کسی ساتھ تھا۔

"آپ کو وہ بلا رہے ہیں۔" اس نے بیٹھک ادھ کھلے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ اربا الجھ گئی ہوا دروازہ تو یہی بتا رہا تھا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔

"کون بلا رہا ہے؟" اس نے جھک کر اس کے چھوئے۔

"وہ۔" اس نے دوبارہ اس طرف اشارہ کیا۔ نے اپنے اردگرد دیکھا اس شور و غوغا میں کوئی اس جانب متوجہ نہیں تھا۔ وہ ایک گہری سانس لیتے ہو اس سمت بڑھتی چلی آئی کچھ جھجکتے ہوئے وہ درو دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی اور سامنے کھڑے ز کو دیکھ کر وہیں جم گئی۔ زعیم بھی اسے دیکھ کر سحر ز ہوگیا۔

اس کی محویت دیکھ کر اسے تھوڑی دیر پہلے ارفع کی گئی بات یاد آئی۔

"تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو میں تو ویسے لگ رہی ہوں۔ جیسے اس سے پہلے لگتی آئی ہوں۔ سنہری گوٹے کناری سے سجا وہ سبز رنگ کا لباس کے حسین سراپے پر جچ کر جیسے اپنی خوش بختی پر نا ہوا جا رہا تھا چمکتی بانہوں میں کانچ کی ہری چوڑیاں آنکھوں میں کاجل کی دھاریاں بالوں میں مہکتے گجرے سراپا خوشبو تھی۔ دھنک تھی روشنی تھی اور ز اسے دیکھ دیکھ کر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔

"آپ مجھے بلا رہے تھے؟" اربا کو لگا اگر کچھ دیر گزری تو کہیں وہ اس کی پاگل نگاہوں کے سامنے بکھ ہی نہ جائے۔

"مجھے بھابھی کو کچھ کہلوانا تھا۔ سامنے آپ نظ آئیں تو میں نے آپ ہی کو بلوالیا۔"

"اوہ مسٹر زعیم! تمہیں تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔" وہ اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے اس کی بات دل ہی دل میں ہنسی۔

"تو آپ خود ہی آکر ان سے کہہ دیتے۔" اس۔

...رے سے کہا۔

"آتو جاتا۔۔۔ مگر مجھے اچھا نہیں لگتا۔۔۔ خواتین یا ...وں کی محفل میں یوں منہ اٹھائے چلے آنا۔" وہ کچھ ...ی سے بولا اربا نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا یہ ... واقعی حیران کن تھی اس نے خود دیکھا تھا لڑکے ...نے بہانے کس طرح سے اندر کے چکر لگا رہے تھے ...ن زعیم کو اس نے ایک بار بھی ان ۔۔۔ دنوں میں ...وں کی موجودگی میں آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"کیا کہنا تھا آپ نے؟" اس نے بمشکل اس کی ...تی آنکھوں سے آنکھیں چرائیں۔

"بھابھی سے کہیے گا مہمانوں کے لیے شربت کے ...تھ چائے بھی بھجوادیں۔"

"بس اتنی سی بات۔" اربا مایوس سی ہو گئی۔

"تم کچھ اور کیوں نہیں کہتے تمہارے پاس کہنے کے ...ے موقع ہے اور میرا رواں رواں سننے کا منتظر۔"

مگر زعیم نے مزید کچھ نہیں کہا' بلکہ اس نے عجیب ...حرکت کی وہ اس کے قریب آگیا تھا اتنے قریب کہ ...ربا اس کے پاس سے اٹھتی کلون کی مہک محسوس کرتی ...ود میں سمٹتی چھوئی موئی بن گئی تھی۔ تب ہی اس نے ...تھ بڑھا کر اس کے شانے کو ہلکے سے چھوا۔ اربا کا دل بے تحاشا دھڑکتے سینے کا پنجرہ توڑنے کو بیتاب ہوا تھا۔ ...س کی چھونے پر اربا نے چونک کر اس کی طرف ...یکھا۔ وہ اس کے گلابی پڑتے تمتماتے ہوئے روپ کو ...انس روکے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں موتیا کی ...لی تھی۔ جو اس کے بالوں سے بکھر کر اس کے شانے ...گری تھی اسے اٹھانے کے لیے ہی زعیم اس کے ...ریب آیا تھا۔ وہ اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں کو قابو کرتی ...تیزی سے باہر نکل آئی۔

"تم مجھے پاگل کر کے ہی چھوڑو گے۔"

☼ ☼ ☼

اگلے دن بارات تھی پورا دن کافی ہنگامے اور معروفیت بھرا تھا اور شاید اسی لیے اربا کو زعیم کہیں نظر نہیں آیا تھا اربا بہت بے دلی سے تقریب میں شریک رہی۔ ایک عجیب سا خالی پن محسوس ہو رہا تھا اسے اپنے اندر اور اردگرد ایک بے نام سی ویرانی۔

"سونیا بہت خوب صورت لگ رہی ہے نا!" وہ پنڈال کے ایک کونے میں کھڑی تھی جب ارفع نے پاس آکر اس سے کہا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ایک تو سونیا پہلے ہی بہت دلکش نقوش کی مالک لڑکی تھی اور اس پر ارفع کے ماہر ہاتھوں نے اس کے حسن کو اور بھی دو آتشہ کر دیا تھا۔ نندیں آتے جاتے صدقہ اتار رہی تھیں اور دولہا میاں چھپ چھپ کے دیکھے جا رہے تھے۔

"اس کی نندیں بہت پیار کرتی ہیں اس سے۔" اس کی نندوں کو اس طرح سونیا کے لاڈ اٹھاتے دیکھ کر اربا نامعلوم سے احساسات میں گھر گئی۔

"نئی نویلی ہے اس لیے ویسے یہ لڑکیاں ہیں بہت تیز طرار۔۔ سونیا تو اتنی سیدھی سادی ہے مجھے تو ابھی سے اس کی فکر ہونے لگی ہے۔" ارفع کا لہجہ کچھ تشویش لیے ہوئے تھا۔

"نہیں خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

وہ اسٹیج کی سمت جانے کا سوچ رہی تھی کہ اس کی نظر پنڈال کے آخری سرے پر کھڑے زعیم پر پڑی۔ وہ شاید اسی وقت وہاں آیا تھا اور اماں سے کچھ بات کر رہا تھا۔ بادامی رنگ کے کرتا شلوار میں اس کی وجیہہ شخصیت دور سے ہی نمایاں تھی۔ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے اپنی مضبوط کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور گھنی مونچھوں تلے اس کے لب بھنچ گئے وہ جانے کے لیے پلٹ گیا اور ادھر اربا بے یقینی سی کھڑی رہ گئی۔

"تم نے مجھے دیکھا نہیں۔۔۔ میں تمہارے سامنے ہی کھڑی تھی اور تم نے مجھے ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ کیا تم نہیں جانتے' جب تم مجھے نہیں دیکھتے تو مجھے میرا ہونا نہ ہونا ایک برابر لگتا ہے۔ صرف ایک نظر ہی سہی تم مجھے میرے ہونے کا احساس تو دلا جاتے۔"

اس کا جی اتنا برا ہوا کہ وہ سب کچھ نظرانداز کر کے گھر کے اندرونی حصے میں چلی آئی تھی اور پھر اس وقت

نکلی جب سونیا کی رخصتی کا وقت آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آج زبیدہ کی خالہ آئی تھیں۔ زبیدہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگنے۔" کل انہیں جانا تھا اور اس وقت وہ اپنی پیکنگ کر رہی تھیں جب آپی نے آکر انہیں بتایا۔ ارفع چونک گئی جبکہ اربا خاموشی سے لگی رہی تھی۔

"لیکن یہ بتانے والی بات نہیں ہے بات یہ ہے کہ اس اتوار کو وہ باقاعدہ رسم کرنے والے ہیں منگنی کی۔"

"کیا..... ؟اس طرح اچانک۔" ارفع حیرت سے گنگ تھی۔

"اچانک سے کیا مطلب سوچ بچار تو غیروں میں کی جاتی ہے۔ وہ اس کی سگی خالہ ہے۔ مالی لحاظ سے کافی مضبوط ہیں اور خود پرویز بھی بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔" آپی نے ناگواری سے جتایا۔

"یہ ساری باتیں ایک طرف' زبیدہ سے پوچھا ان لوگوں نے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" آپی نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"لیکن باقی گھر والے تو بہت خوش ہیں خصوصاً چاچی تم کہتی ہو وہ تمہیں دل کی بات بتاتی ہے تو تم ہی جا کر اس سے پوچھ لو کہ وہ خوش ہے یا نہیں۔" انہوں نے ارفع کی طرف دیکھا وہ چند لمحے تو کچھ سوچتی رہی پھر باہر نکل گئی شاید واقعی زبیدہ سے بات کرنے۔

"کیا زبیدہ خوش نہیں ہوگی۔" اربا نے کسی اندیشے کے تحت ان سے پوچھا۔

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہی ہے' لیکن یہ ارفع نہ جانے کیا خبط ہے اسے دوسروں کی فکر میں گھلنے کا مجھے تو زہر لگتا ہے اس کا یہ جذباتی پن۔" وہ ناراضی سے کہتی چلی گئیں۔

اربا مضطرب سی انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسے حیرت ہوئی جب تھوڑی دیر بعد ہی ارفع تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ واپس آئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"پاگل ہے یہ زبیدہ۔" وہ تڑخ کر بولی اربا ح... اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن کیوں۔ کیا کہا اس نے؟"

"کہنا کیا تھا میں نے پوچھا تم خوش ہو تو کہنے لگی آہو جی میں تو بہت خوش ہوں۔" ارفع نے ایسے میں کہا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اربا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"تو تمہیں اتنی تپ کیوں چڑھ رہی ہے؟"

"مجھے تپ کیوں نہ چڑھے۔ کل وہ کیا کہہ رہی تھی اور اب..... میں نے اس سے پوچھا' تم تو زعیم کو پسند کرتی تھیں نا تو کہنے لگی۔ ہاں کرتی تھی۔ لیکن زعیم مجھے پسند نہیں کرتے ان کی پسند تو کوئی اور ہی ہے۔ میں کیوں زبردستی ان کے گلے پڑوں۔"

"سمجھ دار ہو گئی ہے وہ۔" اربا دھیرے سے بولی پھر ارفع کو جانے کیوں غصہ آرہا تھا کہ ایک معصوم زعیم سے محبت کرتی ہے مگر اسے احساس تک نہیں وہ بہت حساس تھی مگر بے حس تو اربا بھی نہیں۔ اسے بھی بہت افسوس تھا مگر ساتھ ہی یہ اطمینان تھا کہ زعیم کے انکار کا سبب اس کی ذات ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو اس کے یہاں آنے سے پہلے ہی سب پر موقف واضح کر چکا تھا۔ اسے اپنا آپ مجرم تب محسوس ہوتا جب اس کے یہاں آنے کے بعد ہی زعیم کے خیالات اس کے فیصلے میں تبدیلی آئی ہوتی۔

☆ ☆ ☆

وہ ندی کے ٹھنڈے پانی میں پیر ڈالے بیٹھی تھی۔ ندی کے کنارے کی کچی زمین پر کچھ لکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اپنا آنچل سنبھال رہی تھی جو مخالف رو سے آنے والی ہوا بار بار اڑا کر ندی کے پانی میں بھگونے پر تلی ہوئی تھی زعیم درخت کے تنے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ آج ..... ان کی روانگی تھی اور ارفع جانے سے پہلے ایک بار پھر گاؤں کی سیر کرنا چاہ رہی تھی۔ اس پر اربا بھی ان کے ساتھ چلی آئی اب وہ لوگ آگے باغ

سمت چلے گئے تھے اور اربا نے ندی کے کنارے ہی بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔

دھیمی دھیمی چلتی ہوا پودوں اور پتوں کی سرسراہٹ مختلف پرندوں کی بولیاں۔ وقفے وقفے سے بج اٹھنے والی اس کی چوڑیوں کی جلترنگ اور ہوا کے دوش پر دور کہیں سے آتے کسی گانے کے بول زعیم چاہ کر بھی کچھ نہیں کہہ پا رہا تھا۔

آؤ چپ کی زبان میں خاور
اتنی باتیں کریں کہ تھک جائیں

وہ دونوں ہی چپ تھے مگر یہ چپ بھی اپنے اندر ہزاروں داستانیں سمیٹے ہوئی تھی زعیم جانتا تھا کہ یہ اس کے پاس آخری موقع ہے کہ وہ اس طرح سے اس کے سامنے بیٹھی ہے اسے جی بھر کے دیکھنے کا۔ اس سے باتیں کرنے کا یہ خوب صورت چانس پھر کبھی نہیں ملے گا اور اسی لیے ضبط اور مصلحت کے سارے اصولوں کو طاق پر رکھتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا تھا اربا نے اس کا پاس آنا محسوس کر لیا تھا مگر رخ موڑے ہی رہی وہ اس کے پاس بیٹھا تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

زعیم اس کا گریز بھانپ کر مسکرا دیا۔ اس کی نظریں پانی میں ڈالے اس کے گلابی پیروں پر پڑیں پھر اس کے ہاتھوں پر' پھر اس کے ہونٹوں اور پلکوں پر وہ اسے دیکھتا تھا تو بس دیکھتا ہی چلا جاتا تھا۔ پھر ایسے بے خودی کے عالم میں اسے کچھ کہنے کا ہوش ہی کہاں رہتا تھا۔

زعیم نے اس کا ہاتھ تھاما تو اس کے مضبوط ہاتھ کے لمس کی گرمی اربا کے جسم میں برقی رو سی دوڑا گئی اس کے وجود کی خفیف سی لرزش زعیم سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ اس کی مخروطی انگلیوں والی خوب صورت مومی ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں جکڑے اس کی نرماہٹ محسوس کرتے بغور اسے دیکھ رہا تھا جس پر مہندی کے بیل بوٹے ابھی تک کھلتی ہوئی رنگت میں تھے اور بے حد بھلے لگ رہے تھے پھر اس کی سبک کلائیوں میں پڑی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے بہ زبان خموشی اس سے مخاطب ہوا۔

"تمہیں تو اندازہ بھی نہیں ہوگا اربا کہ مجھے ان چوڑیوں سے کتنی جلن ہوتی ہے۔ جب یہ کھنکتی ہیں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ میرا منہ چڑا رہی ہوں اور مجھے بتا رہی ہوں کہ دیکھو ..... تمہاری اربا تم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے ..... ہمیں دیکھتی ہے' ہمیں سنتی ہے' ہمیں اپنے وجود کا حصہ بنائے رکھتی ہے۔ تم تو اسے جی بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے اور ہم..... ہمیں ہر وقت اس کی قرب کی خوشبو گنگناتے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔"

اربا نے ایک بار بھی اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہر گزرتا پل اس کا انتظار شدید کر رہا تھا۔ وہ منتظر تھی کہ زعیم کب اسے حکایت دل سناتا ہے۔ اپنی آنکھوں سے جھلکتی بے تابیوں اور بے قراریوں کو اپنے گمبھیر لہجے میں سمو کر اس کی سماعتوں میں اتارتا ہے۔ اس کی شور مچاتی آنکھوں نے تو اس کے دل کا سکون چھین ہی لیا تھا اب اسے قرار تب ہی ملتا جب اس کے دل کی بات وہ اس کے منہ سے سنتی۔

"مجھے تو یہ سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے کہ جب..... تم چلی جاؤ گی تو میرا کیا ہوگا میں تمہیں دیکھے بنا رہوں گا کیسے..... تم تو ان چند دنوں میں ہی مجھ میں یوں سما گئی ہو کہ تم سے دوری کا صرف تصور ہی میری دھڑکنیں تھما دیتا ہے۔ میرا دل ضد کرنے لگا ہے۔ کہ میں تمہیں کہیں جانے نہ دوں..... ڈرنے لگا ہے کہ کہیں تمہیں مجھ سے کوئی اور نہ چھین لے میں سہہ نہیں پاؤں گا اربا' میں تو تم پر کسی اور کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتا..... تمہیں چھو کر گزرنے والی ہوا بھی مجھے اپنی دشمن نظر آتی ہے۔" اس کی گرفت لاشعوری طور پر ہی اربا کے ہاتھ پر سخت ہوئی تو اربا نے چونک کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں جذبوں کی آگ سی دہک اٹھی تھی۔ اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

"ہوش چھیننے کے لیے تو تمہاری یہ آنکھیں ہی کافی ہیں..... بولو گے تو نجانے کیا عالم ہوگا۔" اسی لمحے ارفع

اور ناجی کی باتوں کی آواز آئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر ہاتھ چھڑانے کے اس عمل میں اس کی کئی چوڑیاں ٹوٹ کر زعیم کی مضبوط ہتھیلی میں کھب گئی تھیں۔

"ارے یہ دونوں ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔" ارفع پاس آگئی۔ اور انہیں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ زعیم نے ایک نظر ان چوڑیوں کے ٹکڑوں پر ڈالی پھر اسے غیر محسوس انداز میں جیب میں ڈال لیا اس کی ہتھیلی پر کہیں کہیں خون کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

"تو آپ کے خیال میں ہمیں کہیں جانا چاہیے تھا۔" زعیم اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"میرا تو خیال تھا آپ اسے باغ دکھانے لے آئیں گے باتیں کریں گے ناموں کے علاوہ بھی آپ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بہت سی باتیں جان جائیں گے۔ جب سے ہم یہاں آئے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا آپ لوگوں نے کبھی ایک دوسرے کی خیریت و عافیت بھی دریافت کی ہوگی۔"

"ابھی یہ مرحلہ طے ہو ہی جاتا اگر تھوڑی دیر اور آپ نہ آتیں تو۔۔۔!" زعیم نے مسکرا کر کہا تھا۔

"کیا۔۔۔؟" ارفع حیرت سے چیخ اٹھی۔

"ابھی تک آپ سے یہ کام بھی نہیں ہوا مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں نے دو گونگوں کو بٹھا دیا ہے آمنے سامنے سچ بتائیے اتنی دیر تک کیا واقعی آپ لوگ خاموش بیٹھے بس ان پیڑ پودوں کو گھورتے رہے۔"

زعیم ہنس پڑا اس کی نظر بے اختیار ہی اربا کی طرف گئی۔ وہ سلیپرز میں پیر ڈال رہی تھی۔

"کم از کم میں اتنا بدذوق ہرگز نہیں ہوں، ہاں آپ کی بہن نے پوری کوشش کی مجھے ان پیڑ پودوں سے جیلس کرنے کی۔"

"تو آپ ہو گئے؟" ارفع نے اس کی شرارت آمیز بات سمجھ کر شوخ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے تو ہر وہ چیز اپنی رقیب لگتی ہے جسے مجھ سے زیادہ توجہ ملے۔" اس کی گہری نگاہیں اربا پر جمی تھیں وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"اب کیا مطلب ہے ان فضول باتوں کا" [illegible] نے کچھ جھنجھلا کر سوچا۔

"بڑے تنگ دل ہیں آپ۔۔۔ میں تو آپ [illegible] براڈ مائنڈڈ سمجھی تھی۔" ارفع نے کہا۔

"اسے تنگ دلی نہیں شدت پسندی کہتے ہیں جی۔" وہ زیر لب مسکرایا۔

"اچھا۔۔۔ مجھے پہلے پتا نہیں تھا آپ کی خصوصیت کا۔"

"جنہیں پتا ہونا چاہیے انہیں بھی نہیں تھا" [illegible] کا انداز ایسا تھا ارفع نہ سمجھی تھیں اور اربا سمجھ کر [illegible] پھیر گئی۔

"چھوڑیے یہ بتائیے آپ کو ہم یاد تو رہیں گے" اس کا مخاطب ارفع تھی مگر اربا کو لگا جیسے وہ اسے [illegible] اور شاید ایسا ہی تھا۔

"ارے کیسی باتیں کرتے ہیں۔۔۔ ہم بھلا [illegible] بھول سکتے ہیں۔" ارفع جلدی سے بولی۔

"آپ کی طرف سے تو مجھے کوئی خدشہ نہیں لیکن۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اربا [illegible] اٹھی۔

"اچھا۔۔۔ یعنی یہ بے یقینی میری طرف سے ہے۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟" ارفع اس کی ادھوری بات پر [illegible] سی گئی پھر قدرے توقف سے بولی۔

"ویسے اربا سے آپ کوئی توقع نہ رکھیں۔۔۔ [illegible] کو زیادہ عرصہ اپنی یادداشت میں محفوظ نہیں رکھتی آپ ہفتے بعد بھی اس سے ملیں اور یہ آپ کو [illegible] جائے تو آپ کو اس پر شکر ادا کر لینا چاہیے کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" اب وہ ہنستے ہو [illegible] شرارت آمیز لہجے میں اس سے تائید چاہ رہی تھی۔

"کیا واقعی؟" زعیم نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ اب چلیں ارفع۔" چہرے پر [illegible] لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستے وہ کچھ بے زاری سے [illegible] اس کی بات سے زیادہ اس کے انداز نے زعیم کو [illegible]

تھا۔

"ایک منٹ اربا۔۔۔ ذرا اپنا ہاتھ دکھانا تو۔۔۔!" ارفع نے اچانک کہا تو وہ حیران ہو گئی۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ اپنے ہاتھ کا جائزہ لینے لگی۔

"خون نکل رہا ہے۔۔۔ شاید کوئی چوڑی ٹوٹ کے چبھ گئی ہے۔" ارفع نے اس کی کلائی دیکھتے ہوئے کہا۔ تو زعیم نے اپنا رومال بڑھا دیا۔

"یہ لیجیے۔"

"ضرورت نہیں۔" اربا نے جلدی سے ارفع سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"معمولی سی کھرونچ ہے اور ذرا سا رستا ہوا خون ٹھیک ہو جائے گا خود ہی!" اس کا لہجہ بے حد خشک تھا اور سیاہ آنکھوں میں عجیب سا تناؤ زعیم کے دل کو بے طرح دھڑکا گیا ارفع کو الگ غصہ آیا اس کے روکھے انداز پر۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے ٹوکتی، زعیم اس کے قریب آیا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اس کی کلائی پر رومال باندھ دیا۔ وہ بھونچکی سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میری وجہ سے آپ کا ذرا سا بھی خون بہے۔ یہ مجھے بالکل گوارا نہیں۔" بھاری لہجے میں کہتے ہوئے زعیم نے اس کی کلائی سے مزید دو تین نوکیلی سروں والی چوڑیاں توڑ کر پھینک دیں ارفع جو عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے یکایک ہی کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہوا مگر یہ صرف وقتی کیفیت تھی۔ جسے اس نے اپنا واہمہ قرار دے کر فوراً ہی ذہن سے جھٹک بھی دیا۔ جبکہ زعیم اس سے کہہ رہا تھا۔

"ابھی آپ بھولنے بھلانے کی بات کر رہی تھیں۔ میں نے آپ کو بتایا نہیں کچھ دنوں میں ہمارا بھی کراچی آنے کا پروگرام ہے۔ اگر تب تک آپ ہمیں بھول بھی چکی ہوں تو ہم خود آپ کو اپنی یاد دلانے آجائیں گے۔"

"کیا! آپ واقعی کراچی آنے والے ہیں؟" ارفع نے بے یقینی سے پوچھا۔

"جی ہاں اب اپنی امانت لینے کے لیے تو آنا ہی پڑے گا۔" اس نے اربا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"کیسی امانت۔"

"آپ کی بہن ہماری ایک چیز جو ساتھ لیے جا رہی ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔

"اوہ! آپ رومال کی بات کر رہے ہیں۔" ارفع نے اس کی بات سمجھ کر گہری سانس لی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں کھرا آدمی ہوں ارفع، وعدوں کا بھی سچا ہوں اور جذبوں کا بھی، آنے کا کہا ہے تو ضرور آؤں گا آپ بس منتظر رہیے گا۔"

اربا کو یہ پیغام کوئی تسلی نہیں دے پایا۔ وہ ارفع کو وہیں چھوڑ کر ناجی کے ساتھ چلی آئی تھی۔ زعیم کی پرتپش نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اربا کے اندر کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے لگا تھا کہ آج جب ان کی روانگی ہے تو زعیم لازماً اپنی چپ کا روزہ توڑے گا وہ پورے آدھے گھنٹے اس کے سامنے بیٹھی رہی اقرار کے چند خوب صورت پل سمیٹنے کے انتظار میں دل کو دھڑکاتے اس کے گمبھیر لہجے میں جذبوں اور شدتوں سے مہکے کسی اظہار کی تمنا میں۔۔۔ مگر اس نے کیا کیا۔ اس کی ساری خواہشوں پر یخ ٹھنڈا پانی ڈال دیا اور پھر ارفع کے آنے کے بعد جو ذومعنی گفتگو شروع کی۔۔۔ اس نے مزید اربا کو سر سے لے کر پاؤں تک سلگا کر رکھ دیا تھا۔ گھر آنے کے بعد وہ سر درد کے بہانے سیدھی کمرے میں چلی آئی۔ زعیم تھوڑی دیر بعد ہی گھر آگیا تھا اور اربا سمجھ گئی تھی کہ وہ آج اتنی جلدی گھر کیوں آیا تھا۔ مگر اس نے بھی قسم کھا لی تھی جانے کے آخری لمحے تک اسے اپنی صورت نہ دکھانے کی اسی لیے اس نے دوپہر کے کھانے کے لیے بھی منع کر دیا۔

"ٹھیک ہے زعیم اگر تم سمجھتے ہو کہ اربا تمہاری ہر ان کہی بات بھی سمجھ جائے گی تو آج میں تمہاری یہ غلط

فہمی دور کر ہی دیتی ہوں۔ اگر تم اپنی اس خاموشی میں خوش ہو تو اب میں بھی تمہیں انجان بن کر دکھاؤں گی کوستے رہنا پھر ساری زندگی اپنے اس گونگے پن کو۔'' اس کا غصہ شدید تھا۔ انہیں وسیم بھائی کے ساتھ لاہور جانا تھا اور پھر وہاں سے کراچی کے لیے فلائی کر جانا تھا۔ بالاخر ان کے جانے کا لمحہ بھی آ ہی گیا تھا۔ سب کافی اداس تھے۔ سونیا بھی اپنے شوہر کے ساتھ ملنے آئی تھی۔ ارفع نے ان سے کراچی آنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔

اس وقت جب سب انہیں رخصت کرنے کے لیے باہر ہی موجود تھے اس کی نظریں زعیم کو ڈھونڈتی رہیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ پھر ایک ایک سے گلے ملتے، دعائیں لیتے وہ دونوں باہر نکل آئی تھیں۔ سامنے ہی گاڑی کے ساتھ وسیم بھائی موجود تھے اور زعیم ان سے کچھ بات کر رہا تھا۔ ان کی آمد پر دونوں ہی ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس سے ملی پہلی نظر غیر ارادی تھی حالانکہ اربا نے تہیہ کیا ہوا تھا اسے نہ دیکھنے کا اور اسے دیکھتے ہی زعیم کی آنکھوں میں جو بے پناہ شکوہ ابھر آیا تھا۔ وہ گڑبڑا کر نظریں جھکاتے اپنی چادر درست کرنے لگی تھی۔

سیاہ چادر کے ہالے میں اس کے گلابی روپ کو وارفتگی سے تکتے وہ تقریباً'' گرد و پیش سے غافل ہو گیا تھا۔ آج جب وہ ہر لمحہ اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا اس سنگدل لڑکی نے اس کی یہ خواہش بھی پوری نہیں ہونے دی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ مگر کیوں؟ یہ سوال اسے پریشان کرنے لگا تھا۔ اس کے رویے میں آنے والی یہ واضح تبدیلی اس عجیب سے اضطراب میں مبتلا کر گئی تھی۔

پچھلا دروازہ کھولنے پر پہلے ارفع اندر بیٹھی پھر اس کی باری آئی وہ مسلسل اس کی پر حدت نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے ایک نظر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا حالانکہ دل مچلا جا رہا تھا۔ لیکن دماغ پر چھایا غصہ اتنا شدید تھا کہ اس نے دل کی ایک نہیں چلنے دی۔

''اللہ حافظ۔'' دروازہ بند کرتے اس کی بھاری بوجھل آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اس نے بجائے جواب دینے کے اس کی سمت سے رخ ہی پھیر لیا۔ زعیم تڑپ گیا۔

''بہت بری ہو تم اربا۔ ایک تو دوریاں سونپ کر جا رہی ہو... اس پر یہ بے رخی یہ دُہرا ستم کس لیے۔''

''اللہ حافظ زعیم... ہمیں آپ کا انتظار رہے گا۔'' ارفع نے کہا تھا۔ وہ تو یوں لاتعلق بیٹھی تھی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو۔

''اربا بدتمیز! اللہ حافظ تو کہہ دو۔'' ارفع نے اسے ایک دھپ لگائی۔

وہ جانتی تھی زعیم کی جلتی ہوئی منتظر نگاہیں اس پر جمی ہیں مگر نہ تو اس نے زاویہ بدلا نہ اسے دیکھنے کی کوشش کی ''اللہ حافظ!'' سپاٹ لہجے میں کہتے اس کا انداز ایسا تھا جیسے ارفع کو کہہ رہی ہو۔ زعیم خود پر اختیار کھونے لگا تھا۔ دل چاہ رہا تھا ضبط کے سارے ضابطے احتیاطیں بھاڑ میں جھونک کر وہ اسے جھنجھوڑ کر اس رویے کی وجہ پوچھے۔

''میں تو پہلے ہی مشکل میں ہوں۔ کیوں جاتے جاتے مجھے وحشتوں میں دھکیل رہی ہو۔ کیوں میری دیوانگی کو جنون کی راہ دکھا رہی ہو۔'' مگر کچھ کہنے کے بجائے وہ لب بھینچے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا یہ دل گرفتہ اور ہارا ہوا انداز اربا نے دیکھا اور اس کا دل ایک لمحے کے لیے تھم سا گیا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے... آتے آتے اسے اتنا ہرٹ کر دیا۔'' تھوڑی دیر بعد ہی اسے شدت سے احساس ہوا تھا۔ اس کی شکوہ کناں آنکھیں جیسے اس کے دل میں کھب گئی تھیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش کو بمشکل دباتے اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

ثمر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے گاؤں کا کوئی نہ کوئی قصہ سنتے رہنا چاہتی تھی اور ارفع کے پاس ہر وقت ایک قصہ موجود رہتا تھا اسے سنانے کو ان کے آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے تو یہی پوچھا تھا ''زعیم بھائی کو دیکھا تم لوگوں نے... کیسے لگے؟'' اس کے لہجے میں اس درجہ بے تابی تھی گویا وہ دونوں صرف اس مقصد کے لیے تو وہاں گئی تھیں۔

''گریس فل 'ڈیشنگ اینڈ سینس ایبل!'' ارفع نے جواب دیا تھا۔

''اور تمہیں...؟'' اس نے اربا کی طرف دیکھا۔

''اس سے کیا پوچھتی ہو... اس نے تو کبھی اس سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی اور اتنی بے شرم ہے آتے ہوئے اس کو خدا حافظ تک نہیں کہہ رہی تھی میں نے زبردستی کہلوایا۔'' ارفع کو ابھی تک اس بات پر غصہ تھا۔

''دل و جان تو سونپ کر آ گئی ہوں اسے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔'' وہ اپنے زخم کے کھرنڈ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''لیکن کیوں اربا... وہ تو اتنے نائس ہیں۔'' ثمر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اور ایک وہی کیا۔ اس نے تو وہاں کسی سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کی... عجیب بے زار سی صورت بنا رکھی تھی اوپر سے خود کو بخار الگ چڑھا لیا۔'' ارفع ایک ایک کر کے سارے کھاتے کھول رہی تھی۔ ''مجھے تو لگا تھا یہ وہاں جا کر سب سے زیادہ انجوائے کرے گی۔'' ثمر نے اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''ہونہہ انجوائے۔'' ارفع نے طنزیہ انداز میں دہرایا۔

''میرا تو خیال ہے وہاں جاتے ہی اس پر کوہ کاف کا کوئی جن عاشق ہو گیا تھا۔ سچ کہتی ہوں ثمر... مجھے تو یہ اپنی بہن لگ ہی نہیں رہی تھی۔''

''تو ابھی مجھے کون سا لگ رہی ہے کہیں وہ جن اس کے پیچھے یہاں تک تو نہیں کھنچا چلا آیا۔'' ثمر ہنسی۔

''تم لوگ اپنی یہ بکواس بند نہیں کر سکتے۔'' وہ جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔ چیخ کر بولی تھی اور وہ دونوں ہی متحیر سی اسے دیکھنے لگیں۔ اس کا انداز کہیں سے بھی نارمل نہیں تھا... اس کا تپتا ہوا چہرہ اور سرخی چھلکاتی آنکھیں ارفع کو لگا وہ اندر ہی اندر جل رہی ہو۔

''ہم... ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے اربا۔'' ارفع کا لہجہ دھیما ہوا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

''کچھ نہیں...!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اعصاب بکھرنے لگے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ ان کے سامنے ہی اپنا بھرم کھوتی۔ ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

رات جب وہ ٹی وی لاؤنج میں کوئی مووی دیکھ رہی تھیں امی نے آ کر ان کے سروں پر بم پھوڑا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے سامعہ کا فون آیا تھا۔''

''اچھا... کیا کہہ رہی تھیں؟'' ارفع نے ٹی وی پر سے نگاہیں ہٹا کر انہیں دیکھا۔

''سامعہ بتا رہی تھی کہ ان کی ساس آنا چاہ رہی ہیں کراچی۔'' امی نے اتنا ہی کہا تھا کہ ارفع اچھل پڑی اور اربا جم سی گئی۔

''خدا خیر کرے کیوں آنا چاہ رہی ہیں کراچی۔'' کچھ کچھ معاملہ بھانپ کر ارفع کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آپی کی باتیں تو ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھیں اور اربا کا دل اس کی آنکھوں میں دھڑکا تھا اس لمحے کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا ورنہ ضرور مشکوک ہو جاتا۔

''پہلے پوری بات سن لیا کرو ارفع بیچ میں ٹوک دینے کی تمہاری یہ عادت مجھے زہر لگتی ہے۔'' امی برہم ہو کر وہ چپکی ہو رہی۔

''سامعہ کہہ رہی تھی کہ اس کی ساس کو تم بہت پسند آئی ہو اور اسی لیے وہ پہلے ہماری مرضی جاننا چاہ رہی ہیں تاکہ بعد میں باقاعدہ طریقے سے رشتہ مانگنے یہاں آئیں۔''

اربا کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ امی کو سننے میں غلطی

ہوئی تھی یا پھر سامعہ کو سمجھنے میں۔

"کیا کیا کہا آپ نے ۔۔۔ انہیں میں پسند آئی ہوں میں۔" ارفع نے اپنی جانب اشارہ کر کے بے یقین سے دریافت کیا۔

"ہاں سامعہ نے تو یہی کہا تھا' اصل میں اس کی ساس تمہارے ناموں میں گڑبڑ کر جاتی ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا تھا کہ بڑی والی جب سامعہ نے ان سے پوچھا کہ ارفع؟ تب انہوں نے جلدی سے تائید کر دی تھی کہ ہاں وہی۔" امی نے پوری تفصیل بتا دی۔ ارفع نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ ابھی اس نے اربا کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ جس کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔

"آپی کو غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔" ارفع دھیرے سے بڑبڑائی پھر کسی خیال کے آتے ہی اس نے چونک کر امی کی طرف دیکھا۔

"کہیں آپ نے ہاں تو نہیں کر دی؟"

"ارے' ایسے کیسے ایک فون پر ہاں کر دیں ۔۔۔ ابھی تو میں نے تمہارے ابو کو بھی نہیں بتایا سوچیں گے ۔۔۔ غور کریں گے تب ہی کوئی فیصلہ ہو گا۔" امی کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"لگتا ہے ارفع کا جادو وہاں سر چڑھ کر بولا ہے جبھی تو تین دن بعد ہی رشتے کی کال آئی۔" ثمر خوشی سے چہکی تھی اور ارفع کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

"کہا بھی تھا میں نے آپی سے کہ مجھے گاؤں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ نہیں بننا ہے مجھے کسی پینڈو کی دوہٹی پھر بھی یہ آپی دشمنی کرنے پر تلی بیٹھی ہیں میرے ساتھ۔" وہ غصے اور بے بسی سے مٹھیاں بھینچ رہی تھی۔ ثمر نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"خدا کا خوف کرو ارفع ۔۔۔ تمہاری زبان نہیں کانپی زعیم بھائی جیسے ڈیسنٹ اور گریس فل شخص کو پینڈو کہتے ہوئے ۔۔۔ بلکہ کل تو تم خود بھی یہی کہہ رہی تھیں ۔۔۔" ثمر کا انداز ملامت کرنے والا تھا وہ سچ مچ شرمندہ ہو گئی۔

"میں وہ سب نہیں کہنا چاہ رہی تھی۔ یہ تو آپی نے مجھے غصہ دلا دیا ۔۔۔ مجھے ان سے بات کرنی ہی پڑے گی میرے اتنے واضح انکار کے بعد بھی کیا سوچ کر انہوں نے یہ بات کی۔"

"میں تو بہت خوش ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زعیم بھائی کی اماں کو کم اور انہیں تم نے زیادہ انسپائر کر دیا ہے کہ ان سے ایک ہفتے بھی انتظار نہیں ہوا۔" ثمر ان دونوں کی کیفیتوں سے بے نیاز اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

اربا کا دل اندر ہی اندر ڈوب رہا تھا۔ اسے ڈر لگنے لگا کہیں اس کی دماغ کی نس ہی نہ پھٹ جائے۔ اس نے تو ان چند دنوں میں ہی ہجر کا ہر رنگ دیکھ لیا تھا۔ ہر دکھ جھیل لیا تھا اور اب اس سے ہمیشہ کے لیے جدائی کا سوچا تو اس کے جسم سے جان نکلنے لگی تھی۔

"تمہاری کون سے لاٹری لگی ہے۔ جو تم اتنے دانت نکال رہی ہو۔" ارفع نے ثمر کو کافی خونخوار نگاہوں سے گھورا۔

"کیا میں نے تم لوگوں کو کبھی بتایا نہیں کہ مجھے زعیم بھائی کتنے اچھے لگتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"اچھا' میں کہہ دیتی ہوں امی سے میرے بجائے تمہارا رشتہ طے کر دیں۔"

"اگر انہوں نے میرے لیے رشتہ بھیجنا ہوتا تو پچھلی بار ہی بھیج دیتے۔ اب تو انہوں نے تمہارے لیے رشتہ بھیجا ہے۔" اس کی آنکھیں شرارت سے چمکی تھیں

-

اربا مزید اپنا ضبط آزمانے کے بجائے اپنے کمرے میں چلی آئی ارفع اس وقت اپنی ہی پریشانی میں الجھی ہوئی تھی ورنہ اس کی اڑی ہوئی رنگت اور خاموشی سے کوئی نتیجہ اخذ کر ہی لیتی

"تم نے یہ کیا کیا زعیم ۔۔۔ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو میں تو تمہاری محبت میں اتنا آگے نکل آئی ہوں کہ اب پیچھے پلٹنا بھی ممکن نہیں رہا اور تم ہم اس طرح مجھے بیچ راہ میں چھوڑ دو گے۔ تم اپنی خاموشی کا یوں فائدہ نہیں اٹھا سکتے ۔۔۔ تم میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا نہیں کر سکتے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اتنے دنوں سے دل میں جو گھٹن سی بھری ہوئی تھی اسے جیسے نکلنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ اربا کو تو یہی سوچ نیم جان کر رہی تھی کہ اماں جی اتنا بڑا فیصلہ زعیم کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتیں اور اگر زعیم کی مرضی اس میں شامل ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اربا سے اس کی آنکھوں نے جتنے بھی اقرار کیے جو پیمان باندھے وہ وعدے وعید ۔۔۔ وہ پاگل کرتے جذبے' وہ بے قراریاں وہ وارفتگیاں سب جھوٹ تھا فریب تھا اور وہ اس کی جھوٹی آنکھوں کی باتوں میں آ کر اپنا سب کچھ ہار گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں نے صبح آپی سے بات کی تھی۔"

وہ کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹ رہی تھی اور ثمر اسی وقت کالج سے واپس آئی تھی۔ ارفع نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا اربا کا کہنے کو جی چاہا کہ اگر زعیم کی کوئی بات کرنی ہے تو کچن سے نکل کر کرو مگر پھر چپ رہ گئی۔

"اچھا ۔۔۔ کس سلسلے میں؟" فریج سے پانی کی بوتل نکال کر ثمر سلیب پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ رشتے کے سلسلے میں پتا ہے آپی نے ایک عجیب بات بتائی آپی نے کہا کہ اماں کو تو ہم دونوں ہی پسند تھیں مگر زعیم نے میرے لیے ان سے پسندیدگی کا اظہار کیا تو ان کا ذہن کلیئر ہو گیا کہ انہیں کسے اپنی بہو بنانا ہے۔"

چھری کا کٹ ٹماٹر کے بجائے اس کی انگلی پر لگا تھا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔ اس کا دل چاہا وہ یہ چھری اپنی کلائی پر ہی پھیر دے۔

"تو اس میں عجیب کیا ہے۔ اب تم اتنی بھی گئی گزری نہیں ہو کہ کوئی تمہیں پسند ہی نہ کر سکے۔" ثمر نے بات کو شرارت کا رنگ دے دیا۔ ارفع کی آنکھوں میں برہمی جھلکی۔

"بکواس مت کرو ۔۔۔ مجھے عجیب اس لیے لگ رہا ہے کہ زعیم بہت فیئر بندہ ہے ثمر جو بات اس کے دل میں ہوتی ہے وہی اس کی آنکھوں' اس کی زبان پر بھی ہوتی ہے اور اتنے دنوں میں مجھے ایک بار بھی کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ وہ مجھ میں اس لحاظ سے دلچسپی لے رہا ہے۔ پھر اس طرح اچانک سے اس نے میرے بارے میں ایسا کیسے کہہ دیا۔" وہ شدید الجھن کا شکار لگ رہی تھی۔

"اب کہہ دیا تو کہہ دیا تم کیوں بال کی کھال اتار رہی ہو اتنے زبردست انسان ہیں زعیم بھائی' تمہیں تو خود پر رشک کرنا چاہیے کہ انہوں نے تمہیں چنا۔" ثمر بات سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اربا کی آنکھوں کے سامنے چیزیں دھندلانے لگی تھیں وہ سنک کے پاس آ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

"ہاں یہ بات تو آپی نے بھی کی۔" ارفع نے سر ہلایا۔

"انہوں نے کہا کہ میں جانتی تھی تم بہت ہنگامہ کرو گی مگر جب مجھے پتا چلا کہ اماں کے علاوہ یہ زعیم کی بھی خواہش ہے تو میں جیسے ہر بات بھول گئی۔ یہ خوشی ہی ایسی تھی زعیم جیسا ہیرا انسان میری بہن کا نصیب بنے اس سے بڑی بات میرے لیے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ آپی نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ بنا سوچے سمجھے میں کوئی بھی فیصلہ نہ کروں ۔۔۔ یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ زعیم بہت اچھا انسان ہے مگر تم دونوں ہی جانتی ہو کہ میں نے کبھی گاؤں میں رہنے کے بارے میں نہیں سوچا ۔۔۔ اگر زعیم کے ساتھ گاؤں کا حوالہ نہ ہوتا تو میں سوچ لیتی ۔۔۔ اچھا ہوتا یہ رشتہ اس کے لیے آتا۔" ارفع نے بات ختم کر کے گہری سانس لی۔

"مگر زعیم بھائی نے تو تمہارے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔" ثمر نے اسے یاد دلایا۔

"مجھے یہ بات بھی کھٹک رہی ہے اور اس لیے میں نے زعیم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کھٹکنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔" ثمر چونکی۔

"کیا زعیم بھائی نے ایسا نہیں کہا ہو گا ۔۔۔ یا پھر آپی کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے ۔۔۔ یہ تو زعیم سے بات کرنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔" وہ کہہ کر کچن سے نکل گئی۔

"یہ تمہیں کیا ہوا؟" اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر ثمر نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

"پیاز کاٹ رہی تھی۔" اس نے دھیرے سے کہہ کر نگاہیں چرائیں۔
"مگر تم تو ٹماٹر کاٹ رہی تھیں۔" ثمر کی نظر کٹے ہوئے ٹماٹروں پر پڑ چکی تھی۔
"تم کیوں میرا دماغ چاٹنے لگی ہو۔۔۔۔ چلی کیوں نہیں جاتیں۔" اس کا لہجہ تلخ ہوا تھا۔ وہ چند لمحے تو حیرت سے اسے دیکھتی رہی پھر کسی قدر خفگی سے باہر نکل گئی۔ اسے یکایک ہی بے تحاشا شرمندگی محسوس ہوئی۔
"کیا کر رہی ہوں میں۔۔۔۔ پاگل ہو گئی ہوں اس بیوفا شخص کے لیے۔" سر تھام کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔ آنکھیں پھر سے ڈبڈبانے لگی تھیں اس نے میز پر دھرے اپنے بازوؤں پر سر رکھ دیا۔
"تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا زعیم، میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا اس پوری دنیا میں تمہیں میں ہی نظر آئی تھی بیوقوف بنانے کے لیے ایک طرف مجھے پاگل بناتے رہے اور، اور دوسری طرف میری بہن کے ساتھ زندگی گزارنے کی پلانز۔۔۔۔ میں کیسے بتاؤں گی اسے تمہارے اس دھوکے کے بارے میں، تم نے تو کبھی مجھے اپنی زبان سے کوئی امید، کوئی یقین دلایا ہی نہیں اور میں پاگل آخر تک یہی آس تھامے رہی کہ تم اب مجھ سے کچھ کہو گے اب کہو گے اور تمہارے لیے تو یہ سب صرف ایک کھیل تھا محض وقت گزارنے کا ایک بہانہ میرے جذبوں کا مذاق اڑا رہے تھے تم؟"
روتے روتے اس کے سر بھاری ہونے لگا تھا مگر اندر نہ جانے کون سا دریا چڑھا تھا کہ آنسو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔
"تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا زعیم خدا کرے تم۔۔۔۔" وہ اسے بد دعا دیتے دیتے رک گئی دل کانپ سا گیا تھا۔ وہ اس کی دھڑکنوں میں بستا تھا۔ کیا وہ اسے بد دعا دے سکتی تھی۔
"خدا کرے تم ہجر و فراق جیسے لفظوں سے ہمیشہ نا آشنا ہی رہو تڑپ اور بے قراری کبھی تمہارے دل پر دستک نہ دے جسے چاہو وہ اپنی محبتوں اور چاہتوں سے تمہاری زندگی میں خوشیوں کے سارے رنگ بھر دے۔"
بد دعا تو نہیں لیکن دعا دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی کتنے ہی آنسو ٹیبل کی چکنی سطح پر پھیلنے لگے تھے اسے احساس ہی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ارفع نے آپی سے زعیم کا نمبر لے تو لیا مگر اب اسے جھجک سی ہو رہی تھی۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ زعیم سے کیا بات کرے گی اور کیسے بات کرے گی۔ اگر اس نے کہہ دیا کہ ہاں میں نے ہی اماں کے سامنے تمہارا نام لیا تھا مجھے تم میں ہی اپنا آئیڈیل نظر آیا ہے تب اس کے پاس کیا بچے گا کہنے کے لیے پھر اس نے ایک دم ہی تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا اور اپنی ازلی بے خوفی کے ساتھ کال ملالی۔ اگر اس طرح ہچکچاتی رہتی تو پھر اسے حجلہ عروسی میں ہی اس سوال کا جواب ملتا۔ زعیم نے دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کرلی تھی۔
"ہیلو السلام علیکم۔" اس کی بھاری۔۔۔۔ آواز سنتے ہی ارفع نے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔۔ آپ!" وہ چند لمحے رکا شاید الجھن میں پڑ گیا تھا۔
"میں ارفع بات کر رہی ہوں کراچی سے۔" اس نے جلدی سے کہا۔
"ارفع جی۔" یہ سنتے ہی اس کی آواز سے بشاشت چھلکی تھی۔
"کیسی ہیں آپ۔۔۔۔ ویسے آپ نہ بھی بتاتیں تو بھی میں پہچان گیا تھا آپ کو۔"
"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" وہ بے یقینی سے بولی۔
"بالکل نہیں۔۔۔۔ آپ کی آواز میں ہے کچھ ایسا خاص کہ میں نہ پہچاننے کی غلطی کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر ہماری کافی لمبی کنورسیشن بھی ہوتی رہی ہے۔"
"جی! وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پھر بھی میں حیران ضرور ہوں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا تھا۔
"چلیے اب حیران ہونا چھوڑ دیجیے اور یہ بتائیے۔

آج ہماری یاد کیسے آ گئی آپ کو آپ تو خیر نہ بھولنے کا دعوا کر کے بنی تھیں۔ مگر اتنی جلدی مجھے قطعی امید نہیں تھی۔" وہ بہت خوشدلی سے بات کر رہا تھا۔ ارفع کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔
"اگر آپ کی مراد اس فون کال سے ہے تو یوں یاد کرنے کی زحمت تو آپ نے بھی نہیں کی۔" وہ ہنس پڑا۔
"شکوہ نہ کریں ارفع جی۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ پھر بنا رات اور دن کی تفریق کے آپ کے گھر کا فون مستقل بجتا ہی رہے گا اور زیادہ نہیں تو عارضہ سماعت میں مبتلا ہو کر تو آپ مجھے کوسنے پر مجبور ہو ہی جائیں گی۔" وہ کافی ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مگر ارفع اس بات کی معنی خیزی محسوس کر کے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی
"یہ کیا ہو رہا ہے؟"
"کیسے ہیں آپ؟" اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔
"بالکل اچھا نہیں ہوں۔۔۔۔ آپ نے اپنی بہن کی خیریت نہیں بتائی۔" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گیا تھا شاید۔
"اربا۔۔۔۔ آپ اربا کی بات کر رہے ہیں۔" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔
"جی۔" اربا نہیں جان زعیم کہیے آج کل میری جان عجیب سی بے چینی کے حصار میں ہے اس لیے مجھے یقین ہے وہ بھی ٹھیک نہیں ہو گی۔ زعیم نے بدقت خود کو یہ کہنے سے روکا تھا۔ آج اس لمحے ارفع کی آواز سن کر اس کا دل کتنی شدت سے مچل اٹھا تھا اس دشمن جان کی آواز سننے کے لیے اس کی ہر دھڑکن اس کا نام جپنے لگی تھی۔ اس نے بمشکل دل کو سنبھالا۔
"جی۔۔۔۔ اچھی ہے وہ بھی۔" ارفع نے کہا تھا اور اس کا دل بے اختیار چلا اٹھا۔
"بالکل اچھی نہیں ہے وہ۔۔۔۔ میری نیندیں حرام کر گئی ہے مجھے آگ میں جلتا چھوڑ گئی ہے اور اب پلٹ کر خبر بھی نہیں لے رہی وہ کومل نرمل لڑکی اندر سے اتنی بے درد ہو گی۔ کاش مجھے پہلے پتا ہوتا۔"
"اصل میں۔۔۔۔ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھی۔" ارفع الفاظ سوچنے لگی اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے۔
"ہاں تو کیجیے میں سن رہا ہوں۔"
"مجھے اس رشتے کے بارے میں آپ سے بات کرنی ہے جس کے لیے کچھ دنوں میں آپ کی اماں کراچی آنے والی ہیں۔" یہ کہہ کر ارفع نے دانتوں تلے ہونٹ دبا لیے۔
"اس بارے میں۔" زعیم نے حیرت سے دہرایا۔
"آپ کھل کر کہیں۔ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔" اس کا دل عجیب سے اندیشوں سے لرز گیا اربا کے اکھڑے اکھڑے تیور تو وہ یہیں دیکھ چکا تھا اور اب ارفع کی یہ فون کال۔ اضطراب نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔
"مجھے آپ سے یہ جاننا ہے کہ آپ نے اپنی اماں کے سامنے میرا نام کیوں لیا۔ ہمارے درمیان تو کبھی ایسی کسی بات کا تذکرہ تک نہیں آیا اور پھر آپ کو پہلے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا نا۔" وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔ لیکن زعیم کی سمجھ میں اس کی ایک بھی بات نہیں سمائی۔
"بخدا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" بے بسی سے کہتے ہوئے اس کے لہجے سے شدید الجھن جھلک رہی تھی۔
"اوہ!" ارفع کچھ جھلائی۔
"اچھا میں آپ کو شروع سے بتاتی ہوں۔" ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ اسے پوری تفصیل بتانے لگی اور ادھر زعیم کا دماغ بھک سے اڑ گیا اس کے انکشاف پر۔
"اوہ میرے خدایا میں نے تو اماں کے سامنے اربا کا نام لیا تھا۔" وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔
"کیا؟" ارفع اتنے زور سے چیخی کہ زعیم نے بے اختیار موبائل کان سے دور ہٹا لیا۔
"آپ نے اربا کا نام لیا تھا کیوں؟"
"کیوں، کیونکہ۔" زعیم کو سمجھ میں نہیں آیا وہ کیسے اسے یہ بات بتا دے جو وہ ابھی تک اربا سے نہیں کہہ پایا تھا۔

"کیونکہ کیا؟" اس بار اس کی آواز میں غصہ شامل تھا۔

"کیونکہ..... وہ یہاں سے جاتے جاتے میرا دل بھی اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ میرا قرار' میرا چین بھی۔" زعیم کے دھیمے پر حدت لہجے میں کی گئی اس بات نے ارفع کی سماعتوں پر بجلی سی گرادی تھی۔ وہ چپ سی رہ گئی۔ یہ بات ایسی تھی کہ اس کے ذہن سے الفاظ ہی غائب ہو گئے تھے کچھ کہنے کے لیے حتیٰ کہ وہ حیرت کا اظہار بھی نہیں کرپارہی تھی۔

"آپ کی بہن نے بہت برا کیا ہے میرے ساتھ۔" وہ جیسے شکوہ کررہا تھا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے اس کا موڈ جتنا خراب تھا اس نے تو پہلے ہی میری نیندیں اڑادی تھیں اور اب یہ نئی مصیبت پتا نہیں۔ وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ اتنی بڑی مس انڈراسٹینڈنگ ہو جائے گی تو میں بھابھی سے بات کرلیتا بلکہ مجھے یہی کرنا چاہیے تھا آپ دونوں کے نام ملتے جلتے ہیں شاید اس وجہ سے اماں کو مغالطہ ہو گیا ہوگا میں نے کبھی دوبارہ ان سے بات نہیں کی یہ میری دوسری غلطی تھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ نے بروقت مجھے بتادیا ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔" اس نے سوچا بھی تو تھرا اٹھا تھا۔

"مجھے' مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں اتنی بے وقوف احمق' پاگل بھی ہوسکتی ہوں۔" ارفع کے لہجے میں دنیا جہاں کی بے یقینی تھی۔

"میری نظروں کے سامنے اتنا کچھ ہو گیا اور اور مجھے پتا بھی نہیں چل سکا۔ اوہ میرے خدا کتنے گھنے ہیں آپ دونوں۔" اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

"اور یہ اربا..... اس نے بھی مجھ سے یہ بات چھپائی۔ میں تو سمجھ رہی تھی آپ دونوں کے بیچ تو کبھی رسمی سلام دعا بھی نہیں ہوئی مجھے کیا پتا تھا یہاں تو ہیر رانجھا کی داستان دہرائی جارہی ہے۔" اس کی بے یقینی اب بتدریج غصے میں بدلتی جارہی تھی۔

"خدا نہ کرے ارفع ان کی محبت کا انجام تو جدائی تھا۔" زعیم کو کچھ ہوا تھا اس کی بات پر۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔" ارفع نے ایک گہری سانس لی۔

"جی ایسی ہی بات ہے آپ بتائیے۔ اربا کا ری ایکشن کیسا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس ناکردہ جرم کی پاداش میں اس نے مجھے اپنے دل سے بے دخل ہی نہ کردیا ہو۔ میں تو ابھی تک اس کی بلاوجہ کی ناراضی کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اب کیسے دلاوں گا اسے اپنی بے گناہی کا یقین۔" اس کے لہجے میں از حد پریشانی تھی۔

"یہ تو آپ کو ہی سوچنا ہے؟" ارفع بے نیازی سے بولی۔

"اگر آپ مجھے اپنی ہونے والی سالی سمجھ کر یہ راز مجھ سے شیئر کرلیتے تو اتنا فیور تو میں آپ کو دے ہی دیتی۔ مگر اب ایسا کوئی چانس نہیں ہے اور جہاں تک بات ہے اربا کے ری ایکشن کی تو پہلے تو میرے ذہن میں دور دور تک ایسا کوئی خیال نہیں تھا مگر سب یاد کر رہی ہوں تو اس کی چڑچڑاہٹ اس کے اترے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں کا سبب سمجھ میں آرہا ہے۔"

"اوہ!" اس کے دل میں چبھن سی ہونے لگی۔

"آپ ایک بار میری اس سے بات کرواسکتی ہیں پلیز۔"

"دل تو نہیں چاہ رہا۔ مگر کیا کروں۔ رعایت تو دینی ہی پڑے گی۔ بہنوئی جو بننے جارہے ہیں۔" ارفع کا انداز ایسا تھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"تھینک یو سو مچ۔"

"اور ہاں ایک بات اور..... " ارفع کو اچانک ہی کچھ یاد آیا تو بول اٹھی۔

"آپ کو تو میں نے ہلکے میں چھوڑ دیا۔ مگر آپ کی اربا اب میرے ہاتھوں سے بچنے والی نہیں ہے۔ دیکھیے گا میں کیا حال کرتی ہوں اس کا۔" اس نے ممکنہ حد تک لہجے میں سنگینی سموئی۔ وہ ہنس پڑی۔

"جو بھی کریں۔ بس اتنا دھیان رکھیں کہ مجھے وہ بالکل صحیح سالم چاہیے۔ جیسی وہ یہاں سے گئی تھی بالکل ویسی۔"

"کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ آپ رکھیے میں دیکھتی ہوں' وہ کہاں ہے پھر آپ سے بات کروادیتی ہوں۔" کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ تھوڑی دیر پہلے یہ کال ملاتے ہوئے اس کا وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہ رخ بھی اختیار کرسکتا ہے اور اب..... سوچ سوچ کر اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا وہ اربا کو ڈھونڈتے ہوئے کمرے میں آئی تو وہ وارڈروب سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کے پاس آئی اور، گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ ملگجا سا حلیہ' بے ترتیب سے بال جو دو دن پہلے کی گئی چوٹی سے نکل کر چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے۔ ماند پڑی رنگت' ستا ہوا چہرہ آنکھوں میں تیرتی گہری اداسیاں وہ سرتاپا اداسی کا مجسمہ بنی گھوم رہی تھی۔

"اس طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہی ہو..... سر پر سینگ نکل آئے ہیں یا چہرے پر مونچھیں۔" اسے مسلسل اپنی جانب گھورتا پاکر وہ تپ گئی۔

"اگر یہ دونوں باتیں واقع ہو جاتیں تب بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنا کہ..... " وہ کہتے کہتے چپ ہوئی۔

"یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟" اس کی آواز کی بھراہٹ محسوس کرکے ارفع نے پوچھا۔

"گلا بیٹھ گیا ہے شاید۔" وہ کپڑے استری اسٹینڈ پر پھینک کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کہیں رو رو کر تو نہیں بٹھا دیا زبردستی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"کیا مطلب ہے..... میں کیوں رووں گی۔"

"چلو دفع کرو۔" ارفع نے بے زاری سے بات بدلی۔

"تمہارے لیے کال ہے۔" زعیم کا نمبر ملاتے ہوئے ارفع نے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

"کس کا فون ہے؟" اس نے موبائل تھامنے کی کوشش نہیں کی۔

"بات کرلو..... خود ہی پتا چل جائے گا۔" ارفع نے سیل اسے پکڑاتے ہوئے تند لہجے میں کہا تو اس نے مزید کچھ کہے بنا اسے تھام لیا۔

"ہیلو!" سیل کان سے لگاتے ہوئے اس نے کچھ بے دلی سے کہا تھا۔

"اربا.....!" زعیم کی بے تاب سی آواز سنتے ہی وہ ساکت ہوئی تھی اور دل یوں خاموش ہو گیا جیسے اب کبھی دھڑکے گا ہی نہیں۔ مگر یہ صرف چند پلوں کی بات تھی۔

اپنے آپ میں آتے ہی اس نے کال ڈسکنکٹ کر کے سیل فون مٹھی میں دبالیا۔ دل میں جوار بھاٹا سا اٹھنے لگا تھا اور سانسیں ناہموار ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا اربا..... فون کیوں کاٹ دیا؟" ارفع جو پاس ہی کھڑی تھی حیرت سے دریافت کرنے لگی۔

"رانگ کال تھی۔" اس نے موبائل اسے تھما کر کمرے سے نکلنے کا قصد کیا تھا کہ ارفع نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"ذلیل لڑکی' رائٹ کال کو رانگ کال کہہ رہی ہو..... مسئلہ کیا ہے تمہارا زعیم سے بات کیوں نہیں کی۔" اسی اثنا میں موبائل بجنے لگا تھا۔ ارفع نے نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی۔

"لو بات کرو۔"

"مجھے نہیں کرنی ہے کسی سے بات میرا پیچھا چھوڑو۔" زبردستی ارفع سے اپنا بازو چھڑاتی اس کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ دوسری طرف ریسیور کان سے لگائے بے قرار و مضطرب زعیم کی سماعتوں تک باآسانی پہنچ گئی۔

"کرنی پڑے گی۔ اپنا یہ ڈرامہ بند کرو اربا..... نہیں تو میں تمہاری جان لے لوں گی پہلے ہی مجھے تم پر شدید غصہ آرہا ہے۔" خونخوار لہجے میں کہتے ہوئے ارفع نے اسے بٹھایا اور خود ہی سیل اس کے کان سے لگالیا۔ حلق میں پھندا سا لگ گیا تھا وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اربا...... بہت ناراض ہو مجھ سے؟" اس کی سانسوں کا طوفان محسوس کر کے زعیم کا لہجہ بکھرا تھا انتہائی ملول مگر محبت اور اپنائیت بھرے اس کے انداز پر اربا کے آنسو بے قابو ہو کر بہہ نکلے تھے۔

"کچھ تو کہو اربا...... مجھے اپنی آواز سنا دو...... تمہاری یہ ناراضی بھری خاموشی میری اذیت سوا کر رہی ہے۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"اور جو تمہاری خاموشی نے مجھے دار پر لٹکائے رکھا اس کا کیا؟" یہ شکوہ اس کی زبان پر آتے آتے رکا تھا۔ ایک ہاتھ سے آنسو صاف کرتے اس نے دوسرے ہاتھ سے سیل پر گرفت جمائی۔ تو ارفع اس کے سامنے آ بیٹھی اور بغور اُسے دیکھنے لگی۔

زعیم کو اس کی خاموشی پر بے چینی ہو رہی تھی مگر اربا نے کچھ نہ کہنے کی قسم کھا رکھی تھی شاید۔

"تم...... تم جانتی ہو نا اربا...... تمہیں پتا ہے میرے دل کا حال۔" اس کا لہجہ لڑکھڑا رہا تھا۔

"نہیں میں کچھ نہیں جانتی...... مجھے غیب کا علم نہیں آتا...... میں تمہارے دل میں نہیں جھانک سکتی۔" دل تو کب کا سب کچھ بھولے اس ستمگر کے سامنے جھک گیا تھا۔ مگر دماغ ابھی تک مزاحمت پر کمر بستہ تھا۔

"میں لمحہ لمحہ سلگا ہوں اربا...... اور اب تم اس طرح بغیر کسی گلے شکوے کے بنا میری کوئی صفائی سنے مجھے سزا دو گی تو میں...... میری جان پر بن آئی ہے اربا' پلیز مت کرو میرے ساتھ ایسا......" بے ربط سے جملے کہتے نہ جانے کتنی کیفیتوں تلے دب کر اس کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی اربا کو اپنا وجود پگھلتا محسوس ہوا۔

"میں آپ سے کس بات کی صفائی مانگوں اور کیوں۔" بالآخر وہ بول پڑی تھی۔ بڑی دقتوں سے اس نے لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی پھر بھی وہ چھلک ہی گیا۔

ادھر اس کی آواز نے زعیم کے چٹختے بکھرتے اعصاب کو کسی نرم مہربان ہاتھ کی طرح چھوا تھا سارا اضطراب پل میں اڑنچھو ہو گیا۔ سکون کی ایک میٹھی لہر اسے اندر تک شانت کر گئی تھی۔

"آپ نے مجھے ایسا کون سا یقین دلایا۔ جس کے بل بوتے پر میں آپ سے کچھ پوچھ سکوں۔ بے وقوف لگتی ہوں آپ کو یا پاگل آپ اپنی انا قائم رکھنے کے لیے اقرار کے دو لفظ نہیں کہہ سکتے اور میں اپنی عزت نفس روند کر آپ سے اس پیار کی بھیک مانگوں جو شاید کبھی ہمارے درمیان تھا ہی نہیں۔" وہ یا تو بول ہی نہیں رہی تھی اور اب بولنے پر آئی تو دل میں بھرا سارا غبار نکالتی چلی گئی۔ اس کا بس چلتا تو زعیم کا گریبان پکڑ کر ان گزرے دنوں کی اذیتوں اور تکلیفوں کا حساب مانگتی۔ جب وہ انجانے خدشوں اور اندیشوں میں گھل گھل کر آدھی رہ گئی تھی۔ محض زعیم کی زبان بندی کے سبب۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔" زعیم کے اعصاب جھنجھنا اٹھے تھے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں...... مجھے لگتا ہے آپ کو صرف یہ دیکھنے کی چاہ تھی کہ آپ کس حد تک کسی کو اپنا اسیر بنا سکتے ہیں۔ تو بس دیکھ لیا آپ نے پتا چل گیا آپ کو...... اب آپ ساری زندگی اپنی انا کو اس بات سے تسکین دیتے رہیں کہ ایک لڑکی کس طرح آپ کے عشق میں دیوانی ہو گئی تھی۔" اس کا غصہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ ارفع بے حد حیرانی کے عالم میں اس کا بھیگا ہوا سرخ چہرہ تک رہی تھی۔ اس نے کب سوچا تھا ان کی اتنی گہری وابستگی کا۔

"اربا' اربا خدا کے لیے ایک بار میری بات سن لو۔" زعیم پاگل سا ہو گیا تھا اس کی اس قدر بدگمانیوں پر۔ وہ تو اس سے اتنی دور بیٹھی تھی کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اپنی دیوانگی دکھا بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں...... کاش تم میرے پاس ہوتیں تو۔" وہ بے بسی سے کہتے کہتے رکا تھا۔

"جب پاس تھی تب کہاں تھے؟" اس کا لہجہ تلخ ہوا تھا۔

"تب......" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"تب میں سوچتا تھا جب تم...... پوری طرح سے میری دسترس میں ہو گی۔ جب جب ہمارے بیچ کوئی دوری نہیں رہے گی تب میں تمہیں میرا ہر عمل تمہیں بتائے گا کہ تم میرے لیے کیا ہو...... میں بہت جذباتی بندہ ہوں اربا اور تم سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں تو پاگل بھی ہوں۔" اس کے لہجے سے چھلکتی وارفتگی اس کے ہر احساس سے لپٹ رہی تھی۔ اس کی ساری مزاحمت دم توڑنے لگی۔

"کیوں آزمایا اتنا پہلے کیوں نہیں کہا یہ سب۔" آنسو پھر سے اس کے رخسار تر کرنے لگے۔

"اپنے آنسو صاف کر لو اربا...... مجھ تکلیف ہو رہی ہے۔" وہ بے حد نرم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا۔" اس کے ہاتھ بے اختیار اپنے گیلے رخساروں پر گئے۔

"میرا دل تو مجھے تمہاری ہر بوجھل سانس کی خبر دے دیتا ہے پھر تمہارے آنسوؤں کی نمی محسوس کیسے نہ کرتا۔" زعیم نے دھیرے سے جس محبت بھرے انداز میں کہا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

"میں جانتا ہوں تم بہت ہرٹ ہوئی ہو...... مگر یہ ساری گڑبڑ اس غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی یا پھر شاید میری جلد بازی کی وجہ سے لیکن میں کیا کرتا میرے دل کی بس ایک ہی ضد تھی کہ اس بار جب تم میرے سامنے آؤ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری بن کر آؤ۔ مجھ سے نہیں رہا جا رہا ہے تمہارے بنا تم یہاں تھیں تو دل کو ایک تسلی تو تھی کہ میں جب چاہوں تمہیں دیکھ سکتا ہوں مگر جب تم چلی گئیں تو ہر پل...... جیسے میرے لیے ایک آزمائش بن گیا اور میں پھر بھی انتظار کر لیتا اگر تم جاتے ہوئے میری جان نہ نکال جاتیں۔" اس کے بھاری لہجے میں بے تحاشا شکوے تھے اربا کا من جل تھل ہونے لگا۔ کتنی بدگمان ہو گئی تھی وہ ان چند دنوں میں' وہ تو بالکل ویسا ہی تھا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بے تاب اور بے قرار۔

"تم تو اتنی ظالم ہو ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ تمہارے اس بے گانگی بھرے رویے نے کیسے میرے دل کو طوفانوں کے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اب اگر میں نے دیر کی تو کہیں میں تمہیں ہمیشہ کے لیے نہ کھو دوں۔ اپنے تئیں میں اماں کے سامنے تمہارا نام لے کر مطمئن ہو گیا تھا مجھے کیا پتا تھا۔ وہ اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گی۔ وہ تو ارفع نے مجھے فون کر کے بتا دیا نہیں تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آئم سوری اربا...... آئم سو سوری۔" وہ قدرے توقف سے بولا۔

"جب غلطی آپ کی ہے ہی نہیں تو سوری کیوں بول رہے ہیں۔" وہ اب خود کو سنبھال چکی تھی۔

"کیسے نہ کروں۔ پچھلے پندرہ منٹ میں تمہاری اس خفگی نے میرا آدھا خون تو خشک کر ہی دیا ہے ذرا دیر اور ناراض رہیں تو کہیں جان سے ہی نہ گزر جاؤں۔" وہ ہنس کر بولا تھا۔

"زعیم۔" اس کی آواز کانپ گئی تھی اور زعیم کا دل چاہا وہ پل میں یہ سارے فاصلے سمیٹ لے اس سے مل کر اپنی زندگی بنا لے۔

"میں نے آپ کو بہت سنا دیا نا۔" وہ نادم سی کہہ رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا غصے میں ہی سہی تم نے یہ اقرار تو کیا کہ تم بھی میرے عشق میں دیوانی ہو گئی ہو۔" اس کے شوخ لہجے پر اربا کا رنگ گلابی پڑا تھا۔

سامنے بیٹھی ارفع جو کافی دیر سے اس کے تاثرات اور ایک آدھ جملے سے مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اب باتوں کا رخ بدلتا محسوس کر لیا تھا۔ اندر آتی ثمر کو اشارہ کر کے وہ اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے آئی۔

"کیا ہوا؟" وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یوں سمجھ لو...... یہاں ڈونٹ ڈسٹرب کا بورڈ لگا ہوا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ثمر الجھی۔

"اربا کس سے بات کر رہی ہے؟"

"زعیم سے۔" ارفع نے اربا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"زعیم بھائی سے؟" ثمر کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور ارفع نے اسے پوری بات بتا دی۔

"اوہ مائی گاڈ۔" ثمر نے سر تھام لیا۔

"ارفع..... تم تو خود کو فیس ریڈنگ ایکسپرٹ کہتی ہو نا پھر بھی تمہیں اتنا پتا نہیں چلا کہ..... " وہ اب بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بس کرو..... میں پہلے ہی خود کو کافی شرمندہ کر چکی ہوں۔" ارفع جھینپ گئی۔

"پتا نہیں میں اتنی بدھو کب سے ہو گئی۔ جانتی ہو ثمر میں وہاں زبیدہ کے لیے لائن کلیئر کرنے کی کوششوں میں تھی۔ تھینک گاڈ مجھ سے کوئی بڑی حماقت نہیں ہوئی۔" وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"چلو اپنی اس غفلت کا ازالہ تو تم نے آج زعیم بھائی کو فون کر کے کر دیا۔ ویسے میں شروع سے ہی تمہارے اور زعیم بھائی کے رشتے کے حق میں نہیں تھی۔" ثمر نے جس طرح اچانک سے پینترا بدلا ارفع ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کہاں تم جیسی شعلہ مزاج لڑکی اور کہاں زعیم بھائی جیسے نرم اور ٹھنڈے مزاج کے انسان ان کے لیے تو اربا جیسی لڑکی ہی ہونی چاہیے۔ سوفٹ سویٹ اینڈ سمپل..... کیوں؟" آنکھوں میں شرارت لیے مسکراہٹ چھپائے وہ کہہ رہی تھی۔ ارفع اس کی شرارت سمجھ گئی پھر بھی کمر پر ہاتھ رکھے وہ چند لمحے تو اسے گھورتی رہی پھر یکایک ہی ہنس پڑی تھی۔

"واقعی۔ یہ دونوں صرف ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ دروازے سے سر ٹکا کر محبت سے اربا کو دیکھنے لگی۔

"میں بہت خوش ہوں ثمر مگر مجھے بس ایک ہی افسوس ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمر چونکی۔

"اربا بہت دور چلی جائے گی آپی کی طرح اور پھر مہینوں بعد ہی کبھی ملاقات ہو گی۔" ارفع کے لہجے میں اداسی تھی۔ اربا صرف اس کی بہن ہی نہیں اس کی بہترین دوست بھی تھی۔

"سو تو ہے۔" ثمر نے سر ہلایا۔ پھر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن تم فکر مت کرو۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ جہاں تمہاری شادی ہو گی وہاں میرے لیے بھی ایک ڈھونڈ لینا ٹھیک ہے۔" اس کے شرارت بھرے لہجے پر ارفع نے اسے ایک دھپ لگائی تھی اور پھر دونوں ہی ہنس پڑیں۔

ادھر زعیم اربا سے کہہ رہا تھا۔

"یہاں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے جسے شدت سے تمہارا انتظار ہے۔"

"کون؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"ہے تمہارا ایک دوست..... اس کی آنکھ ہر روز مجھ سے یہی سوال پوچھتی ہے..... اربا کب آئے گی اور میں کہتا ہوں اس بار وہ صرف میرے لیے آ رہی ہے تمہیں تو میں اس کے آس پاس بھی نہیں پھٹکنے دوں گا..... بہت جلا لیا میرا جی۔"

"اوہ!" اس کے آخری جملے پر اربا خجل ہوئی تھی۔

میں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ لڑکی میری زندگی بن گئی ہے۔ میری سانسوں میں شامل ہے۔ میرے وجود کا حصہ ہے۔ وہ بے خود ہوتے لہجے میں کہہ رہا تھا یا تو چپ کا قفل ہونٹوں پر ڈال رکھا تھا اور اب جب اس چپ کا جادو ٹوٹا تو ایسا والہانہ اظہار کہ اربا کے دل میں ہزاروں چراغ ایک ساتھ جل اٹھے تھے۔ روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی اندر بھی اور باہر بھی وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا اور اس کے چہرے پر دھنک رنگ پھیلتے جا رہے تھے۔

دلوں میں سمندر موجزن تھے اور انتظار کی مختصر سی مدت ابھی باقی تھی۔ مگر انتظار کی یہ تڑپ اس روح پرور احساس سے زیادہ نہیں تھی کہ یہ دوری بس چند روزہ ہے۔ ملن رت کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔

☆ ☆

شہزادی عباس

رکشا والے بھائی

انکھیوں سے گولی مارے لڑکی کمال رے۔۔۔
ہائے ہائے انکھیوں سے گولی۔۔۔

گانا عین موقع کی مناسبت اور اس کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہوا تھا۔ مگر منہ میں پان ہونے کے باعث وہ ٹھیک سے گا نہیں پا رہا تھا۔

سرور سے آنکھیں سکیڑے' منہ میں دبے پان کو دائیں سے بائیں جانب منتقل کر کے بڑی بے نیازی سے منہ سے ایک گل رنگ پچکاری مار کے ٹوٹی پھوٹی شکستہ حال سڑک کو سجانے میں گویا اپنا حصہ ڈالا اور پچکاری بھی نہایت خوش اسلوبی و کامیابی سے دور تک بیل بوٹے بناتی گئی۔ اس نے فاتحانہ سامنے اوپر کی جانب لگے چھوٹے سے شیشے میں اپنی سرمہ لگی آنکھوں میں دیکھا۔ گویا کارہائے نمایاں انجام دینے پر خود کو سراہ رہا ہو' پھر گھنگھریالے بال ایک ادا سے اٹھا کر ماتھے پر پھیلائے پرانے زمانے کے ہیرو کی طرح اکڑ کے بیٹھ کے پھر گنگنانا شروع کر دیا۔

"اوئے لڑکی کمال رے بھئی۔۔۔ آنکھوں سے گولی مارے۔۔۔ ڈشکاں' ڈشکاں۔"

گانے میں اپنی مرضی اور پسند کے الفاظ کا اضافہ وہ ہمیشہ بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا اور مندرجہ بالا گانے میں تو اس کا پورا زور "لڑکی" اور اس کی انکھیوں سے "گولی" پر تھا۔ باقی گانے کے لفاظی و قافیہ بندی جیسی مرضی ہو جاتی' اسے چنداں فرق نہ پڑتا۔

سیدھی دو رویہ سڑک سے دائیں جانب ذیلی سڑک پر گڈی نکال کر وہ گلیوں' کوچوں سے گھومتا گھامتا محلہ فاروق آباد کے اس جالی دار نیلے چوبارے کے تنگ سے اڑتے رنگ والے دروازے کے سامنے آر کا جو گزشتہ پندرہ روز سے اس کی امید و توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہوش و حواس کی چلتی پھرتی دنیا میں تو وہ سرور کی لہروں میں بہتا ہی رہتا۔ مگر اب تو خواب میں بھی اسے اکثر یہ نیلے چوبارے کی دائروں والی جالیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔

رنگ اڑے دروازے کے ادھ کھلے کواڑ سے بکھرے بالوں والی ایک چھوٹی لڑکی نے یوں منہ نکال کر جھانکا جیسے چوزا انڈے سے نکل کے حیرت سے دنیا کو تکتا ہے۔ اسے دیکھ کے وہ واپس مڑی' شاید اس کی "گڈی" کی کھٹ کھٹ سن کر تصدیق کرنے ہی آئی تھی اور اب خبر بنی اندر اطلاع دینے بگٹٹ بھاگی۔

کچھ ساعتوں بعد نیم تاریک کھلے کواڑ پر وہی قاتل حسینہ نمودار ہوئی۔ سیاہ چادر میں ملفوف وجود آ کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ جس کی گدی کو گدی کہنا یقیناً زیادتی تھی۔ اب وہ لکڑی کے ایک بینچ سے کچھ ہی فرق رکھتی ہو گی۔ کبھی اس پر فوم بھی تھا۔ مگر اب اس نے اپنی طرح اس گدی کا دھیان رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ مگر اتنی شاہانہ سواری کے بعد بے ساختہ وہ اپنے آٹو رکشا کو چکاچک کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو بھی لش پش کرنے کا سوچ رہا تھا۔

لڑکی نے آتے ہی معمول کی طرح نگاہ سامنے شیشے میں ڈالی۔ وہ جب جب نگاہ اٹھا کے شیشے میں دیکھتی تو اسے لگتا کہ ٹھاہ کر کے گولی اس کے دل میں پیوست ہو جاتی۔ اسی لیے وہ آج کل مشہور فلمی گانا ہر وقت گنگناتا رہتا۔ مگر اب اس کے لبوں پر قفل لگ گئے تھے۔

لڑکی اپنی بڑی بڑی قاتل آنکھوں میں بھر بھر کے کاجل لگاتی گویا اس کے جذبات کو دہکاتی۔ وہ باقاعدہ نقاب نہیں کرتی تھی۔ مگر سیاہ چادر سے آدھا چہرہ چھپائے رکھتی۔ گود میں دھرے ہاتھ دیکھ کے اسے گمان ہوتا جیسے کبوتر کے بچے نے نئے نئے سفید کومل سے پر نکالے ہوں۔ اس کا جی چاہتا کہ اس کا آدھا چہرہ بھی کھل جائے' نقاب سرک جائے اور وہ سیر ہو کر نظارہ کر لے۔۔۔ ڈھکی چھپی چیزیں جذبات میں ویسے بھی جوار بھاٹا سا اٹھا دیتی ہیں۔

حسینہ ہمیشہ کی طرح نزاکت سے سکڑ کر دائیں طرف بیٹھ گئی تھی۔ یہ اس کی شرافت تو تھی ہی' مگر دوسری سواری کے حجم اور پھیلاؤ کے باعث یہ فعل مجبوری بن کر رہ جاتا تھا۔ کیونکہ ڈیل ڈول میں وہ لاہور کے کسی بھی پہلوان کو مات کرتی ہوئی تھی۔ اس نے بیک مرر میں گہری نگاہ ڈال کر چابی گھمائی اور رکشا

اسٹارٹ کر کے ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ گلی کشادہ تو تھی۔ مگر کچھ روز قبل ہونے والی کھدائی کے بعد دوبارہ برابر کرنے پر بھی برابر نہ ہوئی تھی۔

وہ اونچی نیچی گلی میں سست روی سے رکشا چلا رہا تھا' کیونکہ وہ گلی پار اس وسیع الوجود سواری کو لینا نہیں چاہتا تھا۔ مگر یہ بھی اس کی مجبوری ہی تھی۔ ان دونوں نے یہ رکشا اکٹھے لگوایا تھا۔ انہیں محلہ فاروق آباد سے لے کر سلائی اسکول تک لے جانا اور واپس لانا اس کی ذمہ داری تھی۔ اب رکشا ایک اور دروازے کے سامنے تھا۔ اس کے گھنٹی بجاتے ہی کوئی دھم سے آ کر پچھلی نشست پہ لدا تھا۔ کم از کم اسے تو وہ بیٹھنا نہ لگتا۔ کیونکہ اب تک اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے اس نے جتنے بھی وسیع الوجود بشر دیکھے تھے یہ ان سب کو مات کرتا ہوا تھا اور وہ تو اسے انسان ماننے کو بھی تیار نہ تھا۔ محض سونڈ کی کمی کے سبب کوئی بھی انسان کہلوا سکتا ہے بھلا؟

"آئے ہائے نی! آج تو' تو بہت جلدی آ گئی' میرا ناشتا کرنا بھی محال کر چھوڑا ہے' ادھر اک نوالہ توڑو ادھر یہ رکشے کی پھٹ پھٹ کان پھاڑنے لگتی ہے۔" وہ معمول کی طرح بے تکلفی سے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ سہیلی کے نازک ہاتھ پر رکھ کر دکھ سکھ پھولنے کا آغاز کر چکی تھی۔ ساتھ ساتھ دوسرے ہاتھ میں دبے آلو کے پراٹھے کو رول کیے لقمے بھی لیتی جاتی اور بولتی جاتی۔ یہ اس کی پختہ عادتوں میں سے تھی۔ یوں لگتا پورا دن بیٹھ کر وہ ایک ایک بات اپنی چمڑے کی پوٹلی میں باندھ لیتی ہو اور رکشے میں سوار ہوتے ہی نکال نکال کے اپنی زبان کے جوہر دکھانا ۔۔۔ شروع کر دیتی ہو۔

اسے رہ' رہ کے غصہ آتا۔ موٹی کی صور اسرافیل جیسی آواز کے سامنے اس نازک اندام دوشیزہ کے دھیمے سر تو بالکل ہی دب کر رہ جاتے۔ فی الوقت تو شوکت عرف شوکی' کو اس کے منافقانہ بیان اور اس کے رکشے پر لگائے گئے الزام یعنی پھٹ پھٹ پر بری طرح تاؤ آیا تھا۔ اس نے غصے سے بے احتیاطی سے سامنے آیا کھڈا پار کیا تو موٹی ربڑ کے گیند کی طرح اچھلی۔

"وے پائی (بھائی) آرام نال چلا رکشا۔" شوکی کو اس بدلے پر بڑا لطف آیا۔

یہ درست تھا کہ رکشے کی حالت بہت ابتر تھی۔ باڈی کا رنگ و روغن یوں اڑ چکا تھا جیسے کسی نے تیزاب کے تالاب میں ڈبو' ڈبو کر اسے گنگا اشنان دے دیا ہو' جس کے نتیجے میں وہ اتنا بدرنگ ہو چکا تھا کہ اس کے صحیح رنگ کے اندازے لگاتا ہر فرد تمام رنگوں کو باری باری سوچ کے تھک ہار کے مسترد کر دیتا تھا۔

سالوں بے احتیاطی سے استعمال اور عدم توجہی کی بدولت رکشے کی سیٹ کی گدی یوں ہو چکی تھی جیسے دھوبی کے ڈنڈے سے پیٹ پیٹ کر کسی صحت مند انسان کی کھال ادھیڑ دی گئی ہو اور وہ ہڈیوں کا انجر پنجر بنا اپنی معیاد پوری کر رہا ہو۔ مگر ان تمام خامیوں کے باوجود وہ فخر سے سینہ پھلائے پھرتا' کیونکہ اس کا رکشا "سی این جی" تھا۔ اس لیے نا صرف اسے وہ بے حد اہم لگتا' بلکہ جاننے والے دیگر رکشوں والوں کے سامنے وہ اس کا برملا اظہار بھی دھڑلے سے کرتا تھا۔

شوکی یعنی شوکت علی سات بچوں میں چھٹے نمبر پر تھا۔ اس کے باپ نے اپنی پوری زندگی ایک ریڑھی پر مختلف سامان لگا کر گلی کوچوں میں پھر پھر کے اور چوک میں کھڑے ہو کر فروخت کرتے ہوئے بسر کی۔ یہ سامان موسم کی نوعیت کے ساتھ بدلتا رہتا۔ گرمیوں میں ریڑھی پر "ٹھنڈے ٹھار گولے" کے لفظوں سے سجے بینر کے ساتھ برف اور مٹھاس سے بھرے مختلف رنگ بج جاتے۔ سردیوں میں وہ لنڈے سے ۔۔۔ پانچ پانچ روپے میں ملنے والی جرسیاں' سوئیٹر اور مفلر لے آتا اور اسے تین گنا میں بھی فروخت کرتا تو معقول رقم بنا لیتا تھا۔

اس سے بڑے دو بھائی تھے' جو باپ کے نقش قدم پر چل کر ان ہی چھوٹے موٹے کاموں میں پڑ کر زندگی کی گاڑی کھینچ رہے تھے۔ پھر تین بہنیں تھیں جنہیں بیاہ کر سینے پر دھری سلیب سرکائی جا چکی تھیں۔ ان کے بعد شوکی اور چھوٹے لڑکے کا نمبر آتا تھا۔ تمام بہن'

بھائیوں کی طرح شوکی نے پرائمری کے بعد ہی تعلیم کو خیرباد نہ کہا بلکہ جیسے تیسے پڑھتا رہا اور گھسیٹ گھسیٹ کر ایف اے تک پہنچ ہی گیا۔ مگر برا ہو ان سینما کی رنگین دنیا کا کالج کے بے باک دوستوں کے ساتھ وہ اس لت میں ایسا برا پھنسا کہ باقی ہر شے سے دلچسپی اٹھ گئی۔ دوستوں کا ٹولہ کلاس چھوڑے فراٹے بھرتی موٹر سائیکلوں پر شہر کی سڑکیں ناپتا پھرتا اور پھر شو ٹائم ہونے پر سیدھا سینما کا رخ کرتا۔

اس نے ویری گجر' جٹی پنجاب دی' پنڈ دا باؤ' وحشی جٹ' جیسی فلمیں دیکھ دیکھ کر اپنا حلیہ بھی کم و بیش ایسا ہی کرلیا تھا۔ قمیص کا گریبان کھلا رہنے لگا۔ نئی نئی چڑھتی جوانی کے باعث اس کا خون جوش مارتا اور وہ زرافے کی طرح گردن اونچی کیے کبوتر کی طرح سینہ پھلائے ہر ایک سے پنگا لیتا پھرتا۔

پان کھانے کی لت بھی اسے وہیں سے لگی تھی۔ گھنگھریالے بالوں کو تیل میں تر کرکے ماتھے پر پھیلائے رکھنے کا آئیڈیا بھی انہی فلموں سے لیا گیا تھا۔ نتیجتاً" تیل اس کے پورے چہرے پر چمکتا ہوا نظر آتا اور رنگت مزید سنولائی ہوئی محسوس ہوتی۔ یہ بدمعاشی دور یوں ہی چلتا رہتا اگر ایک روز اس کا ابا سینما کے سامنے اپنی ریڑھی لگائے نہ بیٹھا ہوتا اور پڑھائی کے اوقات کار میں سینما سے نکلتے اپنے سپوت کو فحش پنجابی گانا گنگناتے ہوئے منہ میں تیلی دبائے عجیب و غریب حلیے میں برآمد ہوتا نہ دیکھ لیتا۔

اس صورت حال نے باپ کی غیرت کو بری طرح للکارا تھا۔ وہ شوکی پر جھپٹا اور گردن سے پکڑے یوں گھر لایا جیسے گھر سے بھاگ جانے والی لڑکی کو گھسیٹ کے لایا جاتا ہے۔ اپنے اس لڑکے سے اسے بڑی امیدیں تھیں' جو کھینچ کھانچ کر کالج جا پہنچا تھا۔ پھر بے شک وہ گیارہویں میں ہی فیل کیوں نہ ہو گیا ہو۔ مگر خاندان بھر میں کوئی اتنا قابل نہ ہوا تھا کہ کالج کا گیٹ بھی پار کرسکتا۔

وہ تو اپنے لڑکے کی افسری کے خواب بھی دیکھنے لگا تھا۔ مگر حالات تو کچھ اور ہی تھے۔ پھر اس دن ماجے کے ہاتھ میں جو چیز آئی اس نے اسی سے شوکی کو یوں دھنک کر رکھ دیا جیسے انڈے کو پھینٹا جاتا ہے۔ پھر شوکی کی زندگی میں اس تشدد نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ پورا مہینہ زخم سینکنے کے بعد جب وہ جھلنگا سی چارپائی سے اٹھا تو باپ کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے کے لیے مکمل طور پر آمادہ تھا کہ اب اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ وہ اس کے دیے حکم بجالانے کے لیے ذہنی و جسمانی طور پر تیار تھا جو کہ یقیناً" گول گپے' املی' آلو بخارے کے شربت' گنڈیریوں یا پھر اصلی پہلوان سردائی جیسی کسی ریڑھی کے متعلق ہوتا۔

مگر کمال یہ ہوا کہ ماجے نے اسے ریڑھی دلوانے کی بجائے اپنی کمیٹی کے پیسوں سے رکشا لے دیا۔ شوکی مسرت و انبساط سے پھول کر چھت کو جا لگا۔ یہ نسبتاً" عزت والا کام تھا۔ نیا نکور سی این جی رکشا اور اس پر چم چم کرتی رنگین باڈی اسے اپنی گڈی ہونے کے احساس سے سرشار کرنے لگی۔

اس دن اس نے کڑ کڑ کرتے لٹھے کے سفید شلوار سوٹ پر جما جما کے استری کی اور پہن کے رکشے میں آ بیٹھا اور چلانے سے قبل وہ تمام دعائیں پڑھ کر خود پر اور رکشے پہ پھونک ماری جو بچپن میں مولوی صاحب نے اپنی بید کی چھڑی اس پر والہانہ برسا کر ازبر کروائی تھیں۔ چابی گھما کر رکشا آہستہ سے آگے بڑھایا تو یوں لگا جیسے وہ مکھن پر تیر رہا ہو۔ اپنی چیز کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے۔

چھوٹی صاف سڑکوں سے ہوتا ہوا جب وہ ٹریفک کے سیل رواں میں اپنی ناؤ لے کر داخل ہوا تو ہر طرف سے بچ بچا کے آگے بڑھتے ہوئے اسے چودہ طبق روشن ہونے کا حقیقی مفہوم سمجھ آیا تھا۔

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے

کے مصداق اسے قوی یقین ہو چلا تھا کہ مندرجہ بالا شعر میں عظیم شاعر نے جنہیں بچو کہہ کر مخاطب کیا تھا' ان کا سربراہ' سپہ سالار وہی ہے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر اس پر ہجوم سڑکوں کو روندتے' رگیدتے ذرائع آمد و رفت میں سے اپنی چھوٹی سی گڈی کو نکالنا بلاشبہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہی تھا۔ یوں گمان ہوتا کہ تیز رفتار گاڑیاں ٹرک اور ٹرالیاں اس کے اوپر چڑھ دوڑیں گے' پھر یہ خوف بھی رفتہ رفتہ زائل ہو گیا اور وہ ایک مشاق تیراک کی طرح سبک انداز میں رکشا چلانے میں ماہر ہو گیا۔

ایک اور انوکھا تجربہ اسے پہلی بار ہوا' آنے والی نت نئی اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی سواریوں کے مشاہدے اور ان کی ذاتی و خفیہ نوعیت کی گفت و شنید پر کان لگا کر رکھنا ایک بے حد دلچسپ عمل تھا۔ کمانے کے ساتھ ساتھ بیٹھے بیٹھے تفریح کی ایک سبیل بن گئی تھی۔ لوگ پرسکون ہو کے بے پروائی سے یوں باتوں میں مشغول ہوتے گویا رکشا والے کے کان یا تو پیدائشی طور پر ناکارہ ہوں یا پھر رکشا خریدنے کے بعد ان پر لیمینیشن کروالی گئی اور اب وہ حس سماعت سے قطعی نابلد ہو چکے ہوں۔ مگر دوسری جانب حالات قطعی مختلف تھے۔ شوکی کو یوں لگنے لگا تھا جیسے اس کے کان کسی انٹیلی جنس کے ادارے کے وہ حساس آلات ہوں جن میں لگے سنسرز معمولی سی آواز کی ویولینتھ پر بھی الرٹ ہو جاتے ہوں۔ اسے کچھ مستقل سواریوں کی زندگیوں کے اتار چڑھاؤ' موجودہ واقعات کے علاوہ متوقع صورت حال کے متعلق تمام تر معلومات پر بھی مکمل قدرت حاصل تھی۔ کس کی ساس کہاں سے تعویذ گنڈے کرواتی ہے' بہو نے گھر میں کون سے ناٹک رچا رکھے ہیں۔ فلاں کی بیٹی فلاں کے ساتھ فرار' فلاں بدنصیب کا شوہر کام والی کے عشق میں گرفتار......

تمباکو والا پان گال میں دابے آنکھیں سکیڑے وہ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کے پوشیدہ راز اپنی پوٹلی میں جمع کرتا جاتا۔ ایک طرح سے اسے "محلہ بی بی سی نیوز" کا تمغہ خاص ملنا حق ٹھہر چکا تھا۔

جب تک اس کا باپ زندہ رہا وہ اسی خاموش تماشائی کی طرح رکشا نکالتا اور سڑک پر ڈال کر ناک کی سیدھ میں چلانا شروع کردیتا۔ مگر اس کی وفات کے بعد بھی پھر شوکی میں خود کے لیے جینے کی امنگ نہ جاگ سکی جو برسوں پہلے ماجے کی مار کے باعث سو چکی تھی۔ مگر جذبات اور امنگوں کے اس سوئے ہوئے محل میں اس حسینہ نے زندگی کی لہر دوڑادی تھی۔ جس کی کاجل زدہ بڑی بڑی آنکھیں شیشے کی سمت بار بار اٹھتیں اور لجا کر جھک جاتیں۔ شوکی نے اس تین پہیوں کے چرخے میں ہر طرح کی عورت دیکھی تھی۔ وہ ہر طرح کی نظر سمجھتا تھا۔

لڑکی کی نظروں کی تکرار اور شرمانے لجانے میں نیم رضامندی کا بورڈ پڑھنا بہت آسان تھا۔ شوکی پھول کر چھت سے جا لگا۔ اتنی حسین لڑکی اسے لفٹ کروا رہی تھی وہ کیسے نہ اتراتا۔ اس کا جی چاہتا وہ آدھی رات کو اٹھ کر آجائے اور اس رنگ اڑے کواڑوں والی چوکھٹ کے آگے بنی ادھڑی ہوئی سیمنٹ کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھی پر بیٹھا رات بتا دے اور صبح دم جب وہ دروازے سے برآمد ہو تو وہ اس کے قدموں کے نیچے اپنی ہتھیلیاں بچھاتا جائے یا نیلی جالیوں والے اس چوبارے سے سر ٹکا کے زندگی گزار دے۔

اسے تو اس لڑکی کا نام تک معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اس کی ہتھنی نما سہیلی اسے ہمیشہ 'نی' یا 'اے' کہہ کر بلاتی۔ اس قدر بدتمیزانہ انداز پر اس کا جی چاہتا مڑ کے ایک زوردار تھپڑ سے اس کا منہ سینک دے اور کہے کہ "اتنی نازک اور پیاری لڑکی کو ایسے بلاتے ہیں کیا۔"

لیکن جو سوچا جائے اس پر عمل کرنا ہر بار تو ممکن نہیں ہوتا نا۔

روز بروز اس کا نام جاننے کی حسرت بڑھتی ہی جارہی تھی' روز انہیں لانے' لے جانے کے دوران اس کے کان حساس آلات کی طرح الرٹ رہتے۔ مگر اجنبی حسینہ کا نام جاننا ناممکن نظر آتا۔ براہ راست تو وہ بھی نہ پوچھ سکتا تھا' کیونکہ آنکھوں کی یہ پراسرار سی زبان اسے بڑی لطیف لگتی۔ اس کی عمر بتیس کے قریب قریب ہو چکی تھی۔ اب وہ اکثر حیران ہوتا کہ اس نے زندگی کا ایک بڑا حصہ یوں ہی اکیلے کیسے گزار دیا۔ بنا کسی لطافت بغیر کسی رنگینی کے۔

امنگوں نے سر ابھارا تو وہ بھی باقاعدہ تیار ہو کر آنے لگا۔ بال تو اس کے سیاہ ہی تھے۔ مگر اب اس نے وافر مقدار میں تیل لگانا چھوڑ دیا تو رنگت قدرے صاف لگنے لگی تھی۔ پان منہ میں بھرے رکھنے سے باچھوں سے گویا خون رستا ہوا لگتا۔ چنانچہ اس نے یہ لت مکمل طور پر تو نہ چھوڑی۔ مگر ان مخصوص اوقات میں خود پر پابندی ضرور لگا دی' جب وہ امور خاص کی انجام دہی میں مصروف ہوتا۔

تقریباً" تین ماہ ہو چکے تھے' شوکی کی صبح و شام کے موسم بدل چکے تھے اور اس کے خود کے رنگ ڈھنگ بھی۔

اس کے گھر کے پچھلے کمرے میں وہ چھوٹی مقفل صندوقچی بھی کھل گئی تھی۔ جس میں وہ اپنی آمدنی' لاپروائی سے ڈال دیا کرتا تھا۔ پیسے نکال کر سب سے پہلے رکشے کی مرمت کروا کر اس عظیم ہستی کے بیٹھنے کے لائق جگہ بنائی' پھر اپنے زیب تن کیے جانے والے ملبوسات پر دھیان دینے لگا۔ سلائی اسکول کے چوکیدار سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی' اسی کے ذریعے یہ بھی پتا چلا تھا کہ سلائی و کڑھائی کا یہ کورس کم سے کم پانچ یا چھ ماہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ شوکی اطمینان سے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اپنے دل کا حال تو اس تک پہنچانا تھا۔ مگر اس انداز میں کہ وہ برا مانے بغیر اقرار کرلے۔ چنانچہ اسے متاثر کرنے کے لیے ہی یہ سب تیاری کی گئی تھی۔

سرمگیں آنکھوں کی تلواریں اسے بری طرح گھائل کر چکی تھیں۔ غالباً" محترمہ خود بھی اپنے اس ہتھیار سے بخوبی واقف تھی۔ تبھی سامنے والے پر بے دریغ اس کے وار کیے جاتی۔ حتیٰ کہ وہ چاروں شانے چت ہو جاتا۔

آج شوکی کی آنکھ قدرے تاخیر سے کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر جاگا۔ منہ پر چھپکے مار کے بھاگم بھاگ در عشق پر حاضری دینے پہنچا۔

"آج آپ نے بہت دیر کردی آنے میں۔" رکشے میں بیٹھتے ہی مہ جبیں کی سریلی آواز میں آتا سوال اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائی میں ڈبونے لگا۔

"وہ جی میری آنکھ نہیں کھلی وقت پر۔" شرمسار سا کہہ کے اس نے ——— رکشا اسٹارٹ کردیا۔

"کوئی بات نہیں' ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ مگر آپ وقت پر سویا کریں نا۔" اتنے پیار اور اپنائیت بھرے لہجے میں کہنے پر شوکی پھول کر غبارہ بننے لگا۔ اس کی نگاہیں بے ساختہ بیک مرر پر اٹھ گئیں۔ نظروں سے نظریں ملیں اور ٹھاہ کر کے ایک گولی اس کے دل میں کھب گئی۔ مگر درد کی بجائے ایک لذت و سرور سے بھرا سیال اس کے اندر دوڑنے لگا۔ لڑکی کی نشیلی آنکھوں کے سیاہ حاشیے جیسے اس کے گرد کھنچ گئے ہوں۔ اس کا دل چاہا اسی بے خودی میں گنگنا اٹھے۔

کجرارے' کجرارے' تیرے کارے کارے نیناں

تیرے نیناں' تیرے نیناں' تیرے نیناں جڑواں نینا

اس سرور کا تانا ایک جھٹکے سے ٹوٹا۔ دھم کی آواز کے ساتھ دوسری سواری سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور چھوٹتے ہی اپنی پاٹ دار آواز میں بولنا شروع ہو گئی۔

"وے پائی! (او بھائی) یہ کوئی ویلا ہے تیرے آنے کا؟" اس کی آواز غبارے میں سوئی کی طرح جا لگی۔

"پورا آدھا گھنٹہ دیر سے آیا ہے تو' نہ مجھے یہ بتا تو اتنے پیسے کس چیز کے لیتا ہے' اگر اپنی ذمہ داری کا احساس ہی نہیں تجھے۔" شوکی کا دل چاہا رکشا روک کے پچھلا دروازہ کھولے اور گھسیٹ کے موٹی کو سڑک پر پھینک کے رکشا چلا دے۔ مگر ضبط کر گیا۔

وہ محبوبہ کے کچھ دیر پہلے کہے فکر انگیز جملے کے نشے سے باہر آنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ بے حد ضبط سے دیر سے آنے پر معذرت کر کے آئندہ ایسا نہ ہونے کا حلف بھی اٹھا لیا۔ آخر محبوبہ کی سہیلی کی اتنی سی بات تو وہ سہہ ہی سکتا تھا اور پیار تو ویسے بھی قدم قدم پر قربانیاں مانگتا ہے' صبر و ضبط سکھاتا ہے۔

سلائی اسکول کے دروازے پر چھوڑ کر وہ وہیں کھڑا رہا۔ لڑکی جاتے جاتے پلٹی اور مڑ کے اس کی جانب دیکھ کے ہنس کے غڑاپ سے گیٹ پار کر گئی۔ شوکی کو تو گویا ہفت اقلیم کا خزانہ مل گیا۔ وہ ربڑ کی گیند کی طرح اچھلنے لگا۔ وہ دن شوکت علی کے لیے یقیناً" بہت کامیاب اور خوش قسمت ثابت ہوا تھا۔ سیاہ چادر کی اوٹ میں سے نظر آتے آدھے چہرے کا دودھ دہی جیسا گورا رنگ اور کشادہ آنکھیں' دبی دبی ——— ہنسی جیسے اسے ماہی بے آب کی طرح تڑپانے لگی۔

اس کا اس جملے پر بھی پختہ ایمان تھا کہ لڑکی ہنسی تو سمجھو پھنسی' دوسری جانب سے واضح انداز میں گرین سگنل مل چکا تھا۔

اب اسے باقاعدہ راہ رسم کا آغاز کرنا تھا۔ شوکی کو اس بات پر بھی بڑا یقین تھا کہ وہ اس چم چم کرتے سی این جی رکشے کی مالکن بننے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کرے گی اور اس پیش کش کو اپنے لیے اعزاز ہی سمجھے گی۔

واپسی پر اس نے رکشا کا بوجھ ہلکا کرنا ضروری سمجھا اور جلدی سے موٹی کو گیٹ پر اتار کر رکشا آگے بڑھانے لگا تو وہ اپنی گردن واپس اندر گھسیڑ کر چلا کے بولی۔

"نی رخشی! اب رات کو سنیہا (بلاوا) بھیج دینا' ورنہ میں نہ آؤں گی ڈھولکی پہ۔"

"رخشی۔" خود کی طرح اس کا نام بھی کتنا سوہنا تھا۔ نام میں ساری توجہ پھنس گئی۔ چنانچہ باقی بات نظر انداز ہو چکی تھی۔

اس نے دو گلیاں دھیرے دھیرے طے کیں۔ اترتے وقت جب وہ جانے لگی تو یک دم پلٹی۔

"جی وہ۔" ایک ساتھ بول پڑنے پر وہ ہنس پڑی' جبکہ شوکی شرمیلا جوان بن کے نظر جھکا گیا۔

دیدار کی طلب ہے تو نظریں جمائے رکھ

پردہ جیسا بھی ہو سرکتا ضرور ہے

ہنسنے سے آدھے چہرے کی چادر بھی سرک گئی۔ پورا چاند بادلوں سے نکل آیا تھا۔ شوکی کا دل بے ساختہ سبحان اللہ کہہ دینے کو چاہا۔ مگر جب بولا تو وہ کچھ اور تھا۔

"جی' جی بولیے' کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"پہلے آپ۔" اک ادائے دلربائی سے وہ گویا ہوئی۔

"نہیں نا' لیڈیز فرسٹ۔" جگہ جگہ سنے گئے انگریزی کے اس لفظ کا بر محل استعمال کر کے وہ خود ہی مغرور سا ہوا۔

"ہاں میری بات تو زیادہ ضروری ہے۔" اگلی بات کہنے سے پہلے وہ چادر کا کونا منہ میں دبا کے چھوئی موئی کی طرح لہرائی۔

"اصل میں رکشے والے بھائی! کل سے آپ مجھے لینے نہ آئیے گا۔ میری شادی کے دن رکھے گئے ہیں۔" لجا کے قاتل نگاہوں کا وار کرتے ہوئے اس نے چادر کا کنارہ تھوڑا اور منہ میں ٹھونسا اور شرم سے دہری ہوتی ہوئی بدرنگے کواڑ دھکیل کے اندر چلی گئی۔ شادی کی خوشی میں وہ شوکی کی بات سننا بھی بھول گئی تھی۔ اب بات کرنے کو بچا ہی کیا تھا۔

ہینڈل پر ہاتھ رکھے وہ صدمے کی حالت میں اس کے جملے کی بازگشت سنتا رہا۔

"رکشے والے بھائی۔" اس کا سر چکرا گیا۔

شادی تو ہو رہی تھی' وہ قبول کر ہی لیتا۔ مگر اتنا عالی شان لقب رکشے والے کو ہی کیوں؟ کیا کبھی کسی نے سائیکل والے بھائی' گاڑی والے بھائی' بس یا ٹرالی والے بھائی کہتے سنا ہے؟

"دھت تیرے کی۔" اس کا جی چاہا اس کھلے تضاد پر رکشے کو آگ لگا دے۔ غصے سے پھنکتے ہوئے اس نے رخشی کے سندر نام کو وحشی کہہ کر سامنے رکھے پان کا کاغذ کھول کے منہ میں رکھا اور زور' زور سے چبانے لگا اور جھٹکے سے رکشا آگے بڑھایا' عرصے بعد اس کا رخ اپنے من پسند سنیما کی طرف تھا۔ جہاں وہ حال ہی میں لگنے والی فلم "وحشی حسینہ" دیکھنے چل دیا کہ دل میں جلتے آگ کے بھانبڑ کسی طور تو بجھانے تھے۔

☆ ☆

فرحت شوکت

وفا میری ضد

ناولٹ

دوسرا اور آخری حصہ

"نہیں بیٹا ایسے مت کہو۔ اولاد کی آزمائش تو ماں باپ کو توڑ ڈالتی ہے، کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی مہران بھائی نے جو بھی کیا مجبور ہو کر کیا تھا اور بھابھی بھی اپنی جگہ پر ٹھیک ہی تھیں ان کی تو بہت خواہش تھی کہ تم ان کی بہو بنو لیکن ـــــ" وہ ان کی پوری بات سنے بغیر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

نہ جانے اس نے امی کو کون کون سی من گھڑت کہانیاں سنائی تھیں کہ وہ بالکل ہی پگھل کر رہ گئی تھیں۔ اس کو یوں جاتے دیکھ کر بے ساختہ بجو ہنس پڑیں۔

"ماہین ایک بات تو سنتی جاؤ۔" فاطمہ بجو کے پکارنے پر وہ دروازے سے ہی پلٹ کر سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہارے لیے عدید کا پرپوزل آیا ہے۔ ماموں جان اور مامی جی بھی جلد ہی پاکستان آرہے ہیں ابھی انہوں نے فون پر تمہارا ہاتھ مانگا ہے باقی کی رسمیں وہ یہیں آکر کریں گے۔"

فاطمہ بجو کے چہرے سے چھلکتی حد درجہ خوشی کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بھی نہ بول پائی نہ جانے کتنے عرصہ بعد وہ فاطمہ بجو کے اس حد تک کھلتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کے چہرے کو بجھتا ہوا دیکھنا نہیں چاہتی تھی سو خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

شدید طیش کے عالم میں وہ ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اضطراب ہی اضطراب وجود میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے گویا تمام حواس مختل ہو چکے تھے۔

جب سے اس نے ماما پاپا کو تسمینہ پھپھو کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ دونوں ہی بے حد خوش اور مطمئن تھے گویا ایک بہت بھاری بوجھ تھا جو ان کے سینوں پر سے سرک گیا تھا۔ وہ جلد سے جلد ان سے ملنے پاکستان آنے والے تھے تاکہ اپنی کی گئی غلطیوں کی معافی مانگ سکیں۔ سب کچھ ایک دم ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ماہین کے انکار نے اس کے پورے وجود میں جیسے آگ بھر دی تھی۔

رات جب فاطمہ بجو نے اسے اس کے انکار کے بارے میں بتایا تھا اس کے اعصاب بری طرح تن گئے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے جائے اور اس کے ہوش ٹھکانے لگا دے۔ لیکن رات کے نو بجے ایسا کرنا ہرگز ممکن نہ تھا سو صبح آفس پہنچتے ہی اس نے اسے اپنے آفس میں طلب کر لیا۔ جس وقت وہ روم میں داخل ہوئی وہ متفکر سا ٹہل رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟" اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہو گیا تھا۔

"کیا کیا ہے میں نے؟" اس کے انداز میں بلا کا اطمینان تھا۔ وہ تپ کر رہ گیا۔

"کیا نہیں کیا تم نے؟" وہ دھاڑا۔

"چھ ماہ ہو گئے ہیں تمہارے پیچھے پیچھے پھرتے ہوئے تمہیں مناتے ہوئے اور تم اپنی ضد سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹ رہیں پھر پوچھتی ہو کیا کیا ہے تم نے وہ پہلی بار اسے اتنے غصے میں دیکھ رہی تھی۔ سو ڈر ہی گئی اور پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس وقت اتنے غصے میں تھا کہ وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی اس کے پہنچنے سے پہلے اس نے آگے بڑھ کر ڈور لاک کیا اور اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"آج بات کلیئر ہو کر رہے گی تب تک میں تمہیں اس کمرے سے باہر جانے نہیں دوں گا یاد رکھنا۔"

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا۔ تب ہی ٹیبل پر رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کی توجہ فون کی جانب مرکوز دیکھ کر وہ دروازے کی طرف لپکی مگر بے سود۔

"ڈور آٹومیٹک لاکڈ ہے نہیں کھلے گا۔" وہ ریسیور کان سے لگاتے ہوئے تیز لہجے میں بولا تو وہ بے بسی سے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

"مس کرن پلیز نو فون کالز۔ جب تک میں نہ کہوں کوئی بھی شخص میرے آفس میں نہ آئے۔"

وہ سختی سے ہدایت دے کر دوبارہ اس کی جانب متوجہ ہوا جو دروازے کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھی۔

"مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟"

وہ اس کے حد درجہ قریب آکر استفسارانہ انداز میں
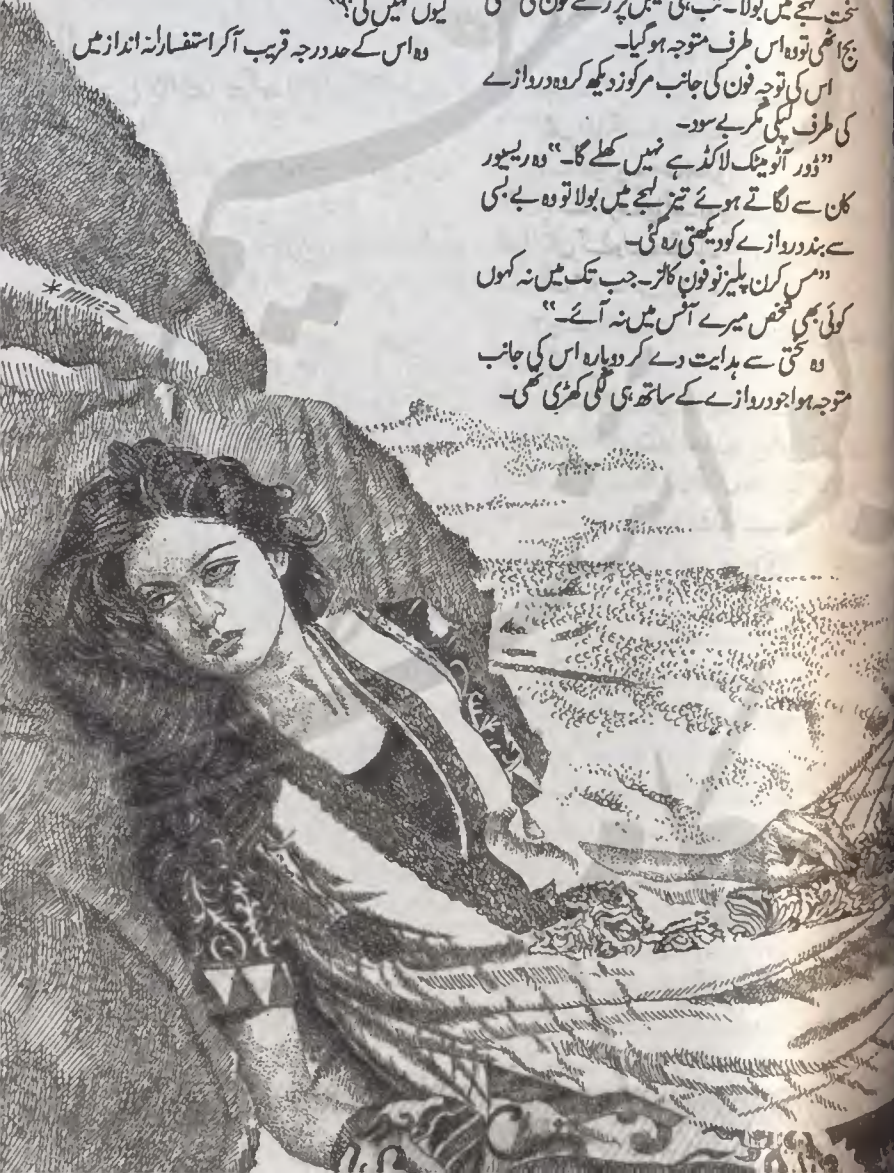
بولا جبکہ لہجہ پہلے کی نسبت کچھ نرم تھا۔ اس کے سوال پر ایک لمحہ کے لیے اس کے دل کو کچھ ہوا ضرور تھا مگر وہ خاموش ہی رہی۔

"ماہی جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دے دو ورنہ۔"

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔" وہ اس کے اتنا قریب آنے پر کچھ گھبرا سی گئی تھی تب ہی اس کی بات پوری سنے بغیر وہ جلدی سے بول پڑی۔

"تمہارا ذاتی مسئلہ میں اپنا مسئلہ سمجھتا ہوں اور تم ہو کہ....."

"پلیز عدید میں تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔" وہ چیخی۔

اور وہ کتنی ہی دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا جس کے ہونٹوں پر نہ جانے کتنے عرصے بعد اس کا نام جگمگایا تھا۔

"لیکن میں تم سے بات کر کے رہوں گا، تم یہاں سے باہر تو جا نہیں سکتیں اس لیے بہتر ہے کہ خاموش رہنے کے بجائے مجھ سے وہ باتیں کر لو جو تمہیں بے چین کیے رکھتی ہیں۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" تھوڑی دیر تک دونوں کے درمیان مسلسل خاموشی چھائی رہی پھر اس نے پروپوز کرنے والے انداز میں اس سے پوچھا تو وہ اس کی اس قدر ڈھٹائی پر دل مسوس کر رہ گئی۔ اس کے اتنے سخت رویے کے باوجود وہ جوں کا توں اس کا خواستگار تھا۔

"جواب دو۔" اس کی خاموشی کو دیکھ کر اس نے دوبارہ پوچھا۔

"سوری۔" اس کے جواب پر اس کا بے اختیار اپنا سر پٹخنے کو دل چاہا جو اسے مسلسل رد کیے جا رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس کا دل صاف کرے۔

"کیوں شادی کرنا نہیں چاہتیں تم مجھ سے؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اپنے لہجے کی سختی کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولا۔

"کیوں کروں گی میں تم سے شادی؟" جواباً اس نے سوال کیا۔

"کیا مطلب تمہارا؟" اس کی بات پر وہ حیرت سے بولا۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور....."

"اپنی غلط فہمی دور کر لو میں تمہیں پسند کرتی تھی اب نہیں۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر زور سے بولی۔

"کیوں اب کیا ہوا ہے اب کیا کیا ہے میں نے؟" اس نے درشتگی سے پوچھا۔

"تم نے کیا کیا ہے میں تمہیں بتاؤں؟ جب تمہیں خود احساس نہیں ہے اپنے کیے کا تو میرے بتانے کا کیا فائدہ؟"

اس نے آزردگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کا دل بھر آیا تھا لیکن وہ اس پر ظاہر ہونے نہیں دینا چاہتی تھی تاہم مضبوط بنی کھڑی رہی۔

"میں جانتا ہوں میں نے کیا کیا ہے اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ میں نے جو کیا اس میں تمہارا اور میرا فائدہ تھا اس لیے مجھے کوئی ملال یا پچھتاوا نہیں ہے۔"

اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر مکمل اطمینان سے کہا۔

"کون سے فائدے کی بات کر رہے ہو تم؟ میں نے کب چاہا تھا کہ تم مجھے کچھ بھی بتائے بغیر، مجھ سے کچھ بھی شیئر کیے بغیر کینیڈا چلے جاؤ۔" اس نے رکھائی سے اس کی طرف دیکھ کر مزید کہا۔

"تم نے جانے سے پہلے ایک بار بھی میرے بارے میں سوچا مجھ پر کیا گزرے گی؟ یہاں تک کہ تمہیں وہاں جا کر بھی میرا خیال نہیں آیا تھا اتنے مگن ہو گئے تھے تم۔"

"میں تم سے ناراض تھا زریں سے شادی کرنے والی بات کو لے کر مجھے لگا میں اکیلا ہو گیا ہوں تم سمیت سب نے مجھے تنہا کر دیا ہے اور مجھے وہ کرنے پر اکسا رہے ہیں جو میں کبھی مر کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔" اس کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا وہ مزید گویا ہوا۔

"میں یہ سب کرنے پر مجبور تھا ماہی تم جانتی تھیں شہرینہ آپی کے سسر اپنی بھتیجی زریں سے میری شادی کرانا چاہتے تھے اور انہی کے کہنے پر حسام بھائی نے شہرینہ آپی پر بے حد دباؤ ڈالا ہوا تھا کہ کسی بھی طرح سے مجھے زریں سے شادی کرنے پر تیار کریں اور جب میں نہیں مانا تو ماما پاپا نے مجھے کس حد تک پریشرائز کرنا شروع کر دیا تھا شاید وہ بھی شہرینہ آپی کا گھر ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتے تھے جو ایک فطری عمل تھا اور جب میں ہرگز تیار نہیں ہوا تو وہ مجھ سے کتنے بدگمان ہو گئے تھے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔" اس کے انداز میں بوجھل پن تھا۔

"کیا تمہیں اب بھی مجھ پر اعتبار نہیں آیا کہ میں نے جو کیا اپنے اور تمہارے لیے کیا؟" اس نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر کوئی جذبہ نظر نہیں آ رہا تھا وہ بالکل سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

"نہیں۔" اس کا لہجہ خشک تھا جذبات سے بالکل عاری۔

"کیوں؟" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیونکہ تم مجھے کبھی بھی چھوڑ کر جا سکتے ہو۔ بالکل اکیلا اور تنہا کر کے۔" نہ جانے کیسا خوف تھا جو اس کے لبوں پر آ رکا تھا۔

"میں کیوں جاؤں گا تمہیں چھوڑ کر، میں تمہارا ہوں ماہی صرف تمہارا پھر تم میرے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتی ہو؟" ایک شکستگی سی تھی جو اس کے وجود سے چھلک پڑی تھی۔

وہ کس طرح اس کے دل میں موجود اس ڈر کو نکال باہر کرے، جو اسے اس سے متنفر کیے دے رہا تھا۔

"کیوں نہیں سوچ سکتی میں؟" جواباً وہ تنک کر بولی۔

"تم اپنی اور میری خاطر لڑ رہے تھے تو یہیں رہ کر بھی لڑ سکتے تھے۔ حالات کا مقابلہ سب کے درمیان رہ کر بھی کر سکتے تھے لیکن تم باہر گئے کیونکہ تمہارے اندر حالات کو فیس کرنے کی پاور نہیں تھی اور ویسے بھی تم تو شروع سے ملک سے باہر جا کر خوب سارا پیسہ کمانے کے خواہش مند تھے سو تم نے موقع غنیمت جانا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی خواہشوں کو پورا کرنے چل پڑے۔ تم بہت کمزور انسان ہو عدید جو....."

"چٹاخ۔" وہ جو خود پر ضبط کیے خاموشی سے اس کی باتیں برداشت کر رہا تھا اس کی آخری بات پر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا تھا۔ کتنا غلط سمجھتی تھی وہ اس کو؟ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے؟

"میں پیسہ کمانے کی خاطر باہر گیا تھا، میں؟" وہ دھاڑ کر اس سے مخاطب ہوا۔ وہ جو اس کے اس اچانک حملے سے سنبھلی نہیں تھی اس کے بگڑتے تیوروں سے گھبرا سی گئی۔ وہ اس کے چہرے پر آنکھیں گاڑے اس سے مخاطب تھا اور آنکھوں سے سرخیاں جھلکنے لگی تھیں۔

"ماما پاپا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے زریں سے شادی نہ کی تو وہ مجھے گھر اور بزنس سے بے دخل کر دیں گے۔ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی اور پھر میں نے تب ہی سوچ لیا کہ میں شادی تم سے کروں گا اور تمہیں اپنے بل بوتے پر دنیا کی ہر خوشی دوں گا اور یہی بات میں نے ماما پاپا سے بھی کی تھی کہ مجھے ان کی جائیداد میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں چاہیے میں خود بھی وہ سب کچھ کما سکتا ہوں جس کو چھیننے کی وہ مجھے دھمکی دے رہے تھے۔ پھر میں نے باہر جانے کا پکا فیصلہ کر لیا کیونکہ جب تک میں یہاں رہتا مجھے اسی طرح پریشرائز کیا جاتا کہ میں زریں سے شادی کر لوں اور تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے اپنی خواہشیں پوری کرنے کے لیے یہ سب کیا ہے؟ میں نے کتنی مشکلیں اٹھائیں، کتنی مصیبتوں سے گزر کر میں یہاں تک پہنچا ہوں تو وہ صرف تمہارے لیے اور تم ہی کہہ رہی ہو کہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، خواہش کا مارا سمجھتی ہو تم مجھے اگر میں نے ایسا کبھی چاہا بھی تھا نا تو وہ بھی صرف تمہارے لیے کیونکہ میں تمہیں دنیا کی ہر آسائش دینا چاہتا تھا اور تم نے مجھے اتنا گرا ہوا سمجھ لیا کہ میں ان سب کی خاطر تمہیں چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔" اس کے

ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف سے دکھ افسوس اور غصہ چھلک رہا تھا۔

جسے وہ قطعی نظرانداز کر گئی اور بپھر کر بولی۔

"اور تم بھی جانتے تھے کہ مجھے ان کی نہیں صرف تمہاری ضرورت تھی پھر بھی تم نے۔"

"کیا میری اپنی کوئی خواہش نہیں تھی کہ میں تمہارے لیے کچھ کرتا، تمہیں آرام و سکون کی زندگی دیتا؟" وہ اس کی بات پوری سنے بغیر زور سے بولا۔

"ان سب کو پانے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے اور تمہیں میری اس محنت میں وہ محبت نظر نہیں آ رہی جو میں تم سے کرتا ہوں۔"

"ہاں نہیں آ رہی نظر۔" وہ اپنے گال پر جہاں اس نے تھپڑ مارا تھا بدستور ہاتھ رکھے بے خوفی اور بے دردی سے بولی تھی۔

"کیونکہ تمہارے اس طرح کرنے سے جو تکلیف اور اذیت میں نے اٹھائی تھی وہ یہ ساری چیزیں مل کر بھی ختم نہیں کر سکتیں، میں ان لمحوں کو نہیں بھول سکتی جب میں فون پر محض تمہاری آواز سننے کو ترسا کرتی تھی لیکن تم، تم وہاں جا کر اس قدر مگن ہو گئے تھے کہ میرا ہی خیال نہیں آیا۔ اگر یہ تمہاری مجھ سے ناراضی تھی تو پھر میں کیسے مان لوں کہ تم نے یہ سب میری خاطر کیا ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

وہ خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر پلٹ کر ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

"تو تمہیں یقین نہیں آتا کہ میں نے یہ سب تمہاری خاطر کیا تھا ہے نا؟" اس نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا پھر اگلے ہی لمحے شدید طیش کے عالم میں ٹیبل پر رکھی تمام چیزوں کو ہاتھ کی مدد سے نیچے گرا دیا۔ اس کے اس طرح کرنے پر وہ گھبرا سی گئی۔

"جب تمہیں ان سب کی ضرورت نہیں ہے تو مجھے بھی نہیں ہے۔"

وہ سخت لہجے میں کہتا آگے بڑھا اور اپنی ریوالونگ چیئر کو پاؤں سے زور سے ٹھوکر مار کر پیچھے کی طرف دھکیل دیا جو لڑھکتی ہوئی گلاس ونڈو سے جا ٹکرائی۔ کمرے میں موجود دوسری چیزوں کو بھی زمین پر دے مارا۔ کئی گلاس شوپیس اور مختلف ٹرافیز زمین پر چکنا چور ہو چکی تھیں۔

"میں نے یہ سب کچھ تمہارے لیے بنایا تھا جب تمہیں نہیں چاہئیں تو یہ سب میرے کس کام کا۔" اس نے ٹیبل پر رکھے ٹیلی فونز اور انٹر کام دیوار پر دے مارے۔ اس دوران وہ مسلسل بولتا جا رہا تھا۔

وہ پہلی بار اسے اتنے شدید غصے میں دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اسے روکے تب ہی وہ اپنے اندر ہمت پیدا کر کے اس کی جانب بڑھ گئی اس کا اپنا جسم بری طرح کپکپا رہا تھا۔ وہ بری طرح خوفزدہ تھی۔

"عدید پلیز رک جاؤ، ایسے مت کرو۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے بازو پر سے زور سے ہٹا کر ٹیبل پر رکھے لیپ ٹاپ کی جانب بڑھا تو وہ بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

"پاگل تھا میں جو اپنی زندگی کے پانچ سال یہ سب بنانے میں خوار کرتا رہا۔" اس نے لیپ ٹاپ کو زور سے دیوار پر دے مار کر تقریباً" چیختے ہوئے کہا تو وہ مزید سہم گئی۔ لیپ ٹاپ دیوار سے ٹکرا کر زمین بوس ہو چکا تھا۔ اس کے تو پیروں تلے سے زمین نکل رہی تھی۔

وہ کس طرح اسے کنٹرول کرے وہ نہیں جانتی تھی۔ تب ہی وہ قریب رکھے فائل ریک کی جانب بڑھا جس میں تمام امپورٹنٹ فائلز رکھی تھیں۔

اگر ان فائلز کو کچھ ہوا تو بہت سے کانٹریکٹس ضائع ہو سکتے تھے۔

ایسی سچویشن میں اس کے حواس تو بالکل کام ہی نہیں کر رہے تھے۔ تب وہ تیزی سے اس سے پہلے اس ریک کے آگے آکھڑی ہوئی۔

"ہٹو یہاں سے۔" وہ ایک بار پھر دھاڑا۔

"پلیز عدید مت کرو ایسا۔" وہ التجائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی جبکہ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ جس کی پروا کیے بغیر اس نے ہاتھ

بڑھا کر اسے بازو سے پکڑ کر ایک سائیڈ پر دھکیلا اور پھر تمام فائلوں کے دو دو ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیے۔ اس کے اس طرح کرنے پر وہ ہکابکا کھڑی رہ گئی۔

"میں کب سے تمہیں منا رہا تھا تم سے بات کرنے کے لیے ترس رہا تھا لیکن تمہاری غلط فہمیاں ہی دور نہیں ہو رہی تھیں۔" بولتے ہوئے اس کی طرف بڑھا جو دیوار کے ساتھ سہمی کھڑی تھی۔ وہ یکبارگی سے اسے دیکھے جا رہی تھی جو پورے کمرے کا نقشہ پل بھر میں بدل کر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اب تو تمہیں یقین آگیا کہ میرے نزدیک ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔" وہ اس کے بائیں طرف دیوار پر اپنا دایاں ہاتھ مضبوطی سے جمائے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوالیہ انداز میں قدرے نرمی سے بولا۔

وہ خاموش نظروں سے ڈری ڈری اسے دیکھ رہی تھی۔ جس کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں اور کروں گا تم دیکھنا میں خود کو تمہارے سامنے کس طرح برباد کرتا ہوں لیکن وعدہ کرو جب میں بالکل خالی ہو جاؤں گا تب تو تمہیں مجھ پر، میری محبت پر اعتبار آئے گا نا؟"

وہ دھیمے لہجے میں اس سے بول رہا تھا اور وہ گنگ بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ جواب کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا تو وہ خالی خالی نظروں سے پورے کمرے کو دیکھنے لگی جہاں پہلے جیسا کچھ نہ تھا۔ ہر شے اپنے مقام سے دور ٹوٹی پھوٹی حالت میں پڑی تھی۔ کمرے کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ کارپٹ پر دور تک کاغذ ہی کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اوندھے پڑے لیپ ٹاپ کو اٹھا کر چیک کرنے لگی جو بالکل بے جان ہو چکا تھا۔ پھر اس نے تمام کاغذات سمیٹ کر فائلوں میں رکھے اور جتنا ہو سکتا تھا چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھا پھر کمرے کو باہر سے لاک کر کے اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔ پتا نہیں کیوں اس کے دل پر کوئی بوجھ سا آگرا تھا یوں لگتا تھا جیسے اس سے کہیں کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے یا شاید وہ اسے سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔ وہ مزید کیا کرے گا؟ اسے شدید فکر لاحق ہو گئی تھی۔ وہ جو کہتا تھا کر گزرتا تھا۔

وہ دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ سارا دن آفس نہیں آیا تھا۔ تقریباً" چھ بجے وہ بھی آفس سے نکل کر گھر آپہنچی تھی۔

افسردگی تھی جس نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ پژمردہ قدموں سے چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا بات ہے تم کچھ پریشان ہو، عدید سے کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

عدید کے نام پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر فاطمہ بجو کو دیکھا جو اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ انہیں کیسے پتا؟

"میں سب جانتی ہوں کہ تم عدید کے ہی آفس میں جاب کرتی ہو اور یہ بات ہمیں عدید نے ہی بتائی تھی۔ خیر یہ بتاؤ کہ عدید سے تمہاری کیا بات ہوئی کیونکہ وہ تمہارے انکار کو لے کر بہت پریشان تھا۔"

جب ساری بات انہیں پتا ہی تھی تو اس نے بھی کچھ چھپانا مناسب نہ سمجھا اور آج کی ساری روداد انہیں کہہ سنائی۔

انہوں نے غور کیا کہ باتیں کرتے وقت اس کی آنکھیں بار بار بھیگتی جا رہی تھیں اور آواز بھی رندھ گئی تھی۔

شاید اس کے اندر کی انا اب ٹوٹنے لگی تھی وہ قدرے نرم اور بدلی بدلی محسوس ہوئی تھی۔ تب ہی فاطمہ بجو بول پڑیں۔

"ماہین مامی جی اور ماموں جان بالکل غلط نہیں تھے وہ اپنی اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تھے اس لیے انہوں نے وہ فیصلے کر ڈالے جو ہمارے حق میں نہیں تھے اور

تمہیں پتا ہے یہ سب عدید کے گھر چھوڑ کر جانے کے بعد ہوا تھا پھر عدید تو ان سارے معاملات سے بے خبر تھا ایسے میں اس کو مجرم بنانا سراسر غلط ہے۔"

وہ آج خاموشی سے سر جھکائے ان کی باتیں سنتی رہی ورنہ وہ تو ان کے ناموں سے ہی بھڑک اٹھتی تھی۔ انہوں نے موقع اچھا سمجھ کر بولنا شروع کیا جسے وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

"تم جانتی تو ہو نا کہ زبیر کی بیوی فریال کے مزاج کو۔ اس نے ساری زندگی ملک سے باہر گزاری تھی اسی لیے وہ کافی عرصے سے زبیر پر بھی زور ڈال رہی تھی کہ وہ یہ گھر بیچ کر اور بزنس وائنڈ اپ کر کے جرمنی اس کے ساتھ چلے اور اس کے بھائی کے ساتھ بزنس اسٹارٹ کرے لیکن جب زبیر نے انکار کیا تو اس نے کورٹ سے خلع لینے کی دھمکی دے ڈالی جس پر سب پریشان ہو کر رہ گئے اور پھر فریال جب ناراض ہو کر میکے گئی تو اس نے اپنی بات منوانے کے لیے سلیپنگ پلز کھالی تھیں جس کی وجہ سے وہ کئی دن تک ہسپتال بھی ایڈمٹ رہی تھی۔ اس کی اس حرکت نے گویا ماموں جان اور مامی جی کے پیروں تلے سے زمین ہی نکال دی تھی۔ پھر زبیر بھی فریال کا ساتھ دیتے ہوئے ماموں جان سے مطالبہ کرنے لگا لیکن ماموں جان نہیں مانے مگر جب زبیر نے ماموں جان کو مرنے کی دھمکیاں دیں تو وہ امی اور ہم سب کی نظروں میں مجرم بننے کو تیار ہو گئے تھے۔

ماموں جان نے خاموشی سے گھر بیچ دیا اور بزنس بھی وائنڈ اپ کر دیا۔ وہ عدید کو تو دیکھنے کو ترس گئے تھے اب زبیر کی دوری برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بھی شکر تھا کہ زبیر ماموں جان اور مامی جی کو اپنے ساتھ ہی جرمنی لے جانے پر بضد تھا اس لیے فریال کی ایک نہ چل سکی تھی لیکن وہاں جا کر فریال کے بھائی نے سارا روپیہ ہتھیا لیا تو فریال کے بھی ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔ تھوڑا بہت روپیہ تھا جو فریال نے زبردستی اپنے بھائی سے نکلوا لیا تھا اسی سے زبیر نے جرمنی میں چھوٹا موٹا سا بزنس شروع کر ڈالا تھا اور یوں گزر بسر ہونے لگی تھی۔

جن دنوں جعفر کی ڈیتھ ہوئی تھی ان دنوں ماموں جان اور مامی جی اس تکلیف سے گزر رہے تھے انہوں نے ہمیں اس سب سے اس لیے بے خبر رکھا کہ امی پہلے ہی جعفر کے غم سے نڈھال تھیں وہ یہ سب بتا کر مزید ستم کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے یہ جھوٹ بولا کہ بزنس کو زبردست قسم کا نقصان ہونے کے باعث سب کچھ ختم ہو گیا ہے اور پھر حالات اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ گھر بیچ کر قرضے پورے کرنے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہم سب نے یقین کر لیا تھا اور پھر ہم نے خوشی خوشی ماموں جان اور مامی جی کو زبیر کے ساتھ جرمنی بھی رخصت کر دیا تھا۔ اچھا ہوا زبیر کو وہاں جاب مل گئی ورنہ وہ سب بھی ہماری طرح کرائے کے مکان میں دھکے کھاتے رہتے۔"

فاطمہ بجو سانس لینے کو رکیں پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔

"ان کے جرمنی جاتے ہی ہمیں مختلف لوگوں سے پتا چل گیا تھا کہ ماموں جان اور مامی جی نے ہم سے جھوٹ بولا تھا لیکن وہاں جا کر وہ ہمیں بھولے نہیں تھے۔ یکے بعد دیگرے کئی مکان بدلنے کے باعث ہم ان سے رابطہ نہیں کر پا رہے تھے جبکہ مامی جی نے اپنے رشتے داروں کو بھی کہا ہوا تھا کہ وہ ہمارے متعلق معلوم کر کے انہیں بتائیں لیکن مکانوں کی تبدیلی نے ایسا نہ ہونے دیا۔ جب عدید نے کینیڈا جانے کے چھ سال بعد ہم سے رابطہ کرنا چاہا تب تک وہ گھر بک چکا تھا۔ یہ ساری باتیں جب عدید کو معلوم ہوئیں تو وہ اپنے گھر والوں سے بے حد خفا ہوا۔ اس نے احسن کو ہمارے بارے میں معلوم کرنے کو کہہ رکھا تھا پھر وہ جلد جلد وہاں سے آ کر پاکستان سیٹل ہو گیا اور پھر تلاش شروع کر دی۔ یہ بھی شکر تھا کہ قسمت نے اسے ہم سے ملا دیا ورنہ کیسے اتنی غلط فہمیاں دور ہوتیں؟

یہ ساری باتیں مامی جی نے فون پر ہمیں بتائی تھیں بلکہ وہ بہت ملول اور پشیمان بھی تھیں اسی لیے امی سے معافی بھی مانگ رہی تھیں لیکن امی تو ماموں جان کی آواز سنتے ہی سب کچھ بھول بھال گئیں۔ اب تم بھی

سب کچھ بھول جاؤ ماہین' یہ آزمائش تھی اللہ کی طرف سے اور کچھ نہیں تھا۔ اچھا میں تمہارے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔ تم ہاتھ منہ دھو لو۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے اسے سوچتا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل چکی تھیں اور وہ گہری سوچ میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ گزشتہ ایک ہفتے سے آفس نہیں آ رہا تھا۔ وہ کہاں تھا اور کس حال میں تھا کوئی نہیں جانتا تھا اور اس کا فون بھی مسلسل آف جا رہا تھا جبکہ آفس کا نظام بھی درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا کوئی کام بھی وقت پر نہیں ہو پا رہا تھا۔ توقیر صاحب بھی ہر طرح اس سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر چکے تھے مگر وہ گھر پر ملتا تھا اور نہ گھر کے فون اٹینڈ کرتا تھا۔ وہ تو کئی بار گھر بھی جا چکے تھے' تاکہ امپورٹنٹ فائلز سائن کرا سکیں لیکن ہر بار ملازم اس کے گھر پر نہ ہونے کا عندیہ دیتا تو وہ مایوسی سے لوٹ آتے۔

آفس میں موجود ہر فرد اس کو لے کر تشویش میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ اس قدر لاپروا اور غیر ذمہ دار کبھی نہیں رہا تھا۔ سب کو اس کے بارے میں فکریں لاحق ہو چکی تھیں۔ تب تمام کوششوں کے بعد توقیر صاحب نے احسن کو ساری صورت حال سے آگاہ کر ڈالا تھا۔ جو پہلی ہی فرصت میں اس کے پاس جا پہنچا تھا۔

"تم کچھ بتاؤ گے یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" احسن اس کی مسلسل خاموشی سے تنگ آ کر بولا۔

"کچھ نہیں ہو رہا یار' بس میرا دل نہیں کرتا۔" اس نے بے فکری سے کہا۔

"عدید پلیز یار اس سب کو اتنا لائٹ مت لو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو تمہارے اس طرح کرنے سے کتنا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔" احسن اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"نقصان کی پروا کون کر رہا ہے یار۔" اس کے ہر انداز میں لاپرواہی تھی جس کو دیکھ کر احسن حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ اس کے اور ماہین کے درمیان ہونے والی تمام باتوں سے واقف تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس کو لے کر اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔ احسن نرمی سے گویا ہوا۔

"تمہیں نقصان کی پروا کرنی چاہیے عدید تم جانتے ہو تم نے کتنی محنت اور تگ و دو کے بعد یہ سب کچھ حاصل کیا تھا۔ یار تمہارے جیسے خوش قسمت لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو اتنے کم عرصے میں اتنی اچھی طرح بزنس اسٹیبلش کر لیتے ہیں کہ وہ انٹرنیشنل لیول پر بھی خود کو متعارف کرا سکیں اور تم ہو کہ اتنی آسانی سے یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں سے گنوا رہے ہو۔ کتنی امپورٹنٹ ڈیلوریز ہیں جو تمہارے سائن کے بغیر ممکن نہیں ہیں آسٹریلیا کی ڈیلیوری درمیان میں اٹکی ہوئی ہے تم سمجھ کیوں نہیں رہے کہ اس طرح سب کچھ ختم ہو جائے گا یار۔"

"تو ہو جائے ختم سب کچھ جب اسے احساس نہیں ہے کہ میں نے یہ سب اس کے لیے کیا تھا تو مجھے بھی نہیں ہے۔" بالآخر اس کی برداشت جواب دے چکی تھی۔

"میں ایک ہفتہ سے آفس نہیں جا رہا' میرا سیل آف جا رہا ہے۔ ڈیلیوریز رکی ہوئی ہیں۔ بزنس ایک ہفتہ میں کتنا نیچے آ چکا ہے۔ کیا وہ بے خبر ہے اس سب سے نہیں۔ لیکن اس نے ایک بار بھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک بار بھی اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں اسے میری کوئی پرواہی نہیں ہے یار۔ کیا اس قابل ہوں میں کہ وہ میرے بارے میں اتنی لاپروا رہے مانا میں غلط تھا لیکن میں۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا تھا پھر ایک گہرا سانس اپنے اندر اتار کر وہ دوبارہ احسن سے مخاطب ہوا گردھیمے لہجے میں۔

"مجھے حقیقتاً کوئی فکر نہیں ہے احسن بزنس ختم

ہوتا ہے ہو جائے۔ آئی ڈیم کیئر اور تم بھی مجھ سے اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں کرو گے ورنہ میں تم سے بھی ناراض ہو جاؤں گا۔" احسن مزید کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے اس کا مسئلہ سمجھ آ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اسے بتائے بغیر سیدھا اس کے آفس میں ماہین سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس وقت رات کو نو بج رہے تھے۔

وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے سیدھا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

جس وقت وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا سامنے صوفے پر اسے بیٹھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔ کھٹکے کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو بلیک شلوار قمیص میں پوری مردانہ وجاہت سمیت کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پھر بند کیے دروازے کو اس نے ہاتھ بڑھا کر آدھا کھول دیا اور ہاتھ میں موجود موبائل اور گاڑی کی چابیاں سائیڈ ٹیبل پر رکھیں پھر کف کے بٹن کھول کر بازو کہنیوں تک چڑھائے صوفے پر جا بیٹھا اور ریموٹ سے ٹی وی آن کر کے نظریں ٹی وی اسکرین پر جما دیں۔

وہ خطرناک حد تک سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک نظر کے بعد اس نے دوسری نظر اس پر ڈالنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کتنی ہی دیر تک کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ کمرے میں دو نفوس موجود ہیں۔

اس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا جو مکمل توجہ کے ساتھ نیوز دیکھنے میں مصروف تھا۔ بالآخر وہ اٹھی اور آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا تو اس نے محض ایک نظر اس پر ڈالی پھر ریموٹ صوفے پر اچھال کر خاموشی سے اٹھ کر ٹیرس پر آ کھڑا ہوا۔

وہ بے حد خفا خفا سا لگ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں ہاتھ ریلنگ پر مضبوطی سے جما[illegible] گھور رہا تھا۔

"میں نے تم سے کچھ ضروری بات کرنا[illegible]" اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہوں کرو۔"

"تم آفس کیوں نہیں آ رہے؟" اس نے پوچھا[illegible]

"یہ بات میرے لیے ضروری نہیں ہے۔ [illegible] میں جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھتا۔" اس[illegible] دو ٹوک انداز میں کہا۔

"لیکن میرے لیے یہی بات ضروری ہے ا[illegible] بات نے مجھے یہاں تک آنے پر مجبور کیا ہے[illegible]" نے قدرے آرام سے کہا۔

"میرے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم[illegible] لیے کیا بات اہمیت رکھتی ہے اور کیا نہیں؟" [illegible] کا انداز ہی دوسرا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے چپ تھی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔

"میں نے تم سے کچھ پیپرز سائن کرانے[illegible]" اس نے مدعا بیان کیا۔

"سوری۔" اس نے فوراً" جواب دیا۔

"عدید پلیز تم جانتے ہو اب تک کتنا لوس ہو[illegible] کتنی ہی کمپنیز ہیں جو آرڈرز واپس لینا چاہتی ہیں وقت پر ڈلیوری نہ ہونے کی وجہ سے۔ تمہیں یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے تم سب جانتے[illegible] کیوں کر رہے ہو ایسا؟" اسے سمجھ ہی نہیں آ ر[illegible] کیسے اسے سمجھائے؟ جبکہ دوسری طرف و[illegible] خاموش تھا۔

"عدید میں تم سے بات کر رہی ہوں پلیز جو[illegible]

"کس بات کا جواب دوں؟" وہ سامنے سے[illegible] کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں اگر کچھ نہیں کر رہا یا مجھے پروا نہیں[illegible] تمہیں سمجھ جانا چاہیے نا کہ جو میرا دل چاہے[illegible] وہی کروں گا۔"

"یہ سب غلط ہے عدید۔"

"کیا صحیح ہے اور کیا غلط' میں بھلا چکا ہوں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرایا پھر مزید گویا ہوا۔

"اور تمہیں بھی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم یہ سب میری وجہ سے کر رہے ہو نا۔" اس نے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے مختصراً" جواب دیا۔

"مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے عدید پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

اس کی بات پر وہ ریلنگ پر سے ہاتھ ہٹا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور سینے پر ہاتھ باندھے رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

"کون سی غلطی کا احساس؟" اس نے سوال کیا۔

"یہی کہ میں نے ماموں جان اور مامی جی کو بہت غلط سمجھا تھا اور یہ کہ۔"

"اسٹاپ اٹ ماہی۔" وہ بول رہی تھی کہ اس نے یکدم ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"تم نے انہیں غلط سمجھا تھا نا تو جاؤ جا کر انہی سے یہ ساری باتیں کہو۔"

اس کی آواز قدرے سخت تھی اس بار۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر بھی سختی نمایاں تھی۔

اسے تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے بتائے کہ وہ اس دن بہت سی باتیں غلط بول گئی تھی۔ اسے بس اس سے شکایت تھی ناراضی تھی لیکن اس کی یہ شکایت اور یہ ناراضی اتنی شدت اختیار کر گئی تھی کہ وہ اسے ہی تکلیف پہنچا چکی تھی۔ وہ بہت شرمندہ اور پشیمان سی تھی کہ جس نے اس کی خاطر اتنا سروائیو کیا اور لٹنا کچھ سہا وہ اسے ہی سمجھ نہیں پائی۔

اس دن اس کے رونے نے اس کے اندر بہت کچھ جھنجھوڑ ڈالا تھا لیکن وہ خود سے اس کے سامنے جانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی وہ تو ماموں جان اور مامی جی سے فون پر بات کرتے ہوئے بھی اندر ہی اندر شرمندہ ہوئی

جا رہی تھی جس کی اتنی برسوں کی محبت کے جواب میں ذرا سی آزمائش کرنے پر اس نے اپنے دل میں ان کے خلاف اتنے محاذ بنا ڈالے تھے۔ لیکن ماموں جان اور مامی جی سے تو وہ بھی معذرت کر چکی تھی لیکن اس نے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھا جو اسے ہمیشہ سے ہی مناتا چلا آیا تھا لیکن آج وہ خود خفا ہوا تو اس کے اوسان ہی خطا ہو گئے تھے اور اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیسے بات کرے؟ کیسے منائے اسے ٹیرس پر سوچتا چھوڑ کر وہ دوبارہ اندر جا کر صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"پلیز عدید تم مان کیوں نہیں رہے؟" اس نے اکتا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم نے مجھے منایا ہے؟" وہ اس کی کیفیت سے شاید حظ اٹھا رہا تھا۔ تبھی سوالیہ انداز میں حیرت سے بولا۔

"تو اور کیا کر رہی ہوں میں اتنی دیر سے؟" اس نے تپے تپے سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہیں تو منانا ہی نہیں آتا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا جسے وہ سن نہ سکی تھی۔

"ان پر سائن کر دو پلیز۔" سامنے ٹیبل پر رکھی فائلز کو کھول کر اس کے آگے پھیلا کر رکھتے ہوئے اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ پلکیں جھکا گئی تھی۔

"کیونکہ میں تمہارا نقصان نہیں چاہتی عدید۔" وہ بمشکل آنکھوں میں آئی نمی کو اندر کہیں دھکیلتے ہوئے اسے دیکھ کر بولی۔

"میرے کون سے نقصان کی بات کر رہی ہو تم؟" اسے لائن پر آتے دیکھ کر وہ ذرا نرم پڑ گیا۔

"تمہارے کسی بھی نقصان کو میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ ضبط سے بولی۔

"میرے لیے سب سے قیمتی تو تم ہو اس کے علاوہ مجھے کسی نقصان کا نہ ڈر ہے اور نہ پروا۔" وہ پوری سچائی سے بولا۔ وہ جواباً خاموش ہی رہی۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" اس کی اس اچانک پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ پہلے کی نسبت اس کا مو[ڈ] بہتر تھا۔

"میں تم سے آفس کی بات کر رہی ہوں عدی[د] تم۔" وہ آگے کچھ نہ بول سکی۔

"اور میں صرف اپنے اور تمہارے متعلق بات [کر] رہا ہوں اور کرنا چاہ رہا ہوں۔ جب تک تم مجھے نہیں کہو گی میں آفس کے بارے میں بات نہیں کرو[ں] گا۔" اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"عدید پلیز تمہارے سائن ان پیپرز پر بہت ضرو[ری] ہیں اگر نہیں کیے تو بہت سے پرابلم ہو سکتے ہیں۔" اسے منانے والے انداز میں بولی جس کا اس پر مطل[ق] کوئی اثر نہ ہوا۔

"ان پیپرز پر سائن کرنے سے پہلے میں تمہار[ے] ساتھ نکاح کے پیپرز پر سائن کروں گا اس کے بعد [ان] کی باری آئے گی اگر تم چاہتی کہ مزید کوئی لوس نہ [ہو] یقیناً تم انکار نہیں کرو گی۔"

اس کی بات پر جہاں اس کا دل زور زور سے دھ[ڑک] اٹھا تھا اور چہرے پر رنگ بکھرے تھے وہیں اسے بُر[ی] طرح غصہ بھی آ گیا تھا۔

"تم مجھے ٹریپ کر رہے ہو عدید۔" اس نے اپ[نے] لہجے کی سختی کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا جس کی ضد [نے] پہلے ہی بزنس میں بہت نقصان کر ڈالا تھا۔

"ٹریپ تو تب کرتا جب تم مجھ سے محبت نہ کر[تی] ہوتیں اور میں زبردستی تمہیں شادی کرنے پر مجبو[ر کرتا] بہرحال تم اگر چاہتی کہ مزید کچھ نہ ہو تو پہلے مجھ [سے] نکاح کرو اور تم سائن ابھی کرانا چاہتی ہو تو تمہیں [نکاح] بھی ابھی کرنا ہو گا۔" وہ پختہ لہجے میں بول رہا تھا۔

وہ اس کی اس عجیب سی منطق پر حیران ہوئے [بنا نہ] رہ سکی تھی۔

"میں، میں کروں گی عدید جو تم کہو گے وہی۔ لیکن..." وہ بمشکل اتنے الفاظ منہ سے نکال پائی تھی۔ [تم]

کسی طور راضی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"نہیں پہلے نکاح ہو گا پھر پیپرز پر سائن۔" اسے مانتے دیکھ کر وہ بھی قدرے نرمی سے بولا۔

"تم ہر بات اپنی منواتے ہو عدید۔" اسے غصہ آ گیا تھا۔

"ہر بات کا تو پتا نہیں لیکن یہ بات ضرور منوا کر رہوں گا۔" وہ پورے یقین کے ساتھ بولا تو وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

وہ اس کی ضد کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی سو مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور تن فن کرتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں رات گیارہ بجے تک تمہارے جواب کا انتظار کروں گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ گیارہ بجے کے بعد میرا یہ والا ارادہ بھی بدل جائے۔" اسے اپنے پیچھے اس کی آواز سنائی دی پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی وہ بھرپور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اور پھر رات پونے گیارہ بجے فاطمہ بجو کا فون آ چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں کہ ماہین نے ہاں کر دی ہے۔

وہ بالکل ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ ایک دم تازہ اتنے دنوں کی ساری کلفت ایک لمحے میں دور ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہی دن صبح دس بجے ان کا نکاح قرار پا گیا تھا۔ جس میں احسن سمیت تمام گھر والے شامل تھے۔ ماما پاپا بھی بے حد خوش تھے انہوں نے موقع پر فون کر کے دونوں کو خوب ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا تھا۔ رخصتی ان کے پاکستان آنے تک ملتوی کر دی گئی تھی۔ ہر چہرہ کھلتا ہوا اور روشن تھا۔

نکاح کے بعد وہ احسن کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا جب وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا جو شکایتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ان پر سائن کرو۔" اس نے فائلز اس کے آگے رکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا تو بے اختیار اس کی ہنسی نکل گئی اور وہ چپ چاپ تمام پیپرز پر سائن کرنے لگا۔

"یہ لیجیے جناب۔" اس نے تمام پیپرز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔

"اب تو آپ ہماری موت کے پروانے پر بھی سائن کرائیں گی تو بندہ جی جان سے حاضر ہے۔" وہ سینے پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھک کر بولا تو وہ اسے شکایتی نظروں سے گھورنے لگی پھر اس کی اس قدر محبت پر خود کو خوش قسمت تصور کرتی اور اللہ کا شکر ادا کرتی وہاں سے چلی آئی۔

"چل یار آج اپنا وعدہ پورا کر اور مجھے کسی اچھے سے ڈھابے سے کھانا کھلا۔" احسن نے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

"بندہ حاضر ہے میرے دوست۔" وہ آج بے حد خوش اور مطمئن تھا۔ احسن دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کے ہمیشہ رہنے کی دعائیں کرتا اس کے ساتھ سب کے درمیان جا بیٹھا۔
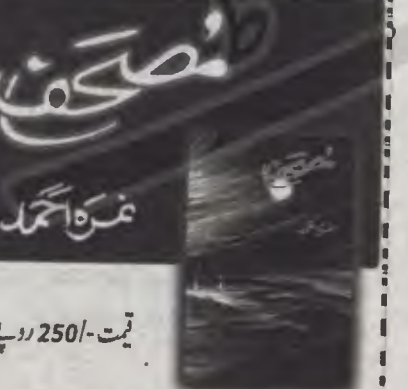
☼ ☼

ناولٹ

میرا ستارہ

نفیسہ سعید

میں جیسے ہی ڈاکٹر احسن تاج کے کلینک سے باہر نکلی اچانک ہی بالکل غیر متوقع طور پر اپنے سامنے ماہین کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ گزرے چھ برسوں نے اس کی شخصیت کو کافی تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ میں اپنی عزیز از جان دوست کو پہچان نہ پاتی۔

"تشمہ..." ماہین کے سرسراتے لبوں سے میرے نام کی ادائیگی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ بھی مجھے پہچان چکی ہے۔ حالانکہ بقول عماد کے میرے جسم پر چڑھی چربی نے مجھ سے میرے اصل نقوش چھین لیے تھے۔ لیکن میں جانتی تھی کہ وہ ایسا عموماً" مذاق میں کہا کرتا تھا اور پھر پہچان کا مرحلہ طے کرتے ہی ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ چکی تھیں اور پھر وہیں کھڑے کھڑے ایک دوسرے سے حال احوال دریافت کرتے ہمیں کافی دیر ہو گئی۔ ہوش تو اس وقت آیا جب ماہین کی گود میں موجود اس کی معصوم بچی رونے لگی اور ایسے میں ہی مجھے بھی احساس ہوا کہ بچوں کا اسکول سے واپسی کا وقت ہو چکا ہے اور پھر دل نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس سے رخصت ہونا پڑا' لیکن جاتے جاتے بھی میں اسے اپنا فون نمبر اور ایڈریس دینا نہ بھولی تھی۔

"یہ میرا ایڈریس اور فون نمبر ہے' اب رابطہ میں رہنا۔"

میں نے جلدی جلدی کاغذ پر چند سطریں کھینچ کر اس کے حوالے کیا جبکہ اس کا فون نمبر میں اپنے سیل فون پر فیڈ کر چکی تھی اور اب جلد از جلد گھر جا کر عماد کو آج کی اپنی اس ملاقات کا احوال من و عن بتانا چاہتی تھی اور پھر گھر پہنچ کر میں نے اس دن عماد کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا اور شام میں جب تک وہ گھر آیا میں گھر کے تمام کام سمیٹ چکی تھی معیز اور معاذ اپنا ہوم ورک کر رہے تھے۔ جبکہ معیث سو رہا تھا۔ کیونکہ پچھلے دن سے اسے بخار تھا اور اسی کو لے کر میں ڈاکٹر تاج کے کلینک گئی تھی جہاں اتفاق سے میری ملاقات ماہین سے ہو گئی۔ عماد کو پہلے تو میں نے معیث کی طبیعت بتایا اور پھر فوراً" ہی وہ خبر سنائی جسے سن کر مجھے یقین تھا کہ وہ بھی کچھ کم حیران نہ ہو گا۔

"تمہیں پتا ہے آج ڈاکٹر تاج کے کلینک پر میری ملاقات کس سے ہوئی؟" مارے اشتیاق کے مجھ سے برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے ہی وہ فارغ ہو کر بیٹھا میں بے ساختہ بول اٹھی۔

"کس سے ہو گئی؟" وہ اپنا لیپ ٹاپ اٹھا چکا تھا۔ لیکن اسے آن کرنے سے قبل اس نے پلٹ کر میری جانب دیکھا۔

"بوجھو تو جانیں۔"

"بوجھ تو نہیں سکتا' لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ملنے والی ہستی ضرور کوئی خاص الخاص ہی ہو گی' جب ہماری زوجہ محترمہ اتنی خوش نظر آ رہی ہیں کہ چہرے پر سو واٹ کا بلب روشن ہو رہا ہے۔" عماد نے بڑے پیار سے مجھ پر ایک نظر ڈال کر جواب دیا۔

"خیر شخصیت تو یقیناً" ایسی ہی تھی کہ سن کر آپ بھی شاکڈ ہی رہ جائیں گے۔" میں نے ذرا سا وقفہ دے کر عماد کی جانب نظر ڈالی جو میری طرف ہی متوجہ تھا۔

"مجھے آج ماہین ملی تھی۔" اب مجھ سے مزید صبر نہ ہوسکا اور میں بول ہی پڑی اور میں توقع کررہی تھی اس کے برعکس اس نے ایک سپاٹ نظر مجھ پر ڈالی اور پھر کسی بھی حیرت یا خوشی کے بجائے اس کے چہرے پر یک دم ہی گہری سنجیدگی سی چھاگئی۔

"آج کھانے میں کیا پکایا ہے؟" اور میں جو عماد کے موڈ کو ایک ہی پل میں سمجھ جاتی تھی۔ فوراً" سمجھ گئی کہ اسے میرا ماہین سے ملنا ناگوار گزرا ہے اور اس کی وجہ یقیناً" یہی تھی کہ وہ آج تک ماہین کی اس بے وفائی کو نہیں بھولا تھا جو اس نے رحمان کے ساتھ کی تھی جس کے نتیجہ میں رحمان پچھلے چھ سالوں سے اسپین میں مقیم تھا اور اس نے ان گزرے چھ برسوں میں ہم سے کبھی کوئی رابطہ ہی نہ رکھا تھا۔ ہاں البتہ پھوپھو سے ہمیں اس کے بارے میں پتا ضرور چل جاتا تھا۔

عماد کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہی میں بھی خاموش ہوگئی اور دل ہی دل میں عہد کرلیا کہ اب مجھے ماہین سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا' کیونکہ شاید یہی میرے گھریلو مفاد میں بہترین تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اپنے عہد پر سختی سے قائم رہتی میرے خیال کے بالکل برعکس اگلے ہی ہفتہ اچانک ہی وہ میرے گھر آگئی اور میں جو یہ سمجھ رہی تھی کہ میرے رابطہ نہ کرنے سے یہ سلسلہ بحال ہی نہ ہوگا اب اس بات پر پچھتائی کہ کیوں اسے اپنا پتا اور فون نمبر دیا۔ لیکن بہرحال جو ہونا تھا ہوچکا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں اس کا سواگت دل کی گہرائیوں سے کرتی۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ وہ شاید پیر یا منگل کا دن تھا' میں کھانا کھاکر اپنے کمرے میں قیلولہ کررہی تھی۔ کیونکہ میری شروع سے عادت تھی کہ معیز اور معاذ کے اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھلا کر انہیں بھی سلادیتی اور تقریباً" دو گھنٹے خود بھی سوتی' تاکہ شام کو عماد کے گھر آنے سے قبل فریش ہوسکوں' ابھی بھی وہ دونوں اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ جبکہ معیث بھی سوچکا تھا اور قبل اس کے کہ میں بھی سوجاتی خلاف توقع آمنہ نے مجھے کسی غیر متوقع مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ جو غالباً" کوئی خاتون تھیں۔ اس وقت کسی کے آنے کر مجھے کوفت ضرور ہوئی۔ لیکن پھر بھی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ بس یہی سوچ کر پاؤں سلیپر پہن کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ جہاں صوفہ قریب ہی ماہین کھڑی تھی۔ بلیک اور ریڈ لان کے سوٹ میں آج بھی اپنی ازلی خوب صورتی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اس دن کی ملاقات میں مجھے اس کے چہرے پر جو زردی دکھائی دی تھی آج اس میں نمایاں کمی آرہی تھی۔ جبکہ اس کا سڈول اور متناسب جسم یہ لگتا ہی نہ تھا کہ وہ تین عدد بیٹیوں کی ماں ہے۔ آج بنی سنوری سک سے تیار ماہین اس دن کے حلیہ سے قدرے مختلف نظر آرہی تھی۔

ماہین کو دیکھتے ہی مجھے پہلا خیال عماد کا آیا۔ لیکن اگلے ہی پل میں نے اسے جھٹک کر ماہین کو گلے لگایا اور پھر وہ ساری دوپہر بنا کسی اندیشے کے میں نے خوب ہنس بول کر ماہین کے ساتھ گزاری۔

ماہین سے ہونے والی گفتگو سے میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ آج کی ماہین کل والی ماہین سے قدرے مختلف تھی۔ گزرتے وقت نے ماہین کو کافی تبدیل کردیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ پر اعتماد ہوچکی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ڈری سہمی ماہین جو اپنی ماں اور بڑی بھابھی کی آواز سن کر کانپ جایا کرتی تھی آج اتنے اعتماد سے اکیلی ٹیکسی سے سفر طے کرکے مجھ سے ملنے آئی تھی۔ مجھے وہ وقت یاد آیا جب وہ ہر وقت اپنے چار عدد بھائیوں کے زیر عتاب رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے گھر کے گھٹے ہوئے ماحول سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے گھر کے قریب ہی ایک ووکیشنل سینٹر جوائن کرلیا تھا۔ کیونکہ اسے کالج پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور اس ووکیشنل سینٹر میں اپنی دوست کی خاطر ایک گھنٹہ میں' میں بھی جایا کرتی تھی۔ حالانکہ مجھے سلائی کڑھائی سے بالکل بھی شغف نہ تھا۔

ووکیشنل سینٹر یاد آتے ہی کئی پرانی یادیں چھم سے میرے ذہن میں اتر آئیں اور مجھے یاد آیا کس طرح وہاں ہم سے ملنے عماد آیا کرتا تھا اور ایسے میں اکثر و بیشتر اس کے ساتھ رحمان بھی ہوتا جو صرف ماہین کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آتا تھا۔ کیونکہ ایک دم ڈرپوک ماہین اسے اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا جاتی تھی اور اس کے منہ سے کوئی آواز ہی نہ نکلتی تھی۔ اس وقت کو یاد کرتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ اتر آئی اور پھر اس دن ہم نے گزرے وقت کو یاد کرکے خوب انجوائے کیا میری اور عماد کی بے تابیاں یاد کرکر کے وہ خوب ہنسی اور پھر ہم سے ہوتے ہوئے بات رحمان کی بے قراری تک جا پہنچی جسے یاد کرکے ہنستے ہنستے ماہین کی آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں اور ایسے میں جب ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی باتوں میں گم تھے۔ اچانک ہی گھڑی نے چھ کا گھنٹہ بجایا' جسے سنتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"اف میرے خدا چھ بج گئے' پتا ہی نہیں چلا۔" وہ یک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور میں چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکی کہ رات کا کھانا کھاکر جاؤ' تمہیں عماد چھوڑ آئے گا۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ عماد تو ماہین کو اپنے گھر میں دیکھ کر ہی ناراض ہوگا۔ اس لیے میں بھی چاہتی تھی کہ وہ اس کی گھر واپسی سے قبل ہی چلی جائے۔

"تمہاری بیٹیاں گھر میں کس کے پاس ہوتی ہیں؟" چار گھنٹے کی طویل ملاقات میں مجھے پہلی بار اس کی بیٹیوں کا خیال آیا۔

"میری نند کے پاس وہ طلاق کے بعد ہمارے ساتھ ہی رہتی ہے۔" ماہین کے جواب دیتے دیتے اپنا دوپٹہ درست کیا اور ہینڈ بیگ اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

"واپس بھی اکیلی ہی جاؤگی؟"

"ہاں ظاہر ہے اب خرم کو کیا پتا کہ میں تمہارے گھر ہوں۔ ویسے بھی اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ ان جھمیلوں میں پڑے۔"

"کیوں وہ ایسا کہاں مصروف ہوتا ہے؟ اور تم نے اسے بتایا نہیں کہ تم میرے گھر آرہی ہو؟" میں نے اچنبھے سے سوال کیے' مجھے حیرت تھی کہ ماہین بنا اپنے شوہر کی اجازت کے ساری دوپہر میرے ساتھ گزار کر جارہی تھی۔ جبکہ میں جب بھی کہیں جاتی رسمی طور پر ہی سہی عماد سے پوچھتی ضرور' میرے نزدیک اکیلی عورت کا اس طرح شتر بے مہار پھرنا بالکل بھی درست نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے تحت ماہین جیسی ایک ڈرپوک لڑکی اتنے دھڑلے سے بنا شوہر کی اجازت میرے گھر آگئی۔

"بس یار کیا بتاؤں تمہیں تو پتا بھی نہ ہوگا ایک سرکاری ملازم کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنسی۔

"اصل میں وہ دوپہر گیارہ بجے تک ایک سرکاری ادارے میں حاضری لگواکر نکل جاتا ہے اور پھر دوسری جگہ پرائیویٹ نوکری کرتا ہے۔ ورنہ اس کی ایک تنخواہ میں اس مہنگائی میں گزارہ کرنا کس قدر دشوار ہے تم اندازہ نہیں لگاسکتیں۔" وہ درست کہہ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کا حلیہ دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ

مشکل سے گزارہ کرنے والی عورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بھائی اس کی مدد کرتے ہوں اور یقیناً" ایسا ہی تھا۔

"چلو اچھا اب اجازت دو اللہ حافظ۔" میرے گالوں کو پیار سے چھو کر جیسے ہی وہ لاؤنج سے باہر نکلی یک دم ہی سامنے عماد آگیا' جانے کیسے آج وہ معمول سے کافی دیر قبل ہی گھر آگیا تھا۔

"ارے ماہین تم کب آئیں؟" اس کی خوشی سے سرشار آواز سن کر میں نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا اور میرا وہ سانس جو عماد کو دیکھتے ہی سینے میں ہی کہیں پھنس گیا تھا۔ خارج ہو گیا۔ شکر ہے اللہ کا ورنہ میں تو جانے کیا کیا سوچ کر ڈر رہی تھی۔ لیکن مجھے ابھی بھی یقین نہ آرہا تھا کہ ماہین کے ذکر پر اتنا بے رخی اختیار کرنے والا عماد اس وقت کس قدر خوش نظر آرہا ہے۔ ایسے جیسے درمیان میں چھ سال کا طویل وقفہ آیا ہی نہ ہو۔

"میں تو جناب دوپہر سے آئی ہوئی ہوں۔ آپ ہی جانے کہاں غائب تھے۔" [illegible] کے درمیان یہ ازلی بے تکلفی شروع سے ہی تھی۔ ان کو اس طرح بات چیت کرتے دیکھ کر میں یک دم ہی شانت ہو گئی۔

"اب تو عماد آگئے ہیں۔ تم رات کا کھانا کھا کر جانا' ہم تمہیں گھر چھوڑ دیں گے۔" میں نے اسے بازو سے تھام کر اندر لے جاتے ہوئے کہا اور پھر اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے ڈنر ہمارے ساتھ ہی کرنا پڑا۔ اس سے قبل اس نے اپنے گھر فون کر کے دیر سے واپسی کے متعلق اطلاع دے دی تھی اور رات تقریباً" نو بجے جب میں اسے واپس چھوڑنے گئی تو اس کا علاقہ جہاں وہ رہائش پذیر تھی دیکھ کر حیران ہی رہ گئی اور پھر حیرت کا شدید جھٹکا مجھے اس کا مکان دیکھ کر ہوا۔ جس کی پسماندگی مکینوں کی حالت زار بیان کر رہی تھی اور اس مکان میں داخل ہوتی ہوئی ماہین اس گھر اور علاقہ کا حصہ ہی دکھائی نہ دے رہی تھی۔

"یا خدا کبھی کبھی ماں' باپ اپنی ذرا سی ضد میں اپنی اولاد کا کس طرح بیڑہ غرق کرتے ہیں۔" خود بخود میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے اور میں نے عماد پر ایک [illegible] ڈالی جو گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"صحیح کہا تم نے' کہاں رحمان جیسا شان [illegible] مستقبل کا حامل بندہ اور کہاں ایک لوئر مڈل کلاس [illegible] بھی کم تر سرکاری ملازم جس پر اپنی ماں کے ساتھ [illegible] چھ بہنوں کا بھی بوجھ تھا۔" گاڑی آہستہ آہستہ [illegible] بڑھاتے ہوئے وہ بولا اور میں دل ہی دل میں ماہین [illegible] موجودہ زندگی کا موازنہ خرم اور رحمان سے کرنے [illegible] جس کے واضح فرق نے میری طبیعت کو خاصا مکد[illegible] اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں ماہین کی محبت [illegible] گنا بڑھ گئی۔ جس نے محض ماں' باپ کی عزت [illegible] خاطر سب کچھ تج کر اس پسماندہ زندگی کا انتخا[illegible] کیا۔ ورنہ اگر وہ چاہتی تو اس وقت عماد کے کہنے [illegible] مطابق رحمان سے کورٹ میرج کر کے آج ایک خو[illegible] حال زندگی بسر کر رہی ہوتی۔ لیکن اس سے ہٹ کر [illegible] ذرا دیر کو یہ سوچ لیا جائے کہ ہمیشہ ہوتا وہی [illegible] ہمارے مقدر میں لکھا ہوتا ہے تو شاید زندگی اتنی مش[illegible] نہ رہے اور یقیناً" ماہین کے مقدر میں جیسی زند[illegible] لکھی تھی۔ وہی وہ گزار رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماہین آج صبح سے ہی میرے گھر تھی اور میں [illegible] میں اس کی پسند کا کھانا تیار کروا رہی تھی۔ جبکہ وہ [illegible] لان میں معیز کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ اس کے ہمراہ اس کی پانچ سالہ بیٹی پریشے بھی تھی۔ وہ اکثر و بیشتر ہی میرے گھر آجایا کرتی تھی اور [illegible] واپسی میں اسے میں اور عماد ڈراپ کر دیتے تھے۔ [illegible] تک کہ ایک' دو دفعہ باہر آؤٹنگ پر جاتے ہوئے بھی [illegible] نے اسے اپنے ہمراہ لے لیا تھا اور اس تمام عرصہ [illegible] گھر کے باہر ہی میری ایک ملاقات اس کے شوہر [illegible] سے بھی ہوئی تھی۔ جس کی دبی دبی سی شخصیت [illegible] میرے سامنے ایک بار پھر پورے کروفر کے ساتھ [illegible] رحمان کو لا کھڑا کیا اور پھر یہ سوچ کر کہ جوڑے آسمان [illegible] پر بنتے ہیں' میں نے خود کو تسلی دینے کی ایک نا[illegible] کوشش کی تھی۔ ورنہ کہاں خرم اور کہاں ایک شان دار شخصیت کا حامل رحمان احمد' جو ماہین پر اپنی جان تک نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زاہدہ آنٹی کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ ماہین سے دستبردار ہونے کو رضامند نہ تھا۔

ماہین اس کی زندگی کی ایک ایسی خواہش تھی' جس کے حصول کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اپنی قسمت سے نہ لڑ سکتا تھا اور ان دنوں مجھے اکثر ہی عماد بتاتا رہتا تھا کہ وہ کس طرح رحمان کی تنہائیوں میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ عماد تو یہ بھی کہتا تھا کہ رحمان اور ماہین کو گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کر لینی چاہیے۔ لیکن شاید اس کے لیے ان دونوں میں سے کوئی بھی آمادہ نہ تھا۔ بہر حال اس وقت کو گزرے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے ہیں۔ اب تو صرف یادیں ہی باقی رہ گئی تھیں جن کی پرچھائیاں مجھے اس وقت بہت ستاتیں جب میں ماہین سے ملتی۔ جانے کیوں مجھے ہمیشہ لگتا ماہین کی ہنسی صرف اس کا بھرم قائم رکھنے کے لیے ہے۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ جو پسماندہ زندگی وہ گزار رہی تھی وہاں رہ کر کوئی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے۔ وہ جب بھی بات کرتی ہمیشہ اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے لیے خوف زدہ نظر آتی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اپنی بچیوں کو اچھی تعلیم نہیں دلا سکتی اور شاید اچھا مستقبل بھی نہ دے سکے۔ لیکن اپنے ایسے یاسیت بھرے خیالات کا اظہار بہت کم ہی وہ مجھ سے کرتی۔ ورنہ عام طور پر ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے خوش نہ سہی' لیکن مطمئن ضرور ہے۔

بہر حال اگر وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی تو ہم کون ہوتے ہیں اس پر ترس کھانے والے۔ لیکن پھر بھی اپنی خدا ترس طبیعت کے مطابق میں بغیر کچھ جتائے کچھ نہ کچھ ماہین کی مدد کر دیا کرتی تھی۔ لیکن بالکل اس طرح کہ جو وہ محسوس نہ کرے آج بھی میں نے اس کی بیٹیوں پریشے اور فرشتے کے لیے خریدے گئے ملبوسات نکال کر ایک شاپر میں ڈال دیے تھے۔ تاکہ جب وہ واپس جائے اس کی بیٹی کو تحفتاً" دے دیے

جائیں اور اس وقت جب میں لنچ تیار کر کے ٹیبل پر لگوا رہی تھی۔ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے عماد بھی جلدی گھر آگیا۔ حالانکہ عام طور پر وہ کبھی بھی لنچ کرنے گھر نہ آتا تھا۔ کیونکہ یہ ٹائم اس کی مصروفیت کا ہوتا تھا۔ عماد کو گھر دیکھ کر میں حیران تو ضرور ہوئی' لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے اچھا بھی لگا اور پھر ہم سب نے لنچ ایک ساتھ کیا۔ لنچ کے بعد عماد کو کسی کام سے باہر جانا تھا اور بالکل اس وقت جب وہ گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلا۔ یک دم ہی ماہین کو کوئی کام یاد آگیا۔ جبکہ اس سے بیشتر اس کا ارادہ چائے پینے کا تھا۔

"چلو میں جاتا ہوا' تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔" عماد نے اسے عجلت میں کھڑا ہوتے دیکھ کر رک کر آفر کی اور پھر وہ عماد کے ساتھ ہی چلی گئی۔ ویسے تو وہ جب بھی آتی شام تک رکتی تھی۔ لیکن جانے کیوں آج بھری دوپہر میں ہی واپس چلی گئی۔ بہر حال سب کے گھر کے اپنے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آج اس کو واقعی کوئی ایمر جنسی کام یاد آگیا ہو۔ ویسے بھی ——

—— مجھے کرید اور تجسس کی زیادہ عادت نہ تھی۔ اس لیے میں جلد ہی مطمئن ہو گئی۔

جانے کیا بات تھی پچھلے کئی دنوں سے ماہین میرے گھر نہ آئی تھی۔ اس کا سیل بھی بند جا رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں وہ کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ میں نے عماد سے کہا کہ وہ مجھے آفس جاتا ہوا کچھ دیر کے لیے ماہین کے گھر چھوڑ دے اور پھر تھوڑے پس و پیش کے بعد وہ آمادہ ہو گیا اور اس کے مانتے ہی میں جلدی سے تیار ہو گئی۔ راستے میں ہم نے بیکری سے ڈھیر سارا سامان اس کی بچیوں کے لیے خریدا اور جب اس دن پہلی بار میں ماہین کے گھر کے اندر داخل ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ باہر سے پسماندہ نظر آنے والا یہ گھر اندر سے اس سے بھی زیادہ خستہ حال ہے اس گھر کی زبوں حالی نے میرے حساس دل کو ایک بار پھر دکھا دیا۔ ماہین کی نند مجھے اندر کمرے میں بٹھا کر جانے کہاں غائب ہو گئی تھی اور پھر اگلے پندرہ منٹ تک میں اس کمرے کا جائزہ لے کر اکتا چکی تھی اور ایسے میں جب میں اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی تو یک دم ہی ماہین آگئی۔ خرم کے سہارے چلتی ہوئی اس کی حالت دیکھتے ہی میں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا تمہیں' سب ٹھیک تو ہے۔" میں نے آگے بڑھ کر اسے تھاما۔

"کچھ نہیں' بس ذرا طبیعت ٹھیک نہیں ہے' فوڈ پوائزن ہو گیا تھا۔" اپنی حالت کا جواز بتاتے ہوئے وہ میرے سہارے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

"اب آپ آئی ہیں تو پلیز اسے سمجھائیں' کچھ کھایا پیا کرے' ایک تو بخار' اس پر یہ کچھ کھاتی بھی نہیں ہے۔" خرم کے لہجہ میں ماہین کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ جبکہ ماہین کی بے زاری بنا کچھ کہے بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"پلیز خرم ذرا جلدی سے کولڈ ڈرنک لے آؤ اور یہ تم اتنا سب کچھ کیوں اٹھا لائی ہو۔" خرم کو منظر سے ہٹاتے ہی وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"ارے پہلی دفعہ تمہارے گھر آئی ہوں۔ آخر کچھ تو اپنی بھانجیوں کے لیے لے کر آنا ہی تھا نا۔" میں نے چھوٹی والی انوشے کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"اور تمہاری طبیعت خراب تھی اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" میں نے شکوہ کرتے ہوئے اس کی زرد' زرد سی رنگت پر نگاہ ڈالی۔

"بس یار کیا بتاؤں سوچا تھا ٹھیک ہو جاؤں تو خود ہی تمہاری طرف چکر لگاؤں گی اور ویسے بھی سچ پوچھو تو مجھے امید نہ تھی کہ تم میرے گھر آجاؤ گی۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولی اور پھر تقریباً" دو گھنٹہ تک کا وقت میں نے اس کے ساتھ گزارہ اور اس دن پہلی بار مجھے ماہین کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی گھریلو زندگی سے خوش تو کیا مطمئن بھی نہیں ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آج بھی رحمان کی یاد ایک کسک بن کر اس کے دل میں موجود ہے اور جب یہ بات میں نے عماد سے کی تو اس نے بھی میرے اس خیال کی سو فیصد تائید کی۔

☆ ☆ ☆

عماد میرے رشتہ کے پھوپھی زاد تھے۔ جن کی پوری فیملی دبئی میں ہی رہائش پذیر تھی اور ان دنوں جب میں صرف سولہ سال کی تھی اور ابھی میٹرک میں زیر تعلیم تھی۔ عماد اپنی والدہ کے ساتھ ایک بار پاکستان آیا تو ہمارے گھر بھی آگیا اور اس ایک ہی ملاقات میں وہ میری محبت میں اس طرح گرفتار ہوا کہ پھر پاکستان کا ہی ہو کر رہ گیا۔ پہلے تو وہ ہر تیسرے' چوتھے مہینے پاکستان آنے لگا۔ پھر اس نے اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود یہاں ہی IBA ———— میں داخلہ لے لیا۔ جبکہ اس کے والد کی سپر اسٹورز کی ایک چین تھی اور ان کے خیال میں اپنا کاروبار سنبھالنے کے لیے کسی ڈگری کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی عماد نے بی بی اے کیا اور اس دوران ایک زوردار معاشقہ کے بعد میری اور اس کی شادی بھی ہو گئی۔ حالانکہ اس شادی کی مخالفت میں اس کے گھر والوں کے علاوہ میری والدہ بھی شامل تھیں۔ کیونکہ انہیں عماد کی والدہ بالکل بھی پسند نہ تھیں۔ جبکہ ہمارے اسٹیٹس میں بھی زمین آسمان کا فرق تھا اور یہی چیز میری والدہ کو پریشان کر رہی تھی۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ نصیب کا لکھا ٹالا نہیں جا سکتا تو میرے نصیب میں بھی عماد لکھ دیا گیا تھا جو مجھے حاصل ہو گیا۔

جس پر میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ان دنوں جب بھی میں عماد سے ملی ہمیشہ ماہین میرے ہمراہ ہی ہوتی۔ ستارہ سی روشن آنکھوں والی سیدھی سادی ماہین جس کی کھنک دار ہنسی ہم دونوں کو بہت اچھی لگتی۔ ہماری ملاقاتوں کی ہمیشہ امین رہی اور پھر میری منگنی کے موقع پر عماد کے کزن رحمان کو وہ اس قدر بھائی کہ مانو وہ اس کا شیدائی ہی ہو گیا اور پھر جب جب عماد ہمارے گھر آتا وہ بھی ہمیشہ ساتھ ہی ہوتا اور ایسے میں جانے کتنے پاپڑ بیل کر میں ماہین کو اپنے گھر لے کر آیا کرتی تھی۔

شروع شروع میں تو ماہین رحمان کے نام سے ہی بدکتی تھی۔ جس کی وجہ یقیناً" اس کے گھر کا قدامت پسند ماحول تھا۔ وہ چار بھائیوں سے چھوٹی تھی اور بھائی بھی نرے جلاد جو ذرا' ذرا سی بات پر اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہ دریغ کرتے تھے۔ ویسے بھی سننے میں آیا تھا کہ بچپن سے ہی اس کا رشتہ اپنے چچا کے گھر پر طے پا چکا تھا۔ لیکن اس بات کا ذکر کبھی بھی ماہین مجھ سے نہ کرتی تھی اور اس کی دل آزاری کے خیال سے کبھی میں نے بھی نہ کریدا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود گزرتے وقت نے آہستہ آہستہ ماہین کے دل میں بھی رحمان کی محبت کو بھر دیا اور اس کی اس دلی کیفیت کا سب سے پہلے مجھے ہی پتا چلا' کیونکہ جب بھی عماد اور رحمان ہمارے گھر آتے ماہین کی آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگتے۔ اب تو اگر رحمان میرے توسط سے اسے کوئی گفٹ دیتا تو وہ بھی خاموشی سے رکھ لیتی۔ یہاں تک کہ جب بھی ہم کبھی باہر گئے وہ بھی کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر ہمارے ساتھ ہی ہوتی۔

اس وقت جب رحمان کی مما' زاہدہ آنٹی اس کے لیے رشتہ تلاش کر رہی تھیں۔ رحمان نے نہایت اطمینان سے ماہین کا نام لے دیا۔ ہو سکتا ہے ایسا اس نے ماہین سے پوچھ کر ہی کیا ہو' لیکن پھر بھی جس دن زاہدہ آنٹی' امی کے ساتھ ماہین کے گھر گئیں مجھے لگ رہا تھا کہ ضرور کچھ ہونے والا ہے اور وہ تمام وقت میں نے بدترین خدشات میں گھر کر گزارہ اور پھر میرے خدشات درست ثابت ہوئے۔ رحمان کے رشتہ کا سن کر ماہین کے گھر والوں کا رد عمل اتنا شدید تھا کہ امی بھی حیران رہ گئیں۔ انہوں نے بنا کسی لحاظ و مروت کے امی کے ساتھ ساتھ زاہدہ آنٹی کی بھی جی بھر کے بے عزتی کی۔ اس کی والدہ نے اتنا واویلا کیا کہ الاماں' ان کا کہنا تھا کہ ماہین کا خرم سے رشتہ اس کی رضامندی سے طے کیا گیا ہے اور میں ماہین کو ورغلانے کی ذمہ دار ٹھہری۔ اس کی والدہ کا کہنا تھا کہ ان کی بیٹی نا صرف سیدھی سادی' بلکہ نہایت ہی شریف النفس بھی ہے اور رحمان کو ان کے گھر بھیجنے میں میرا کردار سب سے اہم ٹھہرایا گیا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ماہین اس مسئلہ میں بالکل خاموش تماشائی بنی رہی۔ اس کا رد عمل بالکل ایسا تھا جیسے اسے رحمان کے متوقع رشتہ کے بارے میں بالکل بھی علم نہ تھا اور یہ سب

کچھ امی کی زبانی سن کر مجھے شدید ترین غصہ آیا۔ لیکن اپنے غصہ کا اظہار کرنے کا موقع مجھے یوں نہ ملا کہ اگلے پندرہ دن کے اندر ماہین، خرم کے ہمراہ رخصت ہو گئی۔

اس کی شادی کی تقریب میں ہمارے گھر والوں کو مدعو بھی نہ کیا گیا اور پھر اس طرح جب میری شادی عماد سے ہوئی تو ماہین کے گھر کے کسی فرد نے شرکت نہ کی۔ حالانکہ ہم نے محلہ داری کے ناتے کارڈ بھیجنا فرض سمجھا تھا اور پھر ہمارا ان سے رابطہ بالکل ختم ہو گیا اور آج بھی ایک ہی محلہ میں رہنے کے باوجود ہمارا اس گھرانے سے بالکل میل ملاپ نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اور عماد نے ماہین سے ہونے والی اپنی موجودہ ملاقاتوں کا ذکر گھر میں کسی سے نہ کیا۔ ویسے بھی پچھلے کچھ دنوں سے پھوپھو دبئی سے آئی ہوئی تھیں۔ پہلے کی نسبت ان کا رویہ مجھ سے خاصا بہتر ہو چکا تھا۔ وجہ غالباً" یہ تھی کہ میں نے ان کے اکلوتے بیٹے کو تین عدد وارث دیے تھے۔ اس لیے بھی شاید سسرال میں میری عزت پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

پھوپھو کو رحمان والے قصہ کا نا صرف علم تھا بلکہ وہ ماہین سے بھی واقف تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ماہین کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ پھوپھو کی موجودگی میں وہ گھر نہ آئے۔ مجھے علم تھا پھوپھو اسے پسند نہیں کرتی تھیں۔ البتہ فون پر اکثر و بیشتر ہی میں بات کر کے اس کی خیریت دریافت کر لیا کرتی تھی۔ اس دن کے بعد میں اس کے گھر جانے کا حوصلہ کبھی خود میں پیدا نہ کر سکی۔

☼ ☼ ☼

وہ ہی دن رات کا دورانیہ ہے
وہ ہی کار جہاں ہے اور میں ہوں
نہ جانے کون تھک جائے پہلے
میری عمر رواں ہے اور میں ہوں

وقت دبے پاؤں بیتا جا رہا تھا۔ اس دفعہ پھوپھو تقریباً" چھ ماہ کے لیے کراچی آئی تھیں۔ ان کو ہارٹ پرابلم تھا۔ جس کا علاج یہاں کے ایک بڑے اسپتال میں ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اب پھوپھو پہلے سے خاصی تبدیل ہو چکی تھیں۔ ان کی طنزیہ گفتگو نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ اس لیے بھی مجھے ان کی اپنے گھر رہائش سے کوئی پرابلم نہ تھی۔ لیکن جب بھی میری ماہین سے بات ہوتی وہ پھوپھو کی موجودگی کا سن کر بڑا ناراض ہوتی۔

"کیا ہے یار یہ کب جائیں گی۔ پتا ہے کتنے دن ہو گئے تم سے ملے ہوئے۔" اس کی بات کسی قدر درست بھی تھی۔ لیکن میں اسے اپنے گھر بلانے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ اس کی بات سن کر ہنس دیتی اور اسے سمجھاتی۔

"پھوپھو بیمار ہیں۔ ایسے میں اکلوتی بہو ہونے کے ناتے میں ان کی خدمت نہ کروں گی تو کون کرے گا۔"

"بڑا جگر ہے بھئی تمہارا مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تمہاری ساس نے تمہارے رشتے میں کتنی رخنہ اندازی ڈالی تھی۔" وہ مجھے گزرا وقت یاد دلاتی، جو مجھ سے زیادہ اسے یاد تھا۔

"چلو یار جانے دو، سب کے اپنے اپنے اعمال ہیں۔ بہرحال اب وہ میرے ساتھ بہت اچھی ہیں۔ لہٰذا میرا بھی فرض بنتا ہے کہ میں بھی ان کی خوب خدمت کروں۔" میں اسے مطمئن کر کے فون بند کر دیتی عماد پر آج کل دوہری ذمہ داری بڑھ گئی تھی۔ اپنا کاروبار، گھر اور پھر پھوپھو کے ساتھ اسپتال کے چکر، یہی وجہ تھی کہ ہمارا باہر جانا بہت کم ہو رہا تھا۔ ورنہ میں کسی دوست سے ملنے کا بہانہ بنا کر ایک، دو دفعہ تو ماہین سے ضرور مل آتی۔ کام کی بے تحاشا مصروفیت کی بنا پر آج کل عماد بھی کچھ تھکا تھکا سا رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ مجھے چڑچڑا بھی محسوس ہوتا۔ اسی لیے میں امی کی طرف بھی نہ جا پا رہی تھی۔ زندگی بہت ہی بے کل سی ہو گئی تھی۔ بالکل روکھی پھیکی، حالانکہ مجھے اس طرح کی زندگی بالکل بھی پسند نہ تھی۔ میں تو زندگی میں شور شرابا اور ہلا گلا کی قائل تھی۔ شاید یہی محسوس کرتے ہوئے بنا میرے کہے عماد مجھے اور بچوں کو اس وقت لنچ کروانے کے الیف سی لے گیا۔ جب ہم پھوپھو کے چیک اپ کے لیے اسپتال آئے تھے اتنی مصروفیت میں بھی عماد نے جو وقت میرے اور بچوں کے لیے نکالا اس نے میری روح کو سرشار سا کر دیا۔

آج ہمیں پھوپھو کے ساتھ باہر ڈنر پر جانا تھا۔ میں پھوپھو اور بچے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ جبکہ عماد ابھی تک شو روم سے ہی نہ آئے تھے۔ حالانکہ عام طور پر وہ سات بجے تک گھر آجاتے تھے۔ جبکہ اب گھڑی نو کے ہندسے پر تھی۔ دو دفعہ میں نے فون کیا۔ جسے ریسیو کیے بغیر ہی ڈسکنکٹ کر دیا گیا۔ جس کی بنا پر میرا موڈ سخت آف ہو گیا اور جب دس بجے کے قریب وہ گھر آیا تو میرا موڈ ویسا ہی تھا جس پر بنا کوئی دھیان دیے عماد اپنے کام میں مشغول رہا۔

"میرے کپڑے نکال دو، میں نہا کر آتا ہوں، پھر چلتے ہیں۔" مجھے ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ اپنا موبائل چارجنگ پر لگا کر وہ تیزی سے باتھ روم میں گھس گیا۔ میں نے خاموشی سے اٹھ کر اس کے کپڑے نکالے اور ہینگر سمیت ہی بیڈ پر رکھ دیے اور پھر میں ریک کی جانب بڑھی، جہاں اس کے میچنگ جوتے موجود تھے۔ قبل اس کے کہ میں جوتے نکالتی اچانک ہی عماد کا موبائل بج اٹھا۔ جیسا کہ میں نے شاید آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ مجھے کبھی بھی زیادہ تجسس کی عادت نہ رہی تھی۔ اس لیے بنا موبائل پر دھیان دیے خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔ لیکن جانے دوسری طرف کون تھا یا شاید دوسری جانب موجود شخصیت کو کوئی شدید قسم کی ایمرجنسی تھی کہ فون بند ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔ آخر کار نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے آگے بڑھ کر کال ریسیو کرنی پڑی۔ لیکن میری آواز سنتے ہی فون بند ہو گیا۔ نمبر کوئی نیا ہی تھا۔ کیونکہ وہ عماد کے موبائل میں فیڈ نہ تھا۔ پھر بھی جانے کیوں وہ نمبر مجھے دیکھا بھالا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے آخر کے تین عدد کسی بھی ایسے نمبر کے تھے جو میرے پاس بھی موجود تھا۔

"کس کا فون ہے؟" عماد باتھ روم سے باہر آچکا تھا اور اب تولیے سے سر صاف کرتا ہوا میرے قریب آ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں کوئی بولا نہیں۔" آہستہ سے جواب دے کر میں آگے بڑھ گئی۔ لیکن میرے ذہن میں ایک عجیب سی خلش سی پیدا ہو گئی۔ جسے میں کوئی نام نہ دے پا رہی تھی۔ عماد نے آگے بڑھ کر فون کو چارجر سے علیحدہ کیا اور نمبر چیک کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس دوران بڑی تیزی سے اس نے کسی کو ایک پیغام بھی بھیجا جو غالباً" فون کرنے والے کو ہی تھا۔ میں الجھ سی گئی۔ میرے ذہن میں اس فون کے آخری تین ہندسے اور سم کوڈ جیسے نقش ہو کر رہ گیا اور پھر وہ بے نام سی خلش جلد ہی دور ہو گئی۔ ڈنر کے دوران میرے موبائل پر آنے والے ماہین کے ایک فارورڈ میسج نے میرے ذہن کو صاف کر دیا۔ یقیناً" عماد کے سیل پر آنے والی کال ماہین کی تھی۔

"رات کے اس وقت وہ عماد کو فون کیوں کر رہی تھی؟" یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ہو سکتا ہے اس کا کوئی گھریلو مسئلہ ہو، جس کے لیے عماد کی مدد درکار ہو، یہ سوچ کر میں نے اپنے دل کو تسلی دینا چاہی۔ لیکن پھر بھی جانے کیوں میرا دھیان بار بار بھٹک کر اسی فون کی جانب چلا جاتا تھا۔ حالانکہ میرے سامنے دکھائی دینے والا منظر بڑا خوش کن تھا۔ عماد حسب عادت میری بار بار تعریف کر رہا تھا۔ جبکہ آج تو پھوپھو بھی مسکرا کر اس کی تائید کر رہی تھیں۔ اپنے دونوں جانب بیٹھے معیز اور معاذ کو بڑی محبت سے کھانا کھلاتے ہوئے وہ نا صرف ایک شفیق باپ بلکہ جان نچھاور کرنے والا شوہر بھی نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں میں مطمئن نہ تھی۔ شاید میں ہی کچھ وہمی ہوتی جا رہی ہوں۔ یہ سوچ کر میں نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کی اور پھر بظاہر مطمئن سی ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے آج کل آپ روزانہ کچھ لیٹ نہیں ہو جاتے۔" عماد کھانا کھا کر لیپ ٹاپ پر مصروف ہو چکا تھا۔ جبکہ میں قریب ہی بیٹھی ایک فیشن میگزین دیکھ

رہی تھی۔ ایسے میں بر سبیل تذکرہ پوچھ بیٹھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے' میں کیوں لیٹ ہوجاتا ہوں؟" عماد نے بھنویں اچکاتے ہوئے عجیب سی بے رخی کے ساتھ الٹا مجھ سے ہی سوال کرلیا۔ جبکہ میرا انداز تو قطعی سرسری سا تھا۔ اس سے مراد عماد پر کوئی شک کرنا نہ تھا۔ لیکن جانے کیا بات تھی مجھے محسوس ہوا کہ عماد سخت برا مان گیا ہے۔ میرے کوئی جواب دینے سے قبل ہی اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کرکے زور سے بیڈ پر پھینک دیا۔ اس کے اس عمل نے تو مجھے ہکا بکا ہی کردیا۔

"ہاں بولو' جواب دو' تم کیا سمجھ رہی ہو' میں کہاں جاتا ہوں' جو تمہارے دل میں ہے آج مجھے صاف صاف بتادو۔" اپنی سات سالہ ازدواجی زندگی میں' میں نے عماد کو اس طرح چلاتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ جیسا وہ اس وقت چیخ رہا تھا۔ وہ تو بڑا ہی نرم خو اور صلح جو انسان تھا۔ لیکن آج تو میرے سامنے ایک بالکل مختلف عماد کھڑا' ایک ایسے سوال کا جواب مانگ رہا تھا جو میرے پاس تھا ہی نہیں۔

"کول ڈاؤن عماد کیا ہوگیا ہے۔ آپ کو میں نے کیا کہہ دیا۔" میں روہانسی سی ہوگئی۔ جبکہ وہ بنا کوئی بات کہے اپنا سیل فون اٹھا کر کمرے سے باہر چلا گیا اور پھر وہ ساری رات میں نے کمرے میں اکیلے ہی گزاری۔ کیونکہ عماد اپنی اسٹڈی لاک کرکے وہاں ہی سوگیا تھا اور مجھے ساری رات یہی بے چینی ستاتی رہی کہ صبح پھوپھو نے یہ سب دیکھا تو جانے کیا سوچیں اور پھر غالباً" اپنی ماں کا ہی سوچ کر وہ فجر کی اذان کے ساتھ ہی کمرے میں واپس آگیا۔ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ بھی ساری رات سویا نہ تھا۔ لیکن اب میں اس سے کوئی بات کرکے پریشانی مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس لیے ہی کروٹ بدل کر سوتی بن گئی۔

✲ ✲ ✲

اور پھر یہ عماد کا معمول بن گیا۔ وہ آدھی رات کے وقت گھر واپس آتا اور جب آتا عجیب الجھا الجھا ہوتا۔ ایسے جیسے کوئی پریشانی اسے اندر ہی اندر کھا رہی ہو۔ لیکن اس پہلے دن کی لڑائی کے بعد میں نے دوبارہ اس سے کچھ پوچھنے کی جرات ہی نہ کی۔ میں پھوپھو کی موجودگی میں مزید کوئی ڈرامہ نہ چاہتی تھی۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کا رویہ مجھ سے خاصا تبدیل ہوچکا تھا۔ اب وہ صرف ضرورت کے تحت ہی مجھے مخاطب کرتا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ پہلے دن والی چپقلش کو بھولا نہ تھا۔ ذرا سی بات پر بنائے جانے والے اس دن کے بتنگڑ نے مجھے بھی خاصا بدظن کردیا تھا۔ اس لیے میں بھی خاصا لیے دیے انداز میں رہتی۔ لیکن پھر بھی میں لاشعوری طور پر منتظر تھی کہ کب عماد کو اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ مجھ سے اپنے اس دن کے رویہ کی معذرت طلب کرے۔ لیکن ہر گزرتا دن مجھے مایوسی سے دوچار کررہا تھا۔

میں حیران تھی کہ عماد اتنا کٹھور کیسے ہوگیا؟ بس یہی وجہ تھی کہ اب میں اس کے معمولات میں کم دخل اندازی کرتی کہ کہیں پھر وہ کوئی ہنگامہ نہ کردے۔ لیکن میری تمام تر احتیاط کے باوجود ہنگامہ پھر ہوگیا اور اس کا انجام اس قدر بھیانک نکلا کہ جسے سوچتے ہی آج بھی میری روح کانپ جاتی ہے۔ آج خلاف توقع سات بجے کے قریب عماد کا فون میرے سیل پر آیا۔ (جبکہ عموماً" اب وہ مجھے کم ہی فون کرتا تھا۔) اس کے کسی دوست کی بہن کی شادی تھی۔

"ان کی فیملی انگلینڈ سے آئی ہے۔ صرف پاکستان شادی کے لیے۔ اس لیے مہمان خاصے کم ہیں۔ اب فواد بار' بار فون کررہا ہے کہ ہمارا اس شادی میں شریک ہونا بہت ضروری ہے۔" عماد نے تفصیلی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اب ایسا ہے کہ تم دس بجے تک تیار ہوجاؤ۔ ہم دونوں چلے جائیں گے۔" اتنے دنوں میں ہونے والی شاید یہ پہلی ٹیلی فونک گفتگو تھی جس کا دورانیہ دو منٹ کا ہوگا تھا۔ کافی دنوں بعد عماد کا نرم رویہ مجھے مطمئن کرگیا۔ سچ ہے عورت کی زندگی بنا مرد کے بالکل ایسی ہے جیسے بغیر پھول پتوں کے خزاں کے موسم میں تن تنہا کھڑا درخت۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوجاؤں گی۔" خدا حافظ کہنے سے پہلے میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے فون بند کردیا اور پھر جلدی جلدی کھانا تیار کرکے پھوپھو اور بچوں کو دیا۔ معیث کے لیے میں نے ایک تیرہ سالہ بچی رکھی ہوئی تھی جو آج —— پھوپھو کے ساتھ ہی سو رہی تھی۔ تمام ضروری امور سرانجام دے کر میں پورے دس بجے تک تیار ہوچکی تھی۔

ریڈ اور اورنج سوٹ میں خود کو آئینہ میں دیکھ کر میں خود ہی حیران تھی۔ کیونکہ آج شاید کئی دنوں بعد میں اتنے دل سے تیار ہوئی تھی۔ اور اب میں بڑی خوشی خوشی عماد کا انتظار کررہی تھی۔ لیکن جیسے جیسے گھڑی کی سوئیاں دس سے آگے بڑھ رہی تھیں میرا انتظار کوفت میں تبدیل ہونے لگا۔ اب گیارہ بج چکے تھے اور عماد کا کوئی اتاپتا نہ تھا۔ فون حسب روایت وہ ریسیو ہی نہیں کررہا تھا۔ پھوپھو اور بچے غالباً" سوچکے تھے۔ جب باہر عماد کی گاڑی کے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک میں غصہ سے اپنی تمام جیولری اتار چکی تھی۔ جب وہ اندر داخل ہوا عجیب تھکا تھکا اور الجھا ہوا تھا۔ لیکن شاید میں نے اس دن غصہ کی شدت کے سبب اس کی حالت کی طرف دھیان ہی نہ دیا۔

"آپ کے دس بج گئے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی میں اپنے لہجہ کی تلخی پر قابو نہ پاسکی۔

"اگر نہیں جانا تھا تو کیا ضرورت تھی اتنا ڈرامہ کرنے کی۔" میں نے الماری سے اپنا سلیپنگ سوٹ نکال کر باتھ روم کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

"ذرا' ذرا سی بات پر ایشو کھڑے مت کیا کرو' میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو الہ دین کے جن کی طرح تمہارے حکم پر حاضر ہوجاؤں۔" بالکل خلاف توقع آج پھر وہ حلق کے بل چیخا اور میں اس کی غیر متوقع دھاڑ سن کر اپنی جگہ سن ہوگئی۔

"ہو کیا گیا ہے آپ کو' کیوں ذرا' ذرا سی بات پر ایسے ری ایکٹ کرنے لگے ہیں۔" میں بھی اپنے غصہ پر قابو نہ پاسکی۔

"اس لیے کہ اب تمہیں برداشت کرنا مجھ سے مشکل ہوتا جارہا ہے۔ سنا تم نے' میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔" الفاظ تھے یا کوئی پگھلا ہوا سیسہ جو کسی نے میرے کانوں میں انڈیل دیا تھا۔ مجھے یقین ہی نہ آیا کہ یہ الفاظ عماد کے منہ سے ادا ہوئے ہیں۔ عماد میرا عزیز از جان شوہر جس کی مثال پورا خاندان دیا کرتا تھا۔ آج مجھ سے جس لہجہ میں گفتگو کررہا تھا اس نے مجھے بت کی مانند اپنی جگہ پر ساکت کردیا۔ اس کی تیز آواز سن کر پھوپھو بھی کمرے میں آچکی تھیں اور حیرت سے سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا' کیوں ایسے چیخ رہے ہو۔" انہوں نے عماد کے قریب آکر اسے بازو سے تھاما۔

"امی جان آپ گواہ رہیے گا۔ میں آپ کی موجودگی میں نشیمہ کو طلاق دے رہا ہوں۔" وہ شاید اپنے حواس کھوچکا تھا۔

"ہوش میں آؤ عماد یہ کیا کہہ رہے ہو۔" پھوپھو کے جسم کی لرزش مجھے دور سے ہی محسوس ہورہی تھی۔ جبکہ میری ٹانگوں نے تو میرا بوجھ ہی اٹھانے سے انکار کردیا یا میرے خدا یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ مجھے ایسا لگا جیسے قیامت آگئی ہو اور پھر میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی اور پھر بھی گرتے گرتے میں نے عماد کی زبان سے اپنے لیے ادا ہونے والا طلاق کا لفظ کئی بار سنا۔ جو میرے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا اور پھر میں مکمل طور پر بے ہوش ہوگئی۔

میں کتنے دنوں بعد ہوش میں آئی۔ مجھے پتا نہ تھا۔ کیونکہ دنوں کا حساب کتاب میں بھول چکی تھی۔ اگر مجھے یاد تھا تو صرف عماد کے وہ الفاظ جو آخری بار میرے کانوں نے سنے تھے۔ جنہوں نے مجھے ایک ہی پل میں عرش سے اٹھا کر فرش پر پھینک دیا تھا اور اب میں ایک زندہ لاش کی منہ بولتی تفسیر تھی۔ میری طرف اٹھنے والی ہر آنکھ میں ایک ہی سوال تھا۔

"آخر تم نے ایسا کیا' کیا تھا جو عماد نے تمہیں اتنی کڑی سزا سنائی۔" اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں خود کو

مجرم محسوس کرنے لگی۔ اس سب کے باوجود میں نے اپنا گھر بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر کئی بار عماد سے رابطہ کیا۔ اسے کسی عالم دین سے مشورہ لینے کا بھی کہا۔ لیکن وہ میری کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ یہاں تک کہ اتنے دنوں میں ایک بار بھی وہ اپنے بچوں سے بھی ملنے نہ آیا تھا۔ یقیناً" یہ فیصلہ اس کے دل کی مرضی کے عین مطابق تھا۔ جس پر اسے کسی بھی قسم کی کوئی شرمندگی نہ تھی اور میں حق دق تھی۔ کیا محبتوں کا انجام اتنا بھیانک بھی ہو سکتا ہے؟ کیا کسی شخص کی محبت کی شدت ایک پل میں ختم ہو سکتی ہے اور حیران تو میں اس بات پر تھی کہ مجھے فیصلہ سناتے وقت یہ بھی نہ بتایا گیا تھا کہ میرا جرم کیا ہے؟ وہ عماد جو میرے بغیر ایک پل نہ گزار تا تھا۔ اب جانے کتنے دن گزار چکا تھا۔ جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس کی زندگی میں اب نشیمہ نام کی کسی چیز کی گنجائش موجود نہ تھی اور پھر گزرتے وقت نے میرے اندازے پر تصدیق کی مہر ثبت کردی اور اب وقت کے ساتھ مجھے بھی کوشش کرنا تھی کہ میں اسے بھول جاؤں جو کہ فی الحال میرے لیے مشکل تھا۔ ایسے میں ملنے والے طلاق کے کاغذات نے میری باقی امید بھی ختم کردی۔

☼ ☼ ☼

مجھے یقین ہی نہ آیا کہ میرے سامنے ماہین موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں بے قراری سے اٹھ بیٹھی۔ خود پر گزری ہوئی قیامت کے دوران ایک بار بھی مجھے اس کا خیال نہ آیا تھا۔ اب جو اسے سامنے دیکھا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ماہین۔۔۔ ماہین۔" فرط جذبات نے میری زبان سے الفاظ کی ادائیگی کو ناممکن بنادیا اور میں سسکیاں لے کر رونے لگی اور روتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی جو پیار سے میری کمر سہلانے لگی۔

"تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا؟" بڑی مشکل سے خود پر قابو پاکر میں نے اس سے دریافت کیا۔ شاید یہ خبر ماہین تک عماد نے پہنچائی ہو۔ یہ میرا ایک اندازہ تھا جو اگلے ہی پل غلط ثابت ہو گیا۔

"کل بھابھی آئی تھیں مجھ سے ملنے، بس انہوں نے ہی تمہارا ذکر کیا اور مجھے یہ سب کچھ بتایا۔ یقین مانو میں تو سن کر حیران ہی رہ گئی۔ کئی پل تو مجھے یقین ہی نہ آیا۔ بھلا تمہاری اور عماد کی زندگی میں کس بات کی کمی تھی جو اس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا؟ اس نے تو اپنی اولاد کو بھی گھر سے نکال دیا۔ سچ ہے مرد کا کوئی بھروسہ نہیں، کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"لیکن نشیمہ مجھے ایک شکایت تم سے بھی ہے تم نے مجھے خود سے یہ سب کچھ کیوں نہیں بتایا۔ یقین مانو میں نے کئی فون تمہارے سیل پر کیے۔ جو بند پڑا تھا جبکہ عماد کا نمبر تو میرے پاس تھا ہی نہیں، ورنہ میں اس سے دریافت کرلیتی اور تمہارے گھر تمہاری خرانٹ ساس کی موجودگی میں میرا جانا تقریباً" ناممکن ہی تھا۔" وہ بولتی جارہی تھی اور اس وقت میں بھول گئی کہ اگر اس کے پاس عماد کا نمبر نہیں تھا تو پھر کیسے وہ اس رات عماد کو فون کررہی تھی۔

"مجھے بتاؤ نشیمہ ایسا کیا ہوا تھا تم دونوں کے درمیان جو عماد نے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔" کئی بار کا پوچھا گیا سوال ایک بار پھر میرے سامنے دہرایا گیا۔ جبکہ سچ تو یہ تھا کہ اس سوال کا جواب نہ میرے پاس تھا اور نہ ہے میں تو آج تک خود یہی سوچ رہی تھی کہ عماد نے ایسا کیوں کیا؟ اور جب خود ہی نہ پاتی تو ماہین کو کیا جواب دیتی۔ اس لیے خاموش ہی رہی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی بات کا جواب خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"مجھے حیرت تو اس بات پر ہے نشیمہ تمہارے سسرال میں سے بھی کسی فرد نے تمہاری خیر خبر نہ لی۔ آخر تم ان کی بہو اور تین عدد پوتوں کی ماں تھیں۔"

اس پہلو پر تو میں نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ اب جو ماہین نے توجہ دلائی تو میں بھی سوچنے پر مجبور ہو گئی۔ یہ سچ تھا کہ میرے ہوش میں آنے سے لے کر اب تک میں نے ربیعہ پھوپھو ان کے شوہر یا دونوں بیٹیوں میں سے

کسی کو بھی اپنے گھر نہ دیکھا تھا۔ اگر وہ میری حالت فراموش میں آئی ہوں تو میں بے خبر تھی اور اتنا حوصلہ خود میں نہ پاتی تھی کہ امی سے اس سلسلے میں کچھ دریافت کروں۔ اپنے سسرال والوں کی بے حسی نے مجھے ایک بار پھر رلا دیا، ماہین نے میرے قریب ہو کر میرا سر اپنے کندھوں سے لگالیا اور جب میرا دل ہلکا ہو گیا تو میں خود بخود خاموش ہو گئی۔ اس تمام عرصہ میں ماہین خاموش رہی غالباً" وہ الفاظ جمع کررہی تھی جن سے مجھے تسلی دے سکے۔

"دیکھو نشیمہ ہمیں ہمیشہ وہ ہی ملتا ہے جو ہمارا نصیب ہوتا ہے۔ نہ ایک چیز نصیب سے کم اور نہ ہی زیادہ۔" وہ رسان سے مجھے سمجھارہی تھی۔

"اور اگر کچھ مل کر کھو جائے تو اس پر صبر کرنا بھی مومن کی پہچان ہے اور ہمیشہ یاد رکھو اللہ جب بھی اپنے بندوں سے کچھ لیتا ہے تو اس کا نعم البدل ضرور عطا کرتا ہے، جو پہلے کے مقابلے میں ضرور بہترین ہوتا ہے۔"

آہستہ آہستہ پیار سے مجھے سمجھانے والی ماہین پہلے والی ماہین سے بالکل مختلف نظر آرہی تھی اور اس کی باتیں میری روح کے اندر اتر رہی تھیں۔ وہ یقیناً" سچ کہہ رہی تھی۔ اللہ اپنے بندوں پر ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ میں بھی شاید اپنی مصیبت میں اپنے رب کو بھول گئی تھی۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ امید ہمیشہ اپنے رب سے لگانی چاہیے۔ اس کے بندوں سے نہیں اور جیسے جیسے میں یہ سب سوچتی گئی میرے دل کو ایک نئی توانائی حاصل ہوتی گئی اور پھر ماہین کے جانے کے بعد میرے ٹوٹے دل کو کافی ڈھارس حاصل ہو چکی تھی۔ میں اپنے اندر جینے کا ایک نیا حوصلہ پارہی تھی جو یقیناً" ماہین ہی کی بدولت تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اب میں تن تنہا بھی دنیا سے مقابلہ کر سکتی ہوں۔۔۔ لیکن میری یہ ہمت و توانائی آنے والے اگلے چند دنوں میں بالکل ہی ختم ہو گئی اور اسے ختم کرنے والی بھی وہ ماہین ہی تھی جس کی کہی گئی باتوں کی بدولت میں نے اپنے اندر جینے کا حوصلہ پیدا کیا تھا۔ اسی ماہین نے حوصلہ کے ساتھ ساتھ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرے اعتماد اور بھروسہ کو کرچی کی مانند بکھیر کر رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

"عماد آیا ہے۔" نیند میں سوتے جاگتے سے میرے کانوں میں امی کی آواز ٹکرائی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر بنا کسی سے کوئی سوال کیے پاؤں میں سلیپر ڈال کر دوپٹہ سے بے نیاز ڈرائنگ روم کی جانب دوڑتے ہوئے میں ایک پل میں ہی سب کچھ فراموش کر بیٹھی بھول گئی کہ میرے اور عماد کے درمیان اب کوئی رشتہ موجود نہیں ہے مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اب وہ میرے لیے ایک عام مرد ہے نا صرف یہ بلکہ نامحرم بھی ہے اور دوران عدت میرا کسی بھی نامحرم کے سامنے جانا شرعی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کے قبل کہ میں ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچتی جانے کہاں سے نکل کر ایک دم ہی امی میرے سامنے آگئیں۔

"کیا ہوا تمہیں، کیوں اتنی بدحواس بھاگی آرہی ہو۔"

"میں وہ۔۔۔ عماد۔" ٹوٹے پھوٹے الفاظ میرے زبان سے ادا ہوئے اور میری ماں میرے کہے گئے ان ادھورے لفظوں سے ہی میرے دل کا حال جان گئیں اور پھر میرے قریب آکر مجھے بازو سے تھام لیا۔

"بیٹا وہ اندر نہیں آیا۔ بلکہ باہر گاڑی میں ہی بیٹھا ہے۔" میری سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کرلی۔

"اور وہ تم سے نہیں اپنے بچوں سے ملنے آیا ہے۔ غالباً" وہ معیز کو کچھ دیر کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔"

"کہاں۔" میں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں، بہرحال روحیل باہر ہی ہے اور وہ ہی عماد سے بات کررہا ہے۔" امی نے میرے چھوٹے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔ جبکہ میں خالی خالی نظروں سے ان

کی جانب دیکھے گئی۔

"تم یہاں آؤ' اندر چلو میرے ساتھ۔" اور میں خاموشی سے امی کے ساتھ اندر آگئی اور پھر بنا مجھ سے ملے میرا حال دریافت کیے وہ معیز کو اپنے ساتھ لے گیا۔ آخر کو وہ میرے بچوں کا باپ تھا اور شاید مجھ سے زیادہ ان پر حق رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی بھی اسکول کی فیس اور اپنے دیگر اخراجات کے لیے اپنے باپ کے محتاج تھے اور اس سب کے لیے وہ مجھے ہر ماہ ایک معقول رقم دیتا تھا۔ پھر میں کس حساب سے اسے منع کرتی کہ وہ اپنے بچوں سے نہ ملے اور ویسے بھی میں باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بچوں میں احساس کمتری پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی اور شاید یہی میری زندگی کی دوسری بڑی غلطی تھی جس کا خمیازہ مجھے کچھ ہی عرصہ بعد بھگتنا پڑا اور پہلی بڑی غلطی کیا تھی وہ تو میں نے آپ کو بتائی ہی نہیں جی ہاں میری پہلی بڑی غلطی ہی شاید ماہین کو عماد سے ملانا تھا اب جلد ہی آپ کو پتا چل جائے گا کہ میں نے اپنی زندگی میں کتنی بڑی غلطیاں کیں جن کی سزا مجھے ایک عذاب کی صورت میں ملی۔

دو دن عماد کے ساتھ گزار کر جب معیز گھر آیا تو بے حد خوش تھا وہ اپنے ساتھ ڈھیروں ڈھیر کھلونے اور کپڑوں کے علاوہ کے ایف سی کی ڈیل بھی لایا تھا جو معاذ کے لیے تھی اس پل میرے چھ سالہ بیٹے کے چہرے پر وہ خوشی اور رونق تھی جو شاید پچھلے تین ماہ میں میں اسے نہ دے سکی تھی۔

"آپ کو پتا ہے مما' بابا نے مجھے بہت گھمایا وہ مجھے میرے فیورٹ پلے لینڈ بھی لے کر گئے پھر ہم نے خوب خوب جھولے جھولے۔"

وہ خوشی خوشی بتا رہا تھا اور میں نہایت خاموشی سے سنتے ہوئے اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈال رہی تھی میرے لگژری طرز زندگی کے عادی بچے پچھلے تین ماہ سے کیسی زندگی گزار رہے تھے مجھے معیز نے ایک پل میں ہی سمجھا دیا اس مادی دور میں آسائشات کی کس قدر اہمیت ہے اسے بتانے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہے یہ تو ہم سب ہی سمجھتے ہیں۔

"اور مما آپ کو پتا ہے ہمارے ساتھ ہماری چھوٹی بہن بھی تھی بالکل گڑیا جیسی۔" وہ روانی میں بولتا جا رہا تھا جبکہ میں جو خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی ایک دم ہی چونک اٹھی۔

"چھوٹی بہن یہ تم کیا کہہ رہے ہو بھلا تمہاری چھوٹی بہن کہاں سے آئی۔" میں نے ایک دم ہی اسے ٹوک دیا اتنی دیر میں امی بھی میرے قریب آچکی تھیں میں نے ان پر ایک نظر ڈالی وہ بھی معیز ہی کی جانب متوجہ تھیں اور قبل اس کے کہ میں اسے خاموش کرواتی انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے خاموش کرا دیا۔

"کیا نام ہے تمہاری گڑیا سی بہن کا۔" امی نے بڑے پیار سے معیز کو مخاطب کیا۔

"نام..." وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں لیکن ماہین آنٹی اسے پنکی کہہ کر بلا رہی تھیں۔" وہ غالباً" ماہین کی بیٹی انوشے کی بات کر رہا تھا۔

"ماہین آنٹی وہ تمہیں کہاں ملیں۔" میں سمجھ گئی کہ وہ ماہین کی بیٹی کی بات کر رہا ہے۔

"اُفوہ مما آپ بات کو سمجھتی نہیں ہیں۔" وہ جھنجلا اٹھا۔

"ماہین آنٹی ہمیں ملی نہیں تھیں بلکہ میرے اور پاپا کے ساتھ گئی تھیں ساتھ پنکی بھی تھی۔"

"لیکن وہ تمہارے ساتھ کیوں گئی تھیں۔" اب میں چڑ سی گئی۔

"اس لیے کہ وہ میری نئی مما ہیں۔" اطمینان سے جواب دے کر اس نے چپس کا پیکٹ کھول لیا۔ میں نے ایک دم کرنٹ کھا کر امی کی جانب دیکھا جن کا منہ معیز کی بات سن کر کھلا کا کھلا رہ گیا تھا جب کہ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے کند چھری سے میری شہ رگ کو بھی کاٹ دیا ہو۔

"تمہیں کس نے کہا کہ ماہین تمہاری نئی مما ہیں۔" میں نے کھلونوں سے کھیلتے معیز کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"پاپا نے اور کل انہوں نے اپنے فرینڈز کو ہوٹل میں پارٹی بھی دی تھی اسی لیے وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔"

چھ سالہ معیز میری حالت دیکھ کر گھبرا اٹھا اور جلدی جلدی تفصیل بتانے لگا جبکہ میں دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی ماہین کے آخری ملاقات میں کہے گئے الفاظ کا مفہوم آج صحیح معنوں میں میری سمجھ میں آیا تھا وہ یقیناً" اپنے دل کی ترجمانی کر رہی تھی اسے شاید خرم کا نعم البدل عماد کی صورت میں مل گیا تھا جو پہلے سے بہترین تھا جبکہ میں تو تہی دامن کھڑی تھی اور ابھی بھی جانے کون کون سے خسارے میرا مقدر بننے والے تھے۔ اب عماد ہر ہفتے معیز کو لے جاتا اور پھر جو پانچ دن معیز میرے ساتھ گزارتا اس میں بھی عماد ہی کا ذکر ہوتا اور رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہونے لگا کہ میرا ساتھ میرے بیٹے کو بھی پسند نہ تھا وہ بھی اپنے باپ کی طرح ظاہری چمک دمک پر جان دینے والوں میں سے تھا اور پھر میں نے خود میں حوصلہ پیدا کرتے ہوئے عماد کے بعد معیز کو کھونے کی ہمت بھی کرلی اور میرے بدترین اندیشوں کے عین مطابق اگلے آٹھ ماہ میں ہی معیز عماد کے ساتھ چلا گیا کیونکہ ماہین کو اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر بیٹی سے نوازا تھا جبکہ چھوٹی انوشے پہلے ہی اس کے ساتھ تھی یہ ہی وجہ تھی کہ وہ بھی معیز کو بے حد پیار کرتی اور اب تو چوتھی بیٹی کو جنم دینے کے بعد اس کی معیز میں دلچسپی مزید بڑھ گئی تھی۔

میں نے بھی یہ ہی سوچ کر صبر کرلیا کہ معیز جس طرز زندگی کا عادی ہے وہ اسے شاید میں کبھی نہ دے سکوں گی جبکہ معاذ اور معیث میرے ماحول میں رچ بس گئے تھے اور پھر اس آخری مرتبہ عماد نے میرے ساتھ ایک مہربانی یہ ضرور کی کہ اس نے یہ دونوں بیٹے مجھے کورٹ کے ذریعے لکھ کر دے دیے جس کے مطابق اب عماد کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر اس نے رفتہ رفتہ ان دونوں بچوں کا خرچہ پہلے سے کافی کم کر دیا میں نے ایک مقامی اسکول میں ملازمت کرلی جہاں معاذ کو بھی داخل کروا دیا اب ماہین بڑی ڈھٹائی سے کھلے عام اپنے گھر آیا کرتی اس کی بڑی سی گاڑی اور ٹھاٹ باٹ نے اس کی ماں اور بھائیوں کی زبان بھی بند کردی تھی ایسے میں ایک دو دفعہ اسکول سے آتے ہوئے میری ماہین سے مڈبھیڑ ضرور ہوئی لیکن ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے پاس سے ایسے گزرے جیسے دو بالکل انجان اجنبی اور یہ ہی ہمارے لیے بہتر تھا کہ ہم ایک دوسرے کو پہچانیں ہی نا۔

☼ ☼ ☼

رمضان کا ماہ مقدس شروع ہو چکا تھا ایسا لگتا تھا کہ اپنی چوبیس سالہ زندگی میں پہلی دفعہ مجھے رمضان کا مقدس مہینہ نصیب ہوا ہو میں نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اتنے اہتمام سے رمضان کے روزے رکھے تھے ساتھ ہی ساتھ میں نے اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی بڑے دل سے کی اس سے قبل تو صرف دنیاوی عبادت کرتی تھی جلدی جلدی نماز کی ادائیگی اور سارا دھیان صرف سحری اور افطاری کی تیاری پر ہوتا جو اللہ کے بندے کو خوش رکھنے کے لیے کی جاتی لیکن اب میری خشوع و خضوع سے کی جانے والی عبادت صرف اور صرف میرے اللہ کی رضا کے لیے تھی امی ہی سحری اور افطاری کا اہتمام کرتیں مجھے تو جو مل جاتا صبر و شکر کے ساتھ کھا لیتی اور کوشش کرتی کہ جو بھی فارغ وقت ملے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرلی جائے اس دن غالباً" اکیسواں روزہ تھا میں نے رات کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی اور اب ظہر کی نماز پڑھ کر کچھ ہی دیر قبل سوئی تھی جب امی نے مجھے جگا کر کچھ کہا پہلے تو مجھے سمجھ ہی نہ آیا کہ امی کیا کہہ رہی ہیں لیکن جب سمجھ میں آیا تو میں ایک دم ہی اٹھ بیٹھی جلدی سی دوپٹا سر پر اوڑھا اور پاؤں میں سلیپر ڈالے۔

"کہاں ہیں؟"

"ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے تم چلو میں کچھ افطاری کا خاص اہتمام کرلوں۔" امی مجھے کہہ کر خود کچن کی جانب بڑھ گئیں جبکہ میں خود کو سنبھالتی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی جہاں سامنے ہی رکھے

صوفہ پر سفید شلوار قمیص میں ملبوس رحمان بیٹھا تھا وہ آج بھی ویسا ہی تھا اگر اس میں کچھ اضافہ ہوا تھا تو وہ صرف ہلکی ہلکی داڑھی اور سفید نظر کے چشمہ کا جس میں وہ پہلے سے بھی بھلا معلوم ہو رہا تھا معیث کو اس کی گود میں دیکھ کر میرا دل بھر آیا باپ کی محبت کو ترسے میرے بچے رحمان روحیل سے کچھ بات کر رہا تھا اور معیز بھی اس کے قریب ہی صوفہ پر موجود تھا اور نہایت ہی انہماک سے دونوں کی باتیں سنتے ہوئے رحمان ہی کے چہرے کی جانب تکے جا رہا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم کیسی ہو نشیمہ" پہلے ہی جیسا پُرشفقت لہجہ وہ مجھے ہمیشہ اسی طرح پکارا کرتا تھا لیکن آج اس کے سلام کے جواب میں ہی میں رو پڑی اور آنسو میری آنکھوں سے بھل بھل بہنے لگے آواز میرے گلے میں پھنس گئی۔

"نشیمہ رو کیوں رہی ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"تم کوئی دنیا کی پہلی اور آخری عورت نہیں ہو جس کے ساتھ ایسی زیادتی ہوئی ہے دنیا میں تو یہ سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔" شاید رحمان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا وہ مجھے کس طرح تسلی دے اتنی دیر میں روحیل اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ذرا نماز پڑھ کر آتا ہوں۔" جاتے جاتے وہ معاذ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا جبکہ معیث ابھی بھی رحمان ہی کی گود میں تھا رحمان کے ہمدردانہ رویہ نے دو دھاری تلوار کا کام کیا اور مجھے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا اس دوران وہ میرے قریب کھڑا خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

"دیکھو نشیمہ تمہارے ساتھ دو معصوم بچے بھی ہیں ایسے ہی روتی رہو گی تو کیسے زندگی گزارو گی۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"لیکن رحمان تم تو جانتے ہو نا کہ میں اور عماد ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے تھے تم تو ہماری ملاقاتوں کے امین رہے ہو نا بولو رحمان تم تو سب کچھ جانتے ہو نا۔" میں اس سمے بے بسی کی انتہا پر تھی جو میرے لہجہ سے بھی چھلک رہی تھی۔

"ہاں نشیمہ میں سب کچھ جانتا ہوں وہ بھی جو تم نہیں جانتیں اور اگر جان جاؤ گی تو میرے طرح خود بھی حیران رہ جاؤ گی' میں تو ہمیشہ یہ ہی سوچتا تھا کہ عماد تمہارے ساتھ زندگی کس طرح گزار رہا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا نشیمہ کہ عماد نے یہ سات سال تمہارے ساتھ کس طرح گزارے۔" رحمان بولے جا رہا تھا اور میں حیرت سے منہ کھولے اس کی باتیں سن رہی تھی جو میری توقع کے بالکل خلاف تھیں وہ کیا کہہ رہا تھا میں سمجھ ہی نہ پا رہی تھی اسی لیے ٹکر ٹکر اس کی جانب تکے جا رہی تھی۔

"اتنی حیرت سے مجھے مت دیکھو میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہا ہوں تمہیں یہ سب کچھ بتاتے ہوئے لیکن جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں وہ بے شک تلخ سہی لیکن ہے ایک حقیقت اسے غور سے سنو نشیمہ عماد تمہیں پورے سات سال سے دھوکہ دیتا رہا ہے جانتی ہو وہ اور ماہین تو تمہاری شادی سے قبل ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے بے حد اور بے تحاشا محبت 'غالبا" ان دونوں کی محبت کی شدت تم سے کہیں زیادہ تھی صرف عماد کی محبت ہی تھی جو ماہین اپنے گھر کے دقیانوسی ماحول سے بھی کچھ نہ کچھ وقت نکال کر ہر جگہ تمہارے ساتھ جایا کرتی اگر وہ کہیں بھی تمہارے ساتھ جاتی تو وجہ میں نہیں عماد ہوتا تھا جانے تمہاری منگنی والے دن اسے ماہین میں ایسا کیا نظر آیا کہ وہ اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھا تھا اس بات کا علم مجھے اس وقت ہوا جب میں نے ماہین کے گھر اپنا رشتہ بھیجا حالانکہ شک تو مجھے شروع سے ہی تھا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکا جب کہ میں نے صوفہ کی بیک کو مضبوطی سے تھام لیا ورنہ شاید میں گر جاتی میرا مان فخر و غرور سب ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔

"ایسا کرو تم پہلے بیٹھ جاؤ پھر میں تمہیں پوری بات بتاتا ہوں۔" میری حالت نے رحمان کو بہت کچھ سمجھا دیا اسی لیے وہ مجھے بیٹھنے کا مشورہ دے رہا تھا میں اس کی ہدایات پر عمل کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی جب کہ

میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے رشتہ بھیجنے سے قبل ہی مجھے اندازہ تھا کہ ماہین یہ رشتہ کبھی بھی قبول نہیں کرے گی میں تو صرف اپنے اندازے کی تصدیق چاہتا تھا۔ لیکن مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب عماد میرے پاس پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اس نے کہا کہ وہ ماہین کو میرا ہوتا نہیں دیکھ سکتا اس لیے بہتر یہ ہے کہ میں اس کی زندگی سے کہیں دور چلا جاؤں ہاں نشیمہ سچ تو یہ ہے کہ ماہین نے مجھے اور عماد نے تمہیں دل کھول کر دھوکہ دیا تم تو اس دھوکہ کو آج تک نہ سمجھ سکیں لیکن میں اس وقت ہی سمجھ گیا تھا تم جانتی ہو ماہین کو میرا نام لے کر گفٹ عماد ہی دیا کرتا تھا وہ جب بھی تمہارے لیے کچھ لیتا ہمیشہ ماہین کے لیے بھی خریدتا اور میں سمجھتا کہ ایسا وہ تمہاری محبت میں کرتا ہے جو تمہیں ماہین سے تھی کتنا عرصہ تو میں یہ ہی سمجھ کر جیتا رہا کہ ماہین میری محبت میں گرفتار ہو چکی ہے لیکن نہیں نشیمہ وہ صرف تمہیں دکھانے کے لیے میرا دم بھرتی تھی مان لو ہوتے ہیں کچھ ایسے لوگ بھی دنیا میں آستین کے سانپ۔" رحمان کے انکشافات نے مجھے اندر تک ہلا دیا اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے نے مجھے ادھ موا کر دیا مجھے ایسا لگا شاید دنیا میں کچھ نہیں ہے سوائے مکر و فریب کے میرا دل ایک دم ہی اس دنیا سے اچاٹ ہو گیا۔

"تمہیں تو شاید یہ بھی نہیں پتا کہ تمہاری تاریخ فکس ہونے سے قبل ربیعہ پھوپھو سب سے چھپ کر عماد کا رشتہ بھی ماہین کے گھر لے کر گئی تھیں اگر اس وقت اس کے گھر والے مان جاتے تو تم سات سال بھی عماد کے ساتھ نہ گزار سکتیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری سات سالہ ازدواجی زندگی بھی ماہین ہی کا تحفہ تھی ورنہ میں تو عماد کے قابل سات برس قبل نہ رہی تھی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں رحمان سے سوال کیا۔

"ہاں نشیمہ یہ ہی وجہ تھی کہ اس کے گھر والوں نے پندرہ دن کے اندر ماہین کی شادی کر دی اس طرح وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے ماہین کو تمہاری زندگی سے نکال دیا ہے لیکن ایسا نہ ہوا وہ شادی کے بعد بھی مسلسل عماد کے رابطہ میں رہی تاکہ کسی مناسب موقع پر تمہیں بے در و داماں کر سکے۔"

"جھوٹ بالکل جھوٹ۔" جانے مجھے کیا ہوا ایک دم ہی چلا کر بولی۔

"اب رحمان اتنا جھوٹ تو نہ بولو کہ میں اپنی ہی نظروں سے گر جاؤں۔" مجھے پہلی بار گھر میں کیے جانے والے ماہین کے ذکر پر عماد کا ردعمل یاد آ گیا اور میں بلک بلک کر رو پڑی وہ دھیرے دھیرے چلتا میرے قریب آ گیا اور صوفہ پر میرے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔

"ہاں نشیمہ یہ سچ ہے کہ تم سے شادی کے بعد بھی عماد مسلسل ماہین سے ملتا تھا اور یہ سب کچھ اس نے خود مجھے بتایا ہے اور تم جانتی ہو یہ سب بتاتے ہوئے وہ ذرا سا بھی شرمسار نہ تھا تمہیں تو شاید یہ بھی نہیں پتہ کہ جس دن تم ماہین سے ملنے پہلی بار اس کے گھر گئی تھیں اسے کیا بیماری تھی کمال ہے نشیمہ تم ایک عورت ہو کر نہ جان سکیں کہ ماہین ان دنوں کون سے مراحل طے کر رہی تھی یا تو تم بہت سیدھی اور معصوم ہو یا شاید تمہیں اپنے میاں اور اپنی دوست پر بہت اعتماد تھا۔"

"نہیں شاید مجھے تجسس اور کرید کی عادت ہی نہ تھی میں نے کبھی کچھ جاننے کی کوشش ہی نہ کی میں نے تو کبھی عماد یا ماہین سے اس فون کال کا ذکر بھی نہ کیا جو اس ڈنر والی رات عماد کے سیل پر آ رہی تھی۔" یہ سب میں نے سوچا ضرور لیکن رحمان سے کہا نہیں کیا فائدہ مزید اپنی بے توقیری کا جو پہلے ہی بہت زیادہ ہو چکی تھی ایک مرد کے ساتھ سات سالہ ازدواجی زندگی دھوکہ کی مانند گزارنا اس سے زیادہ اور کیا بے عزتی تھی جو میری ہو سکتی تھی کاش مجھے یہ سب کچھ رحمان شادی سے پہلے بتا دیتا تو میں اتنی بے عزتی کی زندگی گزار کر نہ آتی۔ یہ سب سوچتے ہی میں اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر زور زور سے رونے لگی۔

"کیوں روتی ہو نشیمہ ان لوگوں کے لیے جو کبھی تمہارے قابل ہی نہ تھے ان بے وفا اور بے حس لوگوں

کے لیے اپنے اتنے قیمتی آنسو ضائع نہ کرو عماد کبھی بھی اس قابل نہ تھا کہ تمہارا مقدر بنا دیا جاتا۔" میں نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا رحمان کے ان لفظوں نے مجھے زمین سے اٹھا کر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں نشیمہ تم جیسی معصوم لڑکی اس قابل نہ تھی کہ عماد جیسے دھوکہ باز مرد کا مقدر ٹھہرتی یہ تو جانے کیسا نصیب کا ہیر پھیر تھا کہ تم اس کے نصیب میں لکھ دی گئیں۔" وہ کچھ پل کو ٹھہرا۔

میرے آنسو تھم چکے تھے لیکن جانے کیوں مجھے ابھی بھی اپنا آپ بہت حقیر دکھ رہا تھا مجھے حیرت ہو رہی تھی یہ سوچ سوچ کر کہ دنیا میں ماہین اور عماد جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی منزل پانے کے لیے دوسرے کو سیڑھی بناتے ہیں یقیناً" میری مثال ایک سیڑھی ہی کی تھی ورنہ میں عماد کی منزل تو مر کر نہ تھی اس کی منزل تو ماہین ہی تھی جسے جانے کتنے جتنوں کے بعد وہ حاصل کر چکا تھا اس نے تو شاید یہ بھی نہ سوچا ہو گا کہ اس کی اصلیت جاننے کے بعد میں زندہ بھی رہ پاؤں گی یا نہیں کیونکہ اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا اس سے محبت کی گناہ گار تو میں ٹھہری تھی اس لیے سزا بھی میرا ہی مقدر ہونا چاہیے تھی۔

"نشیمہ" رحمان کی آواز سنتے ہی میں اپنے خیالوں کی دنیا سے حقیقت میں واپس آ گئی۔

"رحمان تمہیں مجھے یہ سب کچھ پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔" رحمان کے خلاف دل میں دبا شکوہ لبوں پر آ گیا۔

"ضرور بتا دیتا لیکن اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کیا اس وقت تم اس پوزیشن میں تھیں کہ میری بات پر یقین کرتیں؟ تمہیں بہلانے کو عماد کے پاس ایک سو ایک بہانے نہ تھے۔ جواب دو نشیمہ۔" وہ سچ ہی کہہ رہا تھا' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے اندازے کی تائید کی سچ تو یہ ہے کہ آج اگر میرے ساتھ یہ سب نہ ہوتا تو میں کبھی بھی رحمان کی باتوں پر یقین نہ کرتی کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ پھر سے بولا۔

"ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اور یہ یقین جانو جب ہمارا پروردگار ہم سے کچھ لیتا ہے تو اس کے بدلہ میں اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ ہم اس کی رضا میں راضی ہوں وہ کبھی اپنے پیاروں کو تنہا نہیں چھوڑتا اور کسی بھی انسان کو اس کی ہمت سے زیادہ نہیں آزماتا۔" بالکل ماہین والا انداز گفتگو' میں آج بھی دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی اس دن کی طرح جب آخری بار ایسی ہی گفتگو مجھ سے ماہین نے کی تھی۔ میری روح کی گہرائیوں میں اتر جانے والی۔

"اور مجھے بھی پورا یقین ہے کہ وہ تمہیں عماد سے بہترین نعم البدل عطا کرے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار کبھی نہیں چھوڑتا اور اگر تم چاہو تو یہ نعم البدل تمہیں آج بھی مل سکتا ہے۔" میں جو بڑے دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی ایکدم چونک اٹھی۔

"کیسے؟" ناسمجھی کے عالم میں میرے منہ سے نکلا۔

"میری صورت میں اگر تم پسند کرو تو یقین جانو میں تمہیں عماد سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کروں گا اور تمہارے بچوں کو کبھی یہ احساس بھی نہ ہونے دوں گا کہ وہ میری اولاد نہیں ہیں۔" وہ میرے سامنے کھڑا بڑے پراعتماد انداز میں بولتے ہوئے مجھے یقین دلا رہا تھا اور میں ہکا بکا صرف اس کی شکل دیکھے جا رہی تھی۔

"ہاں نشیمہ جن لوگوں نے مل کر ہماری محبت کا مذاق اڑایا ہمیں دھوکہ دیا کیا ان لوگوں کو ویسا ہی جواب دینا ہم پر فرض نہیں ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا میں سمجھ نہ پائی۔

"لیکن رحمان تم خود سوچو لوگ کیا کہیں گے۔" میں نے قطعی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اور پھر مجھ میں اور ماہین میں کیا فرق رہ جائے گا۔"

"نہ رہے فرق تم نے فرق رکھ کر کرنا بھی کیا ہے؟ نکاح ثانی بالکل اسی طرح تمہارا حق ہے جس طرح عماد اور ماہین کا اور ہمارے مذہب میں بھی اس کی اجازت ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کنواری لڑکی سے قبل طلاق یافتہ یا بیوہ کا نکاح کیا جائے مجھے قرآن سے حوالہ دے کر بتاؤ یہ کہاں لکھا ہے کہ مطلقہ کی شادی جائز نہیں ہے کیا حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے ہمارے پیارے نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ثانی نہ کیا تھا بولو نشیمہ جواب دو۔" اور یقیناً" میرے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا میں اس کی دی ہوئی دلیلوں کے سامنے لاجواب ہو گئی اور اسی پل کمرے کا پردہ ہٹا کر امی بھی اندر داخل ہو گئیں میں نے ایک نظر ان کی جانب ڈالی مجھے اندازہ ہوا رحمان مجھ سے پہلے اپنا مدعا میری ماں کے سامنے پیش کر چکا ہے۔

"میرے بچے کیا کہیں گے کہ ہماری ماں۔۔۔" میں نے ایک نظر امی کے چہرے پر ڈال کر ایک اور کمزور سا جواز پیش کرنا چاہا لیکن میری بات کو رحمان نے درمیان سے ہی کاٹ دیا۔

"کیا معیز تمہارا بیٹا نہ تھا؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"یقیناً تھا پھر وہ تمہیں چھوڑ کر عماد اور ماہین کے پاس کیوں چلا گیا؟" پہلے سوال کے جواب کے بعد اس نے خود ہی دوسرا سوال بھی کر دیا اور میں جانتی تھی کہ اسے میرے جواب کی ضرورت نہیں ہے وہ تو صرف مجھے سمجھانے کے لیے دلیل استعمال کر رہا ہے۔

"صرف اس لیے کہ تم اسے وہ آسائشات نہیں دے سکتیں جو عماد دے رہا ہے اور ایسا کرتے ہوئے اسے یہ احساس کیوں نہ ہوا کہ اس کے بغیر اس کی ماں مر جائے گی کیا اس نے تمہارا ذرا سا بھی احساس کیا۔" وہ آج سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا جو میں نے خود سے بھی آج تک چھپایا ہوا تھا۔

"اگر تم مجھ پر اعتبار کرو تو یقین مانو میں معاذ اور معیث کو اپنی اولاد جیسا ہی پیار کروں گا میں اگلے پندرہ دن تک پاکستان میں ہوں اور فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں ہاں یا نا تم کو مکمل اختیار ہے جو چاہو کرو لیکن اتنا یاد رکھنا تمہاری ایک ہاں تمہیں زندگی کی وہ تمام خوشیاں دے سکتی ہے جو تمہارا مقدر ہونا چاہئیں کیونکہ اپنی زندگی جینے کا تمہیں بھی اتنا ہی حق ہے جتنا عماد کو۔" مجھ سے بات کرتا وہ امی کے قریب چلا گیا۔

"آنٹی آپ کے کہنے کے مطابق میں نے خود

نشیمہ سے بات کرلی ہے آپ اس پر کوئی زبردستی نہ کیجیے گا اگر یہ راضی ہو تو مجھے فون کردیجیے گا میں باقاعدہ امی کو آپ کے پاس بھیجوں گا اور اب اجازت دیں۔" اس نے امی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا ایسے کیسے اب تو افطاری ہونے والی ہے روزہ افطار کرکے جانا۔"

"نہیں آنٹی! امی میرا انتظار کررہی ہوں گی۔"

"اللہ حافظ۔" امی سے بات کرتے کرتے اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب چلا گیا وہ جاتے جاتے مجھے ایک پل صراط پر کھڑا کرگیا جس کے ایک طرف دنیا تھی اور دوسری طرف میری اپنی زندگی کی خوشیاں، مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کس کا انتخاب کروں اور پھر فوراً ہی میرے پروردگار نے مشکل آسان کردی۔

"پاپا۔ پاپا۔" کارپٹ پر بیٹھا میرا ڈیڑھ سالہ بیٹا رحمان کے باہر نکلتے ہی بلکنے لگا، میں نے اور امی نے چونک کر ایک ساتھ اس پر نظر ڈالی میں تیزی سے آگے بڑھی اور اس گود میں لے لیا جبکہ وہ روتے ہوئے مسلسل پاپا کی گردان کررہا تھا اتنی ضد تو اس نے کبھی کی ہی نہ تھی جتنی آج رحمان کے جانے کے بعد کررہا تھا اور پھر اسے سنبھالتے میں ہلکان ہوگئی امی خاموشی سے باہر نکل گئیں بنا مجھے کچھ کہے اور پھر اس رات معیث کی حالت نے مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی کردی صبح میرا فیصلہ سنتے ہی گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

جی ہاں میں نے رحمان سے شادی کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ یہ ہی میرے اور میرے بچوں کے حق میں بہتر تھا اور ویسے بھی ہم فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں ہماری تقدیر کا فیصلہ کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر عید کے دوسرے دن میں رحمان سے عقد ثانی کے بعد اسپین آگئی جہاں آکر مجھے اندازہ ہوا کہ زندگی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہوجاتی۔

☆ ☆ ☆

آج میری شادی کو دس سال ہوچکے ہیں معاذ اور معیث کے علاوہ ہماری ایک بیٹی مریم بھی ہے، جس سے وہ دونوں بے حد پیار کرتے ہیں اس عرصہ میں، میں چار بار پاکستان گئی اور ہر دفعہ معیز سے ضرور ملی۔ ماہین دو بیٹوں کی ماں بن چکی تھی جبکہ خرم بھی دوسری شادی کرتے ہی پریشے اور فرشتے کو ماہین کے حوالے کرگیا تھا اس طرح معیز چار بہنوں کے اکلوتے بھائی کی حیثیت سے بڑے ٹھاٹ بھاٹ کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں جب بھی پاکستان گئی کبھی بھی عماد اور ماہین سے نہ ملی ماہین نے ایک دو دفعہ معیز کے ذریعے مجھ سے ملنے کی کوشش کی لیکن میرے سخت رویہ کے سبب وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکی کیونکہ میں پیچھے دیکھنے کی قائل نہ تھی اور ویسے بھی سوائے معیز کے میرا ان دونوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

معاذ اور معیث کو کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ رحمان ان کا باپ نہیں ہے اور آج اگر رحمان کی اس نیکی کو یاد رکھتے ہوئے میں اپنے پروردگار کا جتنا شکر ادا کروں تو کم نہ ہوگا میرا اللہ ہی تھا جس نے دس سال پہلے رحمان کو میرے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا ورنہ اس سے قبل کی زندگی میں تو رحمان کا مجھ سے کوئی تعلق بھی نہ تھا تو پھر یہ طے ہے کہ آج میں رحمان کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہی ہوں وہ میرے پروردگار عالم کی دی ہوئی ایک عنایت ہے جس پر میں اس کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے یقیناً" رحمان ہی میرا نصیب تھا اور عماد ماہین کا جو ہمیں ہمارے وقت پر عطا کردیا گیا کیونکہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اور اس سے پہلے یا بعد ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوسکتا ہم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں۔

☆ ☆

کچن کا پھیلاوا سمیٹتے سمیٹتے اسے رات کے بارہ بج گئے تھے' کام تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ کمر تختہ ہو رہی تھی' آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ بار بار کمرے میں لیٹے حمزہ کا خیال آتا وہ یوں تو نیند کا بہت پکا تھا لیکن آج کل بخار کی وجہ سے کچھ چڑچڑا سا ہو رہا تھا۔ شاید بڑھنے کی عمر تھی' قد نکال رہا تھا اس لیے بھی وہ اسے کمزور کمزور دکھائی دیتا تھا۔

"عانی ذرا ایک کپ چائے بنا دو یار' سر میں بہت درد ہے۔"

سونیا بھابھی نے اپنے کمرے سے نکل کر ٹی وی آن کرتے ہوئے کہا۔ ریحان بھائی ان دنوں کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے اور جب وہ گھر نہیں ہوتے تھے تو سونیا بھابھی یوں ہی بولائی سی پھرتی تھیں ابھی تک ان کی گود بھی خالی تھی شاید اسی لیے وہ ریحان بھائی کی کمی کو زیادہ محسوس کرتی تھیں۔

"جی بھابھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ اس کی حیثیت اس گھر میں ایسی ہی تھی وہ اپنے پیا کے من کو نہیں بھائی تھی پھر کوئی اور اس کی عزت کیسے کرتا عانیہ سہیل' اپنے میاں سہیل ہمدانی کو بالکل پسند نہیں تھی۔ وہ اس کے معیار پر پوری نہیں اتری تھی محض چند دنوں کی قربت جو آدم اور حوا کی اولاد میں خدا نے نسل انسانی کی بقا کے لیے رکھی ہے اس کے لیے ایک سہارا دنیا میں لے آئی' حمزہ سہیل اس کا بیٹا جو اپنی ماں کی زندگی کا محور بن گیا حمزہ کی پیدائش کا سن کر بھی سہیل پر کوئی فرق نہیں پڑا' انٹرنیٹ پر اس کی تصاویر دیکھ کر ہی شاید اس نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا کبھی کبھار اس کے لیے کوئی کھلونا' کپڑے یا چاکلیٹ بھیج دیتا تھا گھر میں سب کے لیے ہی کچھ نہ کچھ آتا تھا۔ اگر خالی ہاتھ رہتی تو عانیہ سہیل شاید وہ اس سے اتنی نفرت کرتا تھا کہ اس کا خیال بھی سہیل حیدر کو نہیں آتا تھا۔

"لیں بھابھی چائے۔" اس نے چائے کا کپ انہیں تھمایا اور کچھ کہے بنا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"حمزہ میری جان کیا ہوا؟" وہ کمرے میں داخل ہوئی تو حمزہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔

"ماما — پیٹ میں بہت درد — ہے۔" وہ رونے لگا۔

"میرا بچہ۔ تم نے مجھے بلایا کیوں نہیں بیٹا' میں کچن میں تھی نا۔" وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"آپ کو پہلے ہی اتنا کام ہوتا ہے ماما۔" وہ درد کی شدت سے دوہرا ہو رہا تھا۔

"میں آپ کو کھانا دے کر گئی تھی نا' کھایا نہیں کیا؟" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ڈھکے ہوئے برتنوں کی طرف دیکھا۔

"نہیں ماما' بھنڈی مجھے پسند نہیں۔" وہ روتا رہا۔

"بھنڈی؟" اس نے حیرت سے حمزہ کی سمت دیکھا۔

"جی ماما' تائی امی آئی تھیں کہہ رہی تھیں کہ ارسل چکن کے لیے بہت ضد کر رہا ہے۔ تم یہ سالن اسے دے دو۔" وہ پیٹ پر ہاتھ دھرے اسے بتانے لگا۔ اس کے دل کو جھٹکا سا لگا۔

"لیکن ارسل کو تو میں خود کھانا دے کر آئی تھی اور تمہیں یہ درد بھوک کی وجہ سے ہے اور کچھ نہیں ہے اٹھو بھنڈی پسند نہیں ہے نا تو یہ بسکٹ کھا لو' میں تمہارے لیے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں سے بسکٹ کا پیکٹ نکال کر حمزہ کی طرف بڑھایا جسے وہ فوراً" کھانے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت بھوکا ہو۔ عانیہ نے غور سے دیکھا حمزہ اسے بہت کمزور اور بجھا ہوا دکھائی دیا وہ فوراً" دودھ کے لیے اٹھ گئی۔ حمزہ کی خوراک نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس گھر میں شروع سے ہی اس کے حق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا تھا لیکن کسی کو احساس نہیں تھا۔ خود عانیہ کام کی زیادتی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے دن بہ دن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

"لو میری جان دودھ پی لو۔" اس نے دودھ کا گلاس حمزہ کی سمت بڑھا دیا۔

"ماما صبح پھر دادی شور مچائیں گی کہ دودھ ختم ہو گیا۔" وہ کتنا حساس ہو چکا تھا۔

"مچانے دو' تمہاری ماما اتنا کام کرتی ہے' اتنا تو حق بنتا ہے ہمارا۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"لیکن ماما' پاپا نے کبھی آپ کو پیسے کیوں نہیں بھیجے؟" کیسا سوال کر دیا تھا اس نے' عانیہ ہکا بکا اسے دیکھے گئی' پانچ سالہ حمزہ اتنا عقل مند اور حساس کب سے ہو گیا تھا اسے اندازہ ہی نہیں ہوا۔ ایسی سوچوں میں گھر کر وہ اپنی دماغی صحت بھی خراب کرے گا۔

"نہیں بیٹا ایسے نہیں سوچتے۔"

"مجھے سب پتا ہے ماما' پاپا سب کو چیزیں بھیجتے ہیں لیکن آپ کے لیے کچھ بھی نہیں' ماما اب اگر انہوں نے مجھے کچھ بھیجا تو میں لینے سے انکار کر دوں گا۔" وہ شاید فیصلہ کر چکا تھا۔ اس وقت اس سے بحث فضول تھی۔ عانیہ نے خاموشی میں ہی بہتری سمجھی۔ حمزہ دودھ پی کر اس کی گود میں سر رکھے سو گیا۔ عانیہ کی آنکھوں سے آنسو پھسلتے رہے' رات گہری ہوتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ہمہ وقت محفل جمی رہتی۔ اماں جان' بڑے جیٹھ عدیل بھائی' ان کی بیوی سعدیہ بھابھی' بیٹا ارسل' بیٹی حمنیٰ' اماں جان کی آنکھ کے تارے تھے۔ سعدیہ بھابھی بھی گھر کی بڑی بہو ہونے کا خوب فائدہ اٹھاتی تھیں۔ ان کے مزاج شاہانہ تھے۔ گوری رنگت پر جدید تراش خراش کے ملبوسات پہنے' ہر وقت صاف ستھری بجی سنوری رہتی تھیں' انہیں اپنی صحت اور خوراک کا خیال بھی بہت تھا' کچھ یہ ہی حال ان کے بچوں کا بھی تھا۔ عدیل بھائی اپنی تیس ہزار کی سیلری میں سے فقط سات ہزار ماں کو دے کر ہر فرض سے بری ہو جاتے تھے۔ بقیہ رقم ان کے بیوی بچوں پر ہی خرچ ہوتی تھی۔ کچھ یہ ہی حال سونیا بھابھی کا بھی تھا۔ ریحان بھائی کا بزنس اچھا خاصا تھا وہ ہر وقت بیوی کو اعلا لباس میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ سونیا بھابھی کے پاس تو زیورات بھی بہت تھے وہ ہفتہ میں ایک بار بیوٹی پارلر سنور جاتی تھیں۔ ان کی گوری چمکتی رنگت اکثر ہی سعدیہ بھابھی کو جلن میں مبتلا کر دیتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد میں بناؤ سنگھار کرتی تھیں۔

اس کے سسر مرحوم اپنی وفات سے ایک سال قبل اسے سہیل کے ساتھ بیاہ کر لائے تھے۔ گھر میں سب ہی اس شادی کے خلاف تھے۔ اپنی خوبصورت بھابھیوں کی موجودگی میں سہیل بھی ان کی ٹکر کی بیوی چاہتا تھا لیکن باپ کی جذباتی بلیک میلنگ کے ہاتھوں مجبوراً" اسے عانیہ ادریس سے شادی کرنی پڑی تھی وہ اس کے چچا کی بیٹی تھی اور یتیمی کی زندگی بسر کر رہی تھی' شادی کے دو مہینے بعد عانیہ کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا اور اس طرح اس کا میکا بالکل ختم ہو گیا سہیل کی ناپسندیدگی پہلے دن سے ظاہر تھی۔ دبلی پتلی سیدھی سادی عانیہ اپنے پیا کے من کو بھائی ہی نہیں۔ وہ چند مہینے اس کے ساتھ گزار کر وہاں سے چلا گیا پھر شوہر کی بے زاری' خوراک کی کمی اور کام کے بوجھ نے اسے مزید کمزور اور پھیکا کر دیا۔ وہ مجبور اور بے بس تھی میکا ختم ہو چکا تھا اور جائے پناہ نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ سہیل نے ایک بڑی رقم ماں کے نام بھیجی تھی جس میں گھر کے رنگ و روغن سے لے کر راشن تک کے اخراجات شامل تھے۔ عید کی تیاری کے لیے رقم الگ سے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جب بھی گھر فون کرتا تھا حمزہ سے بات کر کے فون بند کر دیتا تھا۔ عانیہ کے بارے میں اس نے کبھی حمزہ سے بھی نہیں پوچھا تھا۔ سونیا بھابھی نے انٹرنیٹ پر سب کی تصاویر سہیل کو بھیجی تھیں۔ یہ تصاویر شب برات پر لی گئی تھیں۔ سہیل نے فون پر ان تصاویر پر کھل کر تبصرہ کیا تھا فون کا اسپیکر آن تھا' وہ جو کچھ فاصلے پر بیٹھی سب کے کپڑے استری کر رہی تھی اپنے نام پر چونک گئی۔

"عانیہ کیسی لگ رہی تھی سہیل؟" سونیا بھابھی نے شاید جان بوجھ کر اس کا ذکر کیا تھا۔

"عانیہ۔۔ اچھا وہ عانیہ تھی۔ میں سمجھا شاید ہینگر پر

کپڑے ٹنگے ہیں۔" اور پھر ایک بھرپور قہقہہ پڑا تھا دونوں جانب۔ وہ آنکھیں چھلکنے لگی۔ آنسو اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ قسمت نے اس کے ساتھ میں کتنا بے مروت شخص لکھ دیا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر حمزہ کی سمت دیکھا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔

"حمزہ لو پاپا سے بات کرو۔" سونیا بھابھی نے حمزہ کو سہیل کے کہنے پر آواز دی تھی۔

"مجھے بات نہیں کرنی۔" وہ غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا۔ عانیہ نے کچھ حیرت اور کچھ غصے سے حمزہ کی سمت دیکھا۔ وہ یہ کبھی نہیں چاہتی تھی کہ حمزہ اپنے باپ سے متنفر ہو جائے۔

"دیکھو تو سہی ذرا' بالشت بھر کا لڑکا ہے اور غصہ۔۔۔" اماں جان نے بے حد غصے سے حمزہ کی پشت کو گھورا۔

"باپ کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا تم نے عانیہ۔۔۔ یہ انتقام کا کون سا طریقہ ہے؟ اب اگر تم سہیل کو پسند نہیں ہو تو اس میں اس بچے کا کیا قصور ہے' جس کے دماغ میں باپ کے خلاف زہر بھر رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ اماں جان ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نے کبھی حمزہ سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ وہ خود محسوس کرتا ہے۔" عانیہ منمنائی۔۔۔ اماں جان کی قہر بھری نظروں کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا۔ وہ بھی استری پر جھک گئی۔ دھیان حمزہ میں ہی اٹکا تھا۔

☼ ☼ ☼

مہینے بھر کا سامان آیا تھا۔ سبزیاں' پھل' فروٹ اس کے علاوہ اور بسکٹ' بریڈ۔۔۔ مکھن' کیک' نمکو یہ سب چیزیں اس کے علاوہ تھیں۔ عانیہ نے اماں جان کی ہدایت کے مطابق ان تمام اشیا کو کچن میں سمیٹا۔ سبزیاں کاٹ کر رکھیں۔ فروٹ کو دھو کر خشک کیا اور ٹوکریاں بھر کے فریج میں رکھ دیں۔ اس تمام کام سے فارغ ہو کر گھر بھر کی صفائی ستھرائی کی۔ بیڈ کی چادریں دھلائی کیں۔ پردے تبدیل کیے۔ سحری کے لیے قیمہ الگ سے بھون کر رکھا اور سبزی کا سالن الگ سے بنایا۔ میدے کے پراٹھوں کے لیے میدہ گوندھا۔ آٹا الگ سے گوندھ کر رکھا۔ تمام کام کرتے کرتے وہ تھکن سے اتنی نڈھال ہو گئی کہ قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ کمرے میں آئی تو حمزہ گہری نیند سو چکا تھا۔ اس نے الارم کلاک پر سحری کے لیے الارم سیٹ کیا اور آنکھیں موند لیں۔ تھکن اتنی شدید تھی کہ فوراً ہی وہ گہری نیند سو گئی۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ فون کی بیل سے کھلی۔ اس وقت فون سننے کے لیے کون اٹھ سکتا تھا۔ وہ پاؤں میں چپل اڑس کر باہر نکلی تو تہجد کا وقت ہو رہا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔ سہیل کے دوست علی بھائی کا نمبر تھا۔

"ہیلو۔۔۔"

"ہیلو۔۔۔ عانیہ السلام علیکم۔۔۔ رمضان مبارک۔" دوسری طرف سے علی بھائی کی بیوی شازینہ کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ بہت لمبے عرصے کے بعد اس نے فون کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کو بھی رمضان مبارک ہو۔ آپ نے مجھے پہچانا کیسے؟" وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ علی بھائی اور شازینہ سے شروع دنوں میں ہی اس کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔ سہیل کی اس کے لیے ناپسندیدگی سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ پھر شازینہ کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تو وہ لوگ اپنے آبائی گھر چلے گئے۔ دو' تین سال وہاں رہنے کے بعد اب وہ لوگ واپس آ چکے تھے۔ لیکن محض اپنی واپسی کی اطلاع دینے کے علاوہ انہوں نے اور کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔

"ارے بھئی مجھے معلوم ہے اس گھر میں اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جاگ سکتا۔ اچانک سے تمہارا خیال آ گیا۔ سوچا رمضان کی مبارک دے دوں۔" شازینہ کی چہکتی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ہاں یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ علی بھائی کیسے ہیں؟ اور عروج؟"

"علی بھی ٹھیک ہیں اور عروج بھی' ہٹی کٹی ہیں ہم دونوں ماں' بیٹیاں۔" وہ ہنسنے لگیں۔

"تم سناؤ حمزہ کیسا ہے اور سہیل؟ اس کا رویہ اب تو بہتر ہو گا نا؟" اس نے انجانے میں عانیہ کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"حمزہ ٹھیک ہے اور سہیل سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیا مطلب؟" دوسری طرف بے حد حیرت سے پوچھا گیا تھا۔ عانیہ نے عقب میں اماں جان کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔

"اچھا بھابھی' میں آپ کو پھر کبھی فون کروں گی۔ سحری کا وقت ہو رہا ہے۔" اس کا دل ان کے خوف سے زور سے دھڑکا تھا۔ دوسری جانب شازینہ جیسے سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

"اوہ تو کوئی آس پاس موجود ہے۔ تم اپنا سیل نمبر دے دو میں تمہیں خود آرام سے کال کر لوں گی۔"

"میرے پاس موبائل نہیں ہے بھابھی' اللہ حافظ۔" اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔

"کس کا فون تھا عانیہ؟" اماں جان نے ٹی وی لاؤنج میں بچھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"علی بھائی کی بیوی شازینہ بھابھی کا۔ رمضان کی مبارک دے رہی تھیں۔" وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ شاید انہوں نے کچھ توجہ سے سنا نہیں تھا۔ سو خاموش ہی رہیں۔ سب کے لیے سحری بنا کر سب کو جگانا۔ بچوں کے لیے الگ سے ناشتا بنانا پڑتا تھا۔

"لو جی آج اللہ کے فضل سے پہلا روزہ رکھا گیا ہے۔ خیریت سے تمام روزے گزریں۔" اماں جان نے سحری بند ہونے پر با آواز بلند کہا تھا۔ ایسے میں عانیہ کے دل سے ایک دعا بڑی شدت سے نکلی تھی۔

سحری کے نام پر بھی اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا تھا اور سب کی نظر بچا کر بقیہ پراٹھا' قیمہ اور ملک شیک حمزہ کے لیے رکھ دیا تھا۔ سحری کے برتن دھو کر اس نے فجر کی نماز ادا کی۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی وہ اسی وقت کر لیتی تھی۔ وہ اس وقت آرام سے اللہ کا ذکر کر سکتی تھی۔ ورنہ باقی کا دن تو گھر کے کاموں میں ہی گزر جاتا تھا۔ دوبارہ ستانے کا وقت ہی نہ ملا۔ بچے اٹھ گئے اور ان کے ناشتے کی تیاری شروع کر دی۔ حمزہ کا ناشتا وہ پہلے ہی کمرے میں رکھ آئی تھی۔ نہ جانے ارسل نے مخبری کی تھی یا پھر اماں جان نے خود دیکھا تھا۔ وہ دونوں ماں' بیٹا ان سب کی عدالت میں مجرم بن کر کھڑے تھے۔

"سب بچے بریڈ کا ناشتا کرتے ہیں نا تو پھر حمزہ کے لیے یہ عیاشی کیوں؟"

"اماں جان میں نے اپنے حصے کا ناشتا حمزہ کے لیے رکھ دیا تھا۔ میں نے اسے الگ سے بنا کر نہیں دیا۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"ارے رہنے دو بی بی۔۔۔ ہم اندھے نہیں ہیں۔ تم بھی صبح سب کے ساتھ ڈٹ کر بیٹھ کر کھا رہی تھی۔ ارے یہ تو ہمارا احسان ہے جو تمہیں پوچھ لیتے ہیں۔ ورنہ تمہارا میاں تو تمہارے نام پر ایک پھوٹی کوڑی نہیں بھیجتا۔ وہ تو تمہارا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ ہم ہی ہیں جو تمہیں بہو تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ کیا خبر کب سہیل کی طرف سے زور بڑھے اور ہم تمہیں فارغ کر دیں۔" اماں جان نے سب کے سامنے اسے خوب سنائیں۔ حمزہ نے غور سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ کمزور سی عانیہ کہیں سے بھی ڈٹ کر کھانے والی نہیں لگ رہی تھی۔

"اور کیا اماں جان' سہیل تو کتنی مرتبہ کہہ چکا ہے مجھے دونیا کے لیے۔" سونیا بھابھی نے جیسے برچھی ہی اس کے دل میں گاڑھ دی تھی۔ ایک موہوم سی امید' ایک آس بھی دم توڑتی محسوس ہوئی تھی۔

"مجھے بھی کہہ رہا تھا؟ بھابھی عانیہ تو اپنی طرف سے بالکل ہی غافل ہے۔ میں اسے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔" سعدیہ بھابھی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ عانیہ کا جی چاہا کہ وہ فوراً سے بھی پیشتر وہاں سے چلی جائے۔ لیکن کہاں' یہ ہی سمجھ نہ آیا۔

"اس مرتبہ آئے تو میں خود دونیا کے لیے بات

کروں گی۔ اتنی لمبی زندگی ہے' کب تک یوں گزارہ ہو گا؟ حمزہ بیٹا ہے اس سے رشتہ ختم نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب بیوی سے دل ہی نہ راضی ہو تو کیسے نباہ ہو گا؟ ایک یہ ہے اسے بھی شوہر کی خوشی اور پسند سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔" اماں جان نے جیسے فیصلہ سنایا تھا۔

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی برکتیں نچھاور کر رہا تھا۔ وہ ہر رات اللہ کے حضور گڑگڑاتی تھی۔

"یا اللہ میرا گھر آباد رکھنا۔ میرے شوہر کے دل میں میرے لیے محبت پیدا کرنا۔ اپنے بچے کا احساس جگانا۔ یا اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں اپنا گھر آباد رکھنے کے لیے ان سب کی خدمت کرتی ہوں۔ خود پر دھیان دینے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں کہاں سے لے کر آؤں۔۔۔ اس گھر میں' میں اور میرا بیٹا دو وقت کی روٹی کو بھی محتاج ہیں' جھوٹی اور باسی روٹی کھا کر ہم دونوں اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔ یا اللہ اس بات کا احساس میرے شوہر کو ہو جائے۔" وہ سجدے کی حالت میں گڑگڑاتی رہی۔ روتی رہی۔ نہ جانے کیوں دل کو یقین تھا کہ سہیل ایک دن اس کی طرف ضرور لوٹے گا۔

☼ ☼ ☼

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ ایک دن اچانک ہی علی بھائی اور شازینہ بھابھی آ گئے۔

"عانیہ' یہ تم ہو؟" وہ کتنی ہی دیر اسے حیرت سے دیکھتی رہیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عانیہ؟ تم ایسی تو نہیں تھیں' میں نے مانا کہ تم صحت مند نہیں تھیں۔ لیکن اتنی کمزور اور نڈھال بھی نہیں تھیں اور یہ حمزہ۔۔۔ یہ تو تم سے بھی زیادہ کمزور دکھائی دے رہا ہے۔" شازینہ کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"پلیز بھابھی خاموش رہیے۔" وہ اپنے آنسو پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"آنٹی جی میں آپ سب کو افطار کی دعوت دینے آئی تھی۔ کل آپ سب نے افطاری ہمارے ہاں کرنی ہے۔ عانیہ تم ضرور آنا۔ حمزہ کو بھی ضرور لے کر آنا۔" وہ جاتے جاتے بولی۔

اگلے روز وہ ان سب کے ساتھ نہیں جا سکی تھی۔ اماں جان کا خیال تھا کہ اس طرح اگلی سحری کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔ شازینہ نے پوچھا تو انہوں نے بہانہ بنا دیا۔

"بس حمزہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اسے بھی کچھ نہ کچھ ہوا رہتا ہے۔ کبھی پیٹ میں درد' کبھی کان میں درد۔" وہ چڑ کر بولیں۔ شازینہ نے ان سے چھپ کر عانیہ کو فون ملا دیا۔

"عانیہ میں جانتی ہوں یہ سب جھوٹ ہے' تمہیں نہ لے کر آنے کا بہانہ پہلے میں نے تمہارا حال دیکھا تو دل چاہا تمہیں فوراً لے جاؤں۔ یار نہ تمہاری صحت ہے' نہ کپڑے جوتی مناسب ہیں۔ اوپر سے حمزہ۔ نہیں عانیہ تم اپنے ساتھ ساتھ اپنے بچے کے ساتھ بھی ظلم کر رہی ہو۔"

"میں کیا کروں بھابھی۔۔۔ بہت مجبور اور بے بس ہوں۔ جب میرا شوہر ہی مجھے تسلیم کرنے کو تیار نہیں تو میں کسی اور کو کیا کہوں؟" وہ رو دی۔ ضبط جواب دے گیا۔

"اسے کیا اعتراض ہے؟" شازینہ کو کچھ اندازہ تو تھا۔

"میری شکل و صورت' میری خراب صحت' میرا لباس' غرض یہ شازینہ بھابھی کہ میں پوری کی پوری سہیل کو ناپسند ہوں۔" اس نے صاف صاف بتا دیا۔

"یعنی وہ ابھی تک تمہیں اپنی بیوی تسلیم نہیں کر سکا۔ عانیہ یہ زیادتی ہے۔" شازینہ کا جی چاہا کہ وہ سہیل کا گلا دبا دے۔

"آپ فون رکھیے بھابھی۔۔۔ اماں جان کو شک ہو جائے گا۔" وہ ان سے کتنی ڈری ہوئی تھی۔ شازینہ کو بخوبی اندازہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے رکھتی ہوں۔" وہ بہت کچھ سوچ کر بولی۔

☼ ☼ ☼

اماں جان کو شازینہ کا آنا جانا قطعی پسند نہیں تھا۔ وہ عانیہ کی بہت حمایت کرتی تھی۔ چاند رات کو جب شازینہ اور علی بھائی افطار کے لیے آئے تو انہیں اندازہ ہو گیا کہ عانیہ اور حمزہ اس گھر میں کس حیثیت سے رہ رہے ہیں۔

"یہ سراسر زیادتی ہے شانو' ہمیں انسانیت کے رشتے سے ہی عانیہ اور حمزہ کو یہاں سے لے جانا چاہیے۔" جو بات شازینہ کے دل میں تھی' وہی بات علی نے خود کر دی۔

"اس بے چاری کے میکے میں بھی کوئی نہیں ہے۔" شازینہ نے باورچی خانے میں برتنوں کا ڈھیر دھوتی عانیہ کو ترس بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"اور حمزہ کو دیکھو' بچے اس عمر میں ہنستے مسکراتے اور صحت مند ہوتے ہیں۔ سہیل کو سیدھے طریقے سے بات سمجھ نہیں آئی' دوسرا طریقہ اپنانا ہی پڑے گا۔ یہی سہیل ایڑیاں رگڑتا ہوا آئے گا اپنی بیوی کے پاس۔" علی نے فیصلہ کر لیا۔ اس وقت وہ دونوں میاں' بیوی بھی کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے چلے گئے۔

عید کا دن بھی آ پہنچا۔ سہیل نے سب کے لیے عیدی بھیجی تھی۔ حمزہ کے لیے بھی عیدی کا ایک ہزار روپیہ تھا جو اماں جان نے اپنی مٹھی میں دبا لیا۔

"حمزہ نے کیا کرنا ہے ان پیسوں کو۔ ارسل کا نیا سوٹ عید پر پہن لے گا۔ دونوں ماں' بیٹا کھاتے پیتے عیاشی میں ہیں۔ میرا احسان ہے جو رکھا ہوا ہے۔ سہیل تو کب سے اشاروں میں کہہ چکا ہے۔" اماں جان کوئی موقع نہیں چھوڑتی تھیں دل جلانے کا۔

عید کا سارا دن وہ کام میں مصروف رہی۔ سویاں' چنا چاٹ' فروٹ چاٹ مختلف طرح کے حلوے' چکن کی ڈشز۔۔۔ کام کرتے کرتے کمر دوہری ہو گئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ چکرا کر گرنے لگی کہ کسی نے اسے سنبھال لیا۔ دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ بجھتی آنکھوں نے سہیل کا ہیولا سا دیکھا تھا اور پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک آرام دہ بستر پر تھی۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی' یہ اس کا کمرہ نہیں تھا۔

"کیسی ہو عانیہ؟" شازینہ بھابھی سامنے ہی جوس لے کر کھڑی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ حمزہ کہاں ہے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"تم فکر مت کرو' حمزہ دوسرے کمرے میں سو رہا ہے۔ رات کو اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ آئس کریم کھائی' علی کے ساتھ ویڈیو گیم کھیلا اور اب لمبی تان کے سو رہا ہے۔" شازینہ نے اس کی تسلی کے لیے ساری تفصیل بتائی۔

"لیکن ہم یہاں کیسے؟" وہ اٹھ بیٹھی۔

"فی الحال تم یہ جوس پیو' پھر سب کچھ بتاؤں گی۔" شازینہ نے اس کی طرف جوس کا گلاس بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم شدید نقاہت اور کمزوری کا شکار ہو۔

"بتائیے نا بھابھی؟" وہ متجسس تھی۔

"تم جانتی ہو نا کہ سہیل چاند رات کو گھر آ چکا ہے۔" شازینہ اس کے قریب آ بیٹھی۔

"نہیں' میں اس بارے میں بالکل نہیں جانتی تھی۔ بس جب ہوش جا رہے تھے تو سہیل کو اپنے قریب محسوس کیا تھا۔ نہ جانے وہ کوئی وہم تھا یا حقیقت۔"

"یہ سچ ہے' وہ چاند رات کو گھر آ چکا تھا۔ عید کے روز جب تم بے ہوش ہو کر گر رہی تھیں تو اس نے تمہیں گرنے سے سنبھالا۔ سچ تو یہ ہے کہ عانیہ سہیل تم سے محبت نہیں کرتا تھا۔ اس کے نزدیک تمہاری کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ لیکن جب اس نے تمہیں اتنی بری حالت میں دیکھا تو وہ خود کو تمہارا مجرم سمجھنے لگا اور سب سے بڑھ کر جب حمزہ نے بھی اسے موردِ الزام ٹھہرایا۔ میں اور علی تم سب سے عید ملنے آ رہے تھے۔ جب سہیل کو تمہیں اپنی گاڑی میں ڈالتے ہوئے دیکھا۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ عانیہ اور میں تمہیں اور حمزہ کو اپنے ساتھ لے آئی۔ میں نے سہیل کو بے نقط سنائیں۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

تمہارا زرد مرجھایا چہرہ مجھے اور بھڑکا رہا تھا۔ سہیل نے اپنی بیوی کا حق غصب کیا تھا اور میں ایسے شخص کو کبھی معاف نہیں کرتی جو اپنی بیوی سے زیادہ دوسروں کو اہمیت دے۔" شازینہ نے اسے ساری تفصیل بتادی۔

"لیکن اماں جان کی بات تو اور ہے نا۔" وہ منمنائی۔

"پلیز عانیہ۔ یہ ہی تو ہمارے مردوں کی برائی ہے کہ ان کے ماں باپ کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ انسان نہیں فرشتے ہیں اور اگر خدانخواستہ ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا سے چلا جائے تو اس کے لگائے گئے زخم بھی بھول جاتے ہیں۔ ارے اگر موت گناہوں اور غلطیوں کو دھو دیتی تو اللہ تعالیٰ حساب کتاب کا دن ہی کیوں رکھتے۔ مانا کہ ہم انسانوں کو یہ حق نہیں، ہمیں تو جانے والے کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ لیکن مردہ انسانوں کے لیے زندہ لوگوں کا حق مارنا کہاں کا انصاف ہے۔ اب یہ ہی دیکھو اگر اماں جان کو کچھ ہو جاتا تو سہیل کی تڑپ کچھ اور ہوتی، کیونکہ وہ اس کی ماں ہے، لیکن تم۔۔۔ تم بھی تو کسی کی ماں ہو، تمہاری زندگی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اس کی ماں روز تمہیں طعنے دے دے کر مارتی ہے۔ وہ دکھائی نہیں دیتا اسے۔" عانیہ کا غصہ ختم ہو رہا تھا۔ لیکن شازینہ بھابھی کو سہیل پر بے حد غصہ تھا۔ یہ سچ تھا کہ ـــــ والد کی وفات کے بعد سہیل اپنی ماں کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔

"میں اب تم دونوں کو کہیں جانے نہیں دوں گی اور سچ پوچھو نا عانیہ تو تم بھی قصوروار ہو، تم نے پہلے دن سے خود کو اتنا گرا لیا تھا کہ اس کے نزدیک تمہارا کوئی مقام رہا ہی نہیں، اس نے تمہیں حق دیا نہیں اور تم نے چھین کر لیا نہیں، تم نے خود کو بہتر بنانے کی کوشش ہی نہیں کی۔" شازینہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"کیسے کرتی بھابھی، میرے پاس تو اپنے بچے کو ٹافی دلانے کے لیے ایک روپیہ نہیں ہوتا تھا، بغیر پیسے کے میں کیا کرتی۔ نہ تعلیم حاصل کر سکتی تھی، نہ کوئی ہنر سیکھ سکتی تھی اور نہ صحت اور لباس پر دھیان دے سکتی تھی۔ آپ ہی بتائیے بغیر دولت کیا ہو سکتا ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"ہاں سچ کہتی ہو، خیر اب تم اپنی صحت بھی بناؤ گی، آرام بھی کرو گی اور اپنے حلیے پر بھی توجہ دو گی، دیکھو تم دنیا کی واحد خاتون ہو گی جن کے پاس سجنے سنورنے کا سامان تو دور کی بات، کوئی ڈھنگ کا کپڑا بھی نہیں۔" وہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"سہیل کی اماں جان نے کوئی لڑکی دیکھی ہے اور اسی سلسلے میں سہیل کو یہاں بلایا ہے، اتفاق سے وہ لڑکی میری سیکنڈ کزن ہے میں نے اسے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہے ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ لوگ پاکستان آرہے ہیں، بہت مزا آئے گا جب ہم بھی لڑکی والوں کی طرف موجود ہوں گے۔" شازینہ نے الماری کھول کر کپڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے، بہت عام سے لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں بھابھی، میں سہیل کی بے عزتی کسی صورت نہیں ہونے دوں گی۔" وہ ایکدم کھڑی ہو گئی۔

"ارے ایسا کچھ نہیں ہو گا، تم جلدی سے فریش ہو جاؤ اور یہ سوٹ پہن لو، میں نے تمہارے لیے منگوایا تھا کل لے کر بھی گئی تھی لیکن وہاں صورتحال ہی اور تھی خیر اب لے لو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ، پھر حمزہ اٹھے گا تو ہم لوگ گھومنے چلیں گے، عید منائیں گے۔" وہ بہت عام سے لہجے میں بات کر رہی تھی، ایک خوبصورت سا سوٹ اس کی طرف اچھال کر وہ باہر نکل گئی۔ عانیہ ہاتھوں میں وہ کپڑے اٹھائے سوچتی رہی کہ کیا ہو رہا ہے؟

وہ سب عانیہ کے لیے فکرمند تھے، شازینہ کی کزن حنا کے گھر لڑکے والوں کا انتظار ہو رہا تھا، عانیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں کچھ ہی دیر میں وہ سہیل کو دیکھنے والی تھی حنا نے اسے بہت تسلی دی تھی کہ کچھ بھی غلط نہیں ہو گا۔ لیکن یہ انتظار، انتظار ہی رہا۔ لڑکے والوں نے بے حد انتظار کے بعد فون پر معذرت کر لی۔

"اصل میں ہمارے لڑکے کا بہت برا ایکسیڈنٹ

ہو گیا ہے۔" حنا کا خیال تھا کہ دوسری طرف سے کوئی ایسا جملہ سننے کو ملے گا لیکن ایسا کچھ نہیں کہا گیا۔

"کوئی وجہ؟" حنا کی والدہ نے استفسار کیا۔

"دراصل سہیل کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، ہم لوگ پھر کبھی آجائیں گے۔"

☼ ☼ ☼

پورا ایک سال بیت گیا تھا' خواب بنتے' راہ دیکھتے' انتظار کی شمعیں جلائے وہ ابھی تک شازینہ بھابھی اور علی بھائی کے گھر رہ رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس نے اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دی تھی ایک بوتیک کے لیے کپڑوں کی کٹائی سلائی کا کام گھر پہ ہی شروع کردیا تھا۔ دبلی پتلی کمزور سی عانیہ اب صحت مند اور تازہ دم دکھائی دیتی تھی۔ صاف ستھری جلد' چمکتا چہرہ متناسب سراپا اسے بہت خوب صورت بنا چکا تھا۔ شازینہ بھابھی کے گھریلو ٹوٹکوں نے رنگت بھی بے حد نکھار دی تھی۔ جدید انداز کے ملبوسات تو اب وہ خود ہی بنا لیا کرتی تھی۔ سہیل کی محبت اور اپنے گھر کو بچانے کی چاہ اب بھی اس کے دل میں موجود تھی۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ اللہ کے حضور سجدے میں گر کر رو رو کر دعائیں مانگتی۔

"یااللہ میرے شوہر کا دل میری طرف موڑ دے پروردگار' آپ کر سکتے ہیں میرے مالک' میرے گھر کو اجڑنے سے بچالیں' مجھے میرے شوہر کی نظر میں محبوب کردیں آپ کے اختیار میں ہے یہ مالک۔"

نہ جانے کب اس کی دعائیں قبولیت پا گئی تھیں اس کے رب نے آزمائش کے دن ختم کردیے شازینہ بھابھی چاند رات کو علی بھائی کے ساتھ مہندی لگوانے گئی تھیں۔ وہ ٹیرس پر بیٹھی بادلوں کے پیچھے چھپے چاند کو دیکھنے کی کوشش کررہی تھی۔ حمزہ کب کا سو چکا تھا دروازے پر بیل ہوئی تو وہ چونکی۔

"یہ بھابھی اتنی جلدی کیسے آگئیں؟" وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تبھی کہیں دور پٹاخہ چھوڑا گیا شاید چاند دکھائی دے گیا تھا اس نے دروازہ کھول دیا وہ بلاشبہ سہیل ہی تھا۔ عانیہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا اور سہیل اس کے حسن کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا وہ عانیہ جیسی خوبصورت بیوی کی ناقدری کررہا تھا جو اس کی کمائی پر سب سے زیادہ حق رکھتی تھی غیروں کے در پر پڑی تھی۔

"عانیہ۔" سہیل نے فوراً اسے گرنے سے بچایا تھا وہ اس کی بازوؤں میں جھول گئی۔

"عانیہ۔ عانیہ۔" وہ اس کی بند آنکھوں کو دیکھ کر گھبرا گیا لمبے سیاہ بال' چمکتی جلد' صحت مند سراپا کیا یہ تھی عانیہ میں؟ وہ خود کو ملامت کرنے لگا اس کی ناقدری کرنے کا جرم کیا تھا سہیل نے اسے فاقے دیے تھے توہین کی تھی اس کی اب ازالہ کرنا تھا وہ اسے اندر لے آیا صوفے پر لٹا کر پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر چھڑکے تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"سہیل آپ یہاں؟" وہ حیران بھی اور خوش بھی سہیل نے دیکھا اگرچہ وہ بے حد خوب صورت ہو چکی تھی' لیکن اس کی آنکھیں ویران تھیں۔ سہیل کو ان آنکھوں میں اپنا ہی عکس دکھائی دیا۔

"مجھے شازینہ بھابھی نے تمہاری اور حمزہ کی تصویریں بھیجی تھیں۔ میں ان تصویروں کا موازنہ ان تصویروں سے کرتا رہا جو بھابھی نے مجھے انٹرنیٹ پر بھیجی تھیں۔ میں سوچ میں ڈوب گیا۔ اس پر شازینہ بھابھی نے مجھے خوب سنائیں۔ یہ سچ ہے کہ تم میری پسند نہیں تھیں' لیکن یہ بھی سچ ہے کہ نکاح کے بندھن میں بندھ جانے کے باوجود میں تمہاری قدر نہیں کی' تمہارا حق تمہیں نہیں دیا' میں نے حمزہ کو اور تمہیں اپنی کمائی سے دور رکھا۔ حالانکہ تم دونوں کا حق سب سے زیادہ تھا۔ میں تمہارا گناہ گار ہوں عانیہ' مجھے معاف کردو' الو ہوں میں' گدھا ہوں' جو اتنی خوب صورت بیوی کو چھوڑ کر اور ڈھونڈ رہا تھا۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔

"اور وہ جو اپنی بھابھیوں کے ساتھ میرا مذاق اڑاتے تھے وہ۔" وہ رو دی' دل اسے اتنی آسانی سے معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"کہا نا کہ بہت غلط کرتا تھا۔ اب کوئی تمہارے بارے میں بات کرکے دیکھے زبان کھینچ دوں گا قسم سے۔" اس نے کان پکڑ لیے۔

"یوں مت کریں سہیل۔" عانیہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اب سے خوب صورت ہو اب تو جلیں گی سب نے تم ان کا مذاق اڑانا۔" اس نے عانیہ کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ عانیہ کے چہرے پر دلنشیں مسکراہٹ آٹھہری۔

"آج سے سہیل وعدہ کرتا ہے' میری بیوی اور بیٹے کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اب میں پیسے تمہارے نام بھیجا کروں گا۔ عید کی چھٹیوں کے بعد تمہارا اکاؤنٹ کھلواتا ہوں اور ہاں اب تمہاری اور حمزہ کی صحت کا خیال بھی رکھوں گا۔ پلیز عانی ایک بار مجھے معاف کردو۔" وہ اس کے قدموں میں جا بیٹھا۔ وہ تڑپ کر اٹھی۔

"سہیل مجھے گناہ گار مت کریں۔ غلطیاں انسان سے ہی ہوتی ہیں اور اب تو آپ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔ ہم نئے عہد کے ساتھ اپنی زندگی کا آغاز کررہے ہیں۔ اللہ نے عورت کو کمائی کے لیے پیدا نہیں کیا۔ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کے لباس' اس کی خوراک کا خیال رکھے' اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو جو حال میرا ہے' وہ اللہ کسی کا نہ کرے۔" وہ سسک پڑی۔

"روٹی کے ایک ایک نوالے کو ترسے ہیں ہم ماں' بیٹا' اپنے کھانے تک کا حساب دیا ہے ہم نے۔" وہ سسکیوں کے درمیان کہتی رہی۔

"اب معاف بھی کردو عانیہ۔"

"میں نے آپ کو معاف کیا' عانیہ نے آپ کو معاف کیا سہیل' حمزہ کی ماں نے آپ کو معاف کیا' لیکن آپ بھی ایک وعدہ کریں کہ کبھی اپنے گھر والوں کے سامنے میری تذلیل نہیں کریں گے' کسی کو موقع نہیں دیں گے کہ کوئی میری ذات کو مذاق کا نشانہ بنائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں عانیہ! تمہارا شوہر اگر تمہاری طرف لوٹ کر آیا ہے تو پورے خلوص کے ساتھ آیا ہے' تمہارا مقام اس دل میں سب سے بلند ہے، بہت اونچا' میں اپنی بیوی کی عزت کروں گا اور دوسروں سے عزت کرواؤں گا۔ اب کوئی تمہارے بارے میں غلط بات نہیں کرے گا۔ تم صرف میری بیوی ہی نہیں بلکہ میرے بیٹے کی ماں بھی ہو اور کوئی بچہ یہ نہیں چاہتا کہ سب کے سامنے اس کی ماں کی تذلیل کی جائے۔" وہ سچے دل سے وعدہ کررہا تھا۔

"تو پھر مجھے اس بات پر اپنے رب کا شکرانہ ادا کرنے دیں' سہیل کہ یہ عید میں آپ کے ساتھ گزاروں گی' آپ کا پیار پاکر۔" وہ سب سے پہلے شکر ادا کرنا چاہتی تھی اس رب کا جس نے اس کی دعاؤں کو قبولیت بخشی تھی اور اس کا گھر ٹوٹنے سے بچالیا تھا۔

"تم شکرانے کے نوافل ادا کرلو' میں حمزہ کے پاس جارہا ہوں شازینہ بھابھی اور علی بھائی آجائیں تو پھر ہم چلیں گے مہندی لگوانے اور چوڑیاں پہننے۔" وہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور میں مہنگا سا جوڑا بھی خریدوں گی۔" اس نے اپنا حق جتایا۔ سہیل نے جھک کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"صرف ایک نہیں' آج میں بہت کچھ لے کردوں گا بہت سے شکوے دور کرنے ہیں' وقت تو لگے گا۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اور پیسہ بھی لگے گا۔" وہ ہنستے ہوئے اندر بھاگ گئی گیٹ سے اندر داخل ہوتے شازینہ اور علی نے اس منظر کو حیرت اور خوشی سے دیکھا تھا۔ سہیل نے انہیں دیکھ کر ایک بار پھر کان پکڑ لیے۔

"صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔" شازینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سہیل کہتے ہیں۔" علی نے آنکھ ماری تو سب ہی مسکرا دیے۔ بادلوں کی اوٹ سے جھانکتا ہلال عید سجدے میں گری عانیہ کے لیے ڈھیروں دعائیں کرتا مسکراتا رہا۔

☼ ☼

مکمل ناول

مصباح توشین

بس اک لمحہ لگا تھا۔ محبت بین کرتی دھول اڑتے رستے کی مسافر بن بیٹھی تھی۔ وہ خالی ذہن و دل محبت کو اپنے وجود کی دیواروں سے دور جاتے دیکھ رہا تھا۔

بھلا کوئی یوں بھی کرتا ہے جیسا اس نے کیا تھا۔ اس نے محبت کو ناراض کر دیا تھا۔ اس نے اپنے دل کو ویران کر دیا تھا۔ وہ ظالم نہیں تھا۔ وہ اپنے دل کو ویران بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اس کی زبان پہ کیسے قفل پڑے ہیں۔

وہ ریلنگ کے ساتھ کمر ٹکائے کھڑا رہا۔ اس کے نزدیک دنیا کا مشکل ترین کام کسی کو منانا اور آسان ترین کام کسی کا دل توڑنا تھا اور اس نے "کسی کا نہیں" بلکہ اپنی روح میں رچی بسی ماہی کا دل توڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماہی بہت چھوٹی سی عمر میں نفیسہ خاتون کی گود میں آئی تھی۔ جب ماہی کی والدہ بیمار پڑیں تو امتیاز علی پردیس میں بیوی کو سنبھالتے یا نوزائیدہ ماہی کو' بالآخر کافی سوچ بچار کے بعد نفیسہ خاتون نے یہ حل پیش کیا کہ ماہی کو ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ امتیاز علی کو بھی وقت کی ضرورت کے تحت یہ فیصلہ دانش مندانہ لگا اور یوں ڈیڑھ ماہ کی ماہ رخ کو لیے وہ پاکستان اپنے بہن' بہنوئی کے گھر لے آئے۔ نفیسہ خاتون نے جیسا کہا تھا ویسے ہی اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔

ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ منیب علی وہاب' ان کے شوہر علی وہاب کا چند برس پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ جب منیب میٹرک میں تھا۔ نفیسہ خاتون بڑی حوصلہ مند خاتون تھیں۔ حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ ا[illegible] شریکِ زندگی کا دکھ دل کے نہاں خانوں میں چھپا[illegible] منیب علی وہاب اور ماہی کی پرورش میں کوئی کسر نہ رکھی اور سچ تو یہ تھا کہ ماہی کی بھی اپنی پھپھو میں جا[illegible] تھی۔ حالانکہ اس کی مما کی صحت یابی کے بعد امتیاز [illegible] نے بارہا بیٹی کو واپس لے جانا چاہا۔ مگر وہ نہیں گئی۔

"تمہاری ای میل آئی ہیں ماہی۔۔۔ جا کے چیک کر لینا؟" وہ پھپھو کے ساتھ رات کے کھانے [illegible] تیاری کروا رہی تھی۔ جب منیب وہاں پر آیا تھا۔ [illegible] نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کتنے صحیح وقت پہ آیا تھا۔

"میں جاؤں پھپھو؟" ماہی انتہائی فرماں برداری سے پوچھ رہی تھی۔ مقصد صرف اور صرف ہانڈی روٹی سیکھنے سے جان چھڑانا تھا۔

"نہیں؟" پھپھو کا لہجہ ساری صورت حال سمجھنے کے بعد حتمی اور قطعی تھا۔

"کوئی ضروری میل آئی ہو گی پھپھو۔۔۔ مجھے چیک کرنا چاہیے نا؟" نفیسہ خاتون چکن دھو کر اس پر مسا[illegible] لگا رہی تھیں۔ انداز یوں تھا گویا سنا ہی نہیں۔

"ماہی ذرا وہ باؤل تو اٹھانا؟" انہوں نے پلاسٹک کے باؤل کی جانب اشارہ کیا۔ ماہی بے دلی سے اٹھا کر قریب آئی اور کاؤنٹر پہ دھر دیا۔

"لو پکڑو۔۔۔ اب لہسن' ادرک کا پیسٹ چکن پہ لگا کر اس باؤل میں رکھتی جاؤ۔ پھر اس میں۔۔۔ تم سن رہی ہو نا۔" ماہی کی بے توجہی کو محسوس کرتے نفیسہ خاتون نے سنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

"جی پھپھو۔" منیب جو پاس ہی ڈائننگ چیئر پہ بیٹھا سیب کھا رہا تھا۔ ماہی کی مری مری آواز پر بے اختیار ہنس دیا۔ پھپھو بھی پچھلے کچھ دنوں سے بڑی سنجیدگی سے ماہی کو امور خانہ داری میں طاق کرنے کی کوشش میں اس کے پیچھے لگی تھیں۔ مگر ہل کر پانی نہ پینے والی ماہی کو یہ سب کسی قیامت سے کم ہرگز نہیں لگتا تھا۔

"مما! چھوڑیں نا' خود بتا لیجیے۔ ماہی کے ہاتھ کا کھلا کر مجھے کیوں بے موت مارنا چاہتی ہیں؟" وہ ہر مشکل وقت میں ماہی کے لیے کسی فرشتے کی مانند اس کی مدد کو آن پہنچتا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو ماہی ایسا کہنے پہ اس کی جان نکالنے کے درپے ہوتی۔ مگر اس وقت وہ خود پہ مزید بے چارگی و معصومیت طاری کیے خود کو مظلوم ثابت کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"اس کی اتنی سائیڈ مت لیا کرو... بیس سال کی ہو چکی ہے۔ اس کے والدین اس کی شادی کے چکر میں ہیں۔ وہاں سسرال میں جا کے یہ سب کام کیسے کرے گی... وہاں تو یہ سب کام کرنے پڑتے ہیں؟" نفیسہ خاتون نے مستقبل کے اندیشے منیب کے سامنے رکھتے ہوئے اسے ماہی کی بلا جواز حمایت سے روکا۔

"تو پھپھو میری شادی آپ کسی امیر گھر میں کیجیے گا نا' جہاں کھانا پکانا ہی نہ پڑے' بلکہ شیف ہوں... اور اگر بالفرض کوئی ایسا رشتہ نہ بھی ملے تو خیر ہے۔ مجھے اپنے گھر میں ہی رکھ لیجیے گا نا... منیب کی دلہن بنا کر... دیکھیں نا میں بھی آپ کی نظروں کے سامنے رہوں گی اور منیب کو کیسی دلہن ملے گی یہ پریشانی بھی نہیں ہوگی آپ کو... کیوں منیب... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" وہ شرارت سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتی منیب کو آنکھ مارتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا تم واقعی میں ایسا چاہتی ہو ماہی؟" نفیسہ خاتون کا انداز پر سوچ تھا۔ منیب ہنس دیا۔

"آ... آ... پھپھو میرا کیا ہے' میں تو مشرقی لڑکی ہوں۔ جس کھونٹے سے باندھ دیں گی بندھ جاؤں گی۔ مگر اصل مسئلہ تو منیب کا ہے نا' یہ مجھ سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ ہے نا منیب؟" وہ ایک کام سے بچنے کے لیے کتنے بہانے بنا رہی تھی۔ کیسی کیسی کہانیاں گھڑ رہی تھی۔ منیب علی وہاب ہنس دیا۔

وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ نفیسہ خاتون' منیب علی وہاب کی کتنی پروا کرتی ہیں اور ماہ رخ امتیاز علی میں ان کی جان ہے۔ تب ہی تو بات سے بات نکل کر اپنی اور اس کی شادی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھتی' یہ سوچے بغیر کہ ایسا اگر ہو جائے تو نفیسہ خاتون کو تو ہفت اقلیم کی دولت مل جائے گی۔

☼ ☼ ☼

"رامش آ رہا ہے؟" سبزی کی ٹوکری اس کے نزدیک رکھتے انہوں نے ماہی کو بتایا تھا۔ ماہی کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ تاہم لہجہ و انداز سرسری بنایا۔

"تو اس میں نئی بات کون سی ہے پھپھو' وہ تو ہر سال آتا ہے زبردستی کا مہمان بن کے۔ وہ بھی پورے ایک مہینے کے لیے؟" اپنی بات کے اختتام پہ وہ خود ہی قہقہہ لگا کے ہنسی تھی۔

"کل فون آیا تھا شام میں... کہہ رہا تھا شادی کر رہا ہوں؟ اپنی پسند سے۔" نفیسہ خاتون نے عام سے لہجے میں کہا۔ ماہی جو بیٹھی مزے سے دھوپ میں کینو کے مزے لے رہی تھی۔ کینو کی پھانک انگلی میں دبائے حیرت زدہ رہ گئی۔

"رامش بھائی شادی کر رہے ہیں؟" انداز اس قدر بے یقین تھا کہ لمحے بھر کو تو نفیسہ خاتون بھی سوچ میں پڑ گئیں۔

"یقین نہیں آ رہا پھپھو... شکیلہ آنٹی مان کیسے گئیں۔ وہ تو اپنی لندن پلٹ بھانجی کے لیے بضد تھیں؟ مگر رامش بھائی نہیں مانتے تھے۔ انہیں کوئی اور لڑکی پسند ہے' جس سے وہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" اب وہ کینو کے بیج منہ سے نکال کر پھینکتے ہوئے پر سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا یہ ساری باتیں؟" پھپھو کا انداز

تفتیشی تھا۔

"رامش بھائی نے ہی بتایا تھا پھپھو... کتنی خوش نصیب ہے نا وہ لڑکی۔ جس سے رامش بھائی پیار کرتے ہیں۔ اتنے سال اس لڑکی کے لیے اپنے گھر والوں سے لڑتے رہے... کتنی محبت ہوگی نا انہیں اس لڑکی سے؟ رامش بھائی ہیں بھی تو کتنے ہینڈسم اور پڑھے لکھے' ایک ایک انداز سے شاہانہ پن جھلکتا ہے ان کے... بالکل کسی یونانی دیوتا کے جیسا... لوگوں کی زندگیوں میں بھی کیسے کیسے حسین موڑ آتے ہیں... پھپھو اور ایک ہم ہیں۔ ایسا کوئی رنگ دور' دور تک کہیں نظر ہی نہیں آتا؟" ماہی کے لہجے میں یاسیت تھی۔ پھپھو چونکیں' اس لیے نہیں کہ یہ اس کی بڑی پرانی عادت تھی۔ کسی بھی صورت حال میں کسی کے بھی مسئلے پہ دکھی و ملول ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگیوں سے متاثر ہو جانا۔

"تمہیں اس لڑکی کے بارے میں رامش نے بتایا نہیں؟" پھپھو گوبھی کاٹ چکی تھیں۔ اب آلو چھیل رہی تھیں۔

"نہیں...۔" اس نے منہ لٹکایا۔

"کئی مرتبہ پوچھا' مگر انہوں نے بتایا ہی نہیں' کہتے ہیں سرپرائز ہے' جب گھر والے مان جائیں گے تب بتلاؤں گا۔ پھر میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا کہ کہیں نخریلا امیرزادہ ناراض نہ ہو جائے؟ کیا وہ لڑکی بہت خوب صورت ہوگی پھپھو۔" ماہی کی سوئی ابھی تک اس لڑکی میں اٹکی تھی۔

"ہاں... ہو سکتا ہے۔" پھپھو کی سبزی بن چکی تھی۔ اب پھیلاوا سمیٹ رہی تھیں۔

"میں کیسی لڑکی ہوں پھپھو؟" ماہی کا سوال اس قدر چونکا دینے والا تھا کہ نفیسہ خاتون ٹھٹک سی گئیں۔

"تم بہت معصوم اور پیاری ہو ماہی... اتنی اچھی کہ کوئی لڑکی تمہارے محبت بھرے دل کا مقابلہ نہیں کر سکتی؟" نفیسہ خاتون نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔

"تو کیا مجھے بھی رامش بھائی کے جیسا اچھا محبت کرنے والا لڑکا ملے گا؟" بے یقینی سے نفیسہ خاتون کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

"اس سے بھی زیادہ اچھا... اور اتنی محبت کرنے والا کہ تم خود پہ رشک کرنے لگو گی۔" پھپھو اس کی جذباتی فطرت سے آگاہ تھیں۔ اس لیے تسلی آمیز لہجے میں اسے یقین دلا رہی تھیں۔ مگر ماہی مطمئن نہیں ہو سکی تھی۔ اسے اس لڑکی کو بنا دیکھے' بنا جانے اس پر رشک آیا تھا۔ وہ رامش احمد جیسے ناقابل تسخیر بندے کی پسند تھی' محبت تھی' جس کی خاطر وہ پچھلے چار برس سے اپنی سگی ماں سے لڑ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے ہی دن وہ صبح صبح اس کے سامنے تھا... وہ ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کچن سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عموماً" پھپھو صبح کا وقت کچن میں خاموشی سے کام کرتے گزارتیں صرف منیب اور وہی تھے جو ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ناشتا کرتے اس کے بعد منیب تو یونیورسٹی چلا جاتا۔ پیچھے وہ اور پھپھو رہ جاتیں۔ گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے ماسی آتی تھی۔ پھپھو اپنی نگرانی میں صفائی کروانے لگتیں۔ ماہی بی اے کے امتحان دے کے آج کل فارغ تھی۔

"السلام علیکم رامش بھائی... کب آئے...؟" وہ اپنی مندی مندی پلکوں کو بمشکل کھولتی چہرے پہ آتی بے ترتیب لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستی' رامش احمد کو کوئی اور ہی ماہی لگی۔ اس ماہی سے بالکل مختلف' جسے وہ پچھلے سال شولڈر کٹ بالوں میں ڈھیلی ڈھالی جینز شرٹ میں چھوڑ کر گیا تھا۔ انہیں وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

"یا وحشت! پھپھو آپ کے شہر کے لوگ کتنے کونشس ہو گئے ہیں۔ اس ایک سال میں؟" وہ گرنے کے سے انداز میں کرسی پر بیٹھا۔

"اور سگھڑ بھی؟" منیب نے ٹکڑا لگایا۔

"خیریت تو ہے' کیا یہاں سورج مغرب سے طلوع ہونے لگا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پہلے خبر کرتے نا' بندہ کوئی اپنا بندوبست ہی کر کے آتا ہے ان حیرت کے جھٹکوں سے بچنے کے لیے؟" رامش اسے تپا رہا تھا۔ دل ہی دل میں اس کی خوب صورتی کا اعتراف کرتے وہ اسے نظروں کے رستے دل میں اتار رہا تھا۔ اس قدر احتیاط سے کہ جیسے یہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو' جسے اگر ذرا بر ہمی سے بھی دیکھا تو وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔

"پھپھو... اگر ان دونوں نے مزید ایک بھی لفظ میرے بارے میں کہا تو میں یہاں سے ابھی چلی جاؤں گی اور ناشتا بھی نہیں کروں گی؟" حسب توقع ماہی اپنے جلال میں واپس آچکی تھی اور اب انگلی اٹھائے وارننگ دیتے ہوئے وہ ان دونوں کو اپنی شخصیت پر تبادلہ خیال کرنے سے بھی منع کر رہی تھی۔

"اچھا بھئی بس... بس اب اور نہ ستاؤ میری بچی کو... تم سب ناشتا کرو' ماہی بیٹا۔ جیم کے جار اٹھالاؤ' رامش کو بھوک لگی ہوگی۔ رات بھر سفر کرتا رہا ہے؟" وہ ممتا جیسے بھرپور پر شفقت لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"تو جہاز میں آیا ہے' پیدل تو نہیں نا۔ پھپھو... آپ بھی نا؟" ماہی نے اپنے تئیں بدلہ چکانے کی کوشش کی۔ لاہور اور فیصل آباد کا سفر ہی کتنا ہے؟

"محترمہ آپ کے بس میں ہو تو پیدل آنے والے کو بھی پانی کا گلاس تک نہ پوچھیں' یہ تو پھپھو ہی کی بدولت اس گھر میں مہمان نوازی کی روایت باقی ہے اور میں سیدھا دبئی سے آرہا ہوں۔ لاہور سے نہیں اور کل دوپہر کا کھایا ہوا ہے اور میں کتنا بھوک کا کچا ہوں پھپھو بخوبی جانتی ہیں۔" رامش نے بھی اس کے انداز میں جواب دیا تھا۔

"ماہی... کہاں کھوئی ہو... ناشتا کرو نا؟" نیب نے اسے کھویا کھویا دیکھا تو ٹہوکا دیا۔ وہ جیسے کسی خواب سے جاگی سوچوں کا ارتکاز بکھرا تو اندازہ ہوا کہ وہ رامش احمد کے خوب صورت و صبیح چہرے پہ نگاہیں جمائے بیٹھی ہے۔

"کک... کر تو رہی ہوں؟" اف! وہ اپنی بے اختیاری پہ کس قدر شرمندہ تھی۔

"لگتا ہے محترمہ ابھی نیند سے نہیں جاگیں' بے چارہ ان کا شوہر بے چارا تو بھوکا مرے گا۔ بغیر ناشتے کے جب اسے آفس جانا پڑے گا نا تو...؟ ان کی تو خیر سے نیند ہی نہیں پوری ہوتی؟" رامش احمد مستقبل کے کسی خوش خیال تصور کو سوچتے ہوئے مسکرایا۔

"اپنی ماہی نے اس کا حل ڈھونڈ لیا ہے رامش... یہ شادی ہی کسی ایسے بندے سے کرے گی جو خانساماں افورڈ کر سکتا ہو۔ نہیں تو یہ شادی ہی نہیں کرے گی۔ ہے نا ماہی؟" نیب نے غصے سے چہرہ پھلائے بیٹھی ماہی کو دیکھ کر رامش کو بتایا۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں شادی نہیں کروں گی۔" نیب اور رامش دونوں ہنس دیے۔

"بلکہ یہ کہا تھا کہ میں شادی نیب سے کرلوں گی۔ تاکہ پھپھو کھانا بنائیں' تب تک جب تک نیب خانساماں افورڈ نہیں کر سکتا؟" اب کھانسنے کی باری نیب کی تھی۔ ماہی بڑے آرام سے توس پہ جیم لگا رہی تھی۔ بڑے ہی مگن انداز میں... جبکہ رامش احمد مسکرا بھی نہیں سکا۔

"توبہ کرو لڑکی... کیوں ہاتھ دھو کے میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ تمہیں ہر مسئلے کا حل مجھ سے شادی ہی میں نظر آتا ہے... بخش دو مجھے۔" نیب کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا... رامش احمد ہنس دیا' مگر دل میں اک پھانس ابھی بھی چبھ رہی تھی' تو کیا ماہی نیب میں انٹرسٹڈ ہے؟ یہ وہ خوف ناک سوال تھا جس کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اور نہ ہی وہ براہ راست پوچھ سکتا تھا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے' بس مجبوری میں مجھے ایسا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اگر کوئی پیسے والا شوہر نہ ملا تو؟" وہ اپنا جیم لگا توس ختم کر چکی تھی۔ اب ابلا ہوا انڈا چھیل رہی تھی۔ آج کل وہ اپنی ڈائٹ پہ خصوصی توجہ دے رہی تھی۔ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ پھپھو کے ڈر سے... ممی' ڈیڈی اگلے مہینے پاکستان واپس آرہے تھے اور پھپھو بے حد سختی سے اس کے انداز و اطوار

نشست و برخاست پہ نظر رکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے بھائی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ وہ ماہی کو ایک پرفیکٹ مشرقی لڑکی کے روپ میں سامنے لانا چاہتی تھیں۔ جس کی تربیت پہ وہ ناز کر سکیں۔

"ماہی! بس بھی کرو' کچھ بھی اول فول بولتی رہتی ہو؟" پھپھو نے رامش کے چہرے پہ تحریر ناپسندیدگی پڑھتے ہوئے اسے بے اختیار ٹوک دیا تھا۔

"تو کیا کروں پھپھو! میری زندگی کا سوال ہے' اب میں اسے یوں شرم و حیا میں تباہ و برباد تو نہیں کر سکتی نا۔ آج میرے پاس وقت ہے' اگر میں آج اپنے حق کے لیے نہ بولی تو ساری عمر پچھتاؤں گی... اور میں پچھتانا نہیں چاہتی' پلیز...؟" وہ ہاتھ اٹھائے دو ٹوک انداز میں اپنی جذباتی تقریر کے اختتام میں درخواست کر رہی تھی' پھپھو نے اپنا سر پیٹ لیا' جبکہ رامش اور نیب ہنس دیے۔

"بہت بڑی ڈرامہ کوئین ہو؟" رامش احمد زیر لب مسکرایا۔ ماہی نے کندھے اچکائے' ناشتے کے بعد نیب تو یونیورسٹی چلا گیا' پھپھو کچن سمیٹنے اور وہ دونوں اپنی اپنی چائے کا مگ لیے لاؤنج میں آبیٹھے۔

"اہم... کیا اسٹوری چل رہی ہے رامش بھائی... سنا ہے شکیلہ آنٹی مان گئیں...؟" وہ رازدارانہ انداز میں اس کے کان کے قریب جھکی کہہ رہی تھی۔

"کون سی دھمکی دی ہے؟"

"دھمکی تو کوئی نہیں دی... بس جذبہ سچا تھا۔ اسی لیے تو جیت گیا؟" وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی شرارت سے بھری آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولا۔

"آہ... ہا بہت بہت مبارک ہو رامش بھائی؟" ماہی نے رامش احمد کے چہرے پر قوس و قزح جیسے رنگوں سے نظریں چراتے کہا۔

"تھینکس... تمہیں پتا ہے ماہی... میں نے کتنا اسٹرگل کیا اس کی خاطر... کتنا درد' کتنی بے رخی برداشت کی اور اسے معلوم تک نہیں ہے؟" وہ اک نامعلوم درد کی کیفیت سے الجھتے ہوئے ہنسا۔

"چار سال... ماہی پورے چار سال میں نے دن رات مما کو منانے میں گزار دیے۔ اک لمبا عرصہ... تب جا کے میری زندگی میں خوشی کی کوئی کرن چمکی ہے۔ میں... میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مجھے اس دن کا کتنا انتظار ہے' جس دن میں اسے اپنا نام دوں گا... ہمیشہ کے لیے اسے اپنا لوں گا؟"

"کیا وہ بھی آپ سے اتنا ہی پیار کرتی ہے رامش بھائی؟" ماہی کے لہجے میں رشک تھا۔

"نہیں کرتی تو اتنا کرنے لگے گی ماہی۔ وہ ہے ہی اتنی پیاری اور معصوم۔"

"کیا وہ بہت خوب صورت بھی ہے؟" ماہی کے لہجے میں حیرت اور درد یکجا ہونے لگے۔ نامعلوم کیوں اسے اس لڑکی کا ذکر کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔

"ہاں بہت...؟" اس کے ذکر پہ رامش احمد کا چہرہ محبت کی حدت سے تمتمانے لگا تھا ماہی کو کسی وضاحت کی طلب ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے کب ملوائیں گے؟" اک نئی فرمائش کی۔

"چند روز میں جب منگنی کرنے جائیں گی تب تم ساتھ ہی چلنا۔ ان فیکٹ تمہارا وہاں ہونا بہت ضروری ہوگا۔ تم تو میری سب سے اسپیشل گیسٹ ہوگی وہاں؟"

"پھر بھی رامش بھائی... کچھ تو بتائیں اس کے بارے میں' وہ کیسی دکھتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ اب تو سیکرٹ کلوز کردیں؟" ماہی آج ہر صورت رامش احمد سے اس لڑکی کے متعلق جاننا چاہ رہی تھی۔ رامش احمد اس کی بے چینی جانچتے ہنس دیا۔

"تمہارے جیسی دکھتی ہے؟" رامش احمد سچ کہہ رہا تھا۔ مگر ماہی کو یقین نہیں آیا۔ اسے لگا رامش احمد اسے بنا رہا ہے۔

"بنائیں تو مت؟" وہ روٹھے پن سے بولی۔

"بنا کب رہا ہوں یار... سچ کہہ رہا ہوں' وہ بالکل تمہاری جیسی دکھتی ہے' تمہاری ہی طرح معصوم اور بے ریا... پاکیزہ اور ان چھوئی..."

"تو پھر شکیلہ آنٹی اسے پسند کیوں نہیں کرتی تھیں؟" ماہی کے ذہن میں ایک نیا سوال ابھرا۔

"ڈکرنے لگیں گی ماہی... وہ اسے جانتی ہی کتنا ہیں؟" رامش احمد کا یقین واعتبار کامل تھا۔

"ایک بات بتاؤں... مما اور پاپا میری بھی شادی کرنا چاہ رہے ہیں؟" ماہی نے برے برے منہ بناتے ہوئے بتایا۔

"اچھا... کب... کس سے؟" رامش احمد نے حیران ہونے کی شان دار ایکٹنگ کی۔

"جلد ہی... پتا نہیں کس سے؟ مجھے پھپھو بالکل بھی کچھ نہیں بتاتیں' ہر بات مجھ سے چھپا کے رکھتی ہیں۔

سچ کہہ رہی ہوں رامش بھائی! مجھے کچھ وقت تو دیں کم از کم... مجھے پتا تو چلے کہ جس بندے کے ساتھ مجھے اپنی پوری زندگی گزارنی ہے وہ ہے کیسا؟ میری اس سے بنے گی بھی یا نہیں؟"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے تمہاری ماہی... کم از کم تمہیں پتا تو ہونا چاہیے نا کہ جس بندے کی تمہارے ساتھ قسمت پھوٹ رہی ہے اس میں کتنا صبر کا مادہ ہے؟" ماہی نے خونخوار نظروں سے رامش احمد کی طرف دیکھا۔

"آپ بھی مل گئے ان کے ساتھ... مجھے آپ سے یہ امید ہرگز نہیں تھی؟"

رامش احمد اپنی ہونے والی دلہن کے لیے دبئی سے کی جانے والی قیمتی شاپنگ پھپھو کو دکھا رہا تھا۔ ماہی پاس ہی لیٹی بے دلی سے میگزین کے صفحات پلٹ رہی تھی۔ جب ایک دم رامش احمد نے اس کے ہاتھ سے میگزین چھینا۔

"اے... یہ اتنا سارا خرچہ میں نے اس لیے نہیں کیا کہ تم اپنی قیمتی رائے بچا کے رکھو... اٹھو یہ بعد میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ پہلے یہ ساری چیزیں دیکھو؟"

"آپ پہلے پھپھو کو تو دکھا لیں... میں بعد میں دیکھ لوں گی؟" ماہی نے بہانہ بنایا جبکہ حقیقت میں اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا ان چیزوں کو دیکھنے کو۔

"تمہاری رائے تو مجھ سے بھی زیادہ اہم ہے رامش کے لیے ماہی اور تم ہی بہانے بنا رہی ہو؟" نفیسہ خاتون نے ہاتھ میں پکڑا ڈائمنڈ کا نفیس بریسلٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"واؤ... زبردست... کتنا پیارا ہے رامش بھائی... بہت قیمتی بھی ہو گا؟" جگر جگر کرتے ڈائمنڈ کے بریسلٹ پہ ماہی کی نظریں گویا جم گئی تھیں۔

"ہے تو... مگر اس سے زیادہ تو نہیں' جب وہ اسے پہنے گی تب اس کی قیمت بڑھے گی ماہی؟" رامش احمد کے لہجے میں جذبوں کی شدت تھی۔

"اللہ تمہاری خوشیاں سلامت رکھے' رامش ہمیشہ خوش رہو؟" نفیسہ خاتون کو رامش کی بات اتنی پسند آئی تھی کہ بے اختیار دعا دے بیٹھیں۔

"تھینک یو پھپھو! بس میرے لیے ہر وقت دعا کیا کریں۔ مجھے اپنی خوشیاں مکمل چاہئیں۔ ادھوری چیزوں سے مجھے نفرت ہے؟" وہ ان کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔

"بس... بس... بس... اب یہ جذباتی ڈرامہ نہ شروع کیجیے... مجھے وہ میک اپ باکس دکھائیں۔ دور سے ہی اتنا زبردست نظر آ رہا ہے۔ یقیناً" اندر بھی خاص الخاص پروڈکٹس ہوں گی۔ آخر رامش بھائی اپنی محبت کے لیے کوئی عام سی چیز خرید سکتے ہیں بھلا؟" ماہی نے رامش احمد کی تمام شاپنگ دل لگا کر دیکھی اور خوب دل لگا کر تعریف بھی کی۔ جس کے بعد رامش احمد اسے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ابھی اس کے لیے منگنی کے دن پہننے والا ڈریس بھی سلیکٹ کرنا ہے اور اس میں تمہیں میری مدد کرنا ہو گی؟" رامش احمد اس پہ ایک بھاری ذمہ داری ڈال رہا تھا۔

"میں... میں کیوں کروں مدد... جس نے پہننا ہے آپ اسی کو لے جائیں نا ساتھ؟" ماہی ہکلائی۔

"اسے کیسے لے جاؤں... وہ تو شرمیلی ہی بہت ہے تمہاری اور اس کی پسند ایک جیسی ہے۔ یعنی اسے بھی کچھ نہیں پتا شاپنگ کے متعلق' سو پسند تو میں ہی کروں گا' تم بس ساتھ چلی چلنا... اتنا تو کر ہی سکتی ہو میرے لیے۔"

"او کے..." ماہی کو مانتے ہی بنی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

" ایسے کام تو ساس کرتی ہیں... آپ کیوں کر رہے ہیں رامش بھائی... یہ کام تو شکیلہ آنٹی کو کرنے چاہئیں نا؟"

"باقی تیاری تو مما ہی کریں گی۔ مگر یہ میری ضد تھی کہ دیکھنا تو اسے میں نے ہی ہے' تو اپنی پسند کے روپ میں دیکھوں؟"

"یوں... ایک زمانے نے دیکھنا ہوتا ہے۔ اس دن تو لڑکی کو... اور آپ کو تو وہ ویسے بھی اچھی ہی لگے گی نا... ہر روپ میں مگر دنیا والے دو' دو آنکھیں رکھتے ہیں اور ان آنکھوں پر آپ کی طرح محبت کی کالی پٹی نہیں بندھی۔ جس سے وہ کچھ دیکھ ہی نہ پائیں؟" رامش اور پھپھو' ماہی کی جلی کٹی سن کر ہنس پڑے تھے۔

"اینی ہاؤ... میں تیار ہو کے آتی ہوں' پھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کر اپنی چپلیں درست کر کے پاؤں میں اڑسنے لگی' ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔

"عجیب بندہ ہے' دنیا دبئی سے جا کے شاپنگ کرتی ہے' یہ برائیڈل ڈریس فیصل آباد سے خریدنے کے لیے آیا ہے... توبہ ہے' اچھی بھلی گزر رہی تھی اس بندے کی اس لڑکی نے تو بے چارے کو پاگل کر دیا ہے۔" وہ جب آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کے آئی تو بہت ترو تازہ لگ رہی تھی۔

"چلیں...!" وہ رامش احمد کے اس قدر محو ہو کے دیکھنے پہ ٹوکے بنا رہ نہیں پائی۔ اسے یقین تھا کہ ابھی رامش اس کی' کی گئی تیاری میں سے نقص نکالے گا۔ اسی لیے وہ اس کی خود پر سے توجہ ہٹانا چاہ رہی تھی۔

"پھپھو کو بتا دو... وہ اس وقت کچن میں ہیں... ان سے کہہ دو کہ کھانا نہ بنائیں... ہم لیتے آئیں گے..." عجلت میں کہتا والٹ میں اے ٹی ایم کارڈ اور کیش چیک کر رہا تھا۔

"مگر جائیں گے کیسے' گاڑی تو منیب کے پاس ہے اور وہ ابھی تک آیا نہیں ہے؟" ماہی کو ایک نئی پریشانی نے گھیرا۔

"کوئی بات نہیں' یہاں سے فٹ پاتھ تک پیدل' پھر وہاں سے کوئی ٹیکسی لے لیں گے۔ تم چلو تو سہی۔" رامش احمد کے پاس ہر بات کا مسئلے کا حل تھا۔ ماہی نے بے دلی سے اپنے سفید پیروں میں پہنی بلیک اسٹرپس والی لمبی ہیل کو دیکھا۔ وہ ان کو پہنے کم از کم فٹ پاتھ تک پیدل تو نہیں چل سکتی تھی۔

"میں ذرا سینڈل چینج کر آؤں؟" اب کی بار رامش احمد کی نظر اس کی کبوتر کے مانند سفید پیروں پہ پڑی اور مسکرا دیا۔

"رہنے دو... مذاق کر رہا تھا۔ میرا ارادہ تمہیں اتنی دور تک پیدل لے جانے کا ہرگز نہیں ہے۔ چلو دیر ہو رہی ہے' منیب بس آتا ہی ہو گا' میں نے اسے کال کر دی تھی؟" اور ماہی اس کی ذمہ دارانہ عادت دیکھ کے حیران رہ گئی۔ وہ اس کا کتنا خیال رکھ رہا تھا۔ مگر وہ کسی اور کا مقدر تھا اور رامش احمد کی بات سو فیصد سچ تھی۔ وہ دونوں پھپھو کو بتا کے گیٹ سے باہر نکلے ہی تھے تو منیب گاڑی سے دن بھر کا تھکا ہارا اتر رہا تھا۔

"بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو' ورنہ تم بھی ہمیں جوائن کرتے؟"

"نہیں بھئی میں سارا دن خوار ہوتا آیا ہوں' اب میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں' تم لوگ جاؤ؟" رامش کی آفر کے جواب میں منیب نے تھکے تھکے سے لہجے میں بتایا۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے دنیا جہان کی باتیں کرتے جب انار کلی پہنچے تو شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ انہوں نے مارکیٹ کی ایک ایک دکان چھان ماری تھی۔ مگر رامش احمد کو کچھ پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ بالآخر ایک بوتیک میں رامش احمد کو اپنی پسند کا جوڑا بالآخر نظر آ ہی گیا۔ گہرے پیچ کلر پہ سفید کورے کا کام تھا۔ لانگ شرٹ' ساتھ میرون پاجامہ تھا۔ دوپٹہ دو کلر میں تھا۔ مگر بے حد خوب صورت۔

"بس... مجھے یہی چاہیے تھا۔ کیوں ماہی یہ اچھا ہے نا؟" وہ بچوں جیسے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

"بہت پیارا ہے رامش بھائی! مگر آپ اس سے

پوچھ لیں شاید وہ کچھ اور خریدنا چاہتی ہو؟ لہنگا یا شرارہ وغیرہ؟"

"ارے نہیں شاید وہ بزی ہو' تم بتاؤ لڑکیاں منگنی کا ڈریس کیسا پسند کرتی ہیں؟"

"عموماً" تو ہلکا پھلکا ہی پہنتی ہیں' جو بعد میں بھی پہنا جاسکے۔۔۔ مگر کچھ لڑکیاں۔۔۔؟" ابھی وہ بات مکمل کر رہی تھی کہ رامش احمد نے ٹوک دیا۔

"تم باقی لڑکیوں کو چھوڑو۔۔۔ اگر تمہاری منگنی ہوتی تو تم کیسا ڈریس خریدتیں یہ یا وہ۔۔۔" رامش احمد نے اپنے پسند کیے ہوئے اور ایک لہنگا چولی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رائے طلب کی۔

"میں تو پھر یہی خریدتی آپ کا پسند کیا ہوا۔۔۔ یہ ہر طرح سے خوب صورت بھی ہے اور اسٹائلش بھی؟" ماہی نے کھلے دل سے رائے دی۔

"ڈن۔" رامش احمد نے وکٹری کا نشان بنایا۔ رامش نے سیلزمین کو ڈریس پیک کرنے کا آرڈر دیا اور خود سینڈل اور جیولری میچ کرنے کو آگے بڑھ گیا ماہی نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ آج کل اسٹونز کی جیولری کا بہت فیشن ہے اسی لیے رامش احمد نے ایک پرل سیٹ اور ایک ایمرلڈ کا نیکلس سیٹ سلیکٹ کیا اس کی پسند کی ہوئی ہر چیز اتنی پرفیکٹ تھی کہ ماہی دل ہی دل میں متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں پائی تھی۔

"سینڈل تم دیکھ لو۔۔۔ مجھے لڑکیوں کی سینڈلز خریدنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ ان فیکٹ کھانے کا بھی۔۔۔؟" وہ اپنی بات کا خود ہی مزا لیتے ہوئے ہنسا تھا۔ ماہی نے سوٹ کی میچنگ سینڈلز بھی اپنی ہی پسند اور ناپ کے خریدے تھے۔ تمام شاپنگ مکمل کرنے کے بعد ان کا رخ "سیرینہ" کی جانب تھا یہ ماہی اور رامش کا پسندیدہ ہوٹل تھا انہیں یہاں کا کھانا اور سروس بے حد پسند تھی۔ ان دونوں نے ۔۔۔ ایک کونے والی ٹیبل سلیکٹ کی تھی۔۔۔ ان کی ٹیبل کھڑکی کے پاس تھی جس کا ویو سن سیٹ (Sunset) کا منظر دکھاتا تھا۔ ماہی نے کھڑکی کے شیشے پر گہری ہوتی شام کو دیکھا آسمان کے سینے پر بے ترتیب بکھرے موتی بے حد دلکش تھے۔ رامش کھانا آرڈر نوٹ کروانے لگا۔

"فائنلی! آپ کی شاپنگ تو مکمل ہوئی۔ ہر چیز آپ کی پسند کی ہے اب تو مطمئن ہوگئے ہوں گے؟" ماہی نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے استفسار کیا۔

"صرف میری پسند نہیں اس میں تمہاری بھی پسند شامل ہے یعنی ففٹی ففٹی۔۔۔؟" رامش احمد نے مسکرا کے خوشدلی سے جواب دیا۔ ماہی مسکرا دی۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔ اسے ہماری شاپنگ پسند تو آجائے گی نا؟" ماہی کو اک نئی فکر نے آن گھیرا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو وہ بہت اچھی لڑکی ہے لوگوں کی محبت اور خلوص کو سمجھتی ہے اور پھر ہماری پسند ہے ہی اتنی اعلا کہ وہ پسند کیے بغیر رہ ہی نہیں پائے گی۔" رامش احمد نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے قدرے شوخی سے جواباً" کہا۔

"بائی دے وے۔ انکل اور آنٹی کب تک واپس آرہے ہیں؟"

"اسی ہفتے کے آخر میں یا پھر اگلے ہفتے۔ ابھی کچھ صحیح معلوم نہیں مجھے۔ پاپا سرپرائز دینے کے چکر میں ہمیشہ غلط ڈیٹ بتا دیتے ہیں؟" ویٹر نے آکر کھانا سرو کرنا شروع کیا تو ان دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لیے خاموشی در آئی۔

"اور تمہارے رشتے کے لیے کچھ لوگ آنا چاہ رہے تھے ان کا کیا ہوا۔ آئی مین رشتہ تو شاید تمہارا طے ہوگیا ہے تمہارا لائف پارٹنر کے متعلق کوئی تو آئیڈیل ہوگا۔" رامش احمد نے چاول اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے سرسری لہجہ اپنایا۔

"ہے تو۔ مگر یہ پھپھو کچھ بتائیں بھی تو۔ ویسے بندہ ہونا اسمارٹ چاہیے' ذہین' خوش گفتار اور اچھی ہائٹ والا جو میرے ساتھ کھڑا ہو اور میں اسے سر اٹھا کے دیکھوں۔" پانی پیتے رامش احمد کو اچھو لگ گیا۔ اس کی آخری عجیب و غریب خواہش سن کے۔

"تمہاری آخری والی خواہش کچھ عجیب سی نہیں ہے۔ آئی مین اگر۔۔۔ ہائٹ والا لڑکا نہ ملا تو۔؟" رامش احمد نے رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"تو میں کسی چھوٹے قد والے سے بھی شادی نہیں کروں گی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"او کے۔ او کے۔ کیا معلوم وہ لڑکا لمبا ہی ہو تم کھانا کھالو ہمیں دیر ہو رہی ہے پھپھو اور منیب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ دونوں لدے پھندے جب گھر میں داخل ہوئے تو دس بج رہے تھے۔ پھپھو اور منیب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے۔ ماہی نے سلام کیا اور کچن میں کھانا نکال کر ان دونوں کے لیے لانے چلی گئی وہ ٹرے لگا کر جب لاؤنج میں داخل ہوئی تو رامش انہیں اپنی شاپنگ دکھا رہا تھا۔ پھپھو بہت آہستہ آہستہ آواز میں اس سے کچھ کہہ رہی تھیں اسے دیکھتے ہی فوراً" چپ ہوگئیں۔

"پھپھو! دیکھیں کتنا پیارا سوٹ ہے نا۔ میں بھی اپنی منگنی پر ایسا ہی خریدوں گی۔" ٹیبل پہ کھانے کی ٹرے رکھ کے وہ فوراً" پھپھو کے پاس آبیٹھی تھی۔

"رہنے دو۔ تمہارا ہونے والا منگیتر اتنا پیسے والا نہیں ہے کہ اتنا خرچہ افورڈ کرسکے؟" اس سے پہلے کہ پھپھو کچھ بولتیں منیب نے اسے ٹوک دیا۔

"کیا!" ماہی کے تو سر پہ لگی تلووں پہ جا بجھی۔

"تو کیا پھپھو آپ نے میرا رشتہ منیب سے طے کردیا ہے؟" وہ روہانسی ہو کے پھپھو سے لپٹی۔

"میں تمہیں پیسے والا نظر نہیں آتا کیا؟" اس سے پہلے کہ نفیسہ خاتون کچھ بولتیں منیب چلا اٹھا۔

"ہوگے تو نظر آؤ گے نا موٹی!" ماہی نے جیسے بدلہ چکایا۔

"دفع دور! ایک دن تم دیکھنا آسمان کی وسعتوں کو چھوؤں گا۔ اپنی بیوی کو پوری دنیا کی سیر کراؤں گا سونے کی جوتی پہناؤں گا؟"

"ہاہاہا۔ دیوانے کا خواب؟" ماہی نے اسے چڑایا۔

"ہنس لو ہنس لو۔ ایک دن تم ہی رشک کرو گی۔" منیب نے سالن اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پیش گوئی کی۔ ماہی نے کندھے اچکائے جبکہ رامش اور نفیسہ خاتون دونوں ہی ایک ساتھ ہنس دیے۔

☼ ☼ ☼

وہ اک نرمل سی صبح تھی جب مسز شکیلہ احمد ان کے گھر آئیں۔ یہ بہت حیران کن بات تھی۔ دروازہ ماہی نے ہی کھولا تھا اور اس دن ایک اور حیرت انگیز بات بھی ہوئی ہمیشہ ماہی کے سلام کا جواب بے رخی سے دینے والی مسز شکیلہ احمد نے ماہی کے سر پہ بوسہ دیا تھا بھلے ہونٹ محض چھو کے ہٹا لیے گئے تھے مگر ماہی کے لیے تو یہ حیران کن بات تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا لاؤنج میں بظاہر ٹی وی کے سامنے براجمان رامش احمد کے لیے کیا گیا ہے مگر وہ اس کی ماں تھیں اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ رامش احمد کی ساری توجہ اس وقت ٹی وی کی جانب نہیں بلکہ دروازہ کھولتی ماہی اور سامنے موجود شخصیت کی جانب ہے۔ ماہی بہت عزت و احترام کے ساتھ انہیں لاؤنج میں لائی تھی رامش احمد فوری طور پر اٹھ کے ان کے گلے مل رہا تھا اور وہ اسے اتنے دن گھر سے غائب رہنے پہ شکوہ کر رہی تھیں۔ ماہی کو ان ماں بیٹا کا پیار جانے کیوں کچھ مصنوعی سا لگا یوں جیسے وہ دونوں ڈائیلاگ یاد کیے کسی اسٹیج پلے کے ایکٹر ہوں جو ایکٹ بھلے بہت خوب کرتے ہوں مگر ان میں جذبوں کی حدت شامل کرنے میں قاصر رہ گئے ہوں۔

"ایک ماہ سے تم گھر سے غائب ہو رامش! ایک دفعہ بھی ماں کی یاد نہیں آئی تمہیں؟" وہ اب صوفے پہ بیٹھ چکی تھیں اور بڑی نزاکت سے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے آنکھوں میں در آنے والی نمی کو پونچھ رہی تھیں ماہی نے گہری لمبی سانس فضا میں خارج کی اور پھپھو کو بلانے چل دی تھی۔

"سوری مما! ایکچوئلی لاہور کی کوئی فلائٹ مل نہیں سکی اور فیصل آباد مجھے ضروری کام بھی تھا سو چا دو چار دن سے کیا فرق پڑتا ہے پھر چلا جاؤں گا لوٹنا تو گھر ہی تھا؟" رامش احمد کا لہجہ کسی بھی قسم کی شرمندگی سے عاری تھا صاف لگ رہا تھا وہ صرف ان کا دل رکھنے کو

ایسا کہہ رہا تھا۔

"آپ ایئرپورٹ سے سیدھی آئی ہیں کیا؟"

"نہیں۔ آئی تو رات کو تھی زبیدہ بھابھی کی طرف رات ٹھہر گئی تمہارا موبائل ٹرائی کیا تو وہ آف جا رہا تھا اسی لیے۔ ابھی غضنفر چھوڑ کے گیا ہے۔" اسی اثنا میں پھپھو آگئیں شکیلہ آنٹی اٹھ کے گلے ملیں۔ ماہی پاس بڑے صوفے پر رامش احمد کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"ناشتا بناؤں یا چائے لاؤں؟" ماہی آداب میزبانی نبھانے کی غرض سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں کچھ نہیں فی الحال۔ میں ناشتا کر کے سیدھی آ رہی ہوں۔" انہوں نے انکار کیا تو پھپھو کہے بغیر رہ نہیں سکیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے شکیلہ! اتنے عرصے بعد تو تم آئی ہو۔ کچھ تو کھانا پینا پڑے گا بلکہ دوپہر کا کھانا کھائے بغیر میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ ماہی جاؤ بیٹا تم چائے بنا لو ساتھ کباب بھی تل لینا۔" ماہی "جی اچھا" کہتے اٹھ گئی۔

"اور سناؤ! کیسا چل رہا ہے سب؟" نفیسہ خاتون نے خوشدلی سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے تم بتاؤ! کیسی گزر بسر ہو رہی ہے۔ اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں خیر ماہی کا باپ بھی تو بھیجتا ہو گا نا؟" شکیلہ احمد نے بظاہر ہمدردی سے پوچھا تھا۔ مگر نفیسہ خاتون جانتی تھیں وہ ہمدردی کے پیچھے زبان پہ بھالا رکھے طنز کے تیر چلا رہی تھیں مگر وہ خندہ پیشانی سے برداشت کر گئیں۔

"روزی دینے والا تو اوپر کی ذات ہے بس وہ عزت کی روزی دے رہا ہے۔ زیادہ کی چاہ نہیں آپ بتائیں نمرہ کا کہیں رشتہ وشتہ طے کیا یا نہیں؟"

"فی الحال تو نہیں۔ ابھی تو رامش کی کریں گے اس کے بعد ہی سوچیں گے۔" انہوں نے مختصر جواب دیا تھا تبھی ماہی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لیے اندر داخل ہوئی۔

"امتیاز بھائی کب تک آ جائیں گے؟" ماہی کے ہاتھ سے کباب کی پلیٹ تھامتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"بس چند دنوں تک۔" وہ بغور ماہی کو دیکھ کے بولیں

"آپ نے ان سے بات کی؟" شکیلہ احمد کا لہجہ جانچتا ہوا سوالیہ تھا۔

"جی کی تھی۔ مگر آپ خود بھی کر لیتیں تو اچھا تھا۔" ماہی کے جانے کے بعد انہوں نے قدرے مدھم لہجے میں بتایا۔ ماہی کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا وہ کچن میں جانے کے بجائے دروازے کی اوٹ میں چھپ گئی۔

"ارے! چھپ چھپ کے کسی کی باتیں سننا کتنی غیر اخلاقی حرکت ہے کیا تمہیں پتا نہیں؟" اس سے پہلے کہ وہ کچھ سن پاتی رامش احمد اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

"سن کہاں رہی تھی۔ ابھی تو آ کے کھڑی ہی ہوئی تھی کہ آپ ٹپک پڑے۔" وہ بغیر شرمندہ ہوئے الٹا اس پر برس پڑی تھی۔

"میں جانتا تھا۔" رامش احمد صورتحال کا مزا لیتے ہوئے ہنسا وہ غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرتی کچن میں آگئی وہ پیچھے پیچھے چلا آیا۔

"آپ کی والدہ ماجدہ کی تشریف آوری کچھ ہضم نہیں ہوئی مجھ سے۔" وہ چائے کے برتن سنک میں رکھتے ہوئے بولی انداز شرارتی ضرور تھا مگر ہلکے ہلکے طنز کی خوبھی شامل تھی۔

"کیوں؟ وہ یہاں آ نہیں سکتیں کیا؟" رامش کا لہجہ حیران کن ہو گیا۔

"آج سے پہلے تو کبھی نہیں آئیں۔" وہ بھی ماہی تھی۔

"اوہ؟ وہ مصروف اتنی ہوتی ہیں کہ ٹائم کہاں مل پاتا ہے انہیں کہیں بھی آنے جانے کا۔"

"کتنے بھرم رکھنے لگے ہیں نا رامش بھائی!" ماہی کے لہجے میں یکدم ڈھیر ساری شرارت بظاہر ہمدردی کے روپ میں ہی سمٹ آئی۔ وہ گھورے بنا رہ نہیں پایا۔

"ویسے مجھے تو کوئی گڑبڑ لگتی ہے؟" ماہی کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" رامش احمد کا انداز سوالیہ ہو گیا۔

"بس۔" ماہی نے کندھے اچکا کر کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔

"وہ مجھے لینے کے لیے آئی ہیں۔" رامش نے بلی تھیلے میں سے نکال ہی دی۔

"میں نے تو آپ سے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔ رامش بھائی؟" ماہی کا لب و لہجہ اور بھی شرارتی ہو گیا رامش احمد کو اندازہ ہو گیا کہ وہ جان بوجھ کے اسے تنگ کر رہی ہے۔

"دفع ہو؟" وہ اسے کوستا کچن سے ہی نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

پھپھو کو بازار جانا تھا سو وہ منیب کو لے کر صبح دس بجے ہی چلی گئی تھیں رامش احمد کل ہی اپنی ماں کے ساتھ شام کی فلائٹ سے لاہور روانہ ہو گیا تھا۔ اس دفعہ اس کا دورہ خاصی کم مدت کا تھا سو اس نے بہت جلد دوبارہ واپس آنے کے وعدے کے ساتھ رخصت طلب کی تھی۔

"اتنا مزا آرہا تھا رامش بھائی! اور آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں۔" ماہی شکوہ کر رہی تھی۔ پاس کھڑی شکیلہ احمد خوامخواہ پہلو پہ پہلو بدل رہی تھیں۔

"میں چند دنوں میں دوبارہ چکر لگاؤں گا ماہی۔" رامش احمد نے اس کے چہرے پہ پھیلی مایوسی دیکھ کے کہا۔ نفیسہ خاتون نے رامش احمد کی والدہ اور اپنی چچازاد بہن کی تنی ہوئی گردن پہ سجے مغرور چہرے کی طرف دیکھا تو نخوت و ناگواری کی واضح لکیریں نظر آئیں اسی لیے ماہی کو فوراً ٹوک دیا۔

"ضد مت کرو ماہی! وہ ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہے جلد ہی دوبارہ لوٹ آئے گا۔ انہیں جانے دو۔"

ماہی نے نفیسہ خاتون کے لہجے میں چھپی تنبیہہ و ناگواری محسوس کرتے ہی خاموشی اختیار کرلی۔ مسز شکیلہ احمد اس جذباتی سین میں زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکیں اسی لیے جلدی سے گاڑی میں جا بیٹھیں۔ انہیں جاتا دیکھ کر رامش کو بھی جانا پڑا۔ منیب انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہا تھا۔ دل تو ماہی کا بھی چاہ رہا تھا جانے کو مگر پھپھو نے منع کر دیا اتنی سختی سے کہ وہ ضد کر ہی نہ سکی۔ وہ کل سے بے چین و مضطرب تھی۔ رامش احمد کی جدائی ایک لمحے کے لیے بھی اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ کل اسے بہت جلد دوبارہ واپس آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا تھا مگر وقت تھا کہ جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔

"کیا ماہ رخ امتیاز علی ساری زندگی کی جدائی سہہ پائے گی؟" بہت مشکل تھا یہ بات سوچنا بھی کہ وہ اس کے لیے نہیں تھا کسی اور کے بخت کا ستارہ تھا۔

جانے کتنا وقت بیت گیا اسے یونہی لان میں بیٹھے ہوئے۔ سرمئی شام اپنے آنچل میں سمیٹی ہوئی ساری اداسیاں اس کی جھولی میں ڈال کے رخصت ہو رہی تھی پھپھو کو سارا دن گزر گیا تھا بازار گئے ہوئے ماہی کو حیرت اس لیے نہیں ہوئی کہ وہ شاپنگ بے حد اطمینان اور سکون سے کرنے کی عادی تھیں۔ ایک چیز خریدنے کے لیے اگر انہیں آدھا دن بھی صرف کرنا پڑتا تو وہ بصد شوق کرتیں۔ مگر اپنی پسند و معیار کے معاملے میں سمجھوتہ ہرگز پسند نہیں کرتی تھیں۔ ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی کا عنصر شامل ہو رہا تھا ماہی اٹھ کے اندر آگئی۔ اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ پہلے سوچا منیب کو فون کرے پھر اپنے خیال کی خود ہی تردید کر کے فریج کی تلاشی لی مگر وہ خالی اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اب وہ کیا پکائے شام کے لیے اسے سوچ کے ہی الجھن ہونے لگی پھر اس نے منیب کو کال کی اور اسے بازار سے کھانا لیتے آنا کا کہہ کے فون بند کر دیا۔ ماہی پہ اس وقت شدید قنوطیت کا دورہ پڑا تھا۔ اس نے بے دلی سے چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا لیا ابھی پہلا گھونٹ بھرا ہی تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے اٹھا کے نمبر دیکھا تو ساری کلفت لمحے بھر میں ہوا ہو گئی۔

"السلام علیکم رامش بھائی۔" فون آن کرتے ہی وہ بڑی بے تابی سے بولی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو ماہی؟" جذبوں کی حدت سے چمکتا لہجہ ماہی کو مسحور کر گیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس نے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے پوچھا۔

"اچھا! مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے تم اداس ہو رہی ہو اس وقت۔ مگر تم تو بہت خوش لگ رہی ہو۔" رامش نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی مایوسی سموتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"آپ کے فون سے پہلے واقعی میں بہت بور ہو رہی تھی رامش بھائی! مگر آپ سے بات کرتے ہوئے بہت ہشاش محسوس کر رہی ہوں خود کو۔" ماہی نے جلدی جلدی وضاحت کی مبادا کہیں رامش احمد فون بند ہی نہ کر دے۔

"تو پھر مجھے کال کر لیتیں۔"

"میں نے سوچا آپ بزی ہوں گے اس لیے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا یا "اپنا" نہیں سمجھا؟" اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"توبہ ہے رامش بھائی! آج تو آپ بیویوں کی طرح سے مشکوک ہو کے شکوے کر رہے ہیں خیریت تو ہے۔" دوسری جانب رامش احمد قہقہہ لگا کے ہنس پڑا تھا۔

"تمہاری اچھی بات پتا ہے کیا ہے ماہی۔ تم میرے ہر انداز کو پہچانتی ہو۔" رامش احمد اپنے قہقہہ کا گلا گھونٹتے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ایک دو دن میں مما میرا رشتہ مانگنے جا رہی ہیں۔ شاید منگنی بھی کر آئیں۔" اس نے بہت ہولے سے اس کے سر پہ بم پھوڑا۔ ابھی شاید وہ کچھ اور بھی بتاتا مگر اچانک کال ڈراپ ہو گئی ماہی نے موبائل کان سے ہٹا کر دیکھا اس کے موبائل کی بیٹری آف تھی۔ پہلی مرتبہ اسے اپنے موبائل کی بیٹری ختم ہونے پہ پیار آیا۔ اس نے بے دلی سے اٹھ کر موبائل فون چارجنگ پہ لگایا دفعتاً ہونے والی ڈور بیل نے ماہی کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

"ایسا تو ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا پھر وہ کیوں اندر سے بجھ گئی تھی۔" دروازہ کھولتے وقت لاؤنج سے مرکزی دروازے تک کا سفر چند قدموں کا تھا مگر اسے وہ چند قدم ایک لمبی مسافت پہ محیط لگے اس کے قدم من من کے اور ٹانگیں گویا شل ہو گئیں۔ اس نے بے دلی سے دروازہ کھولا اور سامنے موجود ہستی کے گلے جا لگی شدت سے اس وقت کسی ایسے کندھے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی جس پر سر رکھ کر وہ اپنے سارے دکھ بہا دے مگر کوئی اس سے وجہ نہ پوچھے۔ امتیاز علی ہولے ہولے اس کا سر سہلا رہے تھے وہ اسے اچانک سرپرائز دینے کے چکر میں تھے مگر یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی تو ان کے لیے بے حد اداس ہے تبھی تو اس قدر حساس ہو رہی تھی۔ ماہی اتنی ہی تڑپ کے ساتھ اپنی ماں کے گلے لگی عاصمہ خان کی آنکھیں بھی تین سال بعد اپنی جوان و خوبصورت بیٹی کو دیکھ کے جل تھل ہو گئیں۔ کتنا اصرار کرتی تھیں اس سے کہ ان کے ساتھ آکر رہے مگر ماہی نفیسہ خاتون کو اکیلا چھوڑنے پہ کبھی راضی نہیں ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"امتیاز! آپ نے دیکھا ماہی کتنی بڑی ہو گئی ہے کتنا سلیقہ آگیا ہے اس میں؟" عاصمہ خان نے خوشی سے معمور لہجے میں امتیاز علی کو مخاطب کیا جو بڑی گرمجوشی سے ڈائننگ ٹیبل پہ سجائے گئے برتن اور لوازمات دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب نفیسہ کی بدولت ممکن ہوا ہے ورنہ آج اگر ماہی لندن میں ہوتی تو شاید ہم اس کی اتنی اچھی پرورش نہ کر پاتے۔ شاید اسے اپنی اقدار سے روشناس کرانا بھی ہمارے لیے مشکل امر ثابت ہوتا۔ بہت شکریہ نفیسہ، ہم پر تم نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔" وہ تشکر سے کہہ رہے تھے جبکہ نفیسہ خاتون جھینپ گئیں۔ انہیں ہمیشہ کی طرح آج بھی ماہی کو نفیسہ خاتون کو سونپنے کا فیصلہ غلط نہیں لگا تھا اور آج ماہی بیس کی ہو چکی تھی اور وہ اس کی شادی کے سلسلے میں واپس آئے تھے انہیں نفیسہ خاتون نے بتایا تھا کہ ماہی کے

لیے چند ایک بہت اچھے رشتے آئے ہیں جن میں سرفہرست رامش احمد کا پرپوزل تھا۔ کل سے ماہی کے والدین اور پھپھو کے درمیان کچھ میٹنگ ہو رہی تھیں۔ منیب الگ تیاریوں میں الجھا ہوا تھا ایک ماہی ہی تھی جو سب کچھ دیکھ رہی تھی اور بہت کچھ سمجھ کے بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ شام کو انہوں نے بتایا تھا کہ کل اسے دیکھنے کے لیے چند لوگ آ رہے ہیں۔ پاپا کے فیملی فرینڈ ہیں کافی سال ان کے ساتھ وہیں لندن میں بزنس پارٹنر رہے ہیں اور بس لڑکے کے بارے میں کچھ بتایا نہ ہی کوئی سسرالی اتا پتا دیا۔

ماہی کو پھپھو نے صبح سے ہی کچن میں اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا دوپہر کے قریب وہ لوگ آئے تھے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مما نے کچن میں جھانک کے اسے تیار ہونے کا کہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں فریش ہونے چلی گئی۔ نہانے کے بعد اس نے ڈرائیر سے اپنے بال خشک کیے چند ایک لٹیں چہرے کے اطراف میں ڈالیں اور میک اپ سے مبرا چہرہ لیے ــــــ اپنے بلاوے کا انتظار کرنے لگی جب پھپھو اور منیب مما کے ہمراہ اچانک کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"مبارک ہو ماہی۔ تمہارا رشتہ بخیر و عافیت رامش احمد کے ساتھ طے پا گیا ہے؟" منیب نے گلاب جامن کھاتے ہوئے ماہی کے سر پہ گولہ باری کی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"کیسا لگا ہمارا سرپرائز؟" مما نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا ماہی! کہ تم اپنے نصیب پہ رشک کرو گی۔ وہ خوش نصیب لڑکی تم ہی تھیں ماہی۔ رامش احمد کا خواب؟" پھپھو اس کی کہی باتیں اسے یاد دلا رہی تھیں مگر ماہی حیرت زدہ تھی۔ مما اسے ڈرائنگ روم میں لے گئیں جہاں رامش احمد اپنے والدین دو چھوٹے بہن بھائی کے ہمراہ فتح کے احساس سے دوچار بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرا دیا۔ ماہی کے چہرے پہ پھیلے حیرانی کے تاثرات وہ بخوبی پڑھ سکتا تھا یہ ہی نہیں بلکہ ماہی کے دل میں ہونے والی ہلچل سے بھی بخوبی واقف تھا۔

ماہی آ کر سب سے ملی مگر دانستہ رامش احمد کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔ مسز شکیلہ احمد نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھا لیا اور ڈائمنڈ کی خوبصورت رنگ پہنا دی۔ مبارک سلامت کا شور اٹھا اور ایک دوسرے کو مٹھائی کھلائی گئی۔

"ہم لوگ چاہ رہے تھے کہ اپنے چند ایک قریبی دوست احباب اور عزیز و اقارب کو بلا کے ایک چھوٹی سی رسم کر لیتے۔ ہمارے گھر کی بھی پہلی خوشی ہے اور آپ کے گھر کی بھی۔ کیوں امتیاز بھائی آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" احمد فاروق نے بڑے سبھاؤ سے کہا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ اگر شادی کرنا چاہیں ہمیں تو تب بھی کوئی اعتراض نہیں۔" سدا کے جلد باز امتیاز علی نے جواباً کہا۔

"ارے واہ بھئی یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" ان کے تو دل کی جیسے مراد بر آئی تھی۔ ایک وہ ہی تو تھے رامش احمد کے بڑے سپورٹر ورنہ تو شاید شکیلہ احمد کبھی نہ مانتیں۔

"لیکن بھائی صاحب! آخر ہمیں بیٹی بیاہنی ہے اور پھر اتنی ڈھیر ساری تیاریاں بھلا کیسے کر پائیں گے ہم لوگ۔" نفیسہ خاتون تامل کا شکار تھیں اور گھبراہٹ کا بھی۔

"ارے چھوڑیے بھابھی! تیاری کیسی "اپنے" ہی گھر تو جا رہی ہے ماہی۔ اور اللہ کا شکر ہے ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہو گی اسے وہاں کیوں شکیلہ بیگم!" انہوں نے دانت پہ دانت جمائے اپنی ناپسندیدگی کو بمشکل چھپائے بیٹھی اپنی نصف بہتر کو دیکھ کر کہا تھا۔

"جی بالکل۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائیں۔ شکیلہ پروین امتیاز علی اور نفیسہ خاتون کی سگی چچازاد تھیں اور کسی زمانے میں امتیاز علی کی منگیتر مگر پھر امتیاز علی لندن چلے گئے اور وہیں گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے ایک پاکستانی برٹش فیملی میں شادی کر لی۔ عاصمہ خان پاکستانی

نژاد تھیں۔ اسی لیے امتیاز علی بہترین مستقبل کے لیے ہمیشہ کے لیے وہیں شفٹ ہو گئے۔ وہ شروع ہی سے شکیلہ پروین جو مزاج کی ترش اور سخت تھیں کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ امتیاز علی نے ادھر لندن میں بیاہ رچایا ادھر غصے میں آ کے شکیلہ پروین نے اپنے سے آدھی عمر بڑے احمد فاروق جن کے آفس میں وہ کام کرتی تھیں ان سے شادی کر لی۔ رامش احمد ان کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا۔ نمرہ اور اشعر شکیلہ پروین کے بچے تھے مگر انہوں نے رامش احمد کو کبھی بھی اپنے سگے بیٹے سے کم ہرگز نہیں سمجھا تھا۔ وہ دس سال کا تھا جب شکیلہ پروین بیاہ کر احمد فاروق کے محل جیسے گھر میں آئیں۔ گزرے وقت نے ان کے دل سے امتیاز علی کی محبت تو دھندلا دی مگر وہ اپنی اہانت اور بے عزتی کا وہ احساس نہیں مٹا سکیں۔ وہ کبھی کبھار جب کبھی فیصل آباد اپنے میکے کا چکر لگاتیں تو رامش احمد کو بھی ساتھ لاتیں۔ کبھی کبھی نفیسہ خاتون کے بھی گھر چلی جاتیں وہیں رامش احمد کی اپنے ہم عمر منیب علی وہاب سے دوستی ہوئی کہ ان کے گھر رامش احمد کا آنا جانا شروع ہو گیا جسے شکیلہ پروین باوجود کوشش کے بھی ختم نہیں کروا سکیں۔ کچھ نفیسہ خاتون تھیں بھی بہت ملنسار اور نرم مزاج کی کہ بندہ ان کی محبت میں خود ہی کھنچا چلا آتا۔ پھر جب ماہی کے لیے رامش احمد نے خواہش ظاہر کی تو انہیں لگا جیسے کوئی برچھی لے کر ان کے دل کو زخمی کر رہا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ رامش احمد اس عورت کی بیٹی کا نام لے گا جنہوں نے اس کے دل کو ویران کر کے "اپنا گھر" آباد کیا تھا۔ چار سال انہوں نے بے حد نفرت و بے گانگی سے رامش احمد کی خواہش کو مسترد کرتے گزارے تھے مگر رامش احمد کی محبت و فرماں برداری دیکھ کے انہیں ماننے ہی بنی اور آج وہ اپنے دل میں موجود نفرت و بے گانگی کو چھپائے شادی کے معاملے طے کر رہی تھیں اور سب کچھ رامش کے حسب منشا ہوا تھا۔ دلہن بن کر ماہی پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔ عین ٹائم پر رامش احمد نے اپنے والد کے کان میں نکاح کی خواہش ظاہر کر دی۔ وہ اپنے چہیتے کے لیے فوراً سب کو رضامند کرنے لگے۔ ماہی ازحد پریشان کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے ابھی تو وہ اس نئے بندھن کو ہی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ نکاح کے فوراً بعد رخصتی کا مطالبہ کر دیا گیا۔ ماہی کو ڈھیروں ڈھیر رونا آیا اس نے تو اپنی شادی کے دن کے حوالے سے بے حد خواب دیکھ رکھے تھے۔ اسے رہ رہ کر رامش احمد پہ غصہ آ رہا تھا جس نے بیٹھے بٹھائے یہ شوشا چھوڑ دیا تھا۔ رخصتی کے وقت اسے بے حد رونا آیا۔

ڈھائی گھنٹے کی تھکا دینے والی مسافت کے بعد جب اس نے بیڈ روم میں قدم رکھا تو اس کے قدم دہلیز پر ہی لڑکھڑا سے گئے۔ پورا کمرہ بالکل دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔

ماہی اور رامش احمد کو ایک ساتھ بٹھا کر دودھ پلایا گیا ساتھ ہی ساتھ آرسی کی رسم بھی کی گئی تھی دوپٹے کی اوٹ میں جب آئینے میں رامش احمد نے ماہی کا دلفریب روپ دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گیا ماہی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔ رامش احمد کو پل بھر میں اندازہ ہو گیا تھا ماہی کے موڈ کا... وہ بے اختیار ہنس دیا۔ آہستہ آہستہ سب مہمان چلے گئے تو ماہی کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ نمرہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی ساتھ ہی رات کو پہننے کا آرام دہ سوٹ دے گئی تھی۔ وہ ابھی چینج کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ رامش احمد کمرے میں چلا آیا۔

"نہ۔ نہ۔ ابھی نہیں مجھے پتا تھا تم غصے میں چینج کرو گی۔ اور میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گا۔" وہ باتھ روم کا دروازہ کھولنے ہی والی تھی جب رامش احمد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کے بازو پہ لٹکے کپڑے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کھا جانے والے ارادے سے پلٹی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" رامش احمد اس کے قریب آتے ہوئے اس کے نازک سے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ۔" وہ بے حد درشتگی سے اس کا ہاتھ جھٹک رہی تھی اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے۔

"ناراض ہو؟" وہ اب اس کے چہرے کے بے حد قریب اپنا چہرہ کیے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ گولڈ میڈل پہنانے کو دل چاہ رہا ہے آپ کو۔" رامش احمد کی تو بس پوچھنے کی دیر تھی ماہی تو پھٹ ہی پڑی۔ رامش احمد قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ رامش احمد نے بہت پیار سے اس کا رخ اپنی جانب موڑنا چاہا جو ناراضی سے وہ پھیرے ہوئے تھی۔
"رامش بھائی پلیز؟" وہ ان کی طرف مڑتے ہوئے بے ساختہ بولی تھی۔ رامش احمد کا قہقہہ بے حد جاندار تھا۔
"نکاح کو مشکوک مت کرو یار۔ کچھ تو سوچ سمجھ کے بولو؟" ماہی بے ساختہ جھینپ گئی مگر اپنی خفت مٹانے کو پھر کہنے لگی۔
"آپ نے اچھا نہیں رامش۔۔۔ بھا۔ ی ی؟" مگر اتنی برسوں پرانی عادت تھی۔ اتنی آسانی سے بھلا کہاں چھٹنے والی تھی مگر رامش نے محسوس نہیں ہونے دیا مبادا ناراض ہی نہ ہو جائے۔
"ایسی ہوتی ہے شادی! نہ مہندی لگی نہ ڈھولک رکھی گئی اور نہ ہی میں نے اپنی پسند کا برائیڈل ڈریس پہنا؟" معصومیت سے اپنی ناراضی جتا رہی تھی۔
"مہندی تو ہاتھوں پہ لگی ہے تمہارے۔" رامش احمد نے اس کے دودھیا ہاتھوں پہ سجے مہندی کے بیل بوٹے دیکھتے جیسے اس کی شکایتوں کے ایک پلندے میں سے ایک شکوہ کم کیا۔
"یہ تو باہر سے لگوائی تھی۔ گھر تھوڑی فنکشن ہوا تھا۔" وہ جیسے رامش احمد کی بات کی گہرائی کو نہ سمجھنے پر جھنجلائی۔
"لگی تو میرے نام کی ہے نا ماہی۔ چاہے گھر میں نہ سہی پارلر میں سہی۔" رامش احمد نے اس کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ مکمل طور پر اس کی گرفت میں تھی۔ لمحے بھر میں ماہی کو اس کی سانسوں کے زیروبم میں چھپے جذبات کی شوریدہ سری محسوس ہوئی تو کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹی۔
رشتے کا اچانک احساس ہوا تو نگاہیں اٹھنے سے انکاری ہو گئیں۔ رامش احمد نے مدہوشی کے عالم میں اس کے آویزے کو چھیڑا۔ دوپٹہ سر سے سرکا' رامش احمد نے اسے اتار کر صوفے پر ڈال دیا اب وہ بہت محبت سے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو محسوس کر رہا تھا ماہی کسمسائی مگر رامش احمد نے چھٹکارا پانے نہیں دیا اس کے گلے میں موجود نفیس ـــ ڈائمنڈ لگا نیکلیس کا ہک کھول دیا اور اس کی چوڑیوں سے کھیلنے لگا پھر اسے یونہی بازوؤں کے حلقے میں ـــ لیے بیڈ پر آگیا اور جیب سے وہی بریسلٹ نکال کر پہنایا جو وہ دبئی سے لایا تھا یہ اس کی منہ دکھائی تھی۔
"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔؟" ماہی دم بخود تھی۔
"سب تمہارے لیے۔ میری محبت کے لیے؟"
اس رات رامش احمد نے ماہی پہ اپنی محبت و چاہت کی بارش کچھ اس طرح سے کی کہ ماہی جل تھل ہو کے سیراب ہو گئی تھی اسے یقین آگیا تھا کہ محبت مدہوشی کا دوسرا نام کیوں ہے؟
ولیمہ بے حد شاندار انداز میں کیا گیا تھا ولیمہ کے فوراً" بعد وہ دونوں ایک ماہ کے لیے شمالی علاقہ جات کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ماہ ان دونوں نے ایک دوسرے کی سنگت میں بے حد انجوائے کرتے گزارا تھا کبھی وہ روٹھ جاتی تو رامش احمد کی جان پہ بن آتی۔ اسے رامش احمد کا منانا بے حد اچھا لگتا تھا۔ کبھی کبھار وہ جان بوجھ کے روٹھ جاتی۔ ہاں البتہ رامش احمد اس سے کبھی ناراض نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں جب ایک ماہ بعد گھر لوٹے تو سب لوگ ہی ان دونوں کے چہرے پر موجود سکون اور خوشی دیکھ کے حیران رہ گئے اس کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تیسرے مہینے بعد جا کے زندگی عام ڈگر پہ آئی تھی۔
روٹین لائف شروع ہوئی تو ماہی نے بھی خوب جی لگا کے گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی صبح رامش اور پاپا کا ناشتا خانساماں ہونے کے باوجود وہ خود بناتی تھی وہ بہت سحر خیز تھی۔ میکے میں بھی صبح کی نماز

ادا کرنے کے بعد پھپھو اور منیب کو بیڈ ٹی وہی بنا کر دیتی تھی اور اب یہاں بھی۔ ثمرہ تو ان کی شادی کے دوسرے مہینے ہی لندن چلی گئی تھی اپنی خالہ کے پاس وہ وہیں ان کے پاس زیر تعلیم تھی کم کم ہی پاکستان آتی جبکہ اشعر ادھر ہی تھا وہ ذرا لیٹ اٹھتا تھا اور مما بھی شادی کے بعد وہ بھی رامش احمد کی طرح شکیلہ احمد کو مما کہہ کر پکارنے لگی تھی ان کا رویہ گو کہ ماہی کے ساتھ بے حد سرد تھا مگر پھر بھی وہ ان کی بے حد عزت و احترام کرتی تھی۔ پاپا البتہ اسے بے حد پیار کرتے تھے۔ اشعر لیے دیے رہنے والا تھا مگر پھر بھی ماہی کی اس سے خوب گاڑھی چھنتی اس کی دن رات کی خدمت نے شکیلہ بیگم کا دل بھی نرم کر دیا تھا وہ اپنا دل صاف کر کے ماہی کو حقیقی بیٹیوں کی طرح چاہنے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼
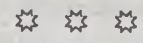
موبائل کی بیل ہو رہی تھی اسکرین پر پھپھو کا نام دیکھ کر وہ خوش ہو گئی۔
"السلام علیکم پھپھو! بڑی لمبی عمر ہے آپ کی۔ ابھی آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔" چھوٹتے ہی اس نے بے تابی سے کہا۔
"وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ میں تو پھر بھی تمہیں یاد کر لیتی ہوں اور تم تو وہ بھی نہیں کرتی ہو۔ اتنی مصروف ہو اپنی زندگی میں۔" وہ محبت سے شکوہ کر رہی تھیں۔
"سوری پھپھو! بس واقعی مصروفیت ہی بہت ہو گئی ہے مگر اس ویک اینڈ پر رامش نے پروگرام بنایا تو ہے آپ کے ہاں چکر لگانے کا۔"
"میں تو ہر روز راہ تکتی ہوں ماہی۔ تمہارے بغیر تو میں بہت اکیلی ہو گئی ہوں۔"
"منیب ہے تو آپ کے پاس پھپھو؟" ماہی نے ہنس کر کہا۔
"اس کی شادی کر دیں نا۔" ماہی نے اپنے تئیں انہیں بڑا اچھا مشورہ دیا تھا۔
"مشورہ تو تمہارا اچھا ہے مگر کوئی تمہارے جیسی ملے بھی تو۔" شاید منیب پھپھو کے پاس ہی بیٹھا تھا لپک کر مما سے موبائل لے کر کہنے لگا ماہی کھلکھلا دی۔
"تمہیں تو کہا تھا موبی! کہ مجھے گھر میں ہی رکھ لو۔ مگر تم نے بھی تو اس وقت میری قدر نہیں کی تھی اب بھگتو۔" وہ اس کا مذاق سمجھتے ہوئے جواباً" اسے چھیڑ رہی تھی اسی لمحے رامش احمد کمرے میں داخل ہوا تھا خلافِ معمول وہ اسے کچھ سنجیدہ نظر آیا مگر ماہی نے توجہ نہیں دی۔
"غلطی ہو گئی مگر کوئی بات نہیں میں اپنی غلطی کا ازالہ تمہارے ہی جیسی بیوی ڈھونڈ کے بہت جلد کر دوں گا۔" دوسری طرف بھی منیب تھا بھلا آسانی سے چوکنے والا تھا۔
"اوں۔ ہوں۔ بھول ہے تمہاری میرے نام کا صرف ایک ماڈل اس دنیا میں بھیجا تھا اوپر والے نے جو تمہارے نہیں بلکہ رامش احمد کا نصیب تھا۔ اب تم صرف صبر کرو۔" وہ رامش احمد کے ہاتھ سے کوٹ لے کر ہینگ کرنے لگی۔ وہ آفس میں سارا دن سر کھپا کر آیا تھا۔ ماہی کو چاہیے تھا کہ فون بند کر کے اسے کپڑے چینج کرواتی چائے پانی کا پوچھتی مگر وہ ہنوز فون پر ہنسی مذاق کرنے میں مصروف تھی۔ رامش احمد کو بے حد برا لگا۔
"کہاں ہے وہ تمہارا مجازی خدا۔ آیا نہیں ابھی تک۔" آخر منیب کو ہی اس کا خیال آیا تو پوچھ بیٹھا۔
"ابھی آئے ہیں' واش روم میں ہیں' ورنہ تمہاری بات کرواتی؟"
"او کے۔۔۔ پھر میں رکھتا ہوں' تم اسے ٹائم دو؟" اتنا کہہ کر منیب نے فون بند کر دیا اور ماہی کچن میں ـــ رامش کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔۔۔ وہ چائے لے کر آئی تو خلاف معمول رامش احمد کرتا شلوار میں ملبوس بیڈ پہ نیم دراز خاموش سا لگا۔ ماہی نے آہستگی سے چائے اس کے قریب سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی تھی۔
"کیا بات ہے' اتنے چپ چپ سے کیوں ہیں؟" وہ نرمی سے اپنا ہاتھ رامش احمد کے گھٹنے پہ رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"کچھ نہیں... بس ذرا سر میں درد تھا۔" رامش احمد نے جیسے اسے ٹالا تھا۔

"لائیں آپ کا سر دبا دوں... چائے پی لیں پہلے، پھر آرام کر لیں؟" وہ فوراً" فکرمندی سے کہہ کر اس کے اور قریب آگئی رامش احمد نے لب بھینچ لیے۔

"ماہی..." وہ اس کا سر دبا رہی تھی جب رامش احمد نے اسے پکارا تھا۔ آج اس کا چہرہ ماہی کو کسی بھی قسم کی وارفتگی سے عاری، بے حد سنجیدہ محسوس ہوا۔

"تم اب شادی شدہ ہو... پہلے کی طرح منیب کے ساتھ فری مت ہوا کرو۔ ایک شادی شدہ عورت کو یہ سب زیب نہیں دیتا اور پھر مجھے بھی یہ سب اچھا نہیں لگتا؟" وہ بے حد سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ ماہی شاکڈ سی ہو گئی۔

"آ... آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں رامش؟" وہ دکھ سے چور سی ہو گئی۔ "نہیں... اس بات کو غلط رنگ مت دو ماہی... تم جانتی ہو میں تم پہ کبھی شک نہیں کر سکتا؟" مگر ماہی مطمئن نہیں ہو پائی تھی۔ اس کے لیے یہ بات بے حد تکلیف دہ تھی کہ رامش احمد اس پر منیب کے حوالے سے روک ٹوک کر رہا ہے۔ جس کے ساتھ وہ دن رات ایک چھت تلے گزارتی رہی تھی... جس نے اسے پاؤں پاؤں چلنا سکھایا تھا۔ جس نے ایک بڑے بھائی کی طرح سے اس کی حفاظت کی تھی اور رامش احمد یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا۔ پھر... پھر بھی وہ اسے منیب احمد سے فری انداز میں بات کرنے سے روک رہا تھا۔ یعنی کہ دوسرے لفظوں میں اس سے رابطہ، کوئی تعلق نہ رکھنے کو کہہ رہا تھا۔

"سیدھی طرح سے کیوں نہیں کہتے کہ آپ مجھے ان سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کا حکم دے رہے ہیں؟" وہ بے حد غصے کے عالم میں اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے پھنکاری تھی۔

"بکواس بند کرو اپنی... خوامخواہ بات کو طول مت دو؟" رامش احمد کو بھی غصہ آگیا... ماہی نے اب تک رامش احمد کی بے تحاشا محبت دیکھی تھی۔ ایسا روپ پہلی بار دیکھا تو سہہ نہیں پائی... اور دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی رامش احمد سر پکڑ کر رہ گیا۔ مگر وہ کیا کرتا اپنی شدت پسندی کا جو وہ ماہی کے لیے رکھتا تھا۔ اسے بے حد برا لگتا جب ماہی اس کے علاوہ کسی اور سے فری ہو کے بات کرتی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ اس کے علاوہ ماہی کو کوئی نظر بھر کے دیکھتا بھی تو... سچی بات تو یہ تھی کہ رامش کو ماہی کا منیب کے لیے التفات کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔

ماہی روتے ہوئے دوڑ کر باہر لان میں جانے کے لیے دروازہ کھول رہی تھی کہ سامنے ہی کسی کے بھاری وجود سے ٹکرا گئی۔ اس کے تو چاروں طبق روشن ہو گئے۔

"یا وحشت! محترمہ اندھے بیل کی طرح سے کہاں بھاگے جا رہی ہیں؟" ماہی نے اس لمحے کچھ حواس بحال ہونے پر اپنے سامنے دیکھا۔ ایک بے حد وجیہہ شکل و صورت کا دراز قد لڑکا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"اندھی میں ہوں یا آپ؟" وہ آنسو پونچھتے ہوئے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"ویسے محترمہ! آپ ہیں کون اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟" مدثر عباس نے بے حد حیرانی سے یہاں اس کی موجودگی کے بابت سوال کیا... ماہی کے تو سر پر لگی اور تلووں پہ بجھی اس کے گھر میں کھڑے ہو کر وہ شخص اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کون ہے۔

"یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے... کہ میرے گھر میں یوں اس قدر دھڑلے سے آپ کیوں کھڑے ہیں اور آپ کو اندر کس نے آنے دیا؟" وہ اب مشکوک انداز میں کھڑی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے کا رونا بھول کر۔

رامش احمد نے ٹھنڈی سانس بھری اور اس کے پیچھے آیا وہ جانتا تھا کہ ماہی اس سے بے حد خفا اور بدگمان ہو گئی ہے اور چین تو اسے بھی نہیں آ رہا تھا سو پندرہ منٹ بعد ہی پیچھے اس کی تلاش میں باہر لان میں نکل آیا۔ مگر گیرج میں اسے پھر ہنستے مسکراتے دیکھا تو پرسکون سا ہو گیا۔

"محترمہ یہ میرے چاچو کا گھر ہے؟" وہ اس کے سوال پہ بھڑکا۔

"اور میرے یہ شوہر کا گھر ہے؟" وہ بھی اسی کے انداز میں دوبدو بولی تھی۔ مدثر عباس اس کے پراعتماد انداز کو دیکھ کر زور سے ہنس دیا تھا۔ اتنی دیر تک رامش بھی ان کے قریب چلا آیا۔

"ہائے رامش۔" وہ اس کے گلے لگا تھا۔

"یار، تو نے شادی کر لی اور مجھے بتایا تک نہیں؟" مدثر عباس، ماہی کو بے حد گہری نظروں سے دیکھتے رامش احمد سے شکوہ کر رہا تھا۔

"تو رابطے میں رہے تو تجھے کچھ خبر بھی ہو... چار ماہ ہو گئے میری شادی کو اور تو سنا آج کل کس ملک کی خاک چھان رہا ہے؟" وہ اسے لیے اندر بڑھ رہا تھا۔ ماہی کا دل چاہا وہیں سے واپس پلٹ جائے۔ مگر وہ اس گھر کی بڑی بہو تھی اور ایک بہو کی حیثیت سے اسے اس گھر میں ہر آنے والے مہمان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھرتی کچن میں آگئی۔ خانساماں کھانا تیار کر رہا تھا۔ دو ایک ڈشز کا اضافہ کرنے کے بعد وہ کولڈ ڈرنک کے ساتھ کباب، رول سے ٹرالی سجانے لگی۔ رامش کچن میں آیا تو ماہی کو چائے کی ٹرالی لے جاتے دیکھ کر زیرلب مسکرا دیا۔ اسے اس کا سلیقہ ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی اقدار کو یاد رکھتی تھی... ٹرالی لے کر جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو وہاں پاپا جانی اور مما جانی کے ساتھ ساتھ اشعر بھی مدثر عباس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھا تھا۔ ماہی نے آگے بڑھ کے سب کو سرو کرنا شروع کیا۔ مدثر عباس نے بہت غور سے ماہی کو دیکھا تھا۔ بہت معصوم سی، کچھ کچھ جذباتی سی وہ اس وقت اسے روئی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ فیس ریڈر تھا اور اپنے فن میں مہارت رکھتا تھا۔ خصوصاً" صنف نازک کے جذبات اور چہروں کے ساتھ کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"یار مجھے ایک پرابلم پیش آ رہی ہے؟" ماہی نے جب اسے لوازمات سے بھری پلیٹ تھمائی تو اس نے اچانک کہا۔ سب نے تجسس سے اسے دیکھا۔

"رامش کی بیوی کو کیا کہوں... رشتے میں تو میری بھابھی لگتی ہے۔ مگر عمر میں مجھ سے کافی چھوٹی ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بھابھی کہہ کر ہونق لگوں یا نام لے کر پکاروں؟" وہ کباب کا ٹکڑا ہاتھ سے توڑ کر کھاتے ہوئے بے بسی سے بولا تھا۔ سب کے چہروں پہ مسکراہٹ آگئی۔ سوائے رامش احمد کے۔

"تم اسے بھابھی ہی کہو۔ اپنے رشتے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تم تو اس کے جیٹھ ہوئے نا؟" مما جانی نے اس کی مشکل حل کر دی تھی۔

"بہت خوش نصیب ہو یار رامش! اچھی بیوی کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی۔" وہ بغور ماہی کا جائزہ لیتے ہوئے بظاہر حیرت زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تم کب خوش نصیب بن رہے ہو برخوردار؟" پاپا جانی نے ماہی کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہائے چاچو! اپنے ایسے نصیب کہاں۔ کہاں لوگوں کے مقدر میں دو دو ہوتی ہیں کہاں ہم غریبوں کو ایک بھی نہیں مل رہی۔" وہ بڑی شگفتگی سے احمد صاحب پہ چوٹ کر رہا تھا۔ مسز شکیلہ احمد ہنس پڑیں۔ انہیں احمد صاحب کا یہ بھتیجا شروع ہی سے بہت اچھا لگتا تھا۔ بے حد ہنس مکھ، ہر ایک کے غم کو چٹکی میں اڑا دینے والا۔ احمد صاحب جھینپ گئے تھے جبکہ رامش اور اشعر محظوظ ہو رہے تھے۔

دوسری صبح وہ سات بجے اس کے سر پہ کھڑا تھا۔

"بھابھی! ذرا ایک کپ چائے تو بنا دیں۔" وہ گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا اس کے پاس ڈائننگ ٹیبل پہ ہی بیٹھ گیا تھا ماہی نے ایک نظر دیکھا وہ بنیان اور شلوار میں ملبوس بے پروا سا بیٹھا تھا۔ ماہی کو اس حلیے میں دیکھ کر حیا آئی مگر پھر بھی خاموش رہی۔

"آپ جائیے میں بھجوا دیتی ہوں۔"

"ارے نہیں۔ کوئی تکلف نہیں میں گھر کا بندہ ہوں یہیں بیٹھ کے پی لوں گا۔" ماہی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کچن کا سارا کام آپ کرتی ہیں بھابھی؟"
"سارا تو نہیں البتہ پاپا اور رامش کے لیے صبح کا ناشتا یا پھر رات کا کھانا وغیرہ بنا لیتی ہوں۔" ماہی نے سادگی سے وضاحت کی اور چائے کپ میں ڈالنے لگی۔ چائے کا کپ پکڑا کر وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ وہ پھر بولا۔
"اس طرح سے تو وہ آپ کے موی ہاتھ خراب ہو جائیں گے بھابھی! یہ ہاتھ کوئی کام کرنے کے لیے تھوڑی ہیں۔ یہ رامش بھی نا اپنی فطرت سے مجبور ہے میل شاؤنسٹ کہیں کا؟"
"ارے۔ رے ایسا نہیں ہے۔ رامش نے مجھے کبھی مجبور نہیں کیا کام کرنے کے لیے میں تو بس خود ہی شوقیہ۔" مدثر عباس کے چہرے کے ناقابل فہم تاثرات دیکھتے ماہی اٹک سی گئی۔
"تو کیا وہ منع کرتا ہے آپ کو؟" ماہی سوچ میں پڑ گئی۔
"منع تو نہیں البتہ انہیں میرے ہاتھ کا کھانا پسند ہے اس لیے۔" وہ آٹا گوندھ چکی تھی اب آملیٹ کی پیاز کاٹ رہی تھی۔ مدثر نے اسے مہارت سے کام کرتے ہوئے دیکھا اور بڑی پراسرار سی مسکراہٹ چہرے پہ سجالی۔
"کچھ اپنے بارے میں بھی بتائیں نا بھابھی!" وہ محبت سے بولا۔
"میرے بارے میں آپ کو کیا جاننا ہے؟" وہ آملیٹ بناتے ہوئے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔
"آپ کی ہابیز وغیرہ۔" ماہی ہنس دی۔
"یہ سارے جو چلے شادی سے پہلے کے ہوتے ہیں شادی کے بعد عورت کی پہلی ترجیح اس کا شوہر' گھر والے اور اس کا گھر ہوتے ہیں؟"
"شادی کا مطلب یہ تھوڑی ہے بھابھی کہ عورت خود کو مار دے اندر سے۔" وہ اسے اکسا رہا تھا۔
"کبھی مغرب کی عورت کو دیکھا ہے وہ خود کی ذات کو کبھی فراموش نہیں کرتی خود سے کبھی غفلت نہیں برتتی جبکہ ہماری مشرقی عورتوں کا المیہ ہی یہی ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنی ضروریات' خواہشات اور ترجیحات کو سب سے پہلے ختم کرتی ہیں اور جب مرد دھوکہ دیتا ہے تو نہ ادھر کی رہتی ہیں نہ ادھر کی؟ ہمارے مردوں کا بھی قصور اتنا ہی ہے اس میں وہ چاہے جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں جتنی بھی ترقی کرلیں مگر جہاں بات عورت کی آتی ہے وہیں ان کی حاکمیت شروع ہو جاتی ہے وہ آج بھی عورت کو پیر کی جوتی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" وہ چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ ماہی پہ سوچ کا ایک نیا در کھلا۔
"ہاں مگر۔ ہمارے اسلام میں بھی تو عورت کو مرد کے ماتحت بنایا گیا ہے۔ وہ گھر کی ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ مرد کما کر اسی کی ہتھیلی پر رکھتا ہے۔" ماہی نے ہلکا سا دفاع کیا۔
"بھابھی! پھر بھی عورت مرد کی محتاج تو ہوئی نا۔ اگر وہ خود کمائے مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہو تو مرد کو اس کی قدر ہوگی۔ اسے پتا ہوگا کہ یہ میری محتاج نہیں بلکہ اپنے پیروں پہ کھڑی ہے اس کی بھی معاشرے میں اتنی ہی عزت اور اہمیت ہے جتنی وہ خود کی سمجھتا ہے۔ آپ نے مغرب کی عورت کو دیکھا وہ کتنی مضبوط ہے کتنی پاور فل ہے ہر ہر شعبے میں مرد کے مقابل۔"
"خیر۔ ہمارے پاکستان کو ہی لیجیے ہماری عورت بھی آج مردوں کے مقابل کھڑی ہے وہ کسی طور بھی مردوں سے کم نہیں ہے۔" وہ اب روٹی توے پر ڈال کر پلٹتے ہوئے ساتھ ساتھ عورت کا دفاع بھی کر رہی تھی۔
"تم بھی نا بھابھی! بہت بھولی ہو۔" مدثر عباس ایک دم بڑے زور سے ہنسا۔ "سوچو عورت پہ کتنی دہری ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے پھر۔ مغرب میں مرد اور عورت اپنا اپنا کام خود کرتے ہیں جبکہ یہاں عورت کو مرد کا بھی سارا کام کرنا پڑتا ہے۔ رامش جب آفس سے تھکا آتا ہے تو آپ اس کے آگے پیچھے پھرتی ہوں گی کہ وہ کام میں مصروف تھک کر گھر آیا ہے جبکہ آپ سارا دن گھر اور کچن میں لگی رہتی ہیں اور اس نے یقیناً" آپ سے کبھی نہیں کہا ہوگا کہ تھک گئی ہو تھوڑا آرام کرلو یہ فرق ہے بھابھی مشرق اور مغرب کی عورت کا۔" مدثر

کی یہ بات ماہی کے دل کو لگی تھی واقعی میں رامش نے کبھی پوچھا تک نہ تھا کہ وہ سارا سارا دن گھر میں کرتی کیا ہے وہ اگر گھر کا کوئی معاملہ اس سے ڈسکس کرنا بھی چاہتی تو وہ اسے فوراً" ٹوک کر "پلیز ریلیکس" اس کی "بات کرنے کو کہتا۔ اسے پسند نہیں تھا کہ گھر کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی وہ ٹیپیکل عورتوں کی طرح اس سے شیئر کرے۔ ماہی نے تھک ہار کر گہری ٹھنڈی سانس لی۔
"یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے مدثر بھائی! ازل سے یہی کہانی چل رہی ہے پھر انقلاب آئے تو کیسے؟"
"اگر صرف یہ سوچا جائے کہ پہلا دیا کون جلائے گا تو پھر تو انقلاب آنے سے رہا بھابھی! ہم اپنے اپنے حصے کا دیا تو جلالیں ہم تو پہل کریں پھر قافلہ بنتے دیر کہاں لگتی ہے۔" وہ بے حد گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اپنے خیالات کا اظہار کر کے وہ اوپر اپنے کمرے میں چینج کرنے چلا گیا۔
ماہی اور رامش کی بول چال کل سے بند تھی رامش نے دو ایک مرتبہ اس سے بات کرنے کی کوشش بھی کی مگر وہ جان بوجھ کے نظرانداز کر گئی اور جب اس نے رات کو اسے اپنے پاس بلایا تو جان بوجھ کے سوتی بن گئی۔ پھر رامش احمد نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا وہ جانتا تھا جب ماہی ضد میں آتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی ضد نہیں توڑ سکتی ——— جب تک وہ خود نہ چاہے۔ اس روز صبح ناشتے کے دوران ماہی نے پہلی مرتبہ غور کیا تھا کیا رامش احمد اس کی محبت کو سراہے گا؟ کیا رامش احمد کو اس کا احساس ہے؟ کیا رامش احمد اس کی محنت کو جانچتا ہے؟ ماہی کو ازحد مایوسی ہوئی
اسی غصے میں آکے ماہی نے اسے ڈرائیو وے تک جا کے اللہ حافظ بھی نہیں کہا۔ رامش احمد کو حیرت نہیں ہوئی مگر ماہی کو بے حد ہوئی یہ جان کر کہ اگر وہ اس سے بات نہیں کر رہی اسے اللہ حافظ نہیں کہنے گئی تو رامش احمد کو بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اس کے نزدیک بھی اس کی اہمیت نہیں تھی اس کا دل بے حد دکھی ہوا کیا یہی تھی رامش احمد کی محبت اس کے لیے بس چند ماہ تک وہ اس سے محبت کر پایا جس کے لیے اس نے چار سال اپنی ماں کی منتیں کی تھیں؟
سارا دن وہ بلاوجہ کڑھتی رہی شام کو رامش احمد آیا تو اس کے ہاتھ میں ماہی کے لیے گجرے تھے۔ لے جا کر اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ دیے ماہی جب شام کی چائے لے کر ——— کمرے میں آئی تو گجرے دیکھ کر ایک بار پھر پرامید ہو گئی گویا محبت ابھی بھی باقی تھی۔ ورنہ اس نے تو سارا دن اپنی گم گشتہ محبت کا سوگ مناتے گزارا تھا۔
رامش احمد ڈریسنگ روم سے نکلا اور بغیر کلام کیے گجرے اٹھا کر ماہی کے ہاتھ میں پہنانے لگا ماہی نے ایک دو مرتبہ ہاتھ چھڑائے مگر رامش احمد کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اس کے کسمسانے اور ہاتھ چھڑانے پہ بے اختیار ہنس دیا۔
"بہت نخرے کرتی ہو ہم سے؟" اس کے ہاتھ تھامے محبت سے بھرپور انداز سے دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا۔
"اور آپ دل بہت جلاتے ہیں؟" مقابل بھی ماہی تھی بھلا ادھار رکھتی؟ ہرگز نہیں۔
"تو تم سہنے کی عادت ڈالو نا۔" وہ اور قریب آیا۔
"آپ نے ڈال لی ہے نا۔" رامش احمد نے اس کی کلائی کو جھٹکا دیا ایک سیکنڈ میں ماہی اس کے سینے پہ آگری۔
"اتنی سی طاقت ہے تم میں۔ اور باتیں اتنی بڑی بڑی کرتی ہو؟"
"آپ کو بھی دیکھ کے ایسا نہیں لگتا کہ یہ بندہ اتنا سخت ہوگا؟" وہ بھی نروٹھے پن سے آنکھوں میں آئی نمی کو جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

"غلط نہیں ڈانٹا تھا یار! تم سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ میں تم پہ شک نہیں کر سکتا۔ تمہیں دنیا کی اونچ نیچ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم بہت معصوم ہو ماہی! تمہیں دنیا کے مکروہ چہروں پہ چڑھے خوبصورت نقاب اتارنے کا ہنر نہیں آتا تمہاری باطن نگاہ بھی وہی دیکھتی ہے جیسی تم خود ہو خالص اور بے ریا۔ تمہارا ہر ایک کے ساتھ گھل مل جانا ان پر اعتبار کر لینا ایک دن تمہیں کسی بڑے نقصان سے دوچار نہ کر دے اس لیے تمہیں ان سب سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ اسے نرمی سے سمجھاتا بہت محبت سے اس کے بال سہلا رہا تھا۔ ماہی کو اس کا اپنے بالوں کو یوں سہلانا بے حد اچھا لگتا تھا اسے بے اختیار نیند آنے لگتی تھی۔

"ابے سونا نہیں۔" اسے ہلکا سا جھٹکا دے کر جگا دیا۔

"رامش۔ ایک بات کہوں۔" ماہی بغیر سر اٹھائے اسی انداز میں اس کے سینے پہ سر رکھے بولی۔

"میں نہیں جانتی محبت کیا ہے اور ان ساری باتوں کو کیسے بیان کرتے ہیں مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ میں آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔ شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی۔" وہ بے حد معصومیت اور ناسمجھی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اظہار کر رہی تھی۔ رامش احمد کا روم روم سرشار ہو گیا۔ ماہی کو اپنے سینے میں بھینچے ارد گرد سے بے گانہ محبت کی بارش میں بھیگ رہا تھا کیا اظہار میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ لمحے میں زمان و مکان ہوش و خرد سے بے گانہ کر دے۔

"پلیز مجھ سے کبھی بدگمان مت ہونا ورنہ۔ ماہی مر جائے گی۔" وہ اس کے سینے میں سر چھپائے اظہار محبت کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں سے محبت کو امر کر رہی تھی کچھ اس خوبصورتی سے کہ محبت بھی "اپنے ہونے" پہ فخر محسوس کر رہی تھی۔

"اگر میں کبھی تم پہ غصہ ہوں تو تم روٹھنا مت ماہی۔ ورنہ مجھے بھی چین نہیں آئے گا۔" رامش احمد بھی اسے متنبہ کر رہا تھا۔

"غصہ ضرور کرنا ہے۔" ماہی ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی تھی تیکھے چتون سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا کروں۔ مجھے تمہارا "اپنے علاوہ" کسی اور کو توجہ دینا اچھا نہیں لگتا نا اس لیے۔" وہ سادگی سے وضاحت کر رہا تھا۔

"ماہی! تمہیں پتا ہے میرا دل چاہتا ہے جب ہمارے بچے ہوں تو وہ ٹوئنز ہوں۔" وہ اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں چلاتے آج پہلی بار بچوں کا ذکر کر رہا تھا ماہی شرم سے سرخ ہو گئی۔ مگر رامش احمد نے غور نہیں کیا اپنی ہی بات میں گم رہا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں آفس کے بعد کا سارا وقت اپنے بچوں کے ساتھ گزاروں گا تاکہ تم ریسٹ کر سکو۔ وہ سارا دن تمہیں ہلکان رکھیں گے نا۔ پھر تم آرام سے سو جایا کرنا کیونکہ رات بھر وہ تمہیں بے چین رکھیں گے تمہاری نیند پوری نہ ہوئی تو تم بیمار پڑ جاؤ گی اور مجھے اپنی ماہی "بیمار" بالکل بھی نہیں چاہیے۔"

رامش احمد نے ماہی کے ماتھے پہ بوسہ دیا تھا جواب آہستہ آہستہ نیند میں گم ہو رہی تھی رامش احمد کی نظریں آنے والے وقت کے خوشحال اور خوش کن خیالات پر جمی تھیں۔ مگر تقدیر مسکرا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج سنڈے تھا سو رامش احمد اور پاپا جانی گھر پہ ہی تھے۔

حسب معمول ناشتے پہ اچھا خاصا انتظام دیکھ کے مدثر عباس کے منہ میں پانی آ گیا۔ ماہی کی کمر پہ بھیگے بال جنہیں نماز کے انداز میں لپیٹے دوپٹے کی اوٹ میں سے بھی دیکھا جا سکتا تھا اس کے روپ میں اک عجیب سی روشنی اور نور سا محسوس ہوتا تھا۔ مدثر عباس نے زندگی میں بہت سی عورتوں کو دیکھا تھا مگر ایسی ملاحت

معصومیت ایسی شوخی و بانکپن اسے نہیں دیکھنے میں نہیں ملا تھا۔ اسے رہ رہ کر رامش احمد کی قسمت پہ رشک آتا۔ رامش احمد کے چہرے پہ چھائی آسودگی اسے دنیا کا خوش نصیب ترین انسان ظاہر کر رہی تھی۔

"ماہی بھابھی! ذرا یہ حلوہ تو پاس کر دیجیے۔ ہم بھی منتظر ہیں آپ کی توجہ کے۔ مگر آپ کو تو اپنے میاں سے فرصت ہی نہیں۔ توبہ توبہ ایسی بے حیائی۔" آخری الفاظ اس نے بے حد آہستہ آواز میں کہے تھے جو صرف ماہی ہی سن سکی تھی ماہی سن سی ہو گئی اس نے خاموشی سے ڈونگا مدثر کے سامنے کر دیا اور واپس مڑ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو ماہی! ناشتا تو کر لو۔" رامش احمد نے اسے پلٹتے دیکھا تو ٹوک دیا۔

"دل نہیں چاہ رہا ابھی آپ لوگ کر لیں میں بعد میں کر لوں گی۔" اس نے بہانہ بنایا مگر رامش احمد مطمئن نہیں ہو سکا فوراً اٹھ کے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا ماہی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ فکر مندی سے اس کے ماتھے کو چھو رہا تھا۔

"جی۔ آپ ناشتا کریں ٹھنڈا ہو رہا ہے' میں ٹھیک ہوں پلیز۔" اس نے غیر محسوس انداز سے رامش احمد کے ہاتھ ہٹائے جانے کیوں اسے مدثر بھائی کو دیکھ کر حیا آ رہی تھی۔

"ایسے کیسے کر لوں ماہی۔ جب تک تم نہیں کرو گی۔"

ماہی کو ناچار بیٹھنا پڑا۔ ممی اور اشعر خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔ پاپا جانی اخبار میں گم رہ گیا مدثر تو وہ بڑے غور سے بڑی پراسرار مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ماہی کو دیکھ رہا تھا ماہی اس کے ناقابل فہم تاثرات دیکھ کر سہم سہم سی گئی۔ ناشتا کیے ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ مدثر عباس پھر سے کچن میں موجود تھا۔

"او ہو آج تو بڑی خاص تیاریاں ہو رہی ہیں۔" وہ کاؤنٹر پہ بکھری اشیائے خورد و نوش کو دیکھتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"جی۔ وہ دراصل رامش گھر پہ تھے تو میں نے سوچا ان کی پسند سے کچھ بنا لوں۔" ماہی نے آہستگی سے دوپٹہ پھیلاتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

"جتنی کیئر آپ رامش کی کرتی ہیں نا بھابھی! اللہ کرے وہ آپ کی قدر بھی کرے۔" مدثر عباس کا لہجہ لحظہ بھر کو یاسیت میں ڈوب گیا ماہی کا دل عجیب سی لے پہ دھڑکا مدثر عباس یہ کیوں کہہ رہا تھا۔ اس نے آخر ایسا کیا محسوس کیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں مدثر بھائی! رامش میری بہت قدر کرتے ہیں۔" وہ چکن کو مسالا لگا کر رکھتے ہوئے بولی تھی وہ آج تندوری چکن بنا رہی تھی۔

"ایک گلاس ملک شیک بنا دیں گی۔" اس نے فرمائش کی۔

وہ چاہتی تھی کہ دو بجے تک لنچ بالکل ریڈی ہو جائے تاکہ وہ رامش کے ساتھ شام کو لانگ ڈرائیو پہ جا سکے۔ اس نے فریج میں سے آم نکالا اور چھیلنے لگی مدثر عباس وہیں کرسی گھسیٹ کے بیٹھ گیا تھا۔ "آپ دودھ اور برف نکالیں میں یہ کر لیتا ہوں۔" اچانک اس نے ماہی کے ہاتھ سے آم لے لیا تھا اس کے ہاتھ کی انگلیاں ماہی کی انگلیوں سے لمحہ بھر کو مس کیا ہوئیں ماہی کو لگا اس کی انگلیوں نے کسی شعلے کی لپک کو چھو لیا ہو۔ وہ اٹھ کر دودھ اور برف نکال کر جوسر میں ڈالنے لگی جب ماہی کو احساس ہوا مدثر عباس اس کے بالکل پیچھے اور بے حد نزدیک کھڑا تھا۔

"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں بھابھی! بالکل ریشم جیسے چھوئے بغیر نگاہیں پھسل پھسل جاتی ہیں۔" ماہی کو ایک دم ہنسی آ گئی تعریف کسے اچھی نہیں لگتی اور جو بھی تھا مدثر عباس باتوں کے ہنر سے واقف تھا اسے لوگوں کو خوش رکھنا آتا تھا۔

"کبھی کبھار سوچتا ہوں۔ میں نے بڑی دیر کر دی آپ سے ملنے میں اگر مجھے پتا ہوتا تو میں کبھی آپ کو رامش کی بیوی نہ بننے دیتا۔" وہ اب حسرت زدہ لہجے

میں کہہ رہا تھا اسے ماہی کی ہنسی نے شہہ دی تھی۔
"بیڈ لک! اب تو میری شادی ہو چکی۔ اب صبر کیجیے؟" ماہی اس کا مذاق سمجھتے ہوئے ہنس کر کہہ رہی تھی۔

"وہی تو کر رہا ہوں۔ مگر ہو نہیں پا رہا مجھ سے بار بار اپنی غلطی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ تمہارے جیسی معصوم' خوبصورت اور سمجھدار بیوی قسمت والے کو ملتی ہے میری زندگی تو دنیا میں ہی "جنت" ہوتی۔" وہ اس کے ہاتھ سے ملک شیک کا گلاس لیتے ہوئے آزردگی سے کہہ رہا تھا۔
"اتنا تو مت بنائیں مدثر بھائی۔" جو سر کا پلک نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"بنا کب رہا ہوں یار! رامش سے پوچھ لو۔ کیا اس نے کبھی نہیں بتایا آپ کو۔"
"جب کبھی میں ان کو اچھی لگوں تعریف کر دیتے ہیں مگر یوں آپ کی طرح تو نہیں۔"
"اسی لیے تو کہتا ہوں کہ قدر نہیں اسے آپ کی۔ اگر اسے آپ کی قدر ہوتی تو یوں کچن میں رل نہ رہی ہوتیں بلکہ وہ کسی نازک آئینے کی طرح سے سنبھال کے رکھتا آپ کو۔ مگر محبت کرنے اور اسے قائم رکھنے میں بڑا فرق ہوتا ہے؟ سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ اب گلاس ختم کیے منہ صاف کر رہا تھا ماہی سے کوئی جواب نہ بن پڑا جانے اس شخص کی آنکھوں میں ایسا کیا تھا وہ جب رامش کے دفاع میں کچھ بولتی اس کی آنکھیں تمسخر اڑاتی محسوس ہوتیں وہ اٹک کر چاہنے کے باوجود خاموش ہو جاتی۔

رات کو جب ماہی اپنے بیڈ روم میں واپس آئی تو رامش احمد عشاء کی نماز ادا کر رہا تھا ماہی کو بڑی حیرت ہوئی کم از کم اس نے تو ان چار پانچ مہینوں میں رامش احمد کو ایک مرتبہ بھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ رامش احمد نے جائے نماز سمیٹی اور برش کرتی ماہی پہ پھونک ماردی۔
"کیا طلسم پڑھ پڑھ کے پھونک رہے ہیں جناب؟"
"جو تم نے جادو کیا تھا مجھ پہ اپنی کالی زلفوں کا۔ بس اس کا توڑ کر رہا ہوں۔" ماہی کو بے اختیار ہنسی آگئی۔
"تمہارے بال بہت ریشمی ہیں ماہی۔ ایسے جیسے پھسلتی ہوئی آبشار۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر ان کی ملائمت اور ریشمی احساس کو محسوس کر رہا تھا۔
ماہی بے اختیار بول بیٹھی۔
"مدثر بھائی بھی کہہ رہے تھے کہ ماہی تمہارے بال بہت ریشمی ہیں نگاہیں پھسل جاتی ہیں ٹھہرتی ہی نہیں؟" رامش احمد کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا اس نے ماہی کو کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف سیدھا کیا۔
"یہ سب تم سے مدثر کہتا ہے؟ اور تم سن لیتی ہو۔" اس کے لہجے میں بے یقینی عیاں تھی۔
"ہاں تو ایسی کیا بات ہو گئی۔ تعریف ہی تو کرتے ہیں؟" ماہی کا انداز سرسری تھا۔ جیسے اس بات کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ ماہی کو سمجھ نہیں آئی تھی۔
"ایک غیر مرد تمہارے خدوخال کو "اس" نظر سے دیکھ کے قصیدہ گوئی کرتا ہے تو تمہارے نزدیک یہ اتنی سی بات ہے ماہی؟" رامش احمد غصے سے چلا اٹھا۔
"ایک شادی شدہ عورت کی تعریف کوئی غیر شادی شدہ مرد جب کرتا ہے تو اس کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں؟" ماہی سہم گئی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔
"آپ خوامخواہ بات کو بڑھا رہے ہیں رامش! آخر ایسی کون سی قیامت آگئی ہے؟"
"قیامت آئی نہیں تو آجائے گی ماہی۔ اگر یہی حال تمہارا رہا تو؟" رامش احمد نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر غصے کو کنٹرول کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔
"اسی لیے منع کرتا ہوں تمہیں کہ غیر محرم مردوں کے اتنے قریب مت ہو جایا کرو کہ اپنا مقام بھولنے لگو۔" وہ تڑختے ہوئے بولا تھا۔ ماہی سلگ سی گئی۔
"آپ تو ویسے بھی میرے پر کاٹ دینا چاہتے ہیں رامش؟ صرف اپنا محتاج رکھنا چاہتے ہیں۔ میری اپنی بھی کوئی پرسنالٹی ہے کوئی ترجیحات ہیں یہ تو نہیں کہ جیسا آپ چاہیں ویسا کریں۔ آپ سب کچھ کریں آپ کا وہ حق اور اگر کوئی میری تعریف کر دے تو وہی چیز میرے لیے بری ثابت کیسے ہو جاتی ہے۔ یہ ہے آپ کی میل شاونزم' صحیح کہتے ہیں مدثر بھائی آپ ہیں ہی میل ڈومیننٹ (مردانہ حاکمیت رکھنے والا) دوہری شخصیت کے مالک' آپ کے نزدیک صرف اپنی ذات کی اہمیت ہے دوسرا جائے بھاڑ میں۔ آپ چاہتے ہی نہیں کہ مجھے اپنی ذات سے "آگاہی" ملے؟" وہ بھی جواباً غصے میں روتے ہوئے چلائی تھی۔
"تو پھر جا کے بازار میں بیٹھ جاؤ!" رامش احمد کو اول تو غصہ آتا نہیں تھا اور اگر آتا تھا تو بے حد و حساب آتا تھا بغیر سوچے سمجھے وہ کچھ بھی بول جایا کرتا تھا جس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا مگر جسے کہا جا رہا ہوتا اسے تو بخوبی احساس ہوتا تھا۔
"جاؤ جا کر بناؤ اپنی شناخت۔ سمیٹو حسن کی داد و تحسین۔ اور ڈھونڈو اپنی ذات سے آگاہی۔ مگر جس دن "عزت" حاصل کر پاؤ اس دن میرے منہ پہ ایک طمانچہ ضرور آ کے مارنا؟ میں نے تمہیں عزت دی تم سے شادی کی' لچھے دار باتوں میں نہیں الجھایا' تمہاری آبرو کو تار تار نہیں کیا۔ کیا میں نے برا کیا؟ میں یہی کر سکتا تھا جو میں نے کیا اگر تمہیں یہ سب نہیں چاہیے تو میرے گھر کے دروازے ابھی کھلے ہیں تم اپنی شناخت بنانے جا سکتی ہو۔ مگر رامش احمد اتنا بے غیرت ہرگز نہیں کہ اپنی بیوی کو دوسروں کی نظروں کی حدت کی گرمائش کے لیے سجائے سنوارے رکھے؟" ماہی گم سم رامش احمد کا ایک ایک لفظ اپنے دل میں کسی خنجر کی طرح سے اتار رہی تھی' کتنی معمولی سی بات کا اس نے اتنا بڑا "ایشو" بنا دیا تھا۔ وہ چپکے سے مڑی اور ڈریسنگ روم میں جا کر اپنی پیکنگ کرنے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ رامش احمد کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑا رہا تھا۔ وہ چپکے سے لاؤنج میں آئی تو لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے سب لوگوں کی حالت غیر ہو گئی۔ ماہی لٹے پٹے انداز میں روتے ہوئے گھر چھوڑ کر جا رہی تھی سب سے پہلے مما جانی کو ہوش آیا تھا۔
"کک۔۔۔ کیا بات ہے ماہی!" وہ لپک کر اس کے قریب آئی تھیں۔
"کچھ نہیں مما! رامش نے مجھے "گھر" سے نکال دیا ہے۔" وہ روتے ہوئے ان کے گلے لگی کھڑی تھی۔
"مگر کیوں۔۔۔ احمد آپ اس سے بات کریں آخر ایسا کیا ہو گیا ان دونوں کے بیچ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔"
"ماہی بیٹا تم یہاں بیٹھو تو۔ ایسے کیسے جانے دوں میں تمہیں؟" وہ اسے پیار سے چمکارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
"نہیں مما! میں اب اس گھر میں ایک پل کے لیے بھی نہیں رہ سکتی۔ مجھے جانا ہی ہو گا۔" وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"یہ تمہارا گھر ہے ماہی اور "اپنا گھر" کبھی نہیں چھوڑتے بیٹا۔" احمد صاحب نے اسے سمجھایا۔
"گھر شوہر سے ہوتا ہے پاپا اور جب وہ ہی نہ "اپنا" رہے تو پھر خالی مکان میں رہنے کا کیا فائدہ۔" وہ اپنے آنسو بے دردی سے پونچھ رہی تھی۔
"نہیں جانے دیجیے چاچو! اگر رامش کو اپنی اطاعت گزار بیوی کا احساس ہی نہیں تو یہ یہاں کیوں اپنی قدر کھوئیں۔ بہتر ہے کہ یہ یہاں سے چلی جائیں۔" مدثر عباس وہی مسکراہٹ سجائے بظاہر کہہ رہا تھا مگر در پردہ سوچ رہا تھا یہی تھا ماہی کا یقین اور محبت۔
"اسے جانے دیجیے پاپا! بنا لینے دیں معاشرے میں اپنی الگ سے پہچان؟" رامش احمد جو اشعر کے بلانے پہ آیا تھا وہیں کھڑا کہہ رہا تھا۔
"مگر رامش۔ آخر ہوا کیا ہے؟"
"کچھ نہیں ہوا پاپا۔ بس اسے اب میں "اچھا" نہیں لگتا؟" ماہی اس "الزام" پر تڑپ سی گئی تھی۔ مگر بولی کچھ نہیں فوراً" اپنا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گئی تھی مما اور پاپا جانی نے فوراً" اس کے پیچھے اشعر کو بھیجا تھا تاکہ وہ بخیر و عافیت اسے فیصل آباد پہنچا سکے۔

☆ ☆ ☆

پھپھو اور منیب اسے رات کے ڈھائی بجے یوں

روئی روئی آنکھیں انہیں عجیب سی داستان سنا رہی تھیں۔ ماہی ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ منیب' اشعر کو دانستہ کمرے میں آرام کرنے کو چھوڑ گیا تھا تاکہ وہ رات سکون سے بسر کر سکے اور صبح واپس جا سکے۔

"پھپھو! رامش نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے؟ وہ مجھ پہ شک کرتے ہیں مجھے منیب سے بات کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اشعر اور مدثر بھائی کے پاس بیٹھنے پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں۔ پھپھو رامش ویسے نہیں ہیں جیسا میں نے انہیں سمجھا تھا؟" وہ بے دردی سے روتے ہوئے ——— کہہ رہی تھی۔ پھپھو عجیب مخمصے کا شکار تھیں وہ بچپن سے رامش احمد کو جانتی تھیں۔ وہ تو ایسا تھا ہی نہیں اور پھر ماہی کا بچپن اور جوانی اس کے سامنے تھی وہ ماہی کو نہیں جانتا تھا یا اس کی فطرت سے نابلد تھا۔ پھپھو نے اسے پیار کر کے تسلی دی تھی اور کمرے میں نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ صبح رامش احمد سے بات ضرور کریں گی۔

مگر رامش احمد رات بھر سو نہیں سکا کبھی اسے اپنی باتیں یاد آتیں تو وہ نئے سرے سے خود پر غصہ ہونے لگتا۔ وہ جانتا تھا ساری فساد کی جڑ مدثر عباس تھا۔ اس کی فطرت تھی وہ کسی کو خوش دیکھ ہی نہیں سکتا تھا اور اچھی بھلی عورت کو ٹریک پر سے اتار کر مزے لیتا اس کی بڑی پرانی عادت تھی۔ لندن میں ایک ساتھ رہتے رامش احمد نے بارہا دیکھا تھا۔ وہ اکثر اپنی اسٹریٹ کی لڑکیوں کی اپنے بوائے فرینڈز اور شادی شدہ عورتوں کی اپنے شوہروں سے جھگڑے کروایا کرتا تھا۔ کبھی نوبت طلاق تک پہنچ جاتی تو کبھی وہ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پہ تل جاتے اور مدثر عباس اپنی خباثت کو چھپاتے ہوئے بظاہر ان کے دکھ بانٹ رہا ہوتا۔ عورت اس کے لیے ایک ایسے کھلونے کی طرح سے تھی جس کے ساتھ کھیلنے اور اسے توڑنے میں اسے ہمیشہ مزا آتا تھا وہ اس کام سے کبھی بور نہیں ہوا تھا اسے عورت کو

آزمانا اچھا لگتا تھا وہ اس کی دل پاور کو آزماتا اس کی محبت کو اس کے یقین کو۔ اس کے اسٹیمنا کو جانچنے کے لیے اسے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے۔

رامش احمد کو لگتا تھا یہ اس کی جوانی کی شرارت محض تفریح لیے ہوئے ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ شرارتیں فطرت ــ بن جایا کرتی ہیں اور عادتیں چھوڑی جا سکتی ہے مگر فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا اور آج مدثر عباس کی اس شرارت نے اس کا گھر اجاڑ دیا تھا اس کی تمام تر احتیاط کے باوجود وہ اسی لیے ماہی کو ٹوکتا تھا وہ معصوم اور سیدھی سادی تھی نہیں جانتی تھی کہ مخالف کس قماش کا انسان ہے وہ جیسی خود تھی دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھ لیتی تھی مدثر عباس جیسا گھاگ مرد جو گرگٹ کی طرح سے رنگ بدل کر بندے کو اپنے جال میں پھنساتا کہ وہ اپنے وجود کی دیواروں سے ٹکریں مار مار کر بے حال ہو جاتا مگر جال میں سے نکل نہ پاتا۔ رامش احمد نے سوچا تک نہیں تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے یہ خیال چھو کے نہیں گزرا تھا کہ "مدثر عباس" اس کے ساتھ ایسا کرے گا اسے تو ماہی پہ اعتبار تھا اپنی محبت پہ یقین کامل تھا۔ اسے اپنی غصے والی عادت پہ غصہ آیا وہ کیوں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ کیوں ماہی پہ اپنی محبت پہ چلا رہا تھا وہ کیوں نہیں ماہی کو نرمی سے سمجھا سکا۔ وہ اسے اعتماد میں لا کے بھی تو ساری صورتحال سمجھا سکتا تھا۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا تھا مدثر عباس نے صرف تعریف ہی تو کی تھی اور یہ تو اس کی ابتدائی سیشن ہوتے تھے۔ ابھی تو ابتدائی مرحلہ تھا وہ صورتحال کو ہینڈل کر سکتا تھا مگر وہ اپنی غصے کی عادت اور قدامت پسندی کے آگے ہار گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر نے ماہی کو سکون آور انجکشن دے کر نفیسہ خاتون کو خوش خبری سنائی تھی۔ نفیسہ خاتون وہیں لاؤنج میں ہی گم سم سی بیٹھی تھیں وہ ان کے قریب چلا آیا۔

"کمال ہے مما! خوشی کی اتنی بڑی خبر سن کر بھی آپ

بیٹھی ہیں؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے نانو بننے والی ہیں آپ۔" ماں کے دکھی چہرے کو دیکھتے ہوئے متانت سے بولا تھا۔

"منیب میرا دل نہیں مانتا کہ اپنا رامش ایسا نکلے گا۔ ماہی کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس کی باتیں جھٹلانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔" نفیسہ خاتون اس وقت بے حد دکھی و غمزدہ تھیں کہ ماہی انہیں عزیز بھی تو بے حد تھی۔

"آپ فکر نہ کریں مما! سب ٹھیک ہو جائے گا دونوں ہی غصے کے تیز اور بے حد جذباتی ہیں۔ ایک دوسرے کو کہہ دیا ہو گا کچھ غلط سلط۔ ہاں ماہی کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا اس طرح بات کبھی آگے نہ بڑھتی۔"

"منیب! کوئی عورت اپنا گھر خود نہیں چھوڑتی جب تک اسے مجبور نہ کیا جائے۔ یقیناً" ماہی کو اس حد تک مجبور کیا گیا ہو گا کہ وہ گھر چھوڑنے کو بھی راضی ہو گئی۔" نفیسہ خاتون ماہی کا دفاع کرتے ہوئے بولی تھیں۔ جانتی تھیں ماہی چاہے جتنی بھی کم عقل اور جذباتی سہی مگر اپنے ہاتھوں اپنا گھر نہیں اجاڑ سکتی تھی۔ "موبی! میری بات رامش سے کروا دو پلیز۔" وہ ایک دم بے چین سی ہو اٹھیں۔

"مگر ماہی کو نہ بتانا ــ" منیب جی اچھا کہہ کے نمبر ملانے لگا۔

ادھر مما جانی اور پاپا جانی' رامش احمد سے سخت ناراض تھے ان کے نزدیک رامش احمد نے انہیں اپنا تسلیم نہ کرتے ہوئے دو کوڑی کا کر دیا تھا۔ پاپا جانی رامش احمد پہ خوب برسے تھے

مما تو بے حد دکھی تھیں کہ رامش احمد سے کلام ہی نہیں کر رہی تھیں انہیں بھی پاپا جانی کی طرح سے یہ ہی گلہ تھا کہ ان دونوں کی اگر آپس میں لڑائی تھی بھی تو بجائے آپس میں جھگڑا کرنے کے ان دونوں کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ رہی سہی کسر مدثر عباس پوری کر رہا تھا۔ آخر ایک دن رامش احمد ناشتے کی ٹیبل پہ اس سے الجھ پڑا۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے مدثر! کسی کو دیکھ کر خوش کیوں نہیں رہ سکتے۔ خود تو تباہ و برباد ہو ہی چکے ہو دوسروں سے کیوں انتقام لینے پہ تل جاتے ہو؟" مما اور پاپا جانی نے رامش احمد کو فوراً" ٹوکا تھا کہ مدثر عباس سے اس انداز اور لب و لہجے میں بالکل بھی بات نہ کرے مگر وہ تو بپھرا ہوا شیر تھا۔

"مجھے کہہ لینے دیجیے مما! اس کی وجہ سے صرف اور صرف اس کی گندی زبان اور فطرت نے میری ماہی کو مجھ سے جدا کیا ہے۔" اور پھر رامش احمد ساری بات بتاتا چلا گیا تھا۔

مدثر عباس گو کہ اپنی باتوں کی وضاحت کرنا چاہتا تھا مگر رامش احمد نے اسے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔ کچھ نفیسہ خاتون کے فون نے اسے ماہی کی طبیعت کے بارے میں بتا کر بے چین سا کر دیا تھا۔ پاپا جانی اپنی کرسی سے اٹھ کر مدثر عباس کے عین سامنے آ کھڑے ہوئے تھے ان کا انداز بے حد سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ مدثر عباس ان کے سامنے نگاہیں جھکائے کھڑا تھا۔ پاپا جانی نے بھرپور تھپڑ اس کے منہ پہ مارا تھا۔

"اگر یہ تھپڑ آج سے پانچ سال پہلے "تمہارا باپ" تمہارے منہ پہ مار دیتا تو آج تم یوں نگاہیں جھکائے شرمندہ نہ کھڑے ہوتے۔ اس تھپڑ کو اپنی زندگی کا آخری تھپڑ بنا دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی عادتوں کی وجہ سے اپنی عزت و توقیر گنوا بیٹھو۔" اور اس کے بعد مدثر عباس وہاں رکا نہیں پھر سے نہ جانے کس دیس کی خاک چھاننے نکل پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

نفیسہ خاتون کی گود میں ماہی سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ آج چوتھا روز تھا اسے آئے ہوئے۔

"کیا ہوا تھا ماہی؟" اور ماہی سسک سسک کر روتے ہوئے ساری باتیں بتا گئی ——— نفیسہ خاتون نے ماہی کی تمام باتیں غور سے سنی تھیں۔

"ایک بات کہوں ماہی۔ یہ مت سمجھنا کہ میں

رامش احمد کا دفاع کررہی ہوں۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلارہی تھیں۔

"اگر شرعی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس نے کچھ غلط نہیں کیا ایک شادی شدہ عورت کے لیے ایک غیر محرم سے فری ہونا' ہنسی مذاق کرنا بالکل بھی جائز نہیں قرار دیا گیا اس لیے کہ عورت بھٹک نہ جائے وہ لاشعوری طور پہ اپنے شوہر اور دوسرے مرد کا موازنہ کرنے لگتی ہے۔ ہم عورتوں کو لگتا ہے شادی کے بعد ہم اپنے ہر فعل میں آزاد ہوجاتی ہیں مگر اصل ذمہ داری تو شروع ہی شادی کے بعد ہوتی ہے بیٹا۔ والدین تو بچوں پہ آنکھ بند کرکے اعتبار کرتے ہیں جبکہ ازواجی زندگی میں اپنے ہر قول و فعل سے اپنے شوہر کو لحمہ بہ لحمہ یقین دہانی کروانی پڑتی ہے۔ جبھی مرد بھی عورت کی قدر کرتا ہے۔" وہ اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے ماہی کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

"پھپھو! میں رامش سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ ان سے بے وفائی کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ پھر بھی رامش نے مجھ پر شک کیا مجھے باتیں سنائیں الزامات لگائے اور تو اور مجھے گالی بھی دی۔"

"وہ شوہر ہے تمہارا۔ اس ضمن میں تم پہ ہاتھ بھی اٹھاتا تو حق بجانب ٹھہرتا۔"

"مگر پھپھو! میں نے کیا کیا ہے؟" وہ روتے روتے چلائی تھی۔

"غلطی تمہاری نہیں تھی ماہی! قصور تو اس بدخصلت انسان کا ہے جو جگہ جگہ شر پھیلانے کو پہنچ جاتا ہے۔ تم خود سوچو جن باتوں کی طرف تمہارا دھیان بھی کبھی نہیں گیا تھا اس نے وہ سب تم سے رامش کے سامنے کہلوایا۔ اس نے تمہیں اپنی ذات سے آگاہی' شعور کی بے داری پہ لیکچرز دیے۔ اپنی الگ شناخت اور پہچان بنانے کی ترغیب دی اور تم سچ میں اپنی جنت کو ٹھوکر مار کے آگئیں۔"

"پھپھو! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" ماہی نے اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"نہیں ماہی! تمہاری باتوں سے جو تجزیہ حالات کا میں نے کیا ہے اس میں تمہاری غلطیاں تھیں' اتنی سمجھ رہی ہوں۔ میں کچھ غلط نہیں سمجھ رہی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کے ماہی کو ٹوک دیا تھا۔

"مدثر عباس سائیکی ہے وہ تو سرے سے عورت ذات کو کچھ سمجھتا ہی نہیں اس کے نزدیک عورت کم عقل ہے جو محبت اور یقین کا دعوا تو کرتی ہے مگر آزمائے جانے پہ ثابت قدم نہیں رہ پاتی اور تم نے ماہی! اس کے اس خیال کی اپنے اس عمل سے "تصدیق" کردی۔ عورت ذات کے جذبات اور زندگی سے کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے ماہی۔ وہ عورت ذات کے دفاع میں نہیں بولتا وہ اس کے حقوق کے لیے نہیں لڑتا بلکہ اسے اکساتا ہے ان کاموں پہ جو انہیں برائی کے گڑھے میں لے جاکر پھینکتے ہیں جو اس کے قدم زمین سے اکھاڑ کر ہوا میں معلق کردیتے ہیں جو عورت کو چار دیواری اور گھر کے سکھ سے نکال کے سڑک پر بازاروں کی زینت بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ تم ایسا بننا چاہتی ہو ماہی۔ صرف دو یا تین ملاقاتوں میں تم نے اس شخص کی باتوں کا اتنا اثر لے لیا اور رامش احمد کی اتنے سال کی "محبت" کی تمہیں سمجھ ہی نہیں آسکی۔ تم نے اپنا گھر چھوڑ کر اچھا نہیں کیا ماہی۔"

"میں نے گھر نہیں چھوڑا تھا پھپھو۔ بلکہ رامش نے مجھے گھر سے نکالا تھا۔" ماہی تڑپ کے سیدھی ہوئی تھی۔

"اب میں کیا کروں پھپھو! میں نے بہت بڑی غلطی کردی۔ میں نے رامش کو ناراض کردیا ہے۔" وہ سسکتے ہوئے نفیسہ خاتون کے ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا ماہی۔ اللہ بہتر کرے گا۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں جبکہ ان کی نگاہیں دور فضاؤں میں کچھ کھوج رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں نے جتنی نفرت اس کے وجود سے اسے بن دیکھے اور جانے کی اب اتنی ہی محبت اسے دیکھنے جاننے

[illegible] عرصہ اس کے ساتھ گزارنے کے بعد کرتی ہوں [illegible] مجھے حیرت تو تمہاری محبت پہ ہوتی ہے جو اتنی [illegible] اور بودی نکلی کہ کسی تیسرے کے لیے بدگمانی [illegible] کرنے کے لیے آسانی سے جگہ بن گئی۔" مسز پروین احمد' رامش احمد کے سامنے آج دو ٹوک کرنے کی ٹھانے ہوئے تھیں۔

[illegible] ایک دفعہ۔ صرف ایک دفعہ تم اسے موقع تو [illegible] اسے سمجھاتے۔ کیا وہ تمہاری بات سمجھتی [illegible] نہیں۔ وہ لڑکی جو اپنا گھر' ماں باپ کا پیار اپنی پھپھو اور [illegible] بھائیوں کی طرح سے عزیز کزن کو چھوڑ کر یہاں کے [illegible] لوگوں میں محبت سے اپنی جگہ بنانے کے لیے آئی [illegible] تو کس کی خاطر۔ وہ صبح سے شام کردیتی ہے کچن میں [illegible] تمہاری پسند کے کھانے بنانے میں۔ اسے تم سے [illegible] محبت نہیں تھی جو وہ یہ سب کرتی تھی۔ تم اس کی کسی [illegible] بات کو تو دیکھتے۔ وہ معصوم تھی بھولی بھالی تھی۔ مدثر کی [illegible] ذات سے اگر تمہیں کچھ تحفظات تھے تو تم اسے [illegible] پیار سے بھی تو سمجھا سکتے تھے۔ یہ کون سا طریقہ تھا اسے گھر سے نکال دینے کا۔ میں نے ہمیشہ تمہاری [illegible] عادات اور فرماں برداری پہ فخر کیا ہے مگر ماہی کے معاملے میں تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے رامش۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے رامش احمد سے شکوہ کررہی تھیں۔

"بھول ہوگئی مما جانی! میں خود حیران اور شرمندہ ہوں آپ سب سے' ماہی سے۔ ماہی کے سامنے جانے کی تو ہمت بھی نہیں میرے اندر۔" رامش احمد سر جھکائے مما جانی کے گھٹنوں کے پاس افسردہ سے بیٹھے کہہ رہے تھے۔

"اسے لے آؤ رامش۔ وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے مگر اسے ڈر ہے کہ کہیں تم اس کے بچے پر بھی شک نہ کرو؟" بہت دھیمے سے مما جانی نے رامش احمد کے سر پہ بم پھوڑا تھا۔

"میرا بچہ۔۔۔ آپ نے مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا۔۔۔ مم۔۔۔ میں باپ بننے والا ہوں۔" وہ خوشی سے

چور لہجے میں بولا۔
"ماہی نے منع کیا تھا مجھے۔ وہ سخت ناراض ہے تم سے۔ اور بدگمان بھی۔ اسے ڈر ہے کہ تم اس کا بچہ......"
"مما پلیز۔ ایسا تو مت کہیں۔ میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔ اپنے وجود کے حصے کو اپنے ہاتھوں کیسے کاٹ کے پھینک سکتا ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے بھلا۔" رامش احمد تڑپ اٹھا۔
"تو پھر اسے لے آؤ رامش! تمہارے بغیر ماہی مر جائے گی۔" وہ سسک اٹھتی تھیں اور ٹھیک ساڑھے تین گھنٹے بعد رامش احمد ماہی کے روبرو بیٹھا تھا۔
شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے وہ لان میں شام کے آنچل میں سمیٹی ساری اداسیاں اپنی جھولی میں ڈالے بیٹھی تھی۔ ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی مگر وہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری یک ٹک بس اپنی غلطیوں پہ شرمندہ روئے جا رہی تھی۔ رامش احمد اس کے قریب چلا آیا۔ ماہی اسے دیکھتے ہی رو پڑی تھی۔ رامش احمد کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ دونوں ہی رو رہے تھے اور دونوں ہی کی آنکھوں میں ندامت اور شرمندگی کے آنسو تھے دونوں ہی اپنی اپنی محبت سے شرمندہ تھے۔
"اے...... اے ماہی! تم مجھے چھوڑ کے کیوں چلی آئیں؟"
"آپ نے گھر سے نکال دیا تھا؟" وہ بھی روتے روتے شکوہ کر رہی تھی۔
"میں نے تو تم سے کہا تھا کہ اگر کبھی میں تم سے غصہ ہو جاؤں تو روٹھنا مت۔" وہ اسے اپنی پہلے کی کہی بات یاد دلا رہا تھا۔
"اور میں نے بھی تو کہا تھا کہ کبھی مجھ پہ شک نہ کرنا ورنہ ماہی مر جائے گی۔ اور آپ نے ماہی کو مار دیا ہے رامش۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ رامش احمد نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے جو کہ بے حد ٹھنڈے اور بے جان لگ رہے تھے۔
"میں نے اپنی ماہی پہ شک نہیں کیا تھا۔ بس غصے میں کچھ غلط کہہ گیا حالات کا تقاضا ہی یہی تھا کہ اس وقت تمہارا وہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔"
"تو یوں بے عزت کر کے نکالنا ٹھیک تھا؟" ماہی اس کی وضاحت پہ خائف ہوئی۔
"آپ نے مجھے 'لوفر عورت' کہا؟" ماہی نے اسے خود کو دی جانے والی گالی یاد دلائی... سب سے زیادہ دکھ ہی اس بات کا تھا کہ رامش احمد نے اسے گالی دی تھی۔
"میں اس بات کی تم سے صدق دل سے معافی مانگتا ہوں ماہی! میں نے اسلام کا اب بغور مطالعہ کیا ہے تو جانا ہے کہ غصہ حرام کیوں قرار دیا ہے میرے سوہنے رب نے... اسی لیے کہ غصے میں انسان اپنی سدھ بدھ کھو دیتا ہے اور جانے کیا کیا بول جاتا ہے۔ تم تو بہت پاکیزہ ہو بہت معصوم ہو۔ ان چھوئی ہو... آئی ایم سوری؟" وہ اس کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"غلطی تو میری بھی تھی نا رامش! آپ سے محبت کا دعوا اتنا کمزور نکلا کہ پہلے مرحلے پہ ہی بدگمان ہو گئی۔ میں تو اپنی محبت سے بھی شرمندہ ہوں۔ پھر آپ سے کیسے نظریں ملا پاؤں گی؟"
"دونوں اس غلطی سے سیکھ جاتے ہیں ماہی! اور آج کے بعد ایک دوسرے پہ اعتبار کریں گے۔ اپنی محبت کو سرخرو کریں گے نا کہ شرمندہ و پشیمان! میں نے عمرے کی درخواست دی ہے، ہم دونوں اللہ کے گھر جا کے اپنی اپنی غلطیوں کی معافی مانگیں گے اور دوبارہ کبھی بدگمان نہ ہونے کا وعدہ کریں گے۔ اور دعا کریں گے کہ ہماری اولاد ہمارے لیے باعث رحمت اور خوشی ہو۔ آؤ گھر چلیں ماہی... تمہارا گھر' تمہارا رامش تمہارے بغیر ادھورا اور نامکمل ہے اور رامش احمد کو ادھورا رہنا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔" وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
ماہی نے ایک لمحے کو اس کی نظروں میں دیکھا جہاں محبت مسکرا رہی تھی۔ اس نے فوراً" سے پیشتر اپنے محبوب کے ہاتھ کو تھام لیا کبھی نہ چھوڑنے کے لیے... اسے اپنی محبت کو کامل اور سرخرو کرنا تھا تاکہ پھر کوئی "مدثر عباس" ان کی زندگی ان کی خوشیوں کو "نقب" نہ لگا سکے۔

☆ ☆

یہی ہے زندگی

فاخرہ گل

متوجہ ہوں!

مخیر حضرات سے اپیل ہے کہ میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ گھر میں چھوٹے پانچ بہن بھائیوں اور بوڑھی ماں کے علاوہ نہ کوئی فرد ہے اور نہ ہی ذریعہ معاش..... ان پڑھ ہونے کی وجہ سے روزگار کی امید بھی مشکل ہے۔ ایسے میں میرا تیرہ سالہ بھائی بلڈ کینسر کا شکار ہو کر دن رات زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ مخیر اور صاحب ثروت افراد سے دردمندانہ التجا ہے کہ اس کے علاج کے لیے ہماری مالی امداد کر کے اپنی آخرت سنواریے۔

اکاؤنٹ نمبر..... فون نمبر.....

نوٹ : ڈاکٹرز نے ابتدائی علاج کی شروعات کے لیے پانچ لاکھ روپوں کا فوری مطالبہ کیا ہے۔"

وسیم نے با آواز بلند اشتہار پڑھ کر سنانے کے بعد اخبار پرے پھینکا اور نادر کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگا۔ زید اور خاقان کے قہقہے بھی ان سے کچھ کم بلند نہ تھے۔

"واہ یار تو نے بھی کیا پٹاخہ اشتہار دیا ہے، قسم سے میں تو جیسے پڑھ کر رونے ہی والا تھا۔" وسیم نے گود میں رکھے تکیے کو دیوار کے ساتھ رکھ کر ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"اب تو دیکھیں جناب کیسی بارش ہوتی ہے اس اکاؤنٹ میں روپوں کی۔" زید نے پیپسی کا خالی ٹن مروڑ کر ڈسٹ بن کی طرف اچھالا۔

"ویسے یار مزے کی بات تو یہ ہے کہ خاقان نے یہ اشتہار ایک لڑکی کی طرف سے دیا ہے تو کوئی پتا نہیں روپوں کے ساتھ ساتھ کچھ آفرز اور طرح کی بھی آنے لگیں۔" زید نے دائیں آنکھ مارتے ہوئے کہا تو وہ سب اوووو..... کرتے ہوئے ایک بار پھر ہنسنے لگے۔

"ہائے اللہ، ایسے تو نہ کہو میں ایک تنہا بے سہارا لڑکی..... اتنی ہمدردی کا مقابلہ کیسے کر پاؤں گی۔" خاقان جو کہ نسوانی آواز بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ نچلے ہونٹ دانتوں تلے دبائے میز سے اتر کر کمرے کے عین وسط میں کھڑے ہوتے ہوئے بڑے اسٹائل میں بولا تو زید کو بھی شرارت سوجھی۔

"نہ پیسہ پیسہ کریا کر، ایویں نہ توں ڈریا کر
کی پرواہ ہے پیسے کی، پیسے کی لگا دوں ڈھیری
میں بارش کر دوں پیسے کی، جو تو ہو جائے میری
ایک بھرپور سیٹی کے ساتھ زید نے موبائل میں گیت

لگایا تو خاقان کسی ٹرک ڈرائیور کی طرح دائیں بائیں ڈولنے لگا۔ چہرے پر شرمانے کے تاثرات سیٹی کی آواز کے ساتھ یوں ابھرے کہ لگا ملکہ شراوت کی طرح بھی شرماتے ہوئے کسی شدید اذیت یا تکلیف کا شکار ہے۔ اس کی اپنی "قاتل اداؤں" نے زید، وسیم اور نادر کو بھی اکساتے ہوئے کمرے کے عین وسط میں اس کے قریب ہی لا کھڑا کیا تھا، جہاں "اعضاء کی شاعری" میں سب ہی اپنی اپنی "آزاد نظمیں" پیش کرنے لگے۔ "مردانہ مجرے" کے اس ماحول میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے زید نوٹ نچھاور کرنے کا ایکٹ کرنا ہرگز نہیں بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼

بوائز ہاسٹل ہمیشہ سے کرہ ارض پر موجود وہ خطہ رہا ہے جہاں شاید کافرستان (چترال) کی طرح کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہاں بسنے والے ہمیشہ دل کے قاعدوں اور موڈ کے قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں دن رات عیاشی کرنے کے لیے والدین اور ادارے کی اجازت سے داخل ہوا جاتا ہے اور پھر..... پھر نکلنے کا کسی کا دل نہیں چاہتا۔ بلاشبہ یہاں کے باسیوں کی صبح غروب آفتاب اور رات طلوع آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔ مختلف قسم کی ایکٹیویٹیز میں مصروف ہمارے مستقبل کے معمار کبھی کبھار آؤٹنگ یا تفریح کی نیت سے یونیورسٹی اور کالج کا رخ بھی کرتے ہیں جہاں ہمیشہ ہی انہیں نیا طالب علم سمجھا جاتا ہے۔

اس قسم کے نئے طالب علموں میں زید، وسیم، خاقان اور نادر کا شمار بھی ہوتا تھا۔ جو مختلف جگہوں سے حصول علم کے لیے لاہور آئے تھے۔ چاروں ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور کاشت کاری اور زراعت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے گزر اوقات بہتر انداز میں ہو رہی تھی فطرتاً" چلبلے اور شوخ ہونے کی وجہ سے ان چاروں کو ایک دوجے کے قریب آنے میں بالکل بھی وقت نہیں لگا تھا۔ مزاج اور بیک گراؤنڈ کی اسی ہم آہنگی کے پیش نظر ہاسٹل میں بھی رہائش ایک ہی کمرے میں ہوئی تو پورے ہاسٹل میں ان کا گروپ مشہور ہو گیا۔

چاروں کو ماہانہ اخراجات کی مد میں والدین سے منی آرڈر وصول ہوتا جس سے وہ اپنی فیس اور دوسرے خرچے بھی نبٹا دیا کرتے ہاں یہ الگ بات تھی کہ اگر عیاشیوں کے لیے کبھی مزید رقم درکار ہوتی تو وہ بلا جھجک مخیر حضرات کا دروازہ کھٹکھٹا دیتے۔ اخبارات میں دیے گئے اشتہار کا متن ہمیشہ الگ مگر مقصد ایک ہی ہوتا۔ اس دفعہ بھی والدین کی طرف سے اضافی رقم نہ بھیجنے کے اعلان کے بعد ایک بار پھر وہ اخبار کے دفتر بھاگے تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ مخیر حضرات کو یقیناً" اور بھی کئی کام ہوتے ہیں اس لیے امداد کی ایمرجنسی اپیل کر کے وہ ان کے ہاتھ پاؤں نہیں پھلانا چاہتے تھے جبھی ابتدا میں صرف پانچ لاکھ روپوں کی امداد مانگی گئی تھی اور یہ اپیل اب وقتاً "فوقتاً" اخبار میں نظر آتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اوئے بل گیٹس، کسی وقت کمپیوٹر کی جان چھوڑ بھی دیا کر یار، مجھے تو لگتا ہے یہ کمپیوٹر نہیں تیری نئی نویلی دلہن ہے..... جب دیکھو اسی کے پاس اسی کے ساتھ۔"

وسیم نے کھانے کی ٹرے دیوار کے ساتھ رکھے ٹیبل پر رکھی تھی۔

"تو یار تو بھی تو مارشل لا کی طرح اچانک ہی آجاتا ہے اب مجھے کیا پتا کہ تو میس کی لائن میں لگا ہوا تھا۔" خاقان نے فٹ سے اسکرین پیج کو minimize کیا اور نیٹ سے کھانے کے سامنے آ پہنچا اس کی طرف سے وقوع پذیر ہونے والے اسی فاسٹ عمل نے گرمی کے باعث پسینے سے شرابور وسیم کو جلا ڈالا تھا۔

"تجھے تو قسم سے سیاستدان ہونا چاہیے تھا جب کام کا وقت آتا ہے تو مکڑی کی طرح کونے کھدروں میں جا گھستا ہے لیکن ہاں کچھ کھانا ہو تو ہاتھ رگڑتا سب سے پہلے کھڑا ہو گا۔"

"او جگر، کیوں گرمی کھاتا ہے یار..... یاد رکھا کر ہم پاکستان میں ہیں جہاں ایک کماتا اور دس کھاتے ہیں۔ تو کیوں ہاسٹل کے اس کابک نما کمرے کو یورپین قانون کے تحت چلا کر ہر بندے سے کام کروانا چاہتا ہے۔"

خاقان نے ہنستے ہوئے ایئر کولر آن کر کے اس کا رخ وسیم کی طرف کیا جو مکمل طور پر روٹھی ہوئی محبوبہ کی تفسیر بنا بیٹھا تھا۔

"چل نا بس اب ٹھنڈا ہو جا غصہ نہ کر..... ویسے یہ نادر اور زید کہاں ہیں ابھی تک؟"

"ان دونوں کا دل گھبرا رہا تھا اس لیے ذرا سیر و تفریح کرنے کالج گئے ہیں، امید ہے رنگین آنچلوں کی بہار سے طبیعت میں خاصا افاقہ ہو گا۔"

وسیم پر ایئر کولر کی ٹھنڈی ہوا نے خاصا مثبت ڈالا تھا تبھی خوشگوار موڈ میں جواب دے کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا یوں بھی یہ ایئر کولر بھی خاقان کے اشتہاروں ہی کی بدولت خریدا گیا تھا۔

"وسیم یار تجھے پتا ہے آج بوندا باندی ہو رہی تھی۔"

"ہائیں بوندا باندی؟ باہر چڑیا، کوے سب اپنے گھونسلوں میں منہ دیے بیٹھے ہیں اور تو کہہ رہا ہے آج بوندا باندی ہو رہی تھی۔" خاقان کی بات پر اس کا حیران ہونا فطری تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں یار کہ آج کینٹین کی دیگوں میں بوندا باندی ہوئی تھی جسے اڑن طشتریوں کے ساتھ ہمارے حوالے کیا گیا ہے۔"

خاقان بھی اپنے نام کا ایک تھا چہرے پر "خیراتی اداروں کے ایڈورٹائزمنٹ" نما تاثرات بنائے یوں بات کی کہ وسیم نے پہلے تو پلیٹ میں موجود ماش کی دال اور عجیب الخلقت سائز کی روٹی کو دیکھا اور پھر بے اختیار

ہنس دیا۔

"ارے تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں' تو خود دیکھ لے' ان کنجوسوں کو تو اللہ پوچھے گا ماش کی دال ..... اور اس کے بھی دانے لگتا ہے مردم شماری کے بعد ہر پلیٹ میں ڈالے گئے ہیں۔"

منہ بسورتے ہوئے اس نے پلیٹ پرے کھسکا دی تھی چہرے پر یکایک "ساڑھے چھ" بجتے دکھائی دیے تو وسیم نے اس کی بھوک مر جانے پر پرسہ دینا ضروری سمجھا۔

"بس یار ہم تم کیا کر سکتے ہیں بے بس ہیں کہ میس انچارج کو یہی منظور تھا خود میں بھی تیرے غم میں برابر کا شریک ہوں۔"

"ایک ابا ہیں تو وہ لگی بندھی رقم کے علاوہ ایک روپیہ نہیں دیتے کہ کہیں ان کا لاڈلا بگڑ نہ جائے اور یہ میس والے ..... "بھوک یقیناً" اس وقت زوروں پر تھی جبھی غصہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"میس انچارج کا بس چلے تو چاول بھی شوربے والے پکائیں۔"

"تو چکھ تو سہی یار ..... نمک مرچ بہت کرارا ہے۔" وسیم سے اس کا خالی پیٹ رہنا برداشت نہیں ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ خاقان کوئی کرارا سا جواب دیتا نادر اور زید کسی بات پر ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے لیکن خاقان کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

"کیوں بھئی یہ تیرے منہ پر کیوں لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے؟"

زید کا مخاطب یقینی طور پر خاقان تھا جس کی پیشانی پر شکنوں کا ہاؤس فل جاری تھا۔

"میرے منہ کو چھوڑ تو بتا' ایک تو الجبرے" جیسا تیرا منہ ہے اوپر سے "بریکٹ" بھی کھلے چھوڑ دیتا ہے کتنی دفعہ سمجھایا ہے یار دیکھنے والوں پر ہی ترس کھا لیا کر۔"

خاقان جو کہ پہلے ہی چوٹ کھائے بیٹھا تھا زید اور نادر کا ہنسنا اسے مزید تپا گیا۔

"ہاہاہا ..... تو بھائی تو ہی اس "بند جیومیٹری" کا مسئلہ فیثا غورث بتا دے۔" اپنے چہرے کے موٹے نقوش کی الجبرے سے مماثلت پر زید دل کھول کر ہنسا تھا۔

"کوئی نئی بات نہیں ہے یار ..... یہ بے چارہ آج پھر "میس ستائی" کا شکار ہے۔" وسیم کے وجہ بتانے پر زید اور نادر نے ایک دوسرے کو معنی خیز ہوں کے ساتھ دیکھا تھا۔

"ہائے وائے تم دونوں کہاں سے آ رہے ہو۔" خاقان اب تک کھانے کا خیال دل سے نکال چکا تھا اور آرام سے ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا۔

"ہم۔ ہم تو آج چائنیز کھا کے آ رہے ہیں۔" نادر نے ذرا اترا کر جواب دیا۔

"چائنیز ..... ؟ اوئے اللہ کے بندو' ایک تو پہلے ہی چائنا والے اپنی آبادی کم ہونے پر رو رہے ہیں اور تم مزید "چائنیز" کھا کے آ گئے ہو؟"

"جناب اخروٹ' ہم چائنیز فوڈ کھا کے آئے ہیں اور لگتا ہے یہی بات سن کر تیرا ذہنی توازن ....."

"ہائیں چائنیز فوڈ؟ او کچھ ہوش کرو یارو تمہیں نہیں پتا' وہ بھی نہیں کھانی چاہیے ..... خصوصاً" ہم پاکستانیوں کو۔"

خاقان نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک کر جواب دے ڈالا تھا۔ جبکہ وسیم اور زید مسکراتے ہوئے دونوں کی جملہ بازی کا مزا لے رہے تھے۔

"لیکن کیوں ..... چائنیز فوڈ کیوں نہیں کھانی چاہیے؟" وہ زچ ہونے کو تھا۔

"کیونکہ چائنیز فوڈ کھانے سے آنکھیں "چھوٹی" اور پتلی ہونے کا سخت خطرہ ہوتا ہے اور اگر ہم پاکستانیوں کی آنکھیں ایسی ہو گئیں تو ہائے او ربا گھوریں گے کیسے؟"

خاقان کی بھرپور تاثرات سے کی گئی اس بات پر مشترکہ فلک شگاف قہقہہ کمرے میں گونجا تھا۔

"چل پھر وسیم یہ تو ہی سارا کھا لے ورنہ ہم تو تم دونوں کے لیے پارسل کروا لائے تھے۔" نادر نے شاپر وسیم کی طرف بڑھایا جس کی طرف پہلے ان دونوں کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

"او میرے نوشہو کے نوشیرواں' اللہ تجھے ہمیشہ ہوکوں کو کھانا کھلانے کی توفیق دے۔"

"لیکن یار اگر تیری آنکھیں چائنیز فوڈ کھانے سے" زید نے کچھ یاد دلانا چاہا۔

"تو یہ فکر چھوڑ ..... پتلی کیا' اگر آنکھوں کی جگہ ...رے ڈیلش بھی لگا دے گا نا تو اسی چائنیز کی قسم گھورتے ہوئے سیاہی پھیل جائے گی۔"

اپنی بات پر سب کے ساتھ ہنستے ہوئے اب اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔ چند لمحوں پہلے چہرے پر بین کرتی بھوک کی جگہ لذت کی شہنائیوں نے سنبھالی تو وہ جو کس ہو کر وہیں بیٹھ گیا۔

ماش کی دال اس وقت یقینی طور پر چائنیز فوڈ سے سوکن کا سا جلاپا محسوس کر رہی ہو گی جس کے آنے سے گھی اور پانی الگ الگ ہو کر اس کے عیب مزید نمایاں کر رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

جب سے مختلف اخبارات میں خاقان کا دیا گیا اشتہار چھپا تھا وہ سب تقریباً" روزانہ ہی کالج آ رہے تھے چپکے سے وہی اشتہار کاٹ کر نوٹس بورڈ پر بھی لگا دیا گیا تھا نا صرف یہ بلکہ وہ چاروں ہر ایک سے بات کرتے ہوئے مختلف انداز میں گھما پھرا کر موضوع کو اشتہار کی طرف موڑ دیتے اور پھر سب کے سامنے اس لڑکی سے ہمدردی جتاتے ہوئے مدد کرنے کے مختلف طریقوں پر غور کرتے نظر آتے۔

مزے کی بات تو یہ تھی کہ خاقان ایسے کتنے ہی کلاس فیلوز سے فون پر لڑکی بن کر بات کر چکا تھا اور اسی تجربے سے گزرتے ہوئے اسے بہت سوں کی "ذہنیت" اور "اصلیت" معلوم ہوئی تھی لیکن ان سب شوخیوں میں وہ یقیناً" یہ بھولے بیٹھا تھا کہ وہ تین جوان بہنوں کا اکلوتا بھائی اور بوڑھے والدین کی امیدوں کا واحد مرکز ہے۔ ایک سال ہونے کو آیا تھا مگر اس نے کبھی اپنے باپ سے معاشی امور پر سوائے اپنے اخراجات کے کوئی بات نہیں کی تھی۔ زمینیں کیا اگا رہی ہیں؟ کیا کاشت کیا جا رہا ہے؟ بہنوں کی شادی کب اور کیسے ہو گی؟ اپنی لاابالی طبیعت کے باعث یہ سب باتیں کبھی بھی اس کی توجہ اپنی جانب نہیں کھینچ پائی تھیں۔

شہر میں آ کر پڑھنے والے بھول گئے
کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا

✡ ✡ ✡

"ویسے یار خاقان تو ہے بڑا تیز۔" زید کمپیوٹر آن کیے بیٹھا تھا اور خاقان کے فون بند کرنے کے انتظار میں تھا جبھی اس کے فون بند کرتے ہی بغیر وقت ضائع کیے بول اٹھا۔

"تیز؟ کیوں تو نے مجھ سے سبزی کاٹی ہے؟" اس کا مزاج دھنک رنگ سا تھا بہت کم سنجیدہ ہوتا۔

"نہیں میں نے تو نہیں البتہ یہ تری "شانزہ" نے ضرور سبزی کاٹی ہے۔" زید کے "تیری شانزہ" کہنے پر وہ ایک دم چونکا ضرور مگر پھر سنبھل گیا۔

"نا صرف سبزی بلکہ اس نے تو میرا خیال ہے کتنوں کے کان بھی کاٹے ہوں گے اور اب سو فیصد لوگوں کی جیبیں کاٹے گی۔"

زید بڑی دلچسپی سے کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جمائے تبصرہ کر رہا تھا۔

"چل کان اور جیبیں تو ٹھیک ہیں' ناک تو نہیں کٹوائی نا۔" فون کو چارجنگ پر لگا کر وہ بھی اب اس کے ساتھ ہی آ بیٹھا تھا جہاں زید اپنے فیس بک اکاؤنٹ میں شانزہ کی وال پر موجود رش دیکھ رہا تھا۔

"ویسے ناک تو تو کٹوائے گا۔ اس کی بھی اور اس کے اماں باوا کی بھی' اگر اس کے کسی لگتے سگتے نے دیکھ لی تو ....."

"ارے جب میرا کی تصویریں انٹرنیٹ پر دنیا بھر نے دیکھیں اور اس کی ناک نہیں کٹی تو پھر اس کی بھی خیر ہے۔" شانزہ کی طرف سے دیے گئے اپنے کمنٹس کو وہ بڑے مزے سے پڑھ رہا تھا۔

کج اوچ دی چھتاں اچیاں سن

کج کہتا آون دا جوک وی سی
کج ہمسائی دے بھائی دی ظالم سن
کج سانوں تاڑن دا شوق وی سی

"یار اتنی اچھی شاعری کو تو لمحہ بھر میں ایسے بدل ڈالتا ہے کہ سنجیدہ شاعری کرنے والا شاعر اپنی شاعری کا یہ حال دیکھ کر ہنسے بنا نہ رہ سکے۔"

"بس God Gifted ہے یار کبھی غرور نہیں کیا اس ہنر پر۔" خاقان نے اتراتے ہوئے کندھے سے فرضی گرد جھاڑی تھی۔

"ویسے یہ تصویر ہے بڑی پٹاخہ 'مگر اوریجنل لگتی ہے... کہاں سے اڑائی؟"

"اپنے گاؤں کی ہے دوست 'پچھلی دفعہ گاؤں گیا تھا تب موبائل سے بنائی تھی یہ تو اپنے گھر میں سبزی کاٹ رہی تھی اور اسے تو اب تک پتا بھی نہیں چلا ہوگا کہ میں نے اس کی تصویر بھی بنائی تھی۔"

خاقان نے پیڑھے پر بیٹھی شانزہ کو ایک بار پھر دیکھا جو اپنے سامنے زمین پر سبزی کا ڈونگا رکھے ہوئے تھی مگر کسی کے پکارنے پر چونک کر دیکھا اور بس وہ ایک لمحہ اپنے گھر کی کھڑکی میں موجود خاقان کے موبائل میں قید ہو گیا۔

صبح سے کی گئی چٹیا میں سے شام کے وقت بال نکل کر صراحی دار گردن سے لپٹنے پر اتراہٹ کا شکار تھے تو کاجل سیاہ آنکھوں کی چمکیلی زمین مس کرنے پر مغرور...!

"تصویر تو چل تو نے بنائی مگر فیس بک پر یہ جعلی اکاؤنٹ بناتے ہوئے اسی کی تصویر لگا دی اور وہ بھی درست معلومات کے ساتھ 'کچھ زیادتی نہیں ہے یہ۔"

زید کو شانزہ سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"ارے چھوڑ نا' تو یہ دیکھ کہ اشتہار میں دی گئی معلومات سے یہ تصویر کتنا میچ کر رہی ہے اور دیکھنا اکاؤنٹ میں جتنے روپے آئیں گے نا سب میری ٹیلیفونک بات چیت اور اس تصویر کے سبب ہی آئیں گے۔"

"کھانا آگیا بھئی آجاؤ اور دشمن کی فوج سمجھ کر اس پر ٹوٹ پڑو۔" وسیم اور نادر ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئے تو وہ دونوں حقیقتاً "لبیک کہتے ہوئے لحہ بھر میں محاذ پر آن موجود ہوئے۔

"یار نادر کھانا لائے ہو تو ساتھ ہی لائف جیکٹیں بھی پکڑ لاتے۔" کھانے پر نظر پڑتے ہی خاقان کے منہ سے نکلا۔

"آخر بوٹی ڈھونڈنے کے لیے شوربے میں ڈوب کر مرنا تھوڑی ہے۔"

"نہ یار نہ... ڈوبنے کی ضرورت نہیں ہے' دیکھو میں ہیلی کاپٹر سے پکڑ لایا ہوں تو یہ لے لے۔" وسیم نے اسے اپنی پلیٹ سے بوٹی نکال کر دی تھی۔

یوں بھی خاقان کی قسمت اچھی تھی کہ گھر بھر میں اس کے لاڈ اٹھائے جاتے اور یہاں وہ تینوں بھی اس کا بے حد خیال رکھتے کہ وہ تینوں ہی اس کے مقابل کہیں زیادہ ذمہ دار تھے۔

☆ ☆ ☆

"اوئے ہیرو' یہ کس کا تولیہ اٹھا لایا ہے؟" خاقان نہانے کے بعد ابھی کمرے میں داخل ہوا ہی تھا کہ زید کی پولیس چوکی پر رکنا پڑا۔

"یار ایک تولیہ ہے کوئی لڑکی تو نہیں اٹھا لایا جو تو یوں تفتیش کر رہا ہے۔" بیڈ کی طرف اچھالے گئے گیلے تولیے کو زید نے کرسی کی پشت پر پھیلا دیا تھا۔

"تجھ سے کیا بعید یار 'لڑکی بھی اٹھا لائے... لیکن یہ تو بتا کہ کسی اور کا تولیہ کیوں لے آیا؟"

"اوئے بابو صاحب میرا کسی نے اڑا لیا اور میں نے کسی کا اٹھا لیا۔ بس! اور ویسے بھی ہاسٹل میں تو یہ چھوٹی موٹی چوریاں جائز ہوتی ہیں یار۔"

"جی نہیں تو اپنا فتویٰ اپنے پاس رکھ 'چوری چوری ہوتی ہے وہ چاہے جھاڑو کا ایک تنکا ہی ہو۔" زید کی بات درست تھی لیکن بھی ڈٹ گیا۔

"او تو یہ فکر چھوڑ دے بھائی 'اب تیرے دوست کا اسٹینڈرڈ اتنا بھی گرا ہوا نہیں ہی کہ نند لعل کے جھاڑو کے تنکے چراؤں' میں نے کوئی خلال تھوڑا ہی کرنا ہے

اس سے..... اور ویسے بھی یہ شرارت ہے چوری نہیں کم از کم ہاسٹل کے قانون کے مطابق۔"

"ہاسٹل نہیں جنگل کا قانون کہو۔"

"ہاں یار ویسے یہ بوائز ہاسٹل بھی کسی جنگل سے کم نہیں ہے۔ رنگینی تو کیا زندگی تک کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ دور دور تک جہاں دیکھو "گنے کے کھیت" کھڑے بیٹھے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ نہ گندم کی بالیاں نہ پھولوں کی ڈالیاں' چڑیوں سی چہچہاہٹ نہ ہوا سی سرسراہٹ بلکہ سچ پوچھو تو یہ "سب جیل" ہے' ہم سب کی' جہاں ظالم وڈیرے جیسا وارڈن ہم جیسے مزارعے نما اسٹوڈنٹس کے بیچ ولن بنا گھومتا رہتا ہے۔"

زید اپنے کپڑے پریس کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دکھ بھری داستان بھی سن رہا تھا۔

"یقین کر ان ہی باتوں کی وجہ سے مجھے تو "جوڑوں کا درد" رہنے لگا ہے۔" خاقان نے پرفیوم کے ان گنت اسپرے کرتے ہوئے کہا تو زید چونک گیا۔

"ہائیں..... جوڑوں کا درد..... ؟ مگر کب سے؟"

"بس یار کیا بتاؤں جب بھی پیار محبت میں مگن ہنستے مسکراتے جوڑوں کو دیکھتا ہوں دل میں عجیب سا درد ہوتا ہے تو یہ ظاہر ہے "جوڑوں کا درد" ہی کہلائے گا کہ نہیں؟"

چہرے پر نیر سلطانہ سے تاثرات سجائے بات کا آغاز کرنے والے خاقان نے جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی دائیں آنکھ بند کی تھی اور اس کی شرارت پر زید نے پاس رکھے کاٹن کے سفید کرتے کا گولہ بناتے ہوئے اس پر ڈرون حملہ کیا۔

"تو کب بڑا ہو گا یار....." زید نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"جب تو ہاتھ میں لاٹھی پکڑے جھک کر چلے گا تب۔"

"فکر نہ کر وہاں تک نوبت نہیں آئے گی۔" زید نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"بکواس بند کر کیا الٹی سیدھی ہانکتا رہتا ہے۔"

ہر وقت مستی مذاق کرنے والا خاقان لحہ بھر میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"تو اور کیا چھوٹے قد کا یہی تو فائدہ ہے کہ بڑھاپے میں بھی لاٹھی کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

زید نے ہنستے ہوئے جوابی آنکھ ماری تھی اور اس سے پہلے کہ اس پر بھی ڈرون حملہ ہوتا خاقان کے شانزہ والے موبائل پر بیل ہوئی اور وہ اسے گھورتا ہوا نسوانی آواز میں ہیلو کہہ کر فون کی طرف متوجہ تو ہوا لیکن چند ہی سیکنڈز بعد جیسے خون خشک ہوتا محسوس ہوا۔ جیسے تیسے چند منٹ بات کرنے کے بعد اس نے فوراً" سامنے رکھی۔ پانی کی بوتل کو منہ لگا لیا۔ چند گھونٹ پیے تو لگا جیسے وہ دوبارہ دنیا میں آ گیا ہو۔

"کیوں یار خیر تو ہے؟" زید استری شدہ کپڑے الماری میں رکھ کر لوٹا تو اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

"تجھے پتا ہے کس کا فون تھا؟"

"وکی لیکس" سمجھا ہے کیا..... ؟ بھئی تو بتائے گا نہیں تو پتا کیسے چلے گا؟"

"یار ابا کا فون تھا شانزہ کے نمبر پر۔" خاقان نے لفظ "ابا" پر زور دیتے ہوئے کہا تو زید کو کرنٹ سا جسم میں دوڑتا محسوس ہوا۔

"انکل کا؟ یار دیکھنے میں تو بڑے شریف النفس انسان لگتے ہیں لیکن اس عمر میں بھی اتنے رنگین ....."

"اوئے بھینس کی دم عقل کی بات کر..... تجھے پتا بھی ہے فون کیا کیوں تھا؟"

"ملنے کا ٹائم مانگ رہے تھے؟" چہرے پر شرارت' حیرت کے لبادے میں موجود تھی۔

"نہیں تیرے مرنے کا ٹائم مانگ رہے تھے۔" زید نے حقیقتاً" اسے زچ کر چھوڑا تھا۔

"ہاں تو فیس ضرور بتا دینا۔ ویسے کیا آج کل انہوں نے بندے مارنے کی سپاری لینا شروع کی ہے؟"

"سپاری تو نہیں البتہ تیرے جیسوں کو مارنے کی ذمہ داری ضرور لے رکھی ہے تاکہ دوسرے "ڈھنگی" سے محفوظ رہیں' ہونہہ "خس کم جہاں پاک۔"

"اچھا تو انکل محکمہ صحت میں بھرتی ہو گئے ہیں ویسے ان کی دن بہ دن بہترین ہوتی صحت دیکھ کر مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔"

خاقان سمجھ گیا تھا کہ زید فی الحال اسے ستانے کے موڈ میں ہے جبھی آئینے کی طرف منہ کیے اب جیل سے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے اچھی بہوؤں کی طرح دوسروں کی سننے اور خود خاموش رہنے کی پالیسی اپنا چکا تھا۔ لیکن ظاہر ہے زید کے لیے یہ بات ہضم ہونے والی نہ تھی۔ جبھی ہنستا ہوا شیشے کی طرف پشت کیے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"اوئے کشمیری سیب' میں تو مذاق کر رہا تھا بتا نا انکل نے اس نمبر پر فون کیوں کیا تھا؟" خاقان نے پہلے تو اسے پولیس آفیسرز والی نظروں سے جانچ کر اس کے سنجیدہ ہونے کی یقین دہانی کی پھر بولا۔

"یار ابا نے شانزہ والے اکاؤنٹ میں چالیس ہزار روپے ٹرانسفر کیے ہیں۔ کہہ رہے تھے میں خود بھی بیٹیوں کا باپ ہوں اور تمہارے حالات پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ روپوں کے ساتھ وہ کچھ کپڑے بھی لائے تھے جو وہ چاہتے تھے کہ اس کی والدہ کو دے آئیں تاکہ کچھ کام آ سکیں۔"

"پھر؟" زید منہ کھولے حیرت سے ساری بات سن رہا تھا۔

"پھر کیا میں نے کہہ دیا کہ ہم تو بھائی کو لے کر اسلام آباد آئے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر کے پاس' روپوں کی مہربانی البتہ کپڑے یا تو آپ واپس لے جائیں یا ایدھی سنٹر دے دیں تاکہ کسی اور کے کام آ جائیں تو پتا ہے کہنے لگے کہ بیٹی تم فکر نہ کرو مجھ سے جتنا ہو سکا ہر ماہ بینک کے ذریعے تمہاری امداد کرتا رہوں گا۔"

"او مائی گاڈ' اسی لیے تو دنیا کو گول کہا جاتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے لیکن دیکھ اتنے روپے ابا نے آج تک مجھے نہیں دیے۔"

"ہاں تو یار یہ رقم بھی وہ شانزہ کو کب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دے رہے ہیں قرضے کی مد میں یا یوں سمجھ کہ انہوں نے sky bank میں اللہ تعالیٰ کے پاس غیر معینہ مدت کے لیے ڈپازٹ کروا دی ہے۔ جو بعد میں انہیں کئی گنا منافع کے ساتھ لوٹائی جائے گی۔"

"لیکن یہ سب تو تب ہو گا نا جب ان کی دی گئی رقم حقیقی معنوں میں کسی کے علاج یا امداد میں خرچ ہو۔"

زید کی بات نے خاقان کو بھی کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔

"انکل کی نیت تو سچی ہے اور انہوں نے رقم دے دی اس لیے ظاہر ہے کہ ان کا ثواب تو اسی وقت سے طے شدہ ہے کہ نیک عمل کا ثواب نیت کرنے سے ہی ملنے لگتا ہے البتہ برے کام کا گناہ اس کے کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ تو بس اب یہ تو رقم وصول کرنے والوں کی گردن پر بوجھ ہے تاکہ وہ کس چیز کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔"

بات کرتے ہوئے شاید زید کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ سوچنے والے ذہن کے لیے یہ کتنی گہری بات تھی۔ البتہ جیسے ہی بات ختم ہوئی تو خاقان اور زید دونوں نے ہی اپنے اندر کچھ ہلچل سی ہوتی محسوس کی۔

بعض اوقات ڈھونڈنے کے دوران سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی اسی طرح یہ باتیں بھی جانتے تو وہ بھی تھے لیکن دھیان کو گیان کی منزل نہیں مل پائی تھی۔ زندگی کی افراتفری' ظاہری آسائشوں' وقتی تفریح اور رزق حاصل کرنے کی دھن میں وہ یقینی طور پر رازق کے بنائے گئے اصول و ضوابط کو نظر انداز کر بیٹھے تھے۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیال رزق ہے رازق کا کچھ خیال نہیں

دوسری ہی صبح ابا ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ مہمانوں کو چونکہ کمروں تک آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اسی لیے تمام لوگ کینٹین کے نزدیک ہی بنے وزیٹرز روم میں بیٹھا کرتے جہاں آج زید' وسیم اور نادر' خاقان کے والد صاحب کے ہمراہ اس وقت ملکی صورت حال پر گفتگو کر رہے تھے۔ آنے سے قبل چونکہ وہ خاقان کو بتا چکے تھے کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ دو سال بعد ہونے والی بہن کی

شادی کے سلسلے میں ان کی مدد کر سکے۔ جبھی طے یہ پایا تھا کہ "اشتہاری رقم" کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں واپسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔ ابا کی طرف سے سبھی کو مدعو کر دیا گیا تھا البتہ تاریخ طے ہو جانے کے بعد دوبارہ فون کرنے کا کہہ کر خاقان نے بھی انہیں گھر آنے کی پرخلوص دعوت دی تھی۔

✡ ✡ ✡

"نازو... یہ تیری "لوکی" کو کیا ہوا ہے؟ جب سے آیا ہوں ایک بار بھی ہنستے نہیں دیکھا۔ ٹیج بٹن کی طرح منہ بند کیے گھوم رہی ہے۔"

خاقان نے شیو کرنے کے بعد تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے چھوٹی بہن سے شانزہ کے بارے میں پوچھا تھا جس کے لمبے قد کی وجہ سے وہ اکثر ہی اسے لوکی کہتا ہر وقت ہنستی مسکراتی شانزہ اس مرتبہ اسے بے حد اداس لگ رہی تھی اور یہی بات خاقان کو بے چین کیے دے رہی تھی۔ خلاف معمول اس دفعہ اسے شہر سے آنے کے بعد سے اب تک نہ تو وہ اسے ملنے آئی تھی اور نہ اس کے لیے کچھ پکا کر لائی۔

دونوں گھر ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے تھے مگر دل دونوں گھرانوں کے ایک ساتھ دھڑکا کرتے۔ گو کہ گاؤں کے ماحول میں یوں بھی اپنائیت ہوا کرتی ہے لیکن یہ دونوں خاندان ایک دوجے کے لیے جان تک نچھاور کرنے والے لوگ تھے۔

"کچھ نہ پوچھ بھائی' اس کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔" نازو بھاگ بھری کے جھاڑو لگا کر جانے کے بعد اب ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

"کیوں' کیا برا ہوا ہے اس کے ساتھ؟ اس کی تو شادی ہونے والی تھی نا۔" خاقان اس کے ساتھ کچھ بھی برا ہونے کے خیال سے دہل سا گیا تھا۔ لمحہ بھر میں یوں لگا جیسے مہینے بھر کی محنت کے بعد ہاتھ آنے والی آمدن کسی جیب کترے کے ہاتھ لگ گئی ہو۔ نظریں سبز اور سرخ شیشے کی ٹکڑیوں سے مزین روشندانوں سے ملحقہ کھڑکی سے ہوتی ہوئی شانزہ پر جمی ہوئی تھیں جو اتنی گرمی میں بھی صحن کے بیچوں بیچ لگے پیپل کے پیڑ کے نیچے چارپائی بچھائے سفید چادر پر چار سوتی ٹانکا کاڑھ رہی تھی' لیکن خاقان کو لگا جیسے یہ چادر محض دوسروں کی نظروں سے بچنے اور خود کو مصروف دکھانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اور اسی خیال کی تائید شانزہ کی انگلی میں چبھنے والی سوئی نے بخوبی کر دی جس کی آڑ میں اب وہ آنسوؤں کی صورت ذہن کو الجھاتے خیالات کو بہانا چاہ رہی تھی۔

"بتا بھی نا۔ تیرا ریڈیو کیوں بند ہو گیا ہے؟ کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟"

نازو اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی تھی اور دوبارہ اس کے استفسار پر چونک کر دیکھنے لگی کیونکہ گھر' گاؤں یا رشتہ داروں کی اس قسم کی بات چیت سے وہ ہمیشہ جان چھڑاتا تھا اور آج وہ خود شانزہ کے بارے میں کرید رہا تھا۔ اسی بات نے نازو کو حیران کیا تھا۔

"بھائی یہ تو تمہیں پتا ہے نا کہ شانزہ کی اماں تو پہلے ہی اس رشتے کے حق میں نہیں تھیں وہ تو اس کی پھوپھی نے بس ضد میں آ کر اس کے ابا کو بھی اپنی باتوں میں لگا کر اس رشتے کی ہاں کروالی تھی۔ کہتی تھی کہ آج سے چند سال پہلے اپنے آپ کو کیا سمجھ کر شانزہ کی اماں نے اس رشتے سے انکار کیا... میری بھی ضد ہے کہ شانزہ کو اپنی بہو نہ بنایا تو نام بدل دینا۔"

"اوہو تو مجھے بس آخری حصہ بتا کہ مسئلہ کیا ہوا؟"

من کی بے چینی خاقان کے اعصاب پر مکمل حاوی ہو چکی تھی۔

"مسئلہ یہ ہوا کہ کمال بھائی نے اسے انٹرنیٹ پر دیکھ لیا تھا جہاں بقول ان کے شانزہ نے جانے کتنے ہی لڑکوں سے دوستیاں کر رکھی ہیں اور پٹاخوں پھلجڑیوں جیسی باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی تصویر سے لے کر شہر تک کا نام وہاں درست ظاہر کر رکھا ہے نہیں ہے تو بس گاؤں کا نام... نا صرف یہ بلکہ اور بھی کئی طرح کے الزامات لگا کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔"

"چھوڑ دیا... مطلب؟"

"مطلب کیا بھائی؟ سیدھی سی بات ہے کہ انہوں نے رشتہ توڑ دیا اور اس کی پھوپھی نے بھی اس بات کو بنیاد بنا کر ایسی ایسی باتیں گاؤں میں پھیلائی ہیں کہ میں تو وہ سب بتا بھی نہیں سکتی۔"

بات کرتے کرتے وہ بھی خاقان کے ساتھ کھڑکی سے تھوڑا ہٹ کر یوں کھڑی ہو گئی کہ وہ دونوں تو اوجھل تھے مگر انہیں بخوبی نظر آ رہا تھا کہ شانزہ اب اس سفید چادر کو شاپر میں ڈالنے کے بعد وہیں اپنے اوپر دوپٹا پھیلائے لیٹ چکی ہے۔

"کیا؟" خاقان نے صدمے کی شدت سے کہا تو ضرور مگر آواز جیسے کہیں کھو سی گئی تھی۔

"بھائی پورے گاؤں میں ان کی بہت رسوائی ہوئی ہے۔ ہر بندہ ان پر انگلی اٹھا رہا ہے شانزہ تو ایک طرف اس کے اماں ابا بھی گھر میں بند ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ بہت سے لوگوں کو تو کمال نے کچھ ثبوت بھی دکھائے تھے۔"

"لل... لیکن نازو ہمیشہ آنکھوں دیکھا یا کانوں سنا سچ تو نہیں ہوتا نا۔" اس کی لاابالی فطرت کے ہاتھوں کیا گیا ایک چھوٹا سا عمل یوں کسی کی زندگی برباد کر دے گا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

یوں بھی یہ تصویر اس نے پچھلی دفعہ آنے پر اسی جگہ کھڑے ہو کر بنائی تھی جب شانزہ کا رشتہ طے ہو جانے کا سن کر اس کا دل عجیب سی کیفیات میں گھرا ہوا تھا۔ وہ احساس کیا تھا کیوں تھا؟ یہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا لیکن بس میکانکی انداز میں ایک تصویر ضرور بنا لی تھی جو بعد میں کسی اور طرح کام آئی۔

"ہمیشہ نہیں مگر اکثر تو ایسا بھی ہوتا ہے نا بھائی' دنیا اسی کو سچ مانتی ہے جو سامنے ہو۔ آنکھ اوجھل حقیقت کو پہاڑ اوجھل مان کر لوگ پہاڑ کی دوسری سمت جانے کی کبھی زحمت نہیں کرتے۔"

بات کرتے کرتے نازو تو اماں کے بلانے پر کمرے سے نکل گئی مگر اس کی باتوں سے جو پھانس خاقان کے چبھی تھی وہ نکلنی اب یقیناً مشکل تھی۔

دل پر ایک بار گراں گویا پاؤں پسارے بیٹھ چکا تھا۔ جانے کے باوجود ایک گہرا سانس لے کر اندر جمع ہوتی گھٹن کو چند لمحوں کے لیے ہی سہی وہ باہر نکال پھینکنے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ سانس لیتا تو محسوس ہوتا جیسے گلے کے اوپری حصے سے ہی واپس لوٹا دی گئی ہو۔ اندر تک جانے کی اجازت شاید اسے اپنے ضمیر سے مل نہیں پا رہی تھی۔ اور تبھی اسے محسوس ہوا کہ گہری سانس لینا بھی اللہ کی کس قدر بڑی محبت ہے، جو ہم بغیر کسی محنت کے جس وقت چاہیں ہوا کو اندر کھینچ کر حاصل کر لیتے ہیں اس بات کا احساس ہوتے بھی ذہن میں ابا کی تلاوت کی آواز گونجی تھی۔

"بے شک تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

بچپن سے لے کر آج تک ان سب کی صبح ابا کی تلاوت سے ہی ہوتی۔ جب آنکھ کھلتی تو وہ صحن میں بچھائی چارپائی پر بڑی عقیدت اور انہماک سے تلاوت قرآن میں مصروف ہوتے۔ سورۃ رحمٰن اور چند دوسری سورتیں ان کے روزانہ کے ورد کا اہم حصہ تھیں مگر جیسے ہی وہ اس آیت پر پہنچتے سر جھکا کر کچھ دیر خاموش رہتے۔ چہرے کو بھگوتے بے آواز آنسوؤں کو بڑی تعظیم سے اپنی پیشانی اور چہرے پر ملتے اور اسی ہاتھ کو کرتے کے اندر ڈال کر اپنے سینے پر پھیرتے کہ ان کا یقین تھا کہ اللہ کے خوف اور اس کی محبت میں نکلنے والے یہ آنسو روز قیامت ان کا سینہ اور چہرہ اپنے نور سے روشن کر کے اللہ کے حضور ان کے گناہ بخشوانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

یہی سب سوچتے ہوئے جانے کیسے آج خاقان جیسے انسان کے چہرے پر بھی دو آنسو سرمئی آنکھوں کی سرحد پار کیے اب نیچے لڑھکنے کو تھے جنہیں لاشعوری طور پر ابا کی تقلید میں اس نے بھی اپنے چہرے پیشانی اور سینے پر پھیر لیا۔ باوجود اس کے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ آج تک جو کچھ کرتا آیا ہے ان کے لیے یہ آنسو بہت کم ہیں لیکن شانزہ کے ساتھ انجانے میں کی گئی اس زیادتی کے احساس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ نا صرف شانزہ بلکہ اس کے اماں ابا کا بھی گناہ گار ہے۔ یہ بات اس کے اعصاب کو بنا تعطل جھنجھوڑے جا رہی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے دل میں موجود اس دیے کی لو مزید تیز ہوئی جو ایک دن زید کی باتوں پر اس کے دل میں یکایک جلنے لگا تھا۔ جبھی اس نے ایک نظر آہستہ آہستہ تیز ہوتی دھوپ اور حبس سے بے نیاز بیل کی چھاؤں میں لیٹی شانزہ کو دیکھا اور کچھ سوچ کر اماں کی طرف چل دیا جو گرمی کے باعث گھر کے بجائے گاؤں میں موجود تنور سے روٹیاں لگوانے کا مشورہ دے رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"خاقو تیرا دماغ تو ٹھیک ہے نا جانتا بھی ہے کیا کہہ رہا ہے؟"

اس کی بات نے اماں سمیت سلطانہ کو بھی چونکا دیا تھا۔ اسی لیے وہ آٹے کی پرات بھاگ بھری کو تھما کر اماں کے کمرے میں ہی آ گئی جہاں ایئر کولر کی ٹھنڈی ہوا کے سامنے خاقان اپنی ماں کا دماغ گرم کر چکا تھا۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے بچپن سے ہی روایتی اکلوتے سپوتوں کی طرح اس کے ناز نخروں کا "اتحادی جماعتوں" کی طرح خیال رکھا جاتا۔ گرمی اس کا موڈ خراب کر دیتی تھی جبھی اسے آرام پہنچانے کی خاطر شہر سے یو پی ایس خرید آ گیا۔ ہاسٹل سے جتنے دن چھٹی پر وہ گھر آتا گاؤں کا سبزی فروش روزانہ شہر سے اپنے سودے سلف کے ساتھ تازہ اخبار لا کر ان کے گھر پہنچانے کا بھی پابند ہوتا دوسروں کی پسند ناپسند سے قطع نظر کھانے میں بھی اس کی پسند کو فوقیت دی جاتی۔ اپنی تمام رویوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے امید تھی کہ نتیجہ حسب توقع ہی ہو گا۔

"ہاں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ بھی کہ گاؤں والے اب اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔" خاقان کے چہرے پر اب فکر یا پریشانی کا کوئی تاثر نہ تھا۔ بلکہ یوں لگتا بہار کئی موسموں کو پھلانگتے ہوئے اس کے سامنے کئی پھول بوٹے لگا گئی تھی۔

"لیکن بھائی اس کے اپنے منگیتر نے اسے چھوڑ دیا کہ اس کے چند دوستوں نے اسے شانزہ کی تصویر دیکھنے کے بعد بتایا کہ وہ کتنی ہی دفعہ فون پر اس کے ساتھ ٹائم پاس کر چکے ہیں۔ محض روپوں کی لالچ میں بہت گھٹیا حرکتیں کرتی رہی ہے یہ حالانکہ ماں باپ کی ایک ہی ایک تو ہے پھر بھی جانے کرتی کیا ہو گی ان روپوں سے۔" اس کا لہجہ خود اس کے لیے ہرگز نیا نہ تھا۔ اسے خاموش پا کر اماں نے لوہا گرم جانتے ہوئے سلطانہ ہی کی بات کا تسلسل قائم رکھا تھا۔

"اور کیا ہم تو اسے کتنی بھولی سمجھتے رہے اور اب بھی سمجھتے رہتے اگر کمال اصلیت نہ کھولتا۔"

"اماں وہ اب بھی ویسی ہی بھولی بھالی ہے جیسا آپ اسے پہلے سمجھتے تھے۔" خاقان کی بات پر اماں نے ابرو چڑھا کر سلطانہ کی طرف دیکھا مگر چپ رہیں۔

"دراصل اس سارے معاملے میں غلطی میری ہے۔"

"تیری غلطی..." بیک وقت دونوں نے کہا تھا۔

لیکن جب خاقان نے دھیرے دھیرے اول تا آخر انہیں ساری بات پوری سچائی کے ساتھ بتائی تو وہ دونوں منہ کھولے رہ گئیں۔

"ہاہائے، ہم نے بھی اتنے سالوں کی آپس میں موجود محبت کو پل میں ان ثبوتوں کے سامنے بھلا کر ان کے سامنے نہ سہی مگر دل میں اسی بے چاری کو قصوروار ٹھہرایا۔" چند لمحوں پہلے لہجے کی ناگواریت چند ہی لمحوں بعد محبت میں بدل گئی تھی۔

"اب آپ خود ہی سوچیں میری وجہ سے وہ سارے گاؤں میں بدنام ہوئی ہے تو پھر اسے عزت بھی تو مجھے ہی دینا ہو گی نا اور پھر پسند تو ویسے بھی وہ سب کو ہے تو پھر ... پھر آپ سب کب جائیں گے تاریخ لینے؟"

"خاقو تو نے بہت برا کیا اس بے چاری معصوم کے ساتھ لیکن ہاں ہم اسے اپنائیں گے ضرور مگر گاؤں والوں کو حقیقت بتانے کے بعد تاکہ کوئی اس کے کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے۔"

اماں کی عدالت نے انصاف کیا تھا۔

"لیکن بھائی کیا تم سب کے سامنے اعتراف کر پاؤ گے کہ تم سے کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے؟" سلطانہ خوش تھی کہ یہ سب حقیقت کھلنے کے بعد اب دھند چھٹ چکی تھی اور سامنے کا منظر بڑا ہی دلکش اور واضح تھا۔

"ہاں بھئی میں سب کے سامنے بھی سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا، لیکن اس کے لیے میری بھی ایک شرط ہے۔" مزاج ایک بار پھر شرارت پر آمادہ تھا۔

"بول بول تیری ہر شرط منظور ہے۔" اماں خوشدلی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں اماں مجھے اپنے لیے تو کچھ نہیں چاہیے لیکن سوچتا ہوں سلطانہ کی شادی کے بعد آپ کو اس کی کتنی یاد ستائے گی نا..."

"ہاں پتر یہ تو ہے..." اماں اداس ہونے کو تھیں جبکہ سلطانہ اس کا مطلب جان کر مسکرانے لگی۔

تو اس کا سادہ سا حل ہے نا میرے پاس اور وہ یہ کہ ہونا تو چاہیے کہ اس کی رخصتی سے ایک دن پہلے یہی شانزہ رخصت ہو کر آپ کے پاس آ جائے تاکہ آپ کا بھی دل بہلا رہے اور اس تو بچی کی کمی وہ لو کی پوری کر دے۔"

"اچھا..." اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے پھیرتے اماں کا ہاتھ ایک دم اس کے کان پکڑ چکا تھا۔

"او پتر جی اتنے بھی ہوشیار نہ بنو... مت بھولو کہ جس کنویں کا تم پانی پیتے ہو اسے ہم نے کھودا تھا۔" اماں نے پیار سے اس کا کان کھینچا اور دونوں ماں بیٹی ہنسنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

ساری بات ابا کو پتا چلی تو پہلے تو انہوں نے خود اس کی تواضع کی پھر نہایت معذرت خواہانہ انداز میں شانزہ کے والدین کے سامنے جا کر ساری کہانی بیان کرنے کے بعد سر جھکا کر کافی دیر تک برا بھلا سننے کے بعد جب انہوں نے بتایا کہ خاقان گاؤں کی پنچائیت اور ان کے

سامنے خود اعتراف کر کے شانزہ کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا ہے تو شانزہ کے والدین کے چہرے پر ایک سکون کی ہلکی سی لہر نمایاں ہوئی ان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نوید ہو سکتی تھی کہ ان کی بیٹی کے دامن پر لگے داغ' کردار پر لگائی تہمت غلط ثابت ہو جائیں۔

"بھائی جی سفید کپڑے پہن تو سب لیتے ہیں لیکن انہیں بے داغ ہر کوئی نہیں رکھ سکتا اور معاف کرنا میرا بیٹا ایسے کپڑے پسند نہیں کرتا جن پر پہننے سے پہلے بھی داغ لگا ہو... ہماری طرف سے یہ رشتہ ختم... !"

بہن کی آواز ذہن میں گونج کر ایک بار پھر ان کی سماعت پر تازیانے برسانے لگی تھی۔

اور پھر آخر کار پنچائیت کے سامنے من و عن سچ بیان کرنے اور اس غلطی کی تلافی کا ارادہ ظاہر کرنے پر پہلے تو اسے ملامت کیا گیا کہ اس کی ایک غلط حرکت کی وجہ سے پورا خاندان کسی ذہنی مشکل سے دوچار رہا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے سچ کو سراہتے ہوئے خاقان کے اماں ابا کے عندیہ ظاہر کرنے پر شانزہ کے والدین کو شادی کی رضامندی کی بھی سفارش کر دی جس پر باہمی مشاورت سے قبولیت کی مہر لگا دی گئی۔

☼ ☼ ☼

دونوں طرف گویا خوشیوں کی سیج سج چکی تھی۔ خاقان کی خواہش کے عین مطابق اس کے ولیمہ کے دن سلطانہ کی رخصتی تھی۔ زید' وسیم اور نادر کو اس نے فون پر یہ بریکنگ نیوز دی تو وہ سب ہی حیران رہ گئے۔ سچ کہتے ہیں دل کا موسم ہر موسم پر حاوی ہوتا ہے جبھی تو اسے ہر چیز نکھری نکھری لگنے لگی تھی۔

یوں بھی بہار کی آمد آمد تھی جب سبک خرام ہوا اپنی تمام تر نرماہٹ اور تازگی کے ساتھ دھرتی کا سینہ چومتی تو ہر ذی روح جیسے کھل سا جاتا۔ چاروں طرف بکھرتے رنگ موسم کی دلکشی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتے تو لہلہاتے پھول پودے پورے جوبن کے ساتھ ماحول کی رنگینی میں اپنا کردار ادا کرتے نظر آتے۔

زندگی یوں اچانک بدل جائے گی یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

اسے کمرے میں موجود کھڑکی سے شانزہ کو دیکھتا تو اس سے بات کرنے' ملنے کی تڑپ مزید بڑھ جاتی۔ کبھی کبھار دونوں کی نظر۔ ٹکراتی تو وہ فوراً" ہی لجا کر کمرے کا رخ کرتی۔ یوں بھی اماں نے اسے چند دن صبر کرنے کا بڑی سختی سے مشورہ دیا تھا۔ لیکن ہائے یہ دل... !

اس رات دونوں گھروں میں ڈھلک کی تھاپ پر گیت گائے جا رہے تھے۔ رواج کے مطابق آج کیونکہ گیتوں والی پہلی رات تھی اس لیے شانزہ کی والدہ کو اپنی سمدھن کو مٹھائی اور سرخ دوپٹہ دینے آنا تھا اور یہی وہ موقعہ تھا جب وہ نازو کی مدد سے شانزہ سے دو گھڑی ملنے اس کی چھت پر جا پہنچا۔

"آپ یہاں... ؟" شانزہ اسے اپنی چھت پر موجود اور نازو کو وہاں سے غائب پا کر یوں ڈر گئی تھی جیسے وہاں کوئی بھوت اس کے مدمقابل ہو اور تبھی خاقان کو احساس ہوا کہ نازو نے شانزہ کو اس کی آمد سے بے خبر رکھا تھا۔

"کیوں اچھا نہیں لگا میرا آنا؟" شانزہ کی گھبراہٹ نظر انداز کرتے ہوئے اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"میں نے یہ کب کہا... ؟"

"یعنی اچھا لگا' ٹھیک ہے روز اسی وقت آیا کروں گا۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا گیا جملہ شانزہ کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ کر گیا تھا۔

"نن نن نہیں تو میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"یعنی تمہیں میرے آنے سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" خاقان بھی اپنے نام کا ایک تھا اور اسے تنگ کرنے میں شاید مزا آ رہا تھا۔

"کیوں آپ "بجلی" کب سے ہو گئے کہ مجھے آپ کے آنے سے خوشی ہو۔"

ابھی چند لمحوں پہلے خاقان کے گھر پر کی گئی لائٹنگ کی وجہ سے اپنی چھت پر بنی پانی کی ٹنکی کی آڑ میں کھڑے ہونے کے باوجود وہ گھبرا رہی تھی کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن جیسے ہی لائٹ گئی تو گویا خاقان کے فیوز اڑانے کو فل چارج وہ اس کے سامنے تھی۔

"اوہو تو اب پتھر بھی بولنے لگے..."

"جی نہیں' پتھر ہوتے تو لوگ ایک جھلک دیکھنے کو گھنٹہ گھنٹہ بھر اپنی کھڑکی کی آڑ میں خود کو ہلکان نہ کرتے۔" جوابی کارروائی بڑی تند تھی سو چوری پکڑے جانے پر خاقان کو کوئی جواب نہ سوجھا تو مسکراتے ہوئے کان پکڑ لیے۔

"سوری یار... تمہیں برا لگتا ہو گا نا۔"

"صرف برا نہیں بلکہ بہت برا لگتا تھا کئی دفعہ سوچا کہ نازو سے آپ کی شکایت کروں گی کہ..." وہ لمحہ بھر رک کر خاقان کے تاثرات دیکھنے لگی۔ چاندنی راتوں کا فائدہ آج اسے محسوس ہو رہا تھا۔

"کہ..." خاقان نے اسے خاموش دیکھ کر بات مکمل کرنے کو کہا۔

"کیا شکایت کرنی تھی تمہیں؟"

"یہی کہ کھڑکی کی آڑ میں کیوں کھڑے ہوتے ہیں سامنے کھڑے ہو جائیں تو کسی اور کا بھی بھلا ہو جائے۔" بات کرتے کرتے شرمگیں سی مسکراہٹ نے اس کے دودھیا چہرے کو مکمل طور پر اپنے حصار میں لے لیا تھا خاقان کو اس کے اس معصوم انداز پر بے پناہ پیار آیا۔ جھکی جھکی نظروں کے ساتھ سامنے کھڑی شانزہ ابھی چند لمحوں پہلے پٹاخے جیسی باتیں کرنے والی ہرگز نہیں لگ رہی تھی۔

چاندنی رات کو بھی شاعروں نے خوامخواہ ہی اتنا رومانٹک نہیں کہا۔

دل میں انگڑائیاں لیتے نت نئے جذبات مخمور ہوا کی لوریوں کے ساتھ مزید بے دار ہونے لگے تھے۔

"سنو... ایک بات کہوں۔" خاقان نے دھیرے سے سرگوشی کی تھی۔

"مجھے پتا ہے اس لیے رہنے دیں۔" شانزہ محسوس کر رہی تھی کہ دونوں اطراف سے دل میں جاگتے خوب صورت احساسات اب ایک منفرد اظہار کا تقاضا کرنے لگے ہیں جبھی خود کو سمجھاتے ہوئے ایک بار پھر جاگ سی گئی۔

"کیا... کیا پتا ہے تمہیں؟" لہجے کی مخموریت ابھی تک برقرار تھی۔

"یہی کہ میں بہت خوب صورت ہوں۔"

شانزہ نے بڑی ادا سے کہا اور اسی لمحے لائٹ آجانے پر فوراً" سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ ساری کائنات جیسے جگمگانے لگی تھی۔ اور وہ جو اس سے معافی مانگنے آیا تھا قریب آنے پر جیسے اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھا یاد رہا تو بس چاندنی رات اور من چاہے ساتھی کا احساس!!!

چند ہی دنوں میں زندگی نئی کروٹ لے چکی تھی اور وہ خود بھی زندگی کو نئے انداز سے جینا چاہتا تھا جبھی آنکھوں میں آنے والے کل کے خوب صورت سپنے سجائے اب وہ بڑی شدت سے اپنی یہ فیلنگز دوستوں سے شیئر کرنے کو بے تاب تھا جو آج ہی اس کی شادی کی رونقوں میں اضافہ کرنے کے لیے ہاسٹل سے روانہ ہو چکے تھے لیکن ہاں آنے سے پہلے خاقان کی ہدایت کے عین مطابق اشتہار کے ذریعے حاصل کی گئی رقم کو کینسر ہی کے مریضوں کے لیے donate کرنا وہ ہرگز نہیں بھولے تھے۔

☼ ☼

ریحانہ امجد بخاری

وہ اک سردی ہے

ناولٹ
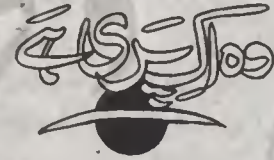
مرے افکار باغی ہو رہے ہیں
مری ہر سوچ پر پہرے بٹھا دو
خریدارو! جو ممکن ہو تو آؤ
مرے احساس کی قیمت چکا دو

"تو کیا کروں؟ تم کیا سمجھتی ہو مجھے اپنے باپ سے محبت نہیں۔"

فرزان اپنے کرتے کی فولڈ آستین کھولتا ہوا زارا کی طرف بڑھا۔

"صرف اکیلا فرزان ہی لائسنس ہولڈر ہے باپ کی محبت کا' محبت یہاں ہوتی ہے... یہاں..." فرزان نے اپنے سینے پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"جب ساری پدرانہ شفقت اسی پر نچھاور ہوتی ہے تو وہ اس محبت کا حق ادا کرے نا۔ جائے... میں کیوں جاؤں۔"

فرزان کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"ایسی بات نہیں۔ وہ آپ سے بھی محبت کرتے ہیں آخر آپ ان کا خون ہیں۔ آپ سے کچھ شکایات ہی تو ہیں انہیں اور جو شکایات ہیں وہ کچھ غلط بھی نہیں۔ آپ اس بات کو مان کیوں نہیں لیتے۔" زارا نے چاول چنتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا۔

"ہونہہ..." فرزان نے طنزیہ ہنکارا بھرا اور پھر گویا ہوا۔

کل بھی میں نادان تھا اور آج بھی نادان ہوں
میں مکمل ہو نہیں سکتا کہ میں انسان ہوں

"حالانکہ آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا "میں مکمل ہو نہیں سکتا کہ میں "فرزان" ہوں۔" زارا نے ماحول کی تلخی کو کم کرنے کے لیے بذلہ سنجی کا مظاہرہ کیا مگر فرزان کو اس وقت زارا کا یہ شوخ انداز پسند نہیں آیا وہ برہمی سے بولا۔

"ہر شخص مجھے ہی قصوروار ٹھہراتا ہے میں برا ہوں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ سب خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں۔ میری اصلاح کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے سب نے۔ ہونہہ۔ غلطیوں سے پاک ہو جاؤں تو کیا انسانیت کے مقام سے بہت اونچا نہیں اٹھ جاؤں گا؟ اور تم لوگ مجھے فرشتہ بنانے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟ میں زمین زادہ ہوں عرش پر نہیں رہتا مجھے زمین پر ہی رہنے دو تم لوگ۔"

ہمیں ابہام کی ساری اذیت سے الگ کر دے
زمیں زادے ہیں جذبے آسمانی رکھ نہیں سکتے

فرزان کا تلخ لہجہ شعر سناتے ہوئے کچھ نرم ہوا تو زارا کو پھر حوصلہ ہوا اس نے ہمت نہیں ہاری اور دوبارہ بولی۔

"جائیں گے بابا کو لینے۔" فرزان نے گھور کر زارا کو دیکھا پھر سرد لہجے میں بولا

"میرا نام فرزان ہے۔ جانتی ہو نا؟ خون کی مثال تو فوراً" دے دی تاثیر بھول گئیں۔ میں بھی ان ہی کا بیٹا ہوں اگر وہ اپنی انا پر قائم ہیں تو میں بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"رشتوں' رفاقتوں اور محبتوں میں جب انائیں حائل ہو جائیں تو معافی مانگ لینے یا معاف کر دینے کا لمحہ بہت دور چلا جاتا ہے پھر اس لمحے تک جاتے جاتے صدیوں کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور میں نہیں چاہتی آپ کو دیر ہو جائے باپ' بیٹے کے رشتے میں کیسی ہار' کیسی جیت؟ یہاں آپ غلط سوچ رہے ہیں وہ انا پر قائم نہیں ہیں بس ناراض ہیں آپ سے۔ آپ ان کی ناراضی سے مقابلہ مت سمجھیں خود کا باپ ہیں وہ آپ کے؟"

زارا نے دبے لہجے میں فرزان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا اس کے اندر سے رنج و تاسف کی ایک لہر ابھر کر اس کے چہرے کا احاطہ کر گئی تھی۔

"تمہاری اتنی محبت جاگ رہی ہے تو تم چلی جاؤ نا؟"

فرزان نے اطمینان سے کہہ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"میں تو چلی ہی جاؤں گی مگر جو خوشی انہیں آپ کو

چوتھی قسط

دیکھ کر ہوگی مجھے دیکھ کر نہیں ہوگی۔" زارا نے کمزور سے انداز میں جیسے آخری کوشش کی اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"خوشی تو انہیں اذان کو دیکھ کر ہوگی تمہارے یا میرے جانے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑنے والا اور سنو تم بھی زیادہ منشی منقی بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنی بقراطی اپنے پاس رکھو' آئندہ مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرنا' میں جو بہتر سمجھوں گا وہی کروں گا انڈر اسٹینڈ۔"

فرزان نے انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں زارا کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور پھر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ زارا ملامت بھری نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر چاول کی پرات اٹھا کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

چارہ گر مجھ سے جو پوچھے تو بتاؤں کیسے
دل کہاں ہوتا ہے اور درد کہاں ہوتا ہے
وہ کہ جس شہر میں روشن تھے محبت کے دیے
اب تو اس شہر میں ہر رات دھواں ہوتا ہے

آنکھ کھلنے پر چند لمحے اس نے خالی خالی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا کچھ دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے فوراً" مڑ کر وال کلاک کی جانب دیکھا جس کا ٹوٹا ہوا شیشہ اپنی خستہ حالی کے ساتھ ساتھ مکینوں کی عسرت زدہ زندگی کا آئینہ دار تھا۔

وقت دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ ابھی فجر کی اذان ہونے میں کچھ دیر ہے۔ اس نے برابر کی چارپائی پر نظر ڈالی۔ امی حسب معمول موجود نہیں تھیں وہ تہجد کے لیے اٹھتی تھیں تو پھر رات کو ہی سونے کے لیے لیٹتی تھیں کچھ دیر لیٹے لیٹے اس نے چھت پر نگاہیں مرکوز کردیں۔ پھر کچھ سوچ کر اٹھ بیٹھی کسلمندی سے چلتی ہوئی وہ چھت پر آگئی کمرے کے گھٹے ہوئے ماحول کی نسبت کھلی چھت اور کھلی فضا میں آکر اسے خوشگواریت کا احساس ہوا تھا اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں جلتے بجھتے تاروں کی چادر سی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے باریک جالی کے دوپٹے پر سفید نگ ٹانک دیے ہوں۔

ماہم محویت سے اس حسین منظر کو دیکھ رہی تھی کہ تخیل کے پردوں پر ایک دھندلی سی تصویر نمودار ہو کر معدوم ہوگئی۔

"آپ بہت اچھی شاعری کرتی ہیں مس ماہم۔" ہوا نے جیسے اس کے کان میں سرگوشی کی اس نے طمانیت سے آنکھیں بند کرلیں آنکھیں بند کرتے ہی جو منظر اس کی پتلیوں میں ٹھہرا تھا وہ منظر ایک دور دراز نیم فراموش شدہ خواب کی طرح حقیقت سے مشابہت نہیں رکھتا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں خوشگوار منظر کا سارا سحر دھواں بن کر اڑ گیا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا اس نے ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھا جہاں اب بھی ستارے اسی طرح جھلملا رہے تھے اس نے اس بار شدت کرب سے آنکھیں بھینچ لیں اور اس کی پلکوں پر سجے دو ستارے ٹوٹ کر خاک میں مل گئے۔

اس نے قدم آگے بڑھانے چاہے مگر اسے محسوس ہوا اس کے آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار۔ وہ بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن راستہ اسے رستہ نہیں دے رہا تھا اسے محسوس ہوا کہ جیسے اسے زنجیر کردیا گیا ہے۔

"کیا یہ دکھ میرا جیون بھر کا ساتھ ہے حالانکہ میں تو خوشیوں کی کھوج میں ہوں۔"

اک مدت سے سرگرداں ہوں کھوج میں ان کی
بیت گئے جو روز و شب نایاب سنہرے

اور یہ تو قدرت کا اصول ہے انسان کو کسی نہ کسی غم کا شکار ہونا ہی پڑتا ہے حقیقتوں کا انکشاف ہی انسان کے کرب و اذیت کی ابتدا ہے حاصل' لاحاصل ہوجاتا ہے' موت کمزوری بن جاتی ہے توانا وجود کمزور اور ناتواں ہوجاتا ہے آنکھوں کے دیپ مدھم ہوجاتے ہیں فکر کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں تب لگتا ہے آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار... اور ان دیواروں کے ساتھ بدن کی قید میں رہنا مشکل ہوجاتا ہے تو حصار

ذات سے باہر نکلنا بھی دشوار ہوتا ہے صرف دکھ باقی رہ جاتا ہے اور سوائے دکھ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ دکھ... آنکھوں کو آنسو بخشتا ہے لیکن رونا تو اسی بات کا ہے کہ رونے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا بس کرب ہی کرب۔ اذیت ہی اذیت... اور اس اذیت میں ایک سوز بھری آواز نے کمی کی تھی۔ کچھ دور سے مسجد سے فجر کی اذان کی آواز بلند ہوئی۔

موذن بھلائی کی طرف بلا رہا تھا خوابیدہ لوگوں کو بتا رہا تھا نماز نیند سے بہتر ہے۔

وہ خیالوں سے نکل کر دوپٹہ سر پر ڈال کر اذان سننے لگی۔

"آپی..." اذان ختم ہوتے ہی اس نے دعا پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ صغیر کی آواز بلند ہوئی۔

"آپی... امی کہہ رہی ہیں نماز پڑھ کر سموسوں اور دہی بڑوں کی تیاری کرلیں۔"

ماہم نے ایک نظر سیڑھیوں پر کھڑے صغیر کو دیکھا ٹھنڈی سانس لی اور دوبارہ آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ آسمان کے کناروں کی سیاہی سرخی میں تبدیل ہو رہی تھی تارے دیکھتے ہی دیکھتے ٹمٹما کر نظروں سے اوجھل ہوگئے تھے بادلوں کے نرم و نازک سے کنارے کے کچھ ہی اوپر دھندلے دھندلے آسمان کی ٹھنڈی وسعتوں میں سورج کی پہلی کرن روشنی میں ہلکے ہلکے چمک اٹھی تھی ماہم نے غور سے اس پہلی کرن کو دیکھا اور سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☼ ☼ ☼

سورج کی کرنیں بے آواز طریقے سے اس کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھیں ان دور دراز فاصلوں کو جہاں سے وہ آیا تھا سنہری روشنی کے لبادے میں چھپاتی جارہی تھیں۔ بڑھتا ہوا گرم غبار خود سپردگی کے ساتھ زمین سے لپٹے ہوئے مکانوں کو' باغوں کو' درختوں اور پہاڑوں پر ویران اداسی لیے خودرو پودوں کو اپنی گرم آغوش میں لے رہا تھا۔ ہر چیز پر ایک باریک سی تپش کی چادر چھا رہی تھی۔

اس نے دھوپ کی تپش سے بچنے کے لیے پیشانی پر دائیں ہاتھ کا چھجا سا بناتے ہوئے اس ڈھابے نما ہوٹل کے اس اینٹک قسم کے بورڈ پر نظریں دوڑائیں جس کی عبارت امتداد زمانہ کے ہاتھوں اپنے اصل رنگ و روغن سے محروم ہوچکی تھی اور الفاظ بھی خاصے مدھم ہوچکے تھے لیکن بہرحال وہ بورڈ پر لکھے الفاظ پڑھ چکا تھا۔

"مکہ ہوٹل..." اس نے دوبارہ دہرایا اور سرشاری سے قدم آگے بڑھا دیے ہوٹل کے باہر کچھ دکان دار لکڑی کے کیبن لگا کر اپنا مال بیچ رہے تھے۔

اس چھوٹے سے بازار میں روزمرہ کی ضروریات کا تقریباً" سارا ہی سامان موجود تھا اردگرد دو تین کشادہ چائے خانے اور بھٹیار خانے تھے۔ شوقین مزاج اپنے اپنے کاموں میں وقفہ دے کر اس وقت ہوٹل میں بیٹھے ریڈیو سے ہیجان انگیزی فلمی گیت سن رہے تھے چائے کے گلاس ان کے سامنے رکھے تھے اور وہ خوش گپیوں میں مصروف تھے کچھ لوگ خاموشی سے کھانے پینے میں مصروف تھے کچھ اپنے دوستوں سے بے ہودہ مذاق کررہے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے تھوک رہے تھے اور ہوٹل کا ویٹر چکری کی طرح گھوم کر ان کے آرڈر مہیا کررہا تھا کبھی کبھی چائے بنانے والے کو چائے بنانے میں دیر ہوجاتی تو ویٹر کو فحش سی گالی دی جاتی اور وہ دور سے ذرا سخت لہجے میں اپنے آنے کی اطلاع دیتا تنور جل رہا تھا روٹیاں پک رہی تھیں کچھ لوگ وہاں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ہوٹل کے باہر بھی بڑی بڑی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں اور لوگ پیٹ کا دوزخ بھرنے میں مصروف تھے۔ ان کے قریب ہی کئی کتے ان کو تک رہے تھے جیسے ہی کوئی ہڈی چھوڑ کر پھینکتا کتے اس پر جھپٹتے ان کی بھوں بھوں سے ایک شور اٹھتا تو گیتوں کا سارا مزا کرکرا ہوجاتا ویٹر بھاگ کر راستے سے دو چار پتھر اٹھا کر ان پر پوری طاقت سے مارتا پتھر ان کمزور کتوں کے جسموں پر اتنے زور سے لگتے کہ وہ لڑائی بند کرکے دوہرے ہوجاتے کتوں کے بھاگتے ہی فضا پھر لوگوں کی گفتگو اور ویٹر کی آرڈر دیتی آواز اور فلمی

گیتوں سے لرزنے لگتی۔

اس نے ایک طائرانہ سی نظر سارے ماحول پر ڈالی اور ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔

بوسیدہ سی ٹیبل کے گرد رکھی خستہ حال کرسیوں میں سے ایک کرسی گھسیٹ کر جوں ہی وہ بیٹھنے لگا وہ منحنی سا عمر رسیدہ شخص چراغ کے جن کی طرح نمودار ہو گیا۔

"سبزی ہے' دال ہے' قیمہ ہے' آلو گوشت' مٹر گوشت' مرغ فرائی اور کڑاہی ہے۔"

"دال کون سی ہے؟" اس نے بغور اس عمر رسیدہ شخص کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"دال چنا ہے۔ دال ماش ہے۔ صاب۔"

اس نے چند لمحے کچھ سوچا پھر بولا۔

"دال چنا لے آؤ۔"

"سادہ لے آؤں یا فرائی؟" مدقوق شخص نے چستی سے پوچھا۔

"فرائی ہی لے آؤ یار۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

ویٹر نے کندھے سے کپڑا اتار کر دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں اسے ہاتھ میں گردش دی اور پھر جھٹکا دے کر بڑے اسٹائل سے دوبارہ کندھے پر رکھ کر چلتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف منہ کر کے آواز لگائی' "صاب کے لیے دال چنا فرائی۔" ویٹر کی حرکات و سکنات دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شاید یہ رجنی کانت کا فین ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

چند لمحوں بعد وہ گرم گرم فرائی دال' تندور کی روٹی' ککڑی' ٹماٹر اور پیاز کی سلاد سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ڈھابے نما ہوٹل کی ظاہری حالت کے برعکس کھانا لذیذ تھا وہ سر جھکائے بڑی رغبت سے شکم سیری میں مصروف تھا جب اچانک ایک گھبرائی ہوئی سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"بھائی جان آپ کے پاس موبائل ہے؟" اس نے نظریں اٹھا کر آنے والے کا جائزہ لیا سرخ و سفید چہرہ' جگہ جگہ سے مسلے ہوئے میلے اور بوسیدہ کپڑے' بکھرے بال' چہرے پر باریک مونچھیں۔ چوڑی پیشانی' موٹی آنکھیں' مضبوط اور سڈول جسم کا مالک پریشان حال نوجوان اس کے قریب کھڑا اس سے مخاطب تھا۔ اس کی وضع قطع سے مفلوک الحالی عیاں تھی۔

اس نے سوالیہ نظروں سے نوجوان کو دیکھا تو وہ نوجوان گڑبڑا کر ہکلاتے ہوئے دوبارہ بولا۔

"وہ جی۔۔۔ مم۔۔۔ میرا نام حافظ عامر ہے۔ میرے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور ان کی طبیعت شدید خراب ہے اگر آپ کے پاس موبائل ہے اور صرف۔۔ منٹ کی بات کروا دیں آپ کا بہت بڑا احسان ہو گا۔"

نوجوان کی پریشان اور رو دینے والی آواز سن کر بے اختیار اس کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا اس نے موبائل نکال کر نوجوان کو تھمایا جسے نوجوان نے پھرتی سے اچک لیا اور پھر گھبرائے ہوئے انداز میں ایک نمبر پش کر کے کان سے لگاتے ہوئے روہانسی آواز میں بولا۔

"ہیلو۔۔۔ جی۔۔۔ کیسی طبیعت ہے ابا جان کی۔"

نوجوان نے دزدیدہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا وہ اسی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

"کیا۔۔۔ کون سے اسپتال میں۔"

نوجوان نے بات کرتے کرتے پریشانی سے ارد گرد دیکھا ریڈیو کی آواز کی باعث شاید وہ بات صاف طور پر سن نہیں پا رہا تھا اس نے کھانا کھاتے کھاتے سر اٹھا کر اسے تشویش سے دیکھا نوجوان ایک کان پر انگلی رکھے دوسرے کان سے موبائل لگائے دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

"آواز نہیں آ رہی۔ کون سے اسپتال۔۔۔" پھر بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اس نے گردن ہلا کر اسے سائیڈ پر جا کے بات کرنے کا اشارہ دیا اور بدستور کھانے میں مشغول رہا۔ نوجوان پریشان انداز میں بات کرتے کرتے ہوٹل سے باہر نکل گیا کھانا کھا کے پانی کا گلاس پی کر اس نے ارد گرد دیکھا۔ نوجوان کہیں نظر نہیں آیا اس نے داخلی دروازے کی طرف دیکھا نوجوان ہوٹل میں داخل نہیں ہوا تھا وہ آرام سے چلتا ہوا ہوٹل سے باہر نکلا لیکن اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن موبائل لے جانے والے نوجوان کا نام و نشان تک نہ تھا اس نے گھبرا کر ویٹر کی طرف دیکھا جو اسی کی جانب متوجہ تھا۔

اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلاتے ہوئے وہ بے اختیار بولا۔

"اوئے رجنی کانت ذرا ادھر آؤ۔" ویٹر پھرتی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور ایک ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے بولا۔

"ریمبو رجنی صاب۔۔۔" لیکن وہ اس کے اسٹائل اور الفاظ پر توجہ دیے بغیر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تم نے اسے دیکھا؟ ابھی جس لڑکے نے مجھ سے موبائل مانگا تھا کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"نہیں صاب۔۔۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ کون تھا وہ لڑکا؟ کیسا تھا وہ لڑکا؟ کہاں سے آیا تھا وہ لڑکا؟"

ویٹر کی "لڑکے" کی گردان پر اس نے بے زاری سے اسے دیکھا۔

"بکواس بند کرو۔" وہ دھاڑا اور اس کی دھاڑ پر ڈھابا ہوٹل کا مالک اور کھانا کھاتے کافی لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور وہ ان سب کو تفصیل بتا رہا تھا۔

"میرا نام ڈاکٹر شاہد ہے اس شہر میں مہمان ہوں۔ آپ کے ہوٹل میں کھانا کھانے آیا تھا کہ اچانک ایک گھبرایا ہوا سا نوجوان میرے پاس آیا اور بولا۔۔۔"

سارا واقعہ سننے کے بعد ایک بھلے آدمی نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اپنا نمبر ملا کے چیک کرو ڈاکٹر صاحب۔"

شاہد نے موبائل لے کر نمبر پش کیے اور لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا لیکن دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ سوئچ آف تھا۔

لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"نت نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں لوگوں نے لوٹنے کے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے جب لوگوں کی اپنی ضروریات جائز طریقے سے پوری نہیں ہوں گی تو وہ اسی طرح کے ناجائز طریقے اپنائیں گے۔" کسی دل جلے نے کہا۔

"یہ سارا قصور ہماری حکومت کا ہے۔"

لے دے کے تان حکومت پر ٹوٹی تھی شاہد خاموشی سے کھڑا سب کے تبصرے سن رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت ریمبو نے بھی اپنے اقوال زریں سے اسے مستفید کرنا ضروری سمجھا اور اسے اطلاع دی۔

"کم بے گیا جے ڈاکٹر صاب۔ حوصلہ کرو۔ بندہ اب ہاتھ نہیں آنے کا "چمپت" ہو گیا ہے۔"

☼ ☼ ☼

زمین و آسمان و بحر و بر سے
گزر جانے دو مجھ کو خشک و تر سے
کھلی آب و ہوا سے کھیلنے دو
بڑی مشکل سے میں نکلا ہوں گھر سے

خوب صورت نقشین فریم کے درمیان چمکتے گلاس ڈور کو پش کر کے اس نے اندر قدم رکھا یہ ایک چوکور کمرہ تھا۔ فرش پر گرین کلر کا بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا نرم و گداز نیلے کلر کے شنیل کے صوفے بہت نرمی کا تاثر دے رہے تھے آفس کی ڈیکوریشن مشرقی انداز میں کی گئی تھی۔ نازک سے ڈیکوریشن پیسز کمرے کے مکیں کے ذوق کا آئینہ دار تھے۔

اس کے اندر قدم رکھتے ہی کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا صوفوں پر تشریف فرما دونوں آدمی سینٹرل ٹیبل کے عقب میں ریوالونگ چیئر پر تمکنت اور شان سے بیٹھی اس سحر انگیز شخصیت کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ ان کی باتوں کو کسی خاطر میں نہیں لا رہی۔

فرزان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ دونوں حضرات نے ناگواری اور نیلم نے خوشگواری سے اسے دیکھا اور بے ساختہ اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی اس کے اس بے ساختہ انداز پر وہ

دونوں حضرات دوبارہ سے فرزان کی طرف متوجہ ہوئے۔

گرے رنگ کے شلوار سوٹ میں اونچے قد' خوب صورت چہرہ' ذہین آنکھوں والا ایک مکمل شخص بے نیازی سے کھڑا تھا اس کی شخصیت واقعی سحر انگیز تھی جس نے نیلم جیسی لڑکی کو مسحور کردیا تھا۔

"زہے نصیب... زہے نصیب... آیئے... آیئے فرزان صاحب۔"

نیلم بے اختیار ہی گھوم کر ٹیبل کے عقب سے نکلی اور فرزان کے قریب جا پہنچی۔ فرزان نے ایک نظر اسے اور پھر صوفوں پر بیٹھے ان دونوں اشخاص کو دیکھا جو نیلم کی بے قراری پر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نیلم نے فوراً" ہی خود پر قابو پایا اور بولی۔

"بیٹھیں نا فرزان..." پھر ان میں سے ایک صاحب کو مخاطب کرکے بولی۔

"ٹھیک ہے سیف صاحب آپ پرسوں تشریف لے آئیں۔ میں ڈسکشن کرلیتی ہوں۔ ان شاءاللہ ہمارا پرنٹنگ کا سارا کام آپ ہی کریں گے۔"

"بہت شکریہ مس نیلم... ہمیں امید ہے آپ ہمارے کام سے مطمئن ہوں گی اجازت دیں ان شاءاللہ پرسوں ملاقات ہوگی۔"

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ..." دونوں افراد آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے نیلم اور فرزان ان دونوں کو خاموشی سے جاتا دیکھتے رہے۔

کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی پھیل گئی اس خاموشی کو نیلم کی آواز نے مجروح کیا۔

"آپ کھڑے کیوں ہیں فرزان۔ بیٹھیں نا۔"

فرزان سنگل صوفے کی طرف بڑھا۔

"نہیں... نہیں وہاں نہیں آپ یہاں بیٹھیں۔" نیلم نے بڑے صوفے کی طرف اشارہ کیا فرزان نے قدم اس طرف بڑھا دیے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ میرے آفس آئے ہیں۔"

"آپ نے دعوت دی تھی مس نیلم سو میں حاضر ہوگیا۔" فرزان کے لہجے میں کچھ تھا۔ اس کے چہرے پر یک دم ہی شفق کے رنگ بکھر گئے ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔ فرزان نے غور سے اس کے سراپے پہ نگاہیں دوڑائیں سیاہ رنگ کے سوٹ میں کھلے بالوں اور ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ پیشانی پر آئے بالوں کو ایک ادا سے پیچھے کرتے ہوئے وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جیسا آپ کے بارے میں سن رکھا تھا اس کی روشنی میں مجھے لگا تھا کہ شاید آپ ہمارے ساتھ کام کرنا پسند نہ کریں۔ میں تو مایوس ہوگئی تھی لیکن اب آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے۔ میری پریشانی دور ہوگئی۔"

لیکن جو اس قسم کی رسمی باتوں کا خیر مقدم کرلیتا وہ فرزان ہی کیا۔

وہ چند لمحے نیلم کی غزالی آنکھوں میں جھانکنے کے بعد گویا ہوا۔

"ہم سب اپنی اپنی پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہماری سب سے بڑی پریشانی دوسروں کی خوشیاں ہوتی ہیں یہ دیکھ کر کہ دوسرے خوش اور شادمان ہیں ہم خود پریشان اور غمزدہ ہونا شروع کردیتے ہیں۔ جانتی ہیں کیوں مس نیلم۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر نیلم کی طرف دیکھا جو چہرہ دونوں ہتھیلیوں پر ٹکائے بڑی محویت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک تھی اور ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ یوں لگتا تھا اس کی ساری سحر انگیزی فرزان کے الفاظ و لہجے کے سحر میں ڈوب چکی ہو۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ فرزان کی شخصیت' اس کے الفاظ یقیناً" ایسے ہی تھے کہ دوسرے کی شخصیت اس کے مقابلے میں ضم ہوکر رہ جاتی تھی مقابل اس کے لفظوں کے تانے بانے میں الجھ کر رہ جاتا تھا۔ نیلم کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا فرزان کے الفاظ کا جادو ایک نشے کی طرح اس کے حواس پر طاری ہوگیا تھا اور وہ ان لفظوں سے زیادہ اس کے گمبھیر لہجے کے فسوں میں گم تھی۔ اس بے خودی میں وہ کیا جواب دیتی لہٰذا ہنوز خاموش رہی۔ فرزان نے ہی سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔

"ہم اپنی ہی مشکلات اور دوسروں کے چہرے ہی پڑھا کرتے ہیں۔ ہم دوسروں کی تکلیفوں اور مصیبتوں پر نظر نہیں رکھتے بلکہ ہمارے سامنے صرف ان کی آنکھوں اور ہونٹوں پر کھلی مسکراہٹ ہی ہوا کرتی ہے۔"

فرزان چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا تو نیلم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر ہم اپنے اوپر غور کریں تو کیا یہ سچ نہیں کہ اندر سے ہم جتنے بھی دکھی یا پریشان ہوں بیرونی طور پر خوش نظر آنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔"

فرزان نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور جیب کو ٹٹولنے لگا نیلم اٹھی اور میز پر رکھا سنہری سگریٹ کیس اٹھا کر فرزان کی طرف بڑھا دیا۔ فرزان نے بغیر کچھ کہے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگایا۔ نیلم نے لائٹر جلا کر شعلہ فرزان کے سگریٹ کے قریب کردیا فرزان نے ایک طویل کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑا۔ نیلم لائٹر سے کھیلنے لگی۔ وہ کون سے مہمان تھے جن کے واسطے یہاں ایک لڑکی اپنی ٹیبل پر سگریٹوں کا انتظام رکھتی تھی فرزان نے اس پر غور نہیں کیا مگر پھر چونک گیا اس نے دیکھا نیلم اپنی مخروطی انگلیوں میں سگریٹ دبائے ہونٹوں سے لگا رہی تھی۔

فرزان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ نیلم نے سگریٹ سلگا کر دھواں فضا میں چھوڑا اور اس کا دھواں فرزان کے چھوڑے ہوئے دھوئیں سے مدغم ہوگیا۔ وہ خوشی کے عالم میں فضا میں دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

فرزان دوبارہ کش لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ہماری مسکراہٹ اپنی پریشانی کو دوسروں سے چھپائے رکھنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے کوئی نہیں چاہتا کہ وہ دوسروں کے سامنے خود کو غیر مطمئن ظاہر کرے' اگر وہ ناخوش ہے تب بھی دوسروں کے سامنے خود کو آسودہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ خود کو ناآسودہ اور غیر مطمئن ظاہر کرنا دراصل اپنی بے آبروئی کا اعتراف اور شکست تسلیم کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ لیکن ہم اندر سے وہی ہوتے ہیں جو اصل میں ہیں اور اندر... اندر صرف آنسو بھرے ہوئے ہیں بس... لیکن ہم باہر سے خوش نظر آنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی ہمیں دیکھتا ہے تو ہمیں مسکراتے ہوئے پاتا ہے اور اس کے برعکس جب وہ اپنے اندر جھانکتا ہے۔ خود کو مصائب اور آلام میں گھرا پاتا ہے۔"

فرزان کی بات پر نیلم نے اپنے ہونٹ سکوڑے تھے۔ فرزان نے اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزرتے دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر غیر ارادی طور پر خاموش رہا۔ پھر نیلم ہی نے کہا۔

"لگتا ہے فرزان صاحب آپ بھی اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن نہیں ہیں۔"

فرزان نے اسے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

سانسوں کا بوجھ ڈھونے کو جینا کہو اگر
زندہ ہیں زندگی کی جفاؤں کے روپ میں

فرزان نے حسب عادت شعر سنایا۔

"صرف سانسوں کا بوجھ ہی اٹھاتے ہیں یا کسی اور کا بوجھ بھی اٹھانے کی سکت رکھتے ہیں۔" نیلم نے مخمور لہجے میں پوچھا فرزان کسی احساس کے تحت سنبھل کر بولا۔

"مس نیلم ایک شخص نے اپنے مصائب اور آلام سے گھبرا کر اپنے رب سے دعا کی کہ میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے غم اور دکھ نہ دے' کیونکہ اگر میں پریشانیوں کا حق دار ہوں تو یقیناً" مجھے یہ ملنی چاہئیں۔ لیکن میرے مالک اتنا کہنے کی اجازت تو ہو کہ مجھے حد سے زیادہ پریشانیوں میں مت ڈال' دنیا کا ہر شخص ہنسی خوشی زندگی گزار رہا ہے۔ ہنستا مسکراتا نظر آتا ہے' لیکن میں

اکیلا پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہوں۔ غم کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہوں۔ آخر میں نے ایسا کیا گناہ کیا ہے؟ اے میرے رب مہربانی فرما اور اپنی رحمت سے میرے مصائب کے بدلے مجھے کسی اور کے مصائب عطا کردے۔ میرے دکھوں کو اپنی پسند کے کسی اور شخص سے بدل دے میں قبول کرلوں گا۔"

فرزان کچھ دیر خاموش رہا۔ نیلم اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی اس کے اگلے جملے کی منتظر تھی۔ کچھ لمحوں بعد فرزان گویا ہوا۔

"اس رات اس نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ ایک بہت بڑی عظیم الشان حویلی ہے کیا دیکھتا ہے کہ لاکھوں لوگ اپنے کندھوں پر اپنے اپنے دکھوں کے گٹھڑ لاد کر چلے آرہے ہیں۔ دکھوں اور پریشانیوں کے اتنے بھاری بوجھ دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا۔ اس نے اپنے پڑوسی کو دیکھا۔ جسے اس نے ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھا تھا اور ہر صبح اس نے جب بھی اس کی خیریت دریافت کی وہ یہی جواب دیتا کہ اللہ کا شکر ہے سب کچھ بہتر ہے۔

لیکن اس کا وہی پڑوسی اب اپنے دکھوں کا اتنا ہی بوجھ اٹھائے ہوئے تھا جتنا کہ خود اس کا اپنا تھا۔ کیا عقل مند کیا بے وقوف' کیا امیر' کیا غریب' کیا صحت مند کیا بیمار ہر کوئی ایک جتنا بوجھ اٹھائے چلا آرہا تھا۔ وہ حیرت کے سمندر میں غرق ہوگیا۔ لوگوں کی مصیبتوں کو آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اچانک ایک بلند آواز سنائی دی۔

"اپنی اپنی گٹھڑیاں کھونٹی پر لٹکادو۔"

اس آدمی سمیت ہر شخص نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ ہر شخص اپنے دکھوں سے فوری نجات چاہتا تھا۔

آواز دوبارہ بلند ہوئی۔

"اب جو بھی چاہے اپنی پسند کی گٹھڑی اٹھالے۔"

فرزان لحظہ بھر کو رکا اور نیلم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

آپ سمجھ رہی ہوں گی اس آدمی نے کسی دوسرے کی گٹھڑی اٹھالی ہوگی۔ نہیں۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بلکہ اس سے پہلے کہ کوئی اور اس کی گٹھڑی اٹھالیتا اس نے بعجلت اپنی گٹھڑی پر قبضہ کرلیا۔ اس نے اپنی ہی گٹھڑی حاصل کرنا بہتر سمجھا۔ کیونکہ اس کے اندر موجود مصائب کا وہ پہلے سے ہی عادی تھا۔ کیا خبر دوسروں کی گٹھڑیوں میں کس قسم کے مصائب بھرے ہوئے ہوں۔

پھر اس آدمی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ جس نے اس کے دکھ اسے واپس کردیے تھے۔ اس نے آئندہ کے لیے اس قسم کی کوئی سی بھی دعا مانگنے سے توبہ کرلی۔"

قصہ مکمل کرتے ہی فرزان اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"ارے کیا ہوگیا' آپ کھڑے کیوں ہوگئے' بیٹھیے نا۔" نیلم نے بے اختیار کہا تو فرزان نے جواباً کہا۔

"اٹھانے کی سکت بھلے ہی موجود ہو' لیکن اپنا ہی بوجھ اچھا ہوتا ہے' دوسروں کا نہیں۔

میری بیوی میرا انتظار کررہی ہوگی مس نیلم' میں چلتا ہوں۔"

فرزان کی بات سن کر نیلم کے دماغ میں دھماکے ہوئے تھے۔ فرزان جو اس دوران چلتا ہوا بیرونی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر پلٹتے ہوئے گویا ہوا۔

جس کی خاطر سر کٹانے ہم گئے قاتل کے پاس
رسم الفت وہ ادا کرتے ہوئے ڈرتے رہے

ان کو اپنی ذات سے بڑھ کر رہا محشر کا خوف
اور ہم ذکر خدا کرتے ہوئے ڈرتے رہے

فرزان نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ جبکہ نیلم اپنی جگہ پہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"اس طرح ساکت' خاموش اور گم سم کب تک بیٹھی رہوگی۔ تقدیر پر شاکر رہنا سیکھو۔" میراں مدبرانہ انداز میں بولی۔

"تازہ چھولے' مرغ چھولے... گرم چھولے۔" باہر گلی میں بلند ہوتی غلام عیسیٰ کی مخصوص آواز ایک سنائی دی۔ صبح ہی صبح ناشتے کے وقت سنائی دیتی یہ آواز ہمیشہ کا معمول تھی جو نہ جانے کب سے اس منظر کا حصہ تھی۔ یہ گلیاں اور ان گلیوں کے مکین اس آواز سے مانوس تھے۔

"ماں یہ تفریق' یہ تضاد کیوں۔" وہ کراہ اٹھی۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے آخر! کچھ لوگ تو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور کچھ ایک چمچہ اناج کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں۔ کچھ پیدائشی امیر تو کچھ لوگ غربت کی آغوش میں جنم لیتے ہیں۔ کیوں ہے یہ تفریق... آخر ایسا کیوں ہوتا ہے۔"

"ایسا نہیں کہتے بیٹا' یہ اللہ کا نظام ہے۔" میراں نے ٹوکا۔

"کیوں ہے یہ نظام' کیا سکون اور خوش حالی پر ہمارا کوئی حق نہیں۔" ایک ایک کر کے اندر کے سارے زخم اس کی زبان سے پھسلتے ہوئے باہر آگئے۔

"شکوہ کے بجائے شکر ادا کرو۔ ہم بہت سے لوگوں سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔"

"نہیں... کوئی بہتر زندگی نہیں گزار رہے۔" وہ معترض ہوئی۔ میراں نے اپنی انتہائی فرماں بردار' صابر اور ہمیشہ قانع رہنے والی بیٹی کو حیرت سے دیکھا۔ وہ ایسی نہیں تھی' اس نے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔ اب اس کے منہ سے یہ باتیں سن کر میراں حیران نہ ہوتی تو کیا ہوتی۔

وہ کچھ دن سے اس کی بدلی ہوئی حالت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی ذہین' سمجھ دار بیٹی دنیا کو غم و حسرت کے نقاب کے اندر سے دیکھنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی سوالیہ کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ جو چست' پھرتیلی اور خوش دلی کے ساتھ ان حالات سے نبرد آزما تھی۔ جس نے ہمیشہ ماں باپ کو قوت اور توانائی سے سرشار کیا تھا اب خاموش اور مضمحل سی رہنے لگی تھی۔

"ماہم بیٹا تم تو میری قوت تھیں۔ تم ایسی باتیں کررہی ہو۔"

"ماں مجھے ابا کا سائیکل پر گھوم پھر کر گلی گلی خوار ہو کر چھولے بیچنا دکھی کرتا ہے۔ اتنی جان توڑ محنت انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کررہی ہے۔" "تمہیں تو اپنے باپ پر فخر کرنا چاہیے کہ تم غلام عیسیٰ جیسے عظیم باپ کی اولاد ہو۔ وہ اپنی حق حلال کی کمائی سے اپنے بچوں کی پرورش کررہا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے اعلا مستقبل کے خواب دیکھتا ہے اور ان خوابوں کو تعبیر دینے کے لیے وہ اتنی محنت کررہا ہے۔"

ماہم نے اپنی ماں کو دیکھا۔ کم عمری میں ہی ان کے بال بہت تیزی سے سفید ہوگئے تھے۔ ان کے چہرے پر لکیریں پڑ گئی تھیں۔ ہنسنا تو وہ عرصے سے بھول چکی تھیں۔ وہ بھی تو اپنے شوہر کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ صبح ہی صبح اٹھ کر سموسے اور دہی بڑے بنا کر قریب ہی اسکول کی کینٹین میں بیچتی تھیں۔

"آپ بھی اتنی محنت کرتی ہیں' کیا زندگی بس محنت کرتے رہنے کا نام ہے۔" وہ ایک پڑھی لکھی بی کام کی اسٹوڈنٹ ہو کر اس طرح کی گفتگو کررہی تھی۔ میراں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"تمہارے اندر یہ کس قسم کے جذبات اور سوالات سر اٹھا رہے ہیں۔ بیٹا آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہی ہیں۔ ہم انسانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم زندگی کے بہت زیادہ حصے کو ایک دم مٹھی میں کرلینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم ساری زندگی کو ایک سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک ہی دن میں پوری زندگی بسر نہیں کرتے۔ زندگی میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا یعنی کئی الگ الگ رنگ بھرنے پڑتے ہیں۔"

ماہم نے اپنی ماں کو دیکھا' جس نے کسی اسکول سے نہیں پڑھا تھا مگر پڑھے لکھے لوگوں کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

"آپ یہی سوچتی ہیں نا کہ یہ وقت گزر جائے تو آنے والا وقت بہت حسین ہوگا۔"

"ہاں میں پر امید ہوں۔" میراں نے سموسوں کی ٹرے سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں غلام عیسیٰ کی بیوی ہوں۔ اس عظیم انسان کی بیوی جو سائیکل پر گھوم پھر کر گلی گلی خوار ہو کر چھولے بیچتا ہے۔ لیکن وہ تمہاری پڑھائی کا سارا خرچ اٹھا رہا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے اعلا مستقبل کے خواب دیکھتا ہے۔ وہ محنتی شخص قابل تضحیک نہیں بلکہ تمہیں تو اس کی بیٹی ہونے پر فخر ہونا چاہیے۔

مجھے دیکھو... میں سارا دن اسکول کی کینٹین میں یہ سموسے اور دہی بڑے بیچتی ہوں' لیکن مجھے فخر ہے کہ میں تمہارے باپ کا بوجھ بانٹتی ہوں۔ اس کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ تم صاف ستھرا لباس پہنتی ہو۔ پریس کیا ہوا یونیفارم پہن کر کالج جاتی ہو' تمہیں کس بات کی شرمندگی ہے۔ کیا اس بات کی کہ تم ایک چھولے والے کی بیٹی ہو یا اس بات کی کہ تمہاری ماں ایک اسکول کی کینٹین چلاتی ہے۔

اچھے کپڑے پہنتی ہو' پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہو' گھر کا آرام تمہیں حاصل ہے۔ کالج جاتی ہو۔ تعلیم حاصل کر رہی ہو۔ پھر تمہارے ہونٹوں پر یہ شکوہ کیوں؟ ہم نے تو تمہیں ایک ایک لقمہ رزق حلال کھلایا ہے' محنت کر کے' پال پوس کر تمہیں جوان کیا ہے۔ اسی ماحول میں تم نے سانس لیا ہے اور اسی انداز میں تم نے پرورش پائی ہے۔ تمہاری پلکوں پر سہانے خواب کس نے ٹانک دیے۔ جس ماحول سے آج تم بے زاری کا مظاہرہ کر رہی ہو' اسی ماحول میں زندہ رہتے مجھے بیس سال بیت گئے۔ خواب دیکھنا بری بات نہیں بیٹا' مگر اپنی اصل کو' اپنی بنیاد کو نہیں بھولنا چاہیے۔ اپنی محنت سے کوئی مقام حاصل کر لینا ہرگز برا نہیں' کسی دوسرے کو حقیر سمجھنا انسانیت کے منافی ہے' جو کسی صورت بھی درست عمل نہیں۔"

میراں بہت دن سے ماہم کے بدلے انداز نوٹ کر رہی تھی۔ آج موقع ملا تو سمجھانے بیٹھ گئی۔ میراں کی بات ختم ہوتے ہی ماہم جلدی سے بولی۔

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مجھے آپ دونوں کی اولاد ہونے پر فخر ہے' میں تو اللہ کی اس تفریق کی بات کر رہی ہوں جب سب انسان برابر ہیں تو پھر یہ اونچ نیچ' امیری' غریبی' یہ طبقاتی فرق آخر کس لیے' سب انسان ایک جیسے کیوں نہیں؟ دولت اور درجات کی تقسیم کرتے ہوئے مالک نے مساوات سے کام کیوں نہیں کیا۔ آخر اس درجہ بندی کے پیچھے کیا اسرار ہے۔ کون سی حقیقت پوشیدہ ہے جب سب انسانوں کے نقش و نگار' جسم' دل و دماغ سب چیزیں ایک جیسی ہیں تو رہن سہن میں اتنا فرق کیوں' آخر کس لیے؟ دل تو سب کے سینے میں دھڑکتا ہے۔ جذبات تو ہر دل میں جاگتے ہیں تو پھر یہ تفریق کیوں' یہ تضاد کیسا؟"

"بیٹا وقت گزرے گا تو یہ بات بھی تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ وقت سب کچھ سکھا' سمجھا دے گا تمہیں' میں تو بس اتنا جانتی ہوں دنیا کا تمام فلسفہ صرف دو لفظوں میں پوشیدہ ہے اور وہ دو لفظ ہیں برداشت اور عزم...

برداشت کرو اور عزم سے اپنی قوت کو کام میں بدل ڈالو' بے کار رہو گی تو وہیں پڑی رہو گی۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا مالک کے ہر کام میں کیا راز کیا' بھید ہے' وہی جانتا ہے' میں یا تم اس پر تنقید کرنے والے یا سوال کرنے والے کون ہوتے ہیں۔

چلو اٹھو' کالج جانے کی تیاری کرو میں بھی جا رہی ہوں۔" میراں نے کہا' ماہم نے اٹھ کر میراں کے گلے میں پیار سے بازو حمائل کیے اور لاڈ بھرے انداز میں بولی۔

"شاید آپ میری باتوں سے ناراض ہو گئیں۔ میرا مقصد آپ کا دل دکھانا نہیں تھا۔ پھر بھی اگر آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو مجھے معاف کر دیں۔" میراں نے غصے سے گردن جھٹکی اور چہرہ دوسری جانب گھما لیا۔

ماہم نے دونوں ہاتھوں کے ہالے میں میراں کا چہرہ بھر کر پیار سے اپنی جانب گھمایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر ٹھنکتے ہوئے بولی۔

"معاف کر دو ناماں۔"

☆ ☆ ☆

"کیسے معاف کر دوں، نقصان کیا تمہارا باپ پورا کرے گا؟" کمرے میں ایک دھاڑتی ہوئی آواز گونجی۔

"معاف کر دیں ملک صاحب، غلطی ہو گئی، آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" جواباً وہی فریادی آواز بلند ہوئی۔

یہ ایک حال کمرہ تھا، جس میں جگہ جگہ سامان بکھرا پڑا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں بے ترتیب انداز میں رکھا ڈبل بیڈ جس پر بچھے فوم کے گدے پر جابجا پینٹ کے دھبوں کی مینا کاری نظر آ رہی تھی۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ پڑا ہوا تھری سیٹر صوفہ سیٹ، جس پر دیواروں اور کھڑکیوں سے اتارے گئے پردوں کا ڈھیر تھا۔ صوفوں کے سامنے بڑی سی جہازی سائز کی ٹیبل اور اس پر رکھا ہوا کمپیوٹر بھی پینٹ سے بنے ہوئے نقش و نگار سے محفوظ نہ تھا۔

ایک کونے میں دیوار کے ساتھ فولڈ کیے ہوئے کارپٹ کھڑے کر دیے گئے تھے۔ سیڑھی اور اسٹول جنہیں عرف عام میں "گھوڑی" کہا جاتا ہے، کی کمرے میں موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ یہاں پینٹ کا کام کیا جا رہا تھا۔ ایک طرف آدھا کٹا ہوا ڈرم بھی موجود تھا۔ جس میں ڈسٹمپر تیار کر کے رکھا گیا تھا۔ بالٹی نما چھوٹے چھوٹے ڈبے برش اور اسکریپر جابجا بکھرے نظر آ رہے تھے۔

وسطی حصے میں موجود بیڈ کے اس کونے پر براجمان کلف لگا کڑکڑاتا سوٹ پہنے اکڑ کر بیٹھا ہوا وہ نوجوان اس منظر میں مس فٹ محسوس ہو رہا تھا۔ باریک نوکیلی مونچھیں، گندمی رنگت، غلافی آنکھیں، مضبوط جسامت کا مالک یہ نوجوان کسی اچھے خاندان کا چشم و چراغ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گتے کا ایک چوکور ڈبا موجود تھا۔ جس میں ایک خوب صورت قیمتی سوٹ سجا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سرخ کپڑے کا یہ پھول دار سوٹ اس وقت پینٹ کے رنگ برنگ کے دھبوں سے لتھڑ کر عجیب و غریب صورت اختیار کر گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پینٹ کے یہ چھوٹے بڑے بے ترتیب دھبے کپڑے کے ڈیزائن کا حصہ ہوں۔

سامنے ہی ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ گزار کر کانوں کو پکڑے ہوئے ایک شخص مرغا بنا ہوا تھا۔ جس کی کمر پر کم از کم پندرہ اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ دائیں بائیں دو آدمی ہاتھ باندھے مودب کھڑے تھے۔ بیڈ پر بیٹھے کلف لگے نوجوان کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے مرغا بنا شخص دوبارہ منمنایا۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ ملک صاحب، ایک بار معاف کر دیں، آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

ملک کے چہرے پر مزید تناؤ کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

"اوئے تم کیا سمجھتے ہو، تمہاری جس ماں کے لیے میں نے یہ سوٹ خریدا تھا اسے تمہاری یہ ڈیزائننگ بہت پسند آئے گی۔ بھینس جیسی بڑی بڑی آنکھیں ہیں تمہاری، تمہیں ٹیبل پر رکھا یہ کھلا ہوا ڈبا نظر نہیں آیا۔ اسے اٹھا کر بند نہیں کر سکتے تھے۔ کیا حال بنایا ہے تم نے پورے کمرے کا، میں نے کچھ نہیں کہا، لیکن یہ سوٹ....

اوئے فضل دین دس اینٹیں اور رکھ اس کے اوپر...."

نوجوان ملک صاحب نے غصے کی شدت سے دھاڑتے ہوئے مودب کھڑے ایک شخص کو مخاطب کیا تو وہ تیزی سے حرکت میں آ گیا اور مرغا بنے شخص کی کمر پر رکھے بوجھ میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔

ملک صاحب بھی شاید اپنی جگہ ایک ہی تھے جنہیں اس کمرے میں قیمتی فرنیچر، کمپیوٹر اور ریشمی پردوں کے بجائے صرف ایک سوٹ کے خراب ہونے کا غم کھائے جا رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ کمرے میں موجود ہر چیز کا بیڑہ غرق ہو چکا تھا۔ ملک صاحب نے دوبارہ سوٹ پر نظر کی تو ان کا غصہ دوچند ہو گیا۔ انہوں نے قریب ہی بیڈ پر رکھی گن اٹھائی اور قدم قدم چلتے ہوئے مرغا بنے شخص کی جانب بڑھنے لگے۔ تو اس شخص کی فریاد میں شدت آ گئی۔

"معاف کر دیں ملک صاحب آئندہ احتیاط کروں گا۔ بس ایک بار معاف کر دیں۔"

لیکن ملک صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ انہوں نے گن کو نال کی جانب سے پکڑا اور گھما کر پوری قوت سے اس شخص کی تشریف پر جما دی۔

"معافی دے دو ملک صاحب؟" مرغا بنا شخص گھٹنوں اور پیروں کے بل آگے کی طرف سرکتے ہوئے گھگھیانے لگا۔ لیکن ملک صاحب گن دوسری مرتبہ فضا میں بلند کر چکے تھے اور دوسری بار بھی انہوں نے پوری قوت سے گن اس شخص کو رسید کر دی۔ پھر اس پر بھی بس نہیں ہوا، ملک صاحب کا پاؤں ہوا میں بلند ہوا اور انہوں نے زوردار ٹھوکر اس شخص کے پہلو پر ماری اور وہ اینٹوں سمیت لڑھک کر دور جا گرا۔

"اوئے فضل دین گاڑی نکالو۔"

اور فضل دین بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ملک صاحب نے گن دوسرے مودب کھڑے آدمی کی جانب اچھال دی۔ جسے اس نے بڑی خوب صورتی سے کیچ کر لیا تھا۔ ملک صاحب نے آگے بڑھ کر زمین پر پڑے آدمی کو ایک اور ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا۔

"فاروق ملک نام ہے میرا۔" اور پھر پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ معاً گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز ابھری اور پھر دور ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ بس کبھی کبھی زمین پر بکھرے پڑے شخص کی سسکاری سی گونج اٹھتی تھی۔

ہم کو کسی بازی نہ کسی چال نے مارا
مارا تو ہمیں شامت اعمال نے مارا
باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یاروں ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا

"کیا آپ کی خدا سے ملاقات ہوئی۔" ضیغم نے سوال کیا۔

"ہاں بالکل صبح کام پر آتے ہوئے راستے میں ملا تھا۔ سلام دعا ہوئی، پھر میں نے کہا۔ "شکر ہے آپ مل گئے...."

"مجھے تمہاری سوچ پہ حیرت ہے یار، یہ بالکل ویسا ہی سوال ہے جیسا کسی پولیس والے سے توقع کی جا سکتی ہے۔"

فرزان نے حسب عادت پرسکون لہجے میں کہا۔

"ذرا تم میرے ایک سوال کا جواب دو کہ کیا خدا کبھی کسی سے جدا ہوا ہے۔ بھائی میرے اس قسم کا کوئی خدا نہیں ہوتا۔ بالفرض محال ایسا ہو بھی جائے تو وہ خدا آپ کی اپنی تخلیق ہو گا اور اس سے ملنا اتنا ہی پرفریب ہو گا جتنا کہ اسے کھو دینا۔

خدا کو پانا.... خدا کو حاصل کرنا.... خدا سے مل لینا.... یہ الفاظ بہت گمراہ کن ہیں۔ کیونکہ میں اگر کہوں کہ خدا مجھے مل گیا تو اس کا مطلب ہو گا کہ میں نے اسے گمشدہ فرض کر لیا تھا۔ وہ تو پہلے سے ملا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہم اسے کھو بیٹھے ہیں تو وہ پھر بھی ہمارے ساتھ ہو گا۔"

فرزان خاموش ہوا تو اس زیر تعمیر عمارت کے اس مخصوص ہال کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ جہاں وہ اس سے پہلے بھی بیٹھا کرتے تھے۔

حسب معمول آج بھی فرزان، استاد اچھو اور کھاری سب کے سب وہاں موجود تھے۔ تب یاسر ضیغم کو لے کر وہاں آ دھمکا۔ ضیغم ادھر سے گزر رہا تھا تو فرزان کی خیریت دریافت کرنے ورکشاپ آ گیا اور یاسر اسے ساتھ لے کر ان کے مخصوص ڈیرہ پر آ پہنچا۔ جہاں وہ روزانہ دوپہر کے وقت بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور دیگر "شوق" بھی پورے کرتے تھے۔

فرداً فرداً سب سے مصافحہ کر کے اور خیریت دریافت کرنے کے بعد بیٹھتے ہی ضیغم کا پہلا بے تکا سوال تھا جس کا فرزان نے مکمل اور جامع جواب دیا تھا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، یہی نا۔ لیکن تھانے میں تو تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔" ضیغم نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تماشا تو نہ تھا، پھر بھی تماشا بن کر میں نے خود شان بڑھائی ہے تماشائی کی

"نہیں میں یہ نہیں کہہ رہا۔ میں اب بھی وہ کہتا ہوں' بس سمجھنے کا فرق ہے۔"

ضیغم نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تو فرزان بولا۔

"چلو میں سمجھاتا ہوں' شاید بات تمہاری عقل میں آجائے۔

دیکھو میں یہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ اگر تم مجھے ڈھونڈنے نکلو گے تو پہلے تمہیں میرے لباس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر تم میرے کپڑوں سے ہی خوف زدہ ہوگئے تو تم مجھ سے کبھی بھی واقف نہیں ہو سکو گے۔ ہاں اگر تم میرے لباس سے ڈرے بغیر مجھ سے نزدیک تر ہوتے جاؤ گے تو لباس کے نیچے تمہیں میرا جسم ملے گا۔ درحقیقت میرا جسم بھی تو میرا لباس ہی ہے۔ اگر تم جسم کو تسلیم نہیں کرتے تو اس تک رسائی کیسے حاصل کرو گے جو اندر موجود ہے۔ وہی ایک۔۔۔ جس سے ملنے کا ہر کوئی خواہش مند ہے۔ کتنی دلچسپ بات ہے کہ جسم کی دیواریں ہٹا کر وہ خود بڑے وقار کے ساتھ اندر بیٹھا ہوا ہے۔ جسم فانی اور وہ اندر موجود لافانی۔

ہے نا حیرت کی بات؟ لیکن سچ یہ ہے کہ جب تک خدا کو کوئی اپنے اندر محسوس نہیں کرے گا' وہ اس کو کہیں بھی نہیں پہچان سکے گا۔ جس نے ابھی تک اس کو اپنے اندر نہیں پایا وہ اسے کسی دوسری جگہ کیسے شناخت کرے گا۔ پہلے آپ خدا کو اپنے اندر محسوس کریں۔ خود محسوس کریں گے یہی نزدیک ترین راستہ ہے۔

من و تُو کے مابین فرق صرف اسی وقت تک رہے گا' جب تک تم اپنے اندر کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ جب ہم اپنے آپ میں داخل ہوں گے تو "میں" کے ساتھ ساتھ "تو" بھی غائب ہو جائے گا۔ اس کے بعد جو بچے گا وہ "کل" کہلائے گا۔ وہی سچ ہے۔

جس روز مہاتما بدھ کو عرفان حاصل ہوا' لوگوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا۔

"تم کو کیا مل گیا۔" مہاتما بدھ نے جواب دیا۔

"مجھے کچھ نہیں ملا' بس یہ ہوا ہے کہ میں نے اسے دیکھ لیا' جو مجھ سے کبھی دور نہیں تھا۔ مجھے وہ مل گیا ہے جو میرے پاس پہلے سے موجود تھا۔"

گاؤں کے لوگوں نے اظہار ہمدردی کے طور پر کہا۔

"یہ تو بہت برا ہوا' آپ کی محنت رائیگاں ہو گئی۔"

مہاتما بدھ نے جواب دیا۔

"ہاں میں نے بے کار اتنی مشقتیں اٹھائیں۔ لیکن اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے اب اس کی کھوج میں نکلنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اب میں تلاش میں بھٹکوں گا نہیں۔ میں جان چکا ہوں کہ میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھا اور میرے لیے یہی سب سے بڑا فائدہ ہے۔"

فرزان نے اپنی بات ختم کی تو ضیغم سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"میں سمجھ گیا فرزان' تمہارا کہنے کا مقصد ہے کہ جس کو اپنی ذات کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے وہ ہر چیز کی حقیقت جان لیتا ہے۔" فرزان نے بغور اس کی جانب دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

"ہاں میں یہی کہہ رہا ہوں۔ اس دن بھی میں یہی کہہ رہا تھا۔ جو تمہارے پولیس والوں کی سمجھ میں کسی صورت نہیں آسکتا تھا اور یہ ہمارے مذہبی ٹھیکیدار اس بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔ کیونکہ جن کو ہم پیشوا سمجھتے ہیں۔ دراصل ان مسائل کی تہ میں وہی ہوتے ہیں۔ وہی سارے فساد کی جڑ ہیں جو کہتے ہیں لوگوں کو تبلیغ کرو کہ دشمنی چھوڑ کر سب ایک ہو جائیں' لیکن اپنا اپنا نکتہ نظر مسلط رکھنے والے یہی لوگ تصادم کے ذمہ دار بھی ہیں۔

جب تک ان لوگوں کے خدا مختلف رہیں گے۔ عبادت گاہیں مختلف رہیں گی' دعائیں مختلف رہیں گی' فرقہ بندی کی یہ وبا ختم نہیں ہوگی۔ بھلے آدمی! اللہ تو ایک پیار' ایک محبت کا نام ہے' جو تھا' جو ہے' جو رہے گا' وہی رب ہے۔ وہ جو مسجد میں ہے' قتل گاہوں میں بھی اتنا ہی موجود ہے۔ معبد میں بھی وہی ہے اور خانقاہوں میں بھی وہی ہے۔ چور کے اندر بھی وہی ہے اور درویش میں بھی وہی ہے' کیا ہندو' کیا مسلمان' سب

...ہی براجمان ہے۔ مگر یہ بات میں کر سکتا ہوں' کوئی ...کر سکتا ہے' تم کر سکتے ہو ضیغم رشید' لیکن حضرتِ ...نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ بات مان لیں کہ وہی ایک ...ت جو ہر جگہ سب میں کار فرما ہے تو ان کی خدا سازی ...منعت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔"

...ب گنگ بیٹھے تھے' کیونکہ فرزان آج کچھ زیادہ ...بول گیا تھا۔

ضیغم کے چہرے پر زلزلے کے تاثرات تھے۔ پھر وہ بے اختیار اٹھا اور بولا۔

"مم۔۔۔ میں چلتا ہوں۔۔۔ شاید تم ٹھیک ہی کہہ ...رہے ہو۔" اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان سب ...کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فرزان نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر سب کے چہروں ...پر ڈالی' پھر گویا ہوا۔

آسمان سے بھی پرے پرواز دل
معجزہ ہے یا کہ ہے اعجاز دل
پوچھتے ہو کیا ہمیں رہنے بھی دو
کیا کرو گے جان کر تم راز دل

جامن اور فالسے کے درختوں میں چھپے ہوئے اس گھر کی سفید پتھروں سے بنی بلند دیواریں سکون و اطمینان کے ساتھ مضبوط چھت کو اپنے سروں پر لیے خاموش کھڑی تھیں۔

صاف و شفاف سرخ اینٹوں سے بنا ہوا صحن' وسیع ...ن اور مغربی پہلو میں لگا سب سے گھنا برگد' اس بوڑھے برگد پر سارا دن چڑیاں سرخ رنگ کے پھلوں کو کتر کتر کر پھینکتی رہتی تھیں اور صحن گندا کرتی رہتی تھیں۔

ذکیہ بیگم اور زارا دن میں کئی بار صحن صاف کرتیں بھی کبھی تو جھنجلا بھی جاتیں لیکن کوئی بھی ان درختوں کے کاٹنے کے حق میں نہ تھا۔

زارا نے پہلے تو کھلے دروازے کو حیرت سے دیکھا پھر ...ن میں قدم رکھ دیے صحن خلاف معمول پتوں اور جامنوں سے رنگین ہو رہا تھا۔ ذکیہ بیگم صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے صحن صاف کرتی تھیں صحن میں بکھرے پتے اس بات کے گواہ تھے کہ آج ان پر کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے زارا اپنی حیرت پر قابو پاتی آگے بڑھی۔

ذکیہ بیگم بیرونی دروازہ بند کرنے کے ارادے سے صحن میں آئی تھیں زارا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں وہ حیرت سے ارد گرد دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم کو سامنے سے آتے دیکھ کر تیز قدموں سے ان کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم امی۔ خیریت تو ہے یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے۔"

"وعلیکم السلام۔ دودھ لینے آئی تھی' دودھ والے سے' پتیلی باورچی خانے میں رکھ کر اب دروازہ بند کرنے ہی آرہی تھی۔ آؤ اندر آؤ۔" ذکیہ بیگم پلٹ کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئیں زارا ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔

"مجھے پتا چلا تھا کہ بابا لاہور میں ہیں اور ان کی طبیعت ناساز ہے۔" ذکیہ بیگم جو اس دوران کمرے میں داخل ہو رہی تھیں رک کر مڑتے ہوئے حیرت سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"رات فرزان ذکر کر رہے تھے لیکن جس انداز میں۔۔۔" زارا جو بات کرتے کرتے کمرے میں داخل ہو چکی تھی لیفی صاحب پر نظر پڑتے ہی جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی ذکیہ بیگم نے دزدیدہ نظروں سے لیفی صاحب کی طرف دیکھا کیونکہ ان کے دماغ میں زارا کا ادھورا جملہ مکمل ہو چکا تھا۔

"جاؤ میں نے ناشتا تیار کر دیا ہے۔ اذان کو اس کے کمرے سے بلا لاؤ اور اسے ناشتا کروا دو۔" ذکیہ بیگم نے بات کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے کہا۔

زارا لیفی صاحب کو سلام کرکے ان کی طبیعت پوچھ کر کمرے سے باہر نکل گئی کچھ ہی دیر بعد اذان ان

کے کمرے میں داخل ہوا۔
"بابا آپ نے ناشتا کیا؟" اذان نے فیضی صاحب سے پوچھا تو ان کے جواب دینے سے پہلے ذکیہ بیگم پریشانی سے بولیں۔
"ان کی طبیعت بہتر نہیں' شاید سفر کی وجہ سے تھکن ہو گئی ہے۔ تم نے ناشتا کرلیا ہے تو گاڑی لے آؤ اور اپنے بابا کو اسپتال لے جاؤ۔"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر دیا تو تھا تم وہی دوائیاں لے آؤ۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" فیضی صاحب نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔
"ٹھیک ہے بابا جانی! میں وہی دوائیں لے آتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔" اذان جو اس دوران بیڈ کے قریب پہنچ چکا تھا بات مکمل کرنے کے بعد ذکیہ بیگم کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔
"امی میں ڈاکٹر کو یہیں لے آتا ہوں۔" پھر کچھ ہی دیر کے بعد اس کی بائیک ڈاکٹر خلیل الرحمان کے کلینک کی طرف اڑی چلی جارہی تھی۔ صبح صبح کا وقت تھا اور ڈاکٹر صاحب بھی شاید ابھی پہنچے تھے کیونکہ کلینک پر زیادہ رش نہیں تھا اذان ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں صرف دو تین مریض نظر آئے۔ ڈاکٹر صاحب سے مصافحہ کرنے کے بعد اذان بولا۔
"ڈاکٹر صاحب بابا جانی کی طبیعت کافی خراب ہے آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن پلیز آپ کچھ دیر کے لیے گھر چلیں۔" ڈاکٹر صاحب جو ایک نسخہ تحریر کر رہے تھے۔ اذان کو تسلی دیتے ہوئے بولے۔
"بس دو منٹ یہ ایک مریض ہے اسے بھی دیکھ لوں پھر چلتے ہیں۔" اور پھر وہ چند منٹ جو ڈاکٹر صاحب کو دوسرے مریض کو دیکھنے اور اس کا نسخہ تجویز کرنے میں لگے اذان نے بار بار گھڑی دیکھتے ہوئے گزارے پھر ڈاکٹر صاحب اذان کے ساتھ کلینک سے باہر نکلے اور اذان نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور ڈاکٹر صاحب کو لے کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔
ڈاکٹر خلیل الرحمن جو بڑے علم دوست اور ادب نواز قسم کے انسان تھے وہ اذان اور اس کی فیملی کی بہت عزت کرتے تھے فیضی صاحب کے اچھے دوستوں میں سے تھے اور یہ ہی نہیں ان کے خاندانی معالج بھی ہے۔
بائیک نے ابھی بمشکل چند گز کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اذان کی جیب سے ٹک ٹک کی آواز بلند ہونے لگی اذان نے ایک ہاتھ سے موٹر سائیکل کنٹرول کرتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا اور روڈ سے نظر ہٹا کر موبائل کی اسکرین پر ڈالی جہاں زارا بھابھی کا نام بلنک کر رہا تھا اذان نے کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا تو دوسری جانب سے زارا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔
"ہیلو اذان بھائی آپ کہاں ہیں جلدی سے گھر آجائیں بابا کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔" اور اذان کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے اپنے ہاتھ پاؤں بے جان ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔
"آپ۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ڈاکٹر صاحب کو لے کر آرہا ہوں راستے میں ہوں بس ابھی آیا۔" جملہ مکمل کرنے کے بعد اذان نے کال ڈسکنیکٹ کر کے موبائل جیب میں ڈالا اور موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی۔ جونہی گھر کے دروازے پر پہنچ کے اس نے بائیک کھڑی کی۔ گھر کے اندرونی حصے سے زارا کی سنائی دی جانے والی دلخراش چیخوں نے اسے لرزا کے رکھ دیا۔ اذان جیسے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھا وہ گھبرائے ہوئے انداز میں ہکلاتے ہوئے بولا۔
"ج۔ جلدی آئیے ڈاکٹر صاحب۔" اور پھر وہ ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھے بنا بھاگتے ہوئے اندر جا پہنچا جہاں ایک روح فرسا منظر اس کا منتظر تھا۔
زارا ایک جانب کھڑی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی ذکیہ بیگم دونوں ہاتھ فیضی صاحب کے سینے پہ رکھے روتے ہوئے اور جیسے انہیں جھنجھوڑتے ہوئے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں۔
"فیضی صاحب آپ بولتے کیوں نہیں۔ خدا کے لیے آنکھیں کھولیں آپ کیوں نہیں بول رہے کچھ تو کہیں۔" اذان بھاگ کر فیضی صاحب کے قریب پہنچا اور سینے سے کان لگا کر ان کی دھڑکن سننے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ایک گہرا سکون' ایک گمبھیر سناٹا تھا جو ان کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ وہ فیضی صاحب کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بولا۔
"بابا جانی۔ بابا جانی۔" ڈاکٹر صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔
"ڈاکٹر صاحب جلدی آئیے نا۔ دیکھیں بابا جانی کو کیا ہو گیا۔ یہ کچھ بولتے کیوں نہیں۔" اذان نے نمناک لہجے میں فریاد کی۔
"ایک جانب ہٹیں آپ۔" ڈاکٹر صاحب نے اذان کو ہٹایا اور فیضی صاحب کا ہاتھ اٹھا کر ان کی نبض چیک کی پھر ان کا ہاتھ چھوڑا تو وہ بے جان انداز میں بیڈ پر جا گرا پھر اسٹیتھسکوپ نکال کر ان کی دھڑکنیں چیک کرنے لگے۔ لیکن بے سود۔ ڈاکٹر صاحب نے اسٹیتھسکوپ ہٹا کر جیب سے ننھی سی ٹارچ نکال کر دونوں انگلیوں کی مدد سے فیضی صاحب کی آنکھیں کھول کر ان میں ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے بغور کچھ دیکھنے کی کوشش کی پھر جیب میں ڈالی اور ایک ہاتھ فیضی صاحب کے چہرے پہ پھیرتے ہوئے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔
"آئی ایم سوری۔ اب یہاں کچھ باقی نہیں بچا ہم نے بہت دیر کر دی۔" ڈاکٹر صاحب نے افسردگی سے کہا اور ڈھیلے قدموں سے چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔
اذان بے جان سے انداز میں بت بنا بیٹھا تھا اور کمرے میں ذکیہ بیگم اور زارا کی دل دہلا دینے والی چیخیں گونج رہی تھیں۔

بوڑھا برگد گرا ہے کیا امجدؔ
عزتیں سائبان کھو بیٹھیں

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی، جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رمیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے، اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔

۲۷

ستائیسویں قسط

خرم کے بڑھتے قدم یک لخت رک گئے۔ اس نے چونک کر پلٹ کر زوبیہ کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔
زوبیہ کے چہرے پر خوف کے سائے نمایاں تھے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی اور چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے وہ کسی ایک نکتہ پر نظریں مرکوز کیے کھڑی تھی۔
خرم نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو سمجھ ہی نہ سکا۔ وہ کسے دیکھ رہی ہے۔ سامنے کئی اسٹالز لگے تھے۔ جہاں بے شمار لڑکے لڑکیاں نا صرف کھڑے تھے' بلکہ آجا رہے تھے۔
زوبیہ کی دلدوز چیخ پر تقریباً" سب ہی رک کر اسے دیکھنے لگے۔ مگر زوبیہ کی محویت میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔
"زوبیہ تم ٹھیک ہو نا۔" خرم نے اس کے نزدیک آکر آہستگی سے پوچھا۔ حالانکہ وہ شکل سے بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی چیز سے بری طرح ڈر گئی ہے۔
لیکن وہ چیز کیا تھی' یہ خرم کی سمجھ سے بالاتر تھا۔
"زوبیہ..." خرم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اسے کس طرح متوجہ کرے۔
کیونکہ پہلے ہی وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے اور اب زوبیہ کے چیخنے اور چیخنے کے بعد مورتی بن کر ساکت کھڑے ہونے پر بھیڑ اکٹھی ہونی شروع ہو گئی تھی۔
"کیا ہوا ہے زوبیہ؟" خرم نے نہایت دھیمی آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسے اب غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا ساری تمیز بالائے طاق رکھ کر اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ دے۔
"وہ... وہ... وہاں۔" زوبیہ بے ربط انداز میں بولی تو خرم نے ایک بار پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اپنی جھنجلاہٹ کو قابو میں رکھتے ہوئے پوچھا۔
"وہاں کیا؟"
"وہ... وہاں شائستہ خالہ..." زوبیہ سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ جبکہ شائستہ خالہ کا نام سن کر خرم کی بے زاری میں دس گنا اضافہ ہو گیا۔
گویا اسے شائستہ خالہ کی روح نظر آگئی ہے اور اس لیے وہ بنے بنائے کھیل کو بگاڑنے والی حرکت کر رہی ہے۔ اگر اس کا یہ پاگل پن کسی پر ظاہر ہو گیا تو اس پر رشک سے اٹھنے والی نظروں میں اس کے لیے تمسخر اتر آئے گا۔
"تو اس میں اتنا خوف زدہ ہونے کی کیا بات ہے۔" خرم نے کوشش کرتے ہوئے اپنا لہجہ نرم بنا لیا۔
وہ جلد سے جلد اس کی حالت نارمل کرنا چاہ رہا تھا۔ تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ اسے لے کر کہیں بیٹھ جائے۔
"وہ... وہ... اس لڑکے کو مارنے والی تھیں۔" خرم نے چونک کر مجمع کی طرف دیکھا۔
"کسے؟" خرم نے بے ساختہ پوچھا تو زوبیہ بے چینی سے مجمع کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے اس طرح چیخنے پر بھیڑ میں اضافہ ہو گیا تھا اور اب اسے وہ چہرہ نظر نہیں آرہا تھا جسے اس نے کچھ لمحوں پہلے دیکھا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے وہ بھیڑ میں اسے ڈھونڈ ہی نہیں پا رہی تھی۔
لوگوں کو حیران اور متجسس سا اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ مزید ہراساں ہو گئی تھی اور اب خرم کو مدد طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"دیکھو ایسا کرو تم تھوڑی دیر کہیں بیٹھ جاؤ... ہم... ہم کینٹین چلتے ہیں۔ وہاں چل کر ایک کپ چائے پیو' تھوڑا ریلیکس ہو جاؤ۔ پھر مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا' ٹھیک ہے۔" خرم بڑی رسانیت سے بات کر رہا تھا۔
زوبیہ کے چہرے کے تاثرات قدرے بہتر ہو گئے۔ وہ خوف زدہ تو اب بھی تھی۔ مگر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش شروع کر چکی تھی۔

"ہم... مجھے گھر جانا ہے۔" زوبیہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ خرم اتنی جلدی اسے بھیجنے کے حق میں بالکل نہیں تھا۔ تب ہی فوراً" بولا۔
"ٹھیک ہے میں فوراً" اسٹور روم کھلواتا ہوں' تم ایک بار تصویر دیکھ لو اور فوراً" چلی جاؤ۔ مگر تب تک کہیں بیٹھ جاؤ۔ مجھے لگ رہا ہے تم کھڑی رہیں تو گر جاؤ گی۔" خرم غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ زوبیہ کا ہولے ہولے کانپتا وجود بڑی صحیح ترجمانی کر رہا تھا اس کی ٹانگوں کے کسی بھی وقت ساتھ چھوڑ دینے کی۔
زوبیہ چہرے پر پھوٹ پڑنے والے پسینے کو دوپٹہ سے پونچھتی خرم کی تقلید میں چلنے لگی۔ خرم نے اس کے ہاتھ سے شاعری کی کتاب لے لی۔ مبادا وہ اس کے بوجھ کے ساتھ ساتھ خود بھی نہ گر جائے۔
خرم اسے فیسٹول میں لگے چائے کے اسٹال پر ہی لے آیا۔ وہاں اتنی چیزیں اور کرسیاں رکھی تھیں کہ خاص طور پر کینٹین جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور پھر کینٹین یہاں سے کافی دور تھا اتنا چلنے کی زوبیہ میں سکت نہیں تھی۔
"آپ ان لوگوں کو فون کر کے بلالیں جن کے پاس چابیاں ہیں۔" زوبیہ نے بیٹھتے ہی کہا تو خرم جو اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ وہیں رک گیا اور ایک نظر اسے دیکھ کر جیب سے موبائل نکال کر کہنے لگا۔
"میں پتا کرتا ہوں' ہو سکتا ہے وہ آچکے ہوں۔" خرم یہ کہتا اس کی ٹیبل سے تھوڑا دور جا کھڑا ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زوبیہ کو پتا چلے وہ کسے فون کر رہا ہے اور کیا بات کر رہا ہے۔
اس نے موبائل پر چند بٹن دبا کر کان پر لگاتے ہوئے جیسے ہی زوبیہ کی طرف دیکھا ٹھٹک گیا۔ وہ اپنی کرسی چھوڑ کر اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔
خرم کو اس کی اس بے چینی اور بد اخلاقی پر شدید تاؤ آیا۔ مگر اس کے خوف زدہ ہونے کے خیال سے ضبط کرتے ہوئے بولا۔
"ریلیکس زوبیہ تم تو اس طرح ڈر رہی ہو جیسے پہلی بار شائستہ خالہ کو دیکھا ہو۔"
"میں شائستہ خالہ سے نہیں ڈر رہی' مجھے اس لڑکے کی فکر ہو رہی ہے جس پر شائستہ خالہ حملہ کرنے والی تھیں۔" زوبیہ چاروں طرف متلاشی نظریں دوڑاتے ہوئے فکر مندی سے بولی۔
"تم نے اس لڑکے کو ایک نظر دیکھا تھا اور یہاں اتنے لڑکے ہیں کہ تم دوبارہ اسے دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتیں۔ بہتر یہی ہے کہ بلاوجہ ہلکان ہونے کی بجائے سکون سے بیٹھ جاؤ۔ ٹھہرو میں پہلے تمہارے لیے چائے..."
"مجھے کوئی چائے وائے نہیں پینی۔ اصل میں آپ کو نہیں پتا شائستہ خالہ بعض اوقات لوگوں پر حملہ بھی کر دیتی ہیں۔"
"اچھا... وہ کیسے؟" خرم دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔
"انہوں نے میری ایک دوست کا سر پھاڑ دیا تھا۔"
"وہ جو تمہارے گھر نائٹ اسپینڈ کرنے آئی تھی۔" خرم بے ساختہ بولا' زوبیہ بری طرح چونک اٹھی۔
"آپ کو کیسے معلوم؟" زوبیہ نے اچنبھے کے ساتھ پوچھا تو ایک پل کے لیے خرم سٹپٹا گیا۔
وہ اس پر بالکل ظاہر نہیں کرنا چاہ رہا تھا کہ گھر خریدنے سے پہلے اس کے والد فرقان حسن کو ان کے دوست جو اسٹیٹ ایجنٹ بھی تھے زوبیہ کی ذہنی بیماری اور اپنی دوست پر آدھی رات کو چھت پر حملہ کرنے کے متعلق بتا چکے ہیں۔
"مجھے... آں..."
"کیا آپ کو شائستہ خالہ نے بتایا ہے؟" خرم کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا کہے کہ زوبیہ کے سوال نے نا صرف اس کی مشکل آسان کر دی بلکہ اسے سوالیہ نظروں سے زوبیہ کو دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا شائستہ خالہ نے تمہیں بھی کچھ بتایا ہے۔"
"پتا نہیں وہ کچھ بتاتی ہیں یا نہیں۔۔۔ لیکن اکثر کچھ ایسی باتیں مجھے پتا چل جاتی ہیں جو مجھے بھی علم نہیں ہوتا کہ مجھے کیسے پتا چلیں۔"
"وہ کیا؟" خرم کو اب اس کہانی میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ غیر محسوس طور پر سست روی سے میز کی طرف بڑھنے لگا۔
وہ اسے یہاں اسی مقصد سے تو لایا تھا کہ اس کے ساتھ گھومے گا اور جب تمام لوگ ان دونوں کو ساتھ دیکھ لیں گے تب ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اسے واپس بھیج دے گا۔
اب اگر گھومنے کے بجائے وہ دونوں ٹیبل پر بیٹھ کر لمبی گفتگو کر لیتے ہیں تو یہ تو اور بھی اچھی بات تھی۔ ویسے بھی وہ لڑکی اتنی بورنگ نہیں تھی۔ بلکہ کسی سسپنس کی موویز کی طرح 'اب آگے کیا ہوگا' کے اشتیاق میں اس کی بکواس سنی جاسکتی تھی۔ بھلے ہی یقین نہ کیا جائے۔
"میرے کالج کی ایک لڑکی اچانک غائب ہو گئی تھی۔ سب اسے تلاش کر رہے تھے، جبکہ مجھے پتا تھا وہ مر چکی ہے۔" خرم، زوبیہ کو دیکھتا رہ گیا۔
"مجھے نہیں پتا کہ مجھے کیسے پتا چلا، لیکن میں جانتی تھی اس کا پاؤں مڑ گیا اور گٹر میں گرنے کی وجہ سے اس کی موت ہو گئی۔" زوبیہ دھیمے لہجے میں بولی۔
"اور تمہیں لگتا ہے یہ سب تمہیں شائستہ خالہ بتاتی ہیں۔" خرم سنسناتے لہجے میں بولا تو زوبیہ گہرا سانس کھینچتے ہوئے ایسے خرم کو دیکھنے لگی جیسے اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے نہ ہو۔
اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ خرم کی تقلید میں چلتی ہوئی نا صرف میز تک آچکی تھی بلکہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ بھی گئی تھی۔
"اچھا یہ بتاؤ تمہاری دوست کو شائستہ خالہ نے کیوں زخمی کیا تھا۔" خرم نے سرسری انداز میں پوچھا۔
اسے صرف زوبیہ کا جواب سننا تھا۔ ورنہ اسے کون سا اس کی بات پر یقین کرنا تھا۔ لیکن ذرا پتا تو چلے کہ وہ کیا سوچتی ہے۔ اس کے خیالات و تاثرات کیا ہیں، لیکن خرم کو امید نہیں تھی کہ وہ جو جواب دے گی وہ خرم کو پل بھر کے لیے ساکت کر دے گا۔
"کیونکہ وہ میری دوست مجھ سے فائدہ اٹھانے کے لیے بنی تھی۔" زوبیہ ایسے بولی جیسے کسی ٹرانس میں بول رہی ہو۔
کچھ دیر کے لیے ان دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ آخر خرم کو ہی وضاحت طلب کرنے کے لیے بولنا پڑا۔
"میں سمجھا نہیں۔"
"اس نے کہا تھا میں روحوں کو بلانا جانتی ہوں تو میں نے اسے اپنے گھر بلا لیا تھا کہ میں شائستہ خالہ سے بات کر سکوں وہ سمجھ رہی تھی ایسی کوئی روح وغیرہ ہے ہی نہیں۔
وہ میرے سامنے ڈرامہ کرنے لگی کہ شائستہ خالہ کی روح اس کے جسم میں گھس گئی ہے اور پھر وہ اپنے مطلب کے مطالبات کرنے لگی جیسے شائستہ خالہ مجھے تلقین کر رہی ہوں کہ
تم اس کے کام کر دیا کرو
اس کے نوٹس بنا دیا کرو
اس کو پیسے وغیرہ دے دیا کرو۔
اس لیے مجھے لگتا ہے کہ شائستہ خالہ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ کوئی میری کمزوری کا فائدہ اٹھائے اور مجھے اپنے

مطلب کے لیے استعمال کرے۔" خرم یک ٹک اسے دیکھے گیا۔
ہر چند کہ وہ ان سب باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ بھی تو یہی کر رہا ہے اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔
اس کی پوری توجہ زوبیہ کی طرف تھی پھر بھی اسے علم تھا کہ ارد گرد بیٹھے لوگ ان کا بڑی گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہے ہیں ایک تو وہ جس طرح آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے وہ خاصا معنی خیز تھا اور پھر خرم جیسے مقبول لڑکے کے ساتھ اتنی حسین لڑکی کا ہونا وہ بھی ایسی صورت میں جب وہ لڑکی یونیورسٹی کی تھی بھی نہیں' لوگوں کا چونکنا۔۔ عین فطری تھا۔
یہ سب کر کے خرم اس کی نفسیاتی بیماری کو ایک بنیاد بنا کر اسے اسکینڈلائز ہی تو کر رہا تھا۔
ورنہ وہ اس قسم کی لڑکی تھی نہ ہی ان دونوں کے بیچ کوئی افیر چل رہا تھا۔
خرم کو یہ ڈر محسوس نہیں ہوا تھا کہ شائستہ خالہ اس پر بھی حملہ کر دیں گی لیکن ضمیر نے یہ سوال ضرور کیا تھا کہ جسے پہلے ہی لوگ اپنے فائدے کے لیے بے وقوف بناتے آ رہے ہوں اسے اس طرح اپنی یونیورسٹی میں زبان عام پر لانا صحیح ہے کیا۔
جس نے خرم کا کچھ نہیں بگاڑا' خرم اس کا کردار کیوں بگاڑ رہا ہے لوگوں کی نظر میں۔
"اسی لیے مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ شائستہ خالہ اس لڑکے کی طرف ہاتھ کیوں بڑھا رہی تھیں کہیں وہ اسے بھی نقصان تو نہیں پہنچانے والی ہیں۔" زوبیہ نے تفکر بھرے لہجے میں کہا۔
"مگر اس لڑکے نے تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تم تو اسے جانتی بھی نہیں پھر وہ اسے نقصان کیوں پہنچائیں گی۔"
"ہاں میں تو واقعی اسے نہیں جانتی لیکن میں نے اسے ٹھیک طرح سے دیکھا ہی کب تھا ہو سکتا ہے دوبارہ دیکھوں تو مجھے یاد آ جائے کہ میں اسے جانتی ہوں۔
جیسے جب آپ ہمارے گھر آئے تھے تب مجھے یاد نہیں آیا تھا کہ آپ سے مل چکی ہوں یہ مجھے بعد میں یاد آیا تھا کہ میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے۔" خرم ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا مگر اس سے پہلے کہ کچھ پوچھتا اس کا موبائل بج اٹھا۔
خرم اسکرین پر ہارون کا نام جگمگاتا دیکھ کر کرسی گھسیٹتے ہوئے کہنے لگا۔
"زوبیہ تم یہیں بیٹھو میں بس دو منٹ میں آیا۔" زوبیہ کو جواب کا موقع دیے بغیر ہی خرم اس سے خاصا دور ہٹ کر کھڑا ہو چکا تھا اور موبائل کان سے لگاتے ہی ہارون کی دھونس بھری آواز سن کر وہ زوبیہ کو بالکل فراموش کر کے اس سے گفتگو کرنے لگا جو کہہ رہا تھا۔
"Wahat's going on yaar تم کس لڑکی کو پکڑ لائے ہو یونیورسٹی گھمانے کے لیے کچھ آئیڈیا بھی ہے لوگ تم دونوں کو کس طرح دیکھ رہے ہیں۔"
"کیا تم نے نہیں پہچانا کہ یہ کون ہے۔"
"واٹ ڈو یو مین؟ کیا میں اسے جانتا ہوں۔" ہارون کی آواز میں تعجب تھا۔
"جتنا میں جانتا ہوں اتنا ہی جانتے ہو۔ یہ وہی ہے جس کا میں نے ہوٹل میں نمبر لیا تھا اور نمل کو شرط میں ہرا دیا تھا۔" خرم کے لہجے میں تفاخر آیا تھا جس میں اضافہ ہارون کے متوقع رد عمل نے کر دیا۔
"کیا بات کر رہے ہو یہ وہ ہے؟ تم اسے یہاں کیسے لے آئے؟"
"How it could be possible" ہارون کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"تم تو جانتے ہو۔" میرے لیے سب کچھ پاسبل ہے بلکہ ابھی تم نے دیکھا نہیں میں اسے نمل کے سامنے لے گیا تھا نمل اور اس کی دوست حیرت سے دنگ رہ گئیں۔ زوبیہ کو میرے ساتھ دیکھ کر۔"
"ارے میں نے دیکھا ہے سب کچھ' کتنی دیر سے دور سے بیٹھے تم دونوں کا نظارہ کر رہے ہیں آخر تنگ آ کر فون کرنا پڑا کہ تمہارا تو شاید کوئی ارادہ ہی نہیں ہے کسی دوسرے کو لفٹ کرانے کا۔" ہارون کی بات پر خرم نے چاروں طرف متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"تم ہو کہاں اور دور بیٹھ کر کیوں سیخ پا ہو رہے ہو آؤ' تمہیں زوبیہ سے ملاتا ہوں۔"
"جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے ویسے بھی میری سمجھ میں تو یہی نہیں آ رہا کہ تم یہ سارا ڈرامہ کر کیوں رہے ہو مجھے تو یہ لڑکی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔"
"کیوں کیا برائی ہے اس میں۔" خرم نے لاپروائی سے پوچھا۔
"برائی نہیں ہے لیکن ابھی حمید کو دیکھ کر اتنی بری طرح چیخی تھی کہ میں نے۔۔۔"
"وہ حمید کو دیکھ کر چیخی تھی۔" خرم نے چونکتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔
"ہاں تو اور کیا۔ تمہیں حمید کی عادت کا پتا تو ہے نا۔ اتنی خوبصورت لڑکی اس کے سامنے ہو اور وہ ہیرو بننے کی کوشش نہ کرے ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔
وہ بڑے اتراتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ اس لڑکی کو بری طرح چیختا دیکھ کر گھبرا گیا اب وہ اس کے سامنے جانے سے انکار کر رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے تم اس لڑکی کو کچھ سمجھا بجھا کر لائے ہو اور تمہارے کہنے پر ہی اس نے حمید کو دیکھ کر اتنی زوردار چیخ ماری ہے۔
یار تمہیں اگر نمل کو جلانا ہی تھا تو حمید کو ولن بنانے کی ضرورت کیا تھی اس کی پہلے ہی یونیورسٹی میں کوئی عزت نہیں ہے اور تم اسے مزید مشکوک کر رہے ہو۔" ہارون کا انداز صاف مذاق کرنے والا تھا مگر خرم حد درجہ سنجیدہ تھا تب ہی کہنے لگا۔
"ہارون تم سب جہاں بھی بیٹھے ہو فوراً" میرے پاس آ جاؤ اور حمید کو ضرور لے کر آنا۔"
"پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم اس لڑکی کو کیا کہہ کر یہاں لانے میں کامیاب ہوئے ہو۔ اگر حمید نے کچھ الٹا سیدھا بک دیا تو تمہارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"
"ایسا کچھ نہیں ہو گا میں ساری ڈیٹیل تمہیں بعد میں بتا دوں گا بس ابھی تم حمید کو لے کر فوراً" آؤ میں اسے زوبیہ سے ملوانا چاہتا ہوں۔"
"ارے یار۔" ہارون کے اچانک بولنے پر خرم نے کچھ نا سمجھتے ہوئے پوچھا۔
"کیا ہوا حمید کو ملوانے میں تمہیں کیوں پریشانی ہو رہی ہے۔"
"مجھے کیوں پریشانی ہو گی میں تو ابھی حمید کو لے کر پہنچ جاتا ہوں لیکن تم ذرا پلٹ کر زوبیہ کی طرف دیکھو۔ ہم یہاں باتوں میں لگے رہے اور وہاں ایک نیا محاذ کھل گیا۔" خرم بے ساختہ زوبیہ کی جانب پلٹا۔
وہ اس کی میز سے کافی دور آ گیا تھا اس لیے وہ نمل اور زوبیہ کے درمیان ہوتی گفتگو تو نہ سن سکا لیکن نمل اور سنبل کو زوبیہ کی ٹیبل پر موجود دیکھ کر ہی اس کی ساری حسیات الرٹ ہو گئیں۔
وہ ہارون کو بغیر کچھ کہے فون بند کرتا تیزی سے ان کی ٹیبل کے نزدیک آ گیا نمل کی پشت اس کی جانب تھی اسی لیے وہ بغیر رکے بول رہی تھی۔
"میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں وہ ضرور یہاں تمہیں کچھ الٹا سیدھا بول کر لایا ہے لیکن اس کی بات پر ہرگز یقین مت کرنا بلکہ آئندہ اس سے ملنے۔۔۔"

"ارے نمل کیا ہوا۔ میرے ہٹتے ہی میری برائیاں شروع کردیں تم نے تو ابھی سے بیویوں والے طریقے اپنا لیے ہیں۔" خرم کو نمل کی باتیں زہر لگی تھیں مگر وہ بظاہر بڑی خندہ پیشانی سے بولا۔
نمل اس کی آواز پر چونک کر پلٹی تھی مگر اپنی جگہ سے اٹھی نہیں گویا وہ صرف خرم کی غیر موجودگی میں اس سے بات نہیں کررہی تھی بلکہ وہ اس کے سامنے بھی زوبیہ سے گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔
مگر خرم بڑے ہی مطمئن انداز میں چلتا میز پر بچی واحد کرسی کو گھسیٹتا نمل کے عین سامنے بیٹھ گیا اب ان دونوں کے ایک جانب زوبیہ اور ایک جانب سنبل تھی اور ان دونوں کے ہی چہرے ہونق بنے ہوئے تھے۔
زوبیہ تو اچھی خاصی ہراساں تھی اسی لیے خرم اسے مخاطب کرتے ہوئے بڑے مودب انداز میں کہنے لگا۔
"ان سے ملو یہ سنبل ہے نمل کی فرینڈ اور یہ نمل ہے میری منگیتر۔" خرم کے تعارف کرانے پر نمل سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی۔
اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ خرم اپنی منگنی کو زوبیہ پر ظاہر کرے گا وہ تو امید کررہی تھی کہ خرم اس کے سامنے اس کے ساتھ کسی قسم کی جان پہچان سے بھی انکار کردے گا۔
جبکہ خرم کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اسے کون سا زوبیہ کے ساتھ عشق لڑانا تھا جو وہ اپنی منگنی پوشیدہ رکھتا بلکہ اچھا ہی تھا اگر زوبیہ خرم کی منگنی کے بارے میں جان جاتی۔
نمل جانے اب تک اس کے بارے میں زوبیہ سے کیا کچھ کہہ چکی تھی اگر زوبیہ اسے کوئی آوارہ قسم کا انسان سمجھ رہی ہوگی تو اس کے منگنی شدہ ہونے کے متعلق سن کر تھوڑی سی مطمئن ہوجائے گی کہ جو شخص پہلے ہی انگیجڈ ہے وہ اسے بے وقوف بنا کر کیا کرے گا البتہ اس نے نمل کی مداخلت کو ایک دوسرا رنگ دیتے ہوئے اس کی کہی باتوں کا اثر زوبیہ پر زائل کرنے کے لیے کہا۔
"بالکل روایتی منگیتر ہے میری۔ مجھے کسی لڑکی کے ساتھ بالکل برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ بھی نہیں سوچی کہ ہوسکتا ہے مجھے تم سے کوئی ضروری کام ہو اور اسی لیے میں تمہیں اپنے ساتھ یہاں لے کر آیا ہوں۔" زوبیہ کے چہرے پر پھیلی پریشانی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی البتہ وہ خرم کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔
خرم کو اس سے بڑی طمانیت کا احساس ہوا تھا گویا وہ اب بھی خرم پر بھروسہ کررہی تھی اور نمل کے مقابلے میں خرم کا یقین کررہی تھی تب ہی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور نمل کی طرف نہیں۔
جبکہ نمل، خرم کی بات سن کر چباتے ہوئے انداز میں بولی۔
"بکواس مت کرو خرم! مجھے تمہیں کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر جلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر ایک سیدھی سادی لڑکی کو تم اپنے مفاد کے لیے استعمال کرو گے تو یہ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی۔"
"بات تو تم ایسے کررہی ہو جیسے تم نے خود کبھی کسی کو اپنے مفاد کے لیے استعمال نہیں کیا۔" خرم ایک دم سنجیدگی سے بولا۔
نمل ہمیر کی طرف اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ خرم اپنی جون میں آتے ہوئے بول پڑا۔
"میں یہاں زوبیہ کو بڑے ضروری کام سے لے کر آیا ہوں میرے پاس تمہاری شکی فطرت کو مطمئن کرنے کا وقت نہیں ہے۔" پھر زوبیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔
"چلو زوبیہ! چابی کا انتظام ہوگیا ہے۔" خرم، زوبیہ کو نمل کے پاس سے اٹھانا چاہتا تھا تب ہی کہہ گیا جبکہ زوبیہ کے پریشان چہرے پر ایک دم رونق آگئی۔
وہ خود نمل وغیرہ کے پاس سے اٹھنا چاہ رہی تھی۔ خرم کی طرف سے اشارہ پاتے ہی وہ کرسی گھسیٹتی کھڑی ہوگئی۔ مگر نمل تب بھی بولنے سے باز نہیں آئی۔

"چابی کیسی چابی؟ زوبیہ اس نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے سب بکواس ہے بلکہ پیلس ہوٹل میں جب اس نے تمہارا موبائل نمبر مانگا تھا تب ہم سب وہیں موجود تھے۔
یہ صرف ایک چیلنج کے طور پر تمہارا نمبر لینے گیا تھا۔ جسے حاصل کرنے کے لیے اس وقت بھی اس نے جانے کیا کہانی بنائی کہ تم نے فوراً "اپنا نمبر" اٹھا کر دے دیا۔
اصل میں خرم نے شرط لگائی تھی کہ وہ آدھے گھنٹے میں تمہارا نمبر حاصل کرلے گا۔" نمل تیز تیز کہتی گئی۔
زوبیہ اپنی جگہ بت بن گئی تھی وہ عجیب استفہامیہ انداز میں خرم کو دیکھنے لگی۔
خود خرم بھی چند ثانیے کے لیے دنگ رہ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ نمل کی بات کے جواب میں ایسا کیا کہے کہ زوبیہ کا مجروح ہوتا اعتماد پھر بحال ہوجائے۔
بھلے ہی یہ سب وقتی طور پر ہو لیکن کم از کم اس وقت نمل کے سامنے زوبیہ اسے بری بھلی سنا کر نہ نکل جائے ورنہ تو اسے کون سا زوبیہ کے ساتھ لمبا چوڑا افیئر چلانا تھا۔
ابھی خرم سے کوئی جواب بنا بھی نہیں تھا کہ ہارون کی آواز نے ان کو چونک کر پلٹنے پر مجبور کردیا۔
"ہائے خرم! کیسے ہو یار؟" ہارون کے ساتھ حمید، ذکی اور نادر کو کھڑا دیکھ کر خرم بے اختیار زوبیہ کے تاثرات دیکھنے لگا۔
اس نے حمید کو بلوایا ہی اس لیے تھا تاکہ ہارون کی بات کی تصدیق ہوسکے۔ آیا زوبیہ نے واقعی حمید کو دیکھ کر چیخ ماری تھی یا یہ ان لوگوں کی غلط فہمی تھی۔
مگر اب زوبیہ پر نظر پڑتے ہی اسے یقین ہوگیا کہ ہارون کا اندازہ غلط نہیں تھا زوبیہ بالکل فق پڑتے چہرے کے ساتھ حمید کو دیکھ رہی تھی اپنی جگہ سے وہ پہلے ہی کھڑی ہوچکی تھی مگر اس کی حالت دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں کھڑے ہونے کی سکت نہ ہو اور وہ ابھی لہرا کر گر پڑے گی۔
باقی کوئی بھی زوبیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا کیونکہ سب نمل کے تاثرات دیکھنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اس لیے اور کسی نے تو نہیں دیکھا البتہ حمید ضرور زوبیہ کو ہی دیکھ رہا تھا شاید یہ بات اسے پسند نہیں آئی تھی کہ کوئی لڑکی اسے دیکھ کر بھرے مجمع میں چیخ کیوں پڑی تھی۔
اس کا اپنا خیال تھا کہ اس کی شکل تو بہت اچھی ہے پھر وہ کیوں اسے دیکھ کر ڈر گئی یا تو ہارون وغیرہ کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی کسی اور چیز کو دیکھ کر ڈری ہوگی یا پھر یہ سب خرم کی کوئی سازش تھی پتا نہیں خرم اسے کیا سمجھا بجھا کر لایا تھا جو وہ اتنی اوور ایکٹنگ کررہی تھی۔
اس کے چہرے پر پھیلتے خوف کے سائے حمید کو زچ کر گئے تھے مگر اس پل وہ خود بھی بوکھلا گیا جب زوبیہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے چیخ روکنے کی کوشش کے دوران ایک جانب کو لڑھک گئی۔
خرم اس کی جانب پہلے ہی متوجہ تھا اس نے بروقت اس کے گرتے وجود کو تھام لیا یہ اور بات ہے کہ اس کوشش میں وہ خود بھی زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ مگر زوبیہ پوری طرح سے ہوش و خرد سے بیگانہ ہوچکی تھی۔
نمل اور سنبل تو کیا آس پاس موجود سب ہی لوگ اپنی اپنی نشستیں چھوڑ کر کھڑے ہوگئے تھے۔
"زوبیہ۔۔۔ زوبیہ۔" خرم نے گھبرا کر اس کے گال پر ہلکے ہلکے تھپڑ مارے مگر اس کی بے ہوشی میں کوئی فرق نہ آیا تو خرم سر اٹھا کر ہارون اور نادر کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔
"میرے خیال سے اسے فوراً "ڈاکٹر" کے پاس لے کر جانا چاہیے۔" نادر اس کا سوال سمجھتے ہوئے فوراً بولا۔
خرم نے آس پاس کی پروا کیے بغیر ایک ہی پل میں زوبیہ کے نازک سے وجود کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔
منظر واقعی بہت عجیب تھا نمل اور سنبل تو بالکل دم بخود سی اپنی جگہ کھڑی تھیں لیکن لوگوں کی چہ میگوئیاں

شروع ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ خرم محض چند قدم چل کر دوسری ٹیبل کے پاس سے گزرا ہی تھا کہ کرسی پر بیٹھے شخص نے باقاعدہ کھڑے ہو کر اپنے موبائل سے خرم اور زوبیہ کی تصویر لی تو خرم کے تیزی سے بڑھتے قدم اپنی جگہ جم گئے۔

زوبیہ کی حالت کے پیش نظر وہ فوراً" آگے بڑھ جانا چاہتا تھا مگر تصویر لینے والے پر نظر پڑتے ہی خرم تو کیا اس کے ساتھ آتے اس کے سارے دوست بھی بری طرح تپ گئے تھے۔

وہ ان کے سب سے بڑے حریف گروپ کالڑکا تھا یعنی کہ سمیر کا دوست تھا۔

اور سونے پر سہاگا یہ کہ اس کے ساتھ ہی دوسری کرسیوں پر سمیر اور اس کے دیگر دوست بھی موجود تھے۔

"عارف اس پکچر کو ابھی اور اسی وقت ڈیلیٹ کر دو۔" خرم غرا کر بولا تو وہ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہنے لگا۔

"اور اگر نہ کروں تو۔" خرم کا دل چاہا زوبیہ کو ایک طرف پھینک کر ابھی اور اسی وقت اس درگت بنادے اس سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش پر عمل کرتا وکی سرگوشیانہ انداز میں خرم کے کان کے پاس منہ کر کے بولا۔

"تو بے رہنے دے یار۔ اچھا ہی ہے وہ یہ تصویر فیس بک میں ڈال دے تمہارا مقصد اور بھی کامیاب ہو جائے گا۔" خرم کی گویا کھوپڑی گھوم گئی دل چاہا عارف کے ساتھ ساتھ وکی کی بھی ہڈی پسلی ایک کر دے اور واقعی اس نے اپنی خواہش کو دبایا نہیں بلکہ زوبیہ کو وہیں زمین پر لٹا کر وکی سے بعد میں نبٹنے کا تہیہ کرتے ہوئے عارف پر پل پڑا۔

سمیر اور اس کے دوسرے دوست بھی تیزی سے کرسیاں چھوڑ کر میدان میں آ گئے مگر خرم کے دوستوں کی ایسی کوئی غیرت نہیں جاگی۔

حمید اور وکی تو باقاعدہ وہاں سے بھاگ گئے تھے جبکہ نادر اور ہارون بھاگے نہیں لیکن آگے بھی نہیں بڑھے چنانچہ آدھے منٹ کے بعد ہی صورت حال یہ تھی کہ خرم تن تنہا سمیر اور اس کے تین دوستوں کے مدمقابل تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے باوجود اس کا پلڑہ بھاری تھا جو سمیر کو بری طرح تپا گیا تھا۔

حالانکہ وہ اپنے جوتے میں پستول رکھنے والے لوگوں میں سے تھا مگر اس وقت وہ اس کے لیے بے کار ہو گئی تھی کہ اس میں گولیاں نہیں تھیں ورنہ تو وہ خرم کو بھون کر رکھ دیتا۔

مگر جب حمید اور وکی کی طرح اس کے بھی دو دوست میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تب سمیر کو خالی پستول ہی نکالنی پڑی اپنی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے۔

خرم کو اتنا جنون ہو رہا تھا گویا اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر دینے والا ہو' جانے کون کون سے وقت کا غصہ بھرا ہوا تھا اس کے اندر جو وہ ابھی نکالنے والا تھا ایسے میں اگر عارف بھی باقی دو دوستوں کی طرح اسے خرم کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر چل پڑتا تو خرم تو اسے دو منٹ میں ڈھیر کر دیتا۔

اس سے تو بہتر تھا وہ خالی پستول نکال کر خرم کو ڈرا کر اس لڑائی کو یہی روک دے کم از کم بھرم تو رہ جاتا۔

"خرم Don't move" سمیر نے پستول اس کی طرف تانتے ہوئے چیخ کر کہا مگر تب تک خرم کا مکا عارف کو زمین بوس کر چکا تھا البتہ اس کا موبائل خرم کے ہاتھ میں تھا جسے وہ پوری قوت سے زمین پر مارنے کا ارادہ رکھتا تھا اور جسے بھانپتے ہوئے سمیر دھمکانے والے انداز میں بولا۔

"اگر یہ موبائل ٹوٹا تو میں گولی چلا دوں گا۔" سمیر بڑے اعتماد سے بولا اسے یقین تھا گولی چلانے کی نوبت نہیں آئے گی خرم ڈر کر ابھی موبائل اس کے حوالے کر دے گا اور سمیر شاہانہ انداز میں اس کی جان بخش دے گا۔

اور واقعی اس کی دھمکی پر خرم اپنی جگہ ساکت ہو گیا وہ یک ٹک سمیر کو دیکھے گیا جو پستول اس کی طرف تانے چند

قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا گویا نشانہ چوکنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔
نادر اور ہارون بھلے ہی مار پیٹ کرنے آگے نہیں بڑھے تھے مگر اس صورت حال پر ان کے چہرے بھی فق ہوگئے تھے۔
"خ... خرم موبائل سمیر کو دے دو۔" نادر ہکلا کر دھیمی آواز میں بولا مگر خرم کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ موبائل کو پٹخنے کے لیے اپنا ہاتھ سر سے اوپر لے گیا تھا سمیر کے دھمکانے پر اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا اور آس پاس جمع مجمع کی سانسیں بھی اس کے ہاتھ کے ساتھ رک گئیں۔
نمل اور سنبل تو اسی وقت زوبیہ کے نزدیک چلی آئی تھیں جب خرم نے اسے ایک طرف زمین پر لٹا دیا تھا۔ نمل نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور اسے جگانے کی کوشش کرنے لگی تھی بیچ بیچ میں وہ خرم وغیرہ کی طرف بھی دیکھ لیتی جبکہ سنبل اس کے قریب زمین پر بیٹھ تو گئی تھی لیکن اس کی توجہ پوری طرح سے خرم کی ہی جانب تھی۔
نمل نے جب زوبیہ کو مکمل طور پر بے ہوش پایا تب ہراساں ہو کر اس نے سنبل کی طرف دیکھا اور سنبل کو دم بخود دیکھ کر وہ بھی بے اختیار خرم کو دیکھنے لگی جہاں کا منظر اسے بھی ساکت کر گیا تھا۔
"خرم میں کہہ رہا ہوں موبائل مجھے دے دو گولی چلانا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" سمیر نے دانت پیستے ہوئے کہا اسے خرم کا بغیر ہلے جلے بلاوجہ وقت ضائع کرنا سخت ناگوار گزر رہا تھا اگر اس کی پستول میں گولی ہوتی تو وہ اب تک اسے واقعی جان سے مار چکا ہوتا بھلے ہی بعد میں اس کا جو بھی حشر ہوتا۔
اس وقت اسے خرم کا اکیلے ان سب پر حاوی ہونا اتنا برا لگا تھا کہ یونیورسٹی میں اپنا رعب برقرار رکھنے کے لیے وہ بغیر نتیجے کی پروا کیے خرم کو قتل تک کرنے کے لیے تیار تھا لیکن خرم کا مجسمہ بن جانا اسے فکر مند کر گیا تھا کہ اگر اب بھی اس نے موبائل نہیں دیا تو وہ تو گولی چلا نہیں سکتا پھر وہ کرے گا کیا اور اس کی عزت کیا رہ جائے گی۔
پھر جس کا سمیر کو ڈر تھا وہی ہوا خرم نے بڑے بے خوف انداز میں براہ راست سمیر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے موبائل کو زمین پر دے مارا۔
مجمع میں ایک ساتھ کئی چیخوں کی آوازیں نکلیں سبھی کو یقین تھا کہ اب سمیر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر گولی چلا دے گا نادر نے تو باقاعدہ
"خرم... خرم" چلانا شروع کردیا تھا مگر خرم ہنوز سمیر کے سامنے ایسے ڈٹا کھڑا رہا جیسے مارنا ہے تو مار دو۔ مجھے جو کرنا تھا میں نے کرلیا۔
سمیر پل بھر کے لیے بالکل بلینک ہوگیا اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا اب وہ کیا کرے اپنی بے بسی پر اسے اتنا تاؤ آرہا تھا کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ ہوگئیں جسے دیکھ کر سارے مجمع کو یہی لگا کہ اب وہ گولی چلانے والا ہے ان ہی میں سے ایک سنبل تھی جو ایک زندہ جیتے جاگتے انسان کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھنے کے خیال سے ہی حواس باختہ ہو کر چلا پڑی تھی۔
"نہیں... نہیں۔ سمیر... نمل تم اسے روکتی کیوں نہیں؟" سنبل کا انداز بالکل بے ساختہ تھا وہ بدستور سمیر کو دیکھتے ہوئے نمل کا بازو پکڑ کر چلا رہی تھی۔
نمل بھی ایک طرح سے خوف کے زیر اثر دنگ رہ گئی تھی ایسے منظر فلموں میں لاکھ بار بھی دیکھے ہوں مگر حقیقت میں دیکھنا بڑا سوہان روح ہوتا ہے۔
اس کی سمیر اور خرم دونوں سے ہی کوئی دلی اور جذباتی وابستگی نہیں تھی مگر خود وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ سمیر یہیں رک جائے لیکن وہ سنبل کی طرح زبان سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی بس پتھرائے ہوئے انداز میں سب دیکھ رہی

تھی۔
جس کی زندگی اللہ تعالیٰ نے رکھی ہو اسے کون مار سکتا ہے سمیر کی پستول ہمیشہ بھری ہوتی تھی مگر اپنے نشانے بازی کے شوق کے باعث وہ کل ہی اسے خالی کرچکا تھا اور محض اپنی لاپروائی کی وجہ سے اسے آج لوڈ کرنا بھول گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ خرم پر گولی نہ چلا سکا۔
البتہ سنبل کی چیخ نے اس کی مشکل آسان کردی وہ جو یہاں سے بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا دل ہی دل میں سنبل کا شکر گزار ہوتے ہوئے پستول پشت کی جانب لے جا کر پینٹ میں پھنساتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔
"جاؤ کیا یاد کرو گے۔ گرل فرینڈ کی دوست کی خاطر آج تمہاری جان بخش دیتا ہوں ورنہ..." سمیر نے صرف اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لیے اپنے گولی نہ چلانے کی صفائی دی تھی۔
مگر اس کی بات خرم تو کیا، نمل کو بھی تیر کی طرح لگی تھی اس کا دل چاہا وہ ابھی چیخ چیخ کر اس کی بات کی تردید کردے مگر وہ شرمندگی کے مارے اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکی جبکہ خرم کا دل چاہا اس بات پر سمیر کی ہی پستول سے اسی کو ختم کردے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ سمیر کی جانب بڑھا بھی تھا مگر سنبل کے اٹھ کر بیچ میں آجانے پر اس کے قدم رک گئے۔
"خرم پلیز چھوڑو یہ سب۔ اس وقت زوبیہ کو اسپتال لے جانا زیادہ ضروری ہے۔" سمیر خود بھاگنے کے لیے پر تول رہا تھا خرم کو سنبل کی جانب متوجہ ہوتا دیکھ کر وہ برق رفتاری سے منظر سے غائب ہوگیا۔
خود خرم بھی ساری باتیں ذہن سے جھٹکتا بے سدھ پڑی زوبیہ کی طرف بڑھ گیا۔
ماحول صاف ہوتا دیکھ کر نادر اور ہارون بھی حرکت میں آگئے اور خرم کے پاس چلے آئے۔
"تم ٹھیک تو ہو نا۔" ہارون نے فکر مندی سے پوچھا مگر خرم نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا وہ جلد از جلد زوبیہ کو اسپتال لے جانا چاہتا تھا اس کے ارادے کو بھانپتے ہوئے نمل تیزی سے بولی۔
"اسے کہاں لے کر جارہے ہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"
"کیوں؟" خرم نے ایک قہر بھری نظر اس پر ڈالتے ہوئے تپ کر پوچھا اسے یقین تھا نمل اس خطرے کے پیش نظر اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے کہ خرم، زوبیہ کی بے ہوشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جانے اس کے ساتھ کیا کر ڈالے۔
اور اس کا شک واقعی درست تھا۔ نمل، زوبیہ کے تن تنہا خرم کے ساتھ جانے کے حق میں نہیں تھی کیونکہ زوبیہ بالکل بھی ہوش میں نہیں تھی لیکن نمل یہ سب زبان سے نہیں کہنا چاہتی تھی۔
اسی لیے وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کہے کہ تبھی نادر اس کی حمایت کرتے ہوئے تیزی سے بولا۔
"ہاں ہاں۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے نمل تو کیا سنبل کو بھی ساتھ چلنا چاہیے اس لڑکی کو اس کے گھر پر ڈراپ کردیتے ہیں اس کے گھر والوں سے یہ دونوں بات کرلیں گی۔" نادر تائیدی انداز میں ہارون کو دیکھنے لگا تو اس نے بھی آنکھ کے اشارے سے خرم کو موقع کی نزاکت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔
خرم دل ہی دل میں بھنا کر رہ گیا مگر زبان سے کچھ نہیں بولا جانتا تھا اس وقت بحث کرنا بے کار ہے نمل ماننے گی تو نہیں الٹا وقت ہی ضائع ہوگا البتہ گاڑی کے قریب پہنچنے پر جب نادر نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو خرم دو ٹوک انداز میں بولا۔
"تمہیں ساتھ چل کر خاموش تماشائی بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نمل اور سنبل کے سامنے خرم کا یہ لب و لہجہ نادر کو سبکی کا احساس دلا گیا تھا تبھی وہ خاموشی سے ایک طرف ہٹ گیا کچھ کہہ کر وہ خرم کو اپنی مزید تذلیل کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اور عقلمند کے لیے اشارہ کافی کی ترجمانی کرتے ہوئے ہارون نے بھی ساتھ چلنے کا کوئی

ارادہ سرے سے کیا ہی نہیں۔
"اسے کون سے اسپتال لے کر جائیں گے یہ تو بالکل ٹھنڈی پڑی ہوئی ہے۔" گاڑی کی پچھلی سیٹ پر زوبیہ کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے سنبل اپنی عادت کے مطابق بری طرح پریشان ہو کر بولی مگر خرم نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے گاڑی پارکنگ سے نکالنے کے لیے ریورس کرنے لگا۔
"یہ بے ہوش کیوں ہو گئی اگر کسی کمزوری وغیرہ سے چکر آئے تھے تو اب تک تو اسے ہوش میں آجانا چاہیے تھا نمل تم نے تو پانی کے چھینٹے بھی مارے تھے اس کے منہ پر پھر بھی۔" سنبل اس کی بے ہوشی طویل ہوتی دیکھ کر اب روہانسی ہونے لگی تھی۔ فکر تو نمل اور خرم کو بھی ہو رہی تھی مگر وہ دونوں سنبل کے مقابلے میں زیادہ حوصلے والے تھے، تبھی ضبط کیے بیٹھے تھے البتہ سنبل کے سوال پر نمل خاموش نہ رہ سکی۔
"مجھے تو لگتا ہے یہ خرم کے دوستوں کو دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کے بارے میں ایسا کیا کہا تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی چیخ پڑی۔" نمل نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔
"مجھے کیا ضرورت ہے اپنے دوستوں کے بارے میں کچھ ایسا کہنے کی کہ کوئی ان سے خوف زدہ ہو کر بے ہوش ہو جائے۔" خرم کا موڈ تو پہلے ہی خراب تھا نمل کا مشکوک انداز دیکھتے ہوئے وہ بھی ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔
"تمہارے دوست تمہارے کتنے "دوست" ہیں وہ تو آج نظر ہی آگیا ہے ایسے میں اگر زوبیہ کو بے وقوف بنانے کے لیے تمہیں ان کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا بھی بولنا پڑا تو یہ تمہارے لیے کون سا مشکل کام ہے۔" نمل کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا وہ حقیقت پسندی سے بول رہی تھی۔
خرم کے لیے یہ انکشاف کوئی نیا نہیں تھا اسے پہلے سے ہی علم تھا ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق اور ٹائم پاس کرلینے والے اس کے نام نہاد دوستوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے برے وقت میں کام آجاتا لہٰذا وہ نمل کی بات کے جواب میں خاموش ہی رہا جسے دیکھتے ہوئے نمل زندگی میں پہلی بار بڑی رسانیت سے اس سے مخاطب ہوئی۔
"خرم! زوبیہ کے ساتھ یہ سب مت کرو۔ یہ بہت مختلف لڑکی ہے، بہت ڈرپوک بہت خاموش طبع اور بہت کمزور اعصاب کی تنہائی پسند ہے یہ۔
تم کہہ رہے تھے میں بھی لوگوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے والوں میں سے ہوں۔ تمہارا اشارہ اگر سمیر کی طرف ہے تو تم خود دیکھو سمیر اور زوبیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے تم اسے سمیر کے ساتھ کیسے کمپیئر کرسکتے ہو۔"
"کیا تم زوبیہ کو جانتی ہو؟" خرم نے بیک ویو مرر سے نمل کو دیکھا جس کی نظریں زوبیہ کے بے سدھ پڑے وجود پر جمی تھیں۔
"ہاں۔ یہ ہمارے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی۔" نمل صاف گوئی سے بولی۔
"تبھی تم نے مجھے اس کے پاس نمبر لینے بھیجا تھا تاکہ میں شرط جیت ہی نہ سکوں۔" خرم برجستہ بولا۔
"ہاں۔ لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بھی اسے جانتے ہو اس لیے اس کا نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔
انکار مت کرنا خرم۔ یہاں نہ تمہارے دوست ہیں نہ یونیورسٹی کے فضول اسٹوڈنٹس جو موبائل میں تمہارا اعتراف ریکارڈ کر کے فیس بک میں ڈال دیں گے۔" نمل اتنے وثوق سے بولی کہ خرم کا دل چاہا واقعی اعتراف کرلے کہ اس نے زوبیہ کی کمزوری کو جاننے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا نمبر حاصل کیا ہے۔
مگر کیا کرتا۔ عادت سے مجبور تھا۔ کسی بھی طرح سے خود کو ڈاؤن کرنا اسے منظور نہیں تھا۔ اپنے کریڈٹ پر ایک کامیاب آپریشن کو وہ حقیقت بیان کر کے ایک عام سے ٹرک نہیں بنا سکتا تھا۔

لیکن وہ اس کے یقین کو جھٹلا بھی نہیں سکا، جبکہ اس کی خاموشی کو محسوس کیے بغیر نمل کی بات پر سنبل کچھ چونکتے ہوئے بولی۔
"جب ہم لوگوں کی کلاسز نئی نئی اسٹارٹ ہوئی تھیں تب آپ نے ہماری کلاس میں آکر ایک لڑکے کا موبائل چھین کر توڑ دیا تھا۔
کیا اس نے بھی کوئی پکچر یا ویڈیو بنائی تھی جو اس کے اتنے مہنگے موبائل کا یہ حشر ہوا تھا۔"
"سمیر نے پہلے دن تم لوگوں کے ساتھ جو مذاق کیا تھا اس کی ویڈیو بنا کر فیس بک میں اسی نے تو ڈالی تھی۔ تم لوگوں نے نہیں دیکھی کیا۔" خرم سپاٹ لہجے میں بولا۔
"نہیں! کیا ایسی کوئی مووی بنی بھی تھی۔" سنبل نے اچنبھے سے کہا۔
"بنی بھی تھی اور سب نے دیکھی بھی تھی، سب سے زیادہ کمنٹس تم تینوں پر ہی تھے۔" خرم بے زاری سے بولا۔
سنبل حیرانی سے نمل کو دیکھنے لگی جو دانستہ خاموش رہی۔ اگر سمیر نے اپنے دوست کے تصویر لینے پر جس طرح اس کا ساتھ دیا تھا وہ نمل کو سخت ناگوار گزرا تھا۔
ہر چند کہ وہ سمیر کے لیے کوئی احساسات نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی اس سے کوئی امیدیں وابستہ کیے بیٹھی تھی۔ مگر اس کی حرکت نے نمل کو مایوس ضرور کیا تھا۔ چنانچہ اس وقت وہ اس کی حمایت کرنے کے بالکل موڈ میں نہیں تھی۔
پھر جانے کیوں اسے خرم کی بات صحیح لگ رہی تھی کہ وہ مذاق ان لوگوں کے ساتھ خرم اور اس کے دوستوں کی بجائے سمیر اور اس کے گینگ نے کیا ہو گا۔
شاید اس لیے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں تھی جس پر پردہ ڈالا جائے۔
فرسٹ ایر کو بے وقوف بنانا ایک عام رواج بن چکا ہے۔ سینئرز تو ڈنکے کی چوٹ پر یہ سب کرتے ہیں۔ پھر بھلا خرم کو سمیر کا نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔
بہر حال جو کچھ بھی تھا نمل نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔
کچھ ہی دیر میں وہ تینوں شہر کے جانے مانے اسپتال میں زوبیہ کو لے کر پہنچے تو ڈاکٹر کے جواب نے ان تینوں کی فکروں کو دور کر دیا۔
"بی پی بہت زیادہ لو ہو جانے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی ہے۔ ابھی تو میں ڈرپ لگوا رہا ہوں، ویسے ان کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھا جائے۔"
"ڈرپ لگنے میں تین، چار گھنٹے تو لگیں گے، اس کے گھر والوں کو انفارم کردو، ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گے۔" نمل نے خرم کو دیکھا۔
"میرا اس کے گھر والوں سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہے۔ اس کے بیگ میں دیکھو۔ موبائل میں اس کے گھر کا نمبر وغیرہ ہو گا۔ تم ہی بات کرلینا۔" خرم نے مکمل لاتعلقی ظاہر کردی۔
اور واقعی بلال اختر کا نمبر پاپا کے نام کے ساتھ سیو تھا۔ نمل نے ان سے بات کر کے زوبیہ کے اچانک بے ہوش ہو جانے کی اطلاع باقی ساری جزئیات بتائے بغیر دے دی تو وہ محض پندرہ منٹ میں سیدھا اسپتال پہنچ گئے۔
نمل اور سنبل سے مل کر وہ خاصے حیران لگ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کی بیٹی کی بھی لڑکیوں سے علیک سلیک نما دوستی ہے۔ جن کے ساتھ وہ یونیورسٹی گئی تھی۔
دراصل نمل اور سنبل نے یہی کہا تھا وہ اسکول کے زمانے میں ساتھ ہوا کرتی تھیں اور یہ تفصیل بتانے سے وہ

پہلو تہی کر گئیں کہ ان کے بیچ معمولی بات چیت بھی نہیں تھی۔

جبکہ خرم ایک طرف تماشائی بنا رہا۔ کس قدر سچائی کے ساتھ زوبیہ کا جھوٹ کھپ گیا تھا کہ اس کی کالج کی کچھ لڑکیوں کے بہن' بھائی جن کالجز اور یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں اور وہاں کے ماحول کی تعریف کرتے ہیں۔ زوبیہ وہاں جا کر ان تبصروں کا جائزہ لینا چاہتی ہے۔

نمل اور سنبل سے بات کر کے بلال اختر کو یہی لگا تھا کہ زوبیہ سے ان کی دوستی نہیں ہے۔ مگر اتنی بات چیت ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مزاج جانتی ہیں اور زوبیہ کی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی ان دونوں نے اسے فیسٹیول والے دن یونیورسٹی آنے کا مشورہ دیا ہوگا۔ تاکہ وہ اپنے ایڈجسٹ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ زیادہ آسانی سے کر سکے۔

یہ سارے اندازے بلال اختر کے خود ساختہ تھے۔ انہوں نے ایک بھی تصدیق نہیں کی تھی۔ زوبیہ کو بے ہوش دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے تھے اور زیادہ بات چیت نہیں کر پا رہے تھے۔

جب وہ تینوں جانے لگے تب اچانک انہوں نے چونکتے ہوئے خرم کو مخاطب کیا۔

"مجھے لگتا ہے میں تم سے مل چکا ہوں۔" بلال اختر کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

"جی بالکل۔۔۔ میں فرقان حسن کا بیٹا ہوں۔" خرم نے ایک اچٹتی سی نظر نمل پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔ آئی سی۔۔۔ کیسا لگ رہا ہے اپنے نئے گھر میں رہنا۔" بلال اختر خوش دلی سے بولے۔

"ہوں۔۔۔ گھر نیا لگتا ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے' ہم ہمیشہ سے وہیں رہ رہے ہیں۔" خرم نے پوری سچائی سے کہا۔

"That,s Good۔" بلال اختر نے کہا تو خرم الوداعی جملے بولتا ان سے مصافحہ کرتا آگے بڑھ گیا۔ نمل اور سنبل بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئیں۔

"ہمیں یونیورسٹی چھوڑ دو' ہم وہاں سے گھر چلے جائیں گے۔" خرم کے آگے بڑھتے قدم نمل کی آواز پر یک لخت رک گئے۔

"گھر ہی جانا ہے تو یونیورسٹی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔" خرم نے تلخی سے کہا۔ اس کی یہ خوامخواہ کی خودداری خرم کو اس وقت زہر لگی تھی۔

"میری گاڑی وہیں رہ گئی ہے۔ پھر میرا اور سنبل کا گھر الگ الگ جگہ پر۔۔۔"

"تو رکشا کر کے یونیورسٹی چلی جاؤ نا' اتنا بھی احسان لینے کی کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں سے واپس تمہیں یونیورسٹی لے کر جاؤں۔" خرم بری طرح چڑ کر بولا۔

اس کے مزاج پر پہلے ہی جھنجلاہٹ سوار تھی۔ اس پر نمل کی بے جا باتیں۔۔۔ وہ تپ کر رہ گیا تھا۔

بات تو اس نے طنزیہ کہی تھی۔ مگر نمل واقعی سوچ میں پڑ گئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ وہ اور سنبل آرام سے رکشا میں جا سکتی تھیں۔ بلکہ گاڑی بھی یونیورسٹی سے لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک دن کی بات تھی۔ سنبل کے والد بھی انہیں یونیورسٹی ڈراپ کر سکتے تھے۔

"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔ چلو آؤ سنبل۔" نمل نے ایک ہی پل میں سب سوچ کر اگلے پل قدم گیٹ کے ساتھ قطار سے کھڑی رکشا کی طرف بڑھا دیے۔

خرم پہلے تو سمجھا ہی نہیں کہ وہ اچانک کہاں چل پڑی۔ پھر اسے رکشا والے سے بات کرتا دیکھ کر پہلے تو خرم حیران حیران سا اسے دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ دونوں اس رکشا میں سوار ہو کر اس کے سامنے سے گزرتی چلی گئیں تب خرم بھناتا ہوا اور پاؤں پٹختا اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

ابھی وہ گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر وکی کا نمبر دیکھ کر دل تو چاہا کال کاٹ دے۔

ویسے بھی اس وقت اسے بے تحاشا تھکن ہو رہی تھی۔ اس کا دل بستر پر لیٹ کر سونے کا چاہ رہا تھا۔ ایسے میں بھلا وکی سے بات کرنے کی خواہش کیسے ہو سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔ توقع کے عین مطابق وہ اس کی طرف سے غیر معمولی فکر کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس پر خرم نے اسے فوراً" ہی جھڑک دیا۔

"اتنی پروا تھی میری تو اس وقت منہ چھپا کر کیوں بھاگ گئے۔ جب میں اکیلا ان سب سے لڑ رہا تھا۔" وکی جیسے ڈھیٹ انسان پر طعنے بازی کا کیا اثر ہونا تھا۔ وہ آئیں بائیں شائیں کر کے اصل مدعا پر آگیا۔

"یار یہ زوبیہ تو بہت ہی حسین لڑکی ہے۔ میں نے اس دن ہوٹل میں تو اسے ٹھیک سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ کیا چیز ہے یار۔"

"بکواس بند کرو وکی' میرا دماغ اس وقت پہلے ہی گھوما ہوا ہے۔" خرم فون کاٹنے والا تھا کہ وکی تیزی سے کہنے لگا۔

"دماغ تو یونیورسٹی میں سب کا گھوم رہا ہے۔ ایک تو تمہارے ساتھ اسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے ہیں۔ پھر دوسرے جس طرح وہ حمید کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر بے ہوش ہوئی ہے۔ اس پر تو تمام اسٹوڈنٹس بات کر رہے ہیں۔ اک سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ کہہ رہے ہیں یہ ڈرامہ تھا۔ کیا اس نے کچھ بتایا کہ وہ حمید کو دیکھ کر کیوں چیخی تھی۔" وکی کے لہجے میں بلا کا تجسس سا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں بتایا۔۔۔ اور اگر بتایا بھی ہوتا تو بھی تمہیں کچھ نہ بتاتا۔ سن لیا یا اور کچھ سننا ہے۔" خرم نے تپے ہوئے انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ بلکہ موبائل ہی آف کر دیا۔ تاکہ اب مزید کوئی اس کو پریشان نہ کر سکے۔

حالانکہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو اتنا پریشان کر لیا تھا کہ اب مزید کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

یہ سوال تو خود اس کے ذہن میں اٹھ رہا تھا کہ زوبیہ صرف حمید کو دیکھ کر ہی دونوں بار خوف زدہ کیوں ہوئی۔ کیا اسے واقعی کچھ نظر آتا ہے یا یہ صرف اس کی نفسیاتی بیماری ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہونے کے باوجود اس سوال کو حل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

رومیلہ کو گھر پر ڈراپ کرنے کے بعد الیان' شاہد اور نوید کے ساتھ پلان کے مطابق آگے کہیں چلا گیا۔

آج شام وہ سب گاؤں جا رہے تھے۔ اس حوالے سے نانی اماں اور ماموں وغیرہ ہوٹل سے چیک آؤٹ کر کے ریاض غفار کے گھر ہی آ گئے تھے۔ چنانچہ گھر میں ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔ رومیلہ کو یہ ماحول بہت پسند تھا۔ ان تمام بزرگوں اور کزنز کی موجودگی میں رومیلہ کو ریاض غفار کی فیملی کا اکھڑا ہوا رویہ محسوس کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

کیونکہ بریرہ نے ابھی تک اس سے ایک لفظ بات نہیں کی تھی۔ مگر رومیلہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے دیتی کہ اس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ تمام سسرالیوں کے بیچ میں وہ خاص طور سے اس سے کیا مخاطب ہو۔

مگر شگفتہ غفار کا رویہ اسے چیخ چیخ کر احساس دلاتا کہ انہوں نے محض زبردستی اسے بہو کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں اس کے لیے ایسی نفرت بھری تھی کہ رومیلہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کرتی۔

بس ایک ریاض غفار کا رویہ قدرے نارمل تھا۔ بہت جوش و خروش اور لگاوٹ تو ان کے انداز میں بھی نہیں تھی۔ بڑا ہی رسمی سا طریقہ ہوتا تھا ان کے مخاطب ہونے کا۔ مگر باقی سب کے مقابلے میں یہ نپا تلا انداز بھی رومیلہ کو گہری تاریکی میں امید کی ایک کرن کی طرح لگتا تھا۔

پھر دوسرے یہ کہ وہ نمل کی ہدایت کے مطابق جلنے کڑھنے اور منہ بسورنے میں اپنی ہمت اور طاقت ضائع نہیں

کرنا چاہتی تھی۔ یہ بھلے ہی ایک مشکل عمل تھا۔ مگر وہ مسائل کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ جس کے باعث اتنے ڈپریشن میں چلی جائے کہ وہ مسئلہ بھی حل نہ کر سکے، جس کو سلجھانا ناممکن ہو۔
اس لیے وہ زیادہ سے زیادہ خوش اور مطمئن رہنا اور نظر آنا چاہتی تھی' جو کہ نانی اماں کے گھرانے کے سامنے خاصا آسان تھا۔
اس کی تقریباً" تمام ہی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ سب ہی خوش مزاج اور ہنس مکھ تھیں۔ رومیلہ ان کے ساتھ لگ کر واقعی دیگر سارے رویے اور مسئلے بھول جاتی۔ اس لیے گاؤں جانے تک کا راستہ کم از کم رومیلہ کے لیے بڑا خوش گوار اور یادگار رہا۔
البتہ اس کی موجودگی میں بریرہ کی ذات بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ اس سے گھل مل نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی کزنز کو اس سے بے تکلف ہونے سے روک سکتی تھی۔ جس کے نتیجے کے طور پر وہ سر درد کا بہانہ کر کے اس گاڑی میں جا بیٹھی تھی جس میں ماموں جان اور ڈرائیور کے علاوہ صرف سامان رکھا ہوا کہ یہاں خاموشی ہے تو وہ آرام سے سو سکتی ہے۔
لیکن جب اندر آگ لگی ہو تو کیسا آرام اور کہاں کی نیند۔ اپنے دامن کے داغ دار ہونے کا احساس اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔
حامد کو پتا چل جانے کا خوف اسے ڈرا رہا تھا۔
رومیلہ کے لیے نفرت اسے جلا رہی تھی۔
نانی اماں کے گھر والوں کی رومیلہ کے لیے پسندیدگی اور اسے سراہنا اسے سلگا رہا تھا۔
شگفتہ غفار کی حالت بھی کم و بیش ایسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی بری تھی۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری لڑکیوں کو رومیلہ کے پاس سے ڈانٹ کر اٹھاویں جوان کی بیٹی کی بجائے اس چڑیل کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا رومیلہ نے آتے ہی بریرہ کی جگہ چھین لی ہے۔
وہ لڑکیاں اپنی بھابھی کے آنے پر خوش ہونے کی بجائے رومیلہ کے گن گا رہی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہی تھیں کہ بریرہ ان کے گھر کی لڑکی تھی' جسے وہ بچپن سے دیکھ رہے تھے۔ اسے بیاہ کر لانے کی خوشی اپنی جگہ 'مگر اس کی ذات کے پرت کھولنے کا کوئی تجسس نہیں تھا۔ کیونکہ وہ سب پہلے ہی ان پر وا تھا۔ دوسرے ان کی اپنی بیٹی سب سے کنارہ کشی اختیار کیے بیٹھی تھی تو کوئی کتنی دیر اس کے پاس بیٹھ سکتا تھا۔
مگر یہی تو انہیں افسوس تھا کہ بریرہ کنارہ کشی اختیار کرنے والوں میں سے تھی ہی نہیں۔ وہ تو بہت خوش مزاج اور باتونی تھی۔ مگر اس چڑیل اور اس کے بھائی کی وجہ سے ان کی بیٹی کی ساری شوخی ختم ہو گئی تھی۔
انہیں اس قدر صدمہ تھا کہ ریاض غفار کے سختی سے تنبیہہ کرنے کے باوجود وہ رومیلہ کے لیے اپنے رویے میں تبدیلی نہیں لا سکی تھیں' بلکہ انہیں تو ریاض غفار کا اس کے ساتھ نارمل طریقے سے بات کرنا بھی کھٹک رہا تھا۔
ایک طرف الیان تھا' جس کے رویے کا وہ مشاہدہ نہیں کر پا رہی تھیں۔ ان کی والدہ کے گھر میں پردے کا ماحول تھا۔ چنانچہ تمام لڑکیوں کے ہوتے ہوئے الیان ان کے پاس آتا ہی نہیں تھا۔ اور بس ایک یہی بات تھی جس کی وجہ سے انہیں اپنے یہاں آجانے پر خوشی ہوئی تھی۔
لیکن وہ خوشی اس وقت ملیامیٹ ہو گئی جب ریاض غفار اور شگفتہ غفار کی طرح الیان اور رومیلہ کو بھی آرام کے لیے ایک کمرہ عنایت کر دیا گیا۔ شگفتہ غفار تو نانی اماں کی۔

"چلو سب اپنے اپنے کمروں میں جاکر آرام کرو۔" کی ہدایت پر بے ساختہ بولنے والی تھیں۔
"رومیلہ' الیان کے کمرے میں نہیں' بلکہ ان لڑکیوں کے کمرے میں رہے گی۔" لیکن بروقت اپنی بات کے نامناسب ہونے کا احساس انہیں خاموش کراگیا۔ ایسی کوئی بات کہہ کر وہ والدہ کی زبردست جھاڑ سننے کے بالکل موڈ میں نہیں تھیں اور نہ ہی اپنی بھابھیوں کے سامنے خود کو کوئی ظالم ساس ہونے کا خطاب دینا چاہتی تھیں۔ پہلے ہی سب ان کا اکھڑا اکھڑا رویہ محسوس کررہے تھے۔ ایسی بات منہ سے نکال کر تو وہ گویا سب کو خود سے بری طرح بدگمان کرلیتیں اور پھر ان کی ایک بھابھی تو اب خود ان کی اپنی بیٹی کی ساس بن گئی تھیں۔ ایسے میں سمجھ داری کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ اپنی بہو پر جان چھڑکنے والی ساس بن جاتیں۔ تاکہ ممانی جان بھی بریرہ کے ساتھ ایسی ہی بن جائیں۔
لیکن بعض اوقات انسان جانتے بوجھتے غلطیاں کرتا ہے اور عقل پر جذبات کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ چنانچہ شگفتہ غفار کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر چبھتی ہوئی نظروں سے رومیلہ کو اپنے کمرے کی جانب بڑھتا دیکھتی رہیں۔ اتنا ہی بہت تھا کہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔
مگر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ان کی آنکھوں سے نفرت و حقارت کی ایسی چنگاریاں نکل رہی تھیں کہ رومیلہ جو سکینہ کی کسی بات پر ہنستے ہوئے بڑے خوش گوار انداز میں اس کی رہنمائی میں چل رہی تھی ٹھٹک کر رک گئی۔
اسے اچانک اپنے چہرے پر اتنی تیز تپش کا احساس ہوا تھا کہ اس کی نظریں خود بخود شگفتہ غفار کی جانب اٹھ گئیں۔
پھر تو اس کے قدموں کو کیا اس کی ہنسی کو بھی بریک لگ گئے۔ شگفتہ غفار کی صرف زبان خاموش تھی۔ باقی ان کے تمام اعضا اس سے اپنی نفرت کا کھل کر اظہار کررہے تھے۔ سکینہ نے صرف اتنا کہا تھا کہ۔۔۔
"اب آپ بھی تھوڑا آرام کرلیں۔ سب مرد حضرات تو سونے بھی لیٹ گئے ہیں۔ آئیں میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھادوں۔"
رومیلہ اس کی بات سن کر اٹھ گئی تھی۔ اسے تو خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس کمرے میں الیان بھی ہوگا۔ سکینہ اسے اپنے میڈیکل کالج کا کوئی قصہ سنارہی تھی۔ جسے رومیلہ کے اٹھنے کے بعد بھی اس نے جاری رکھا تھا اور جو رومیلہ کے لیے اتنا دلچسپ تھا کہ وہ بے ساختہ ہنسے جارہی تھی۔
مگر شگفتہ غفار کے تاثرات دیکھتے ہی اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت ان کے چہرے پر پھیلی بے زاری اور حقارت ہمیشہ سے زیادہ تھی۔
رومیلہ بے اختیار کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ سکینہ کو ٹوکنا پڑا۔
"کیا ہوا بھابھی چلیں نا۔"
"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کہاں چلنا ہے؟" رومیلہ غیر ارادی طور پر بولی تو سکینہ ہنس پڑی۔
"بھئی اپنا کمرہ دیکھ لیں اور تھوڑا آرام کرلیں' لگتا ہے آپ کچھ زیادہ ہی تھک گئی ہیں۔ آپ کہیں تو میں آپ کے لیے چائے بھجوادوں۔ الیان بھائی سے بھی پوچھ لیں۔" الیان کے نام پر رومیلہ چونک اٹھی۔ تو گویا وہ الیان کے کمرے میں جارہی ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں شگفتہ غفار کی طرف اٹھ گئیں اور اس بار وہ جس طرح ہولیں رومیلہ کو سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی کہ وہ اسے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں۔
"تم بھی کمال کرتی ہو سکینہ! الیان کوئی جاگ تھوڑی رہا ہوگا' جو اب بیٹھ کر چائے پیے گا۔ شادی اور سفر کی تھکان میں وہ تو بستر پر لیٹتے ہی سو گیا ہوگا۔ خوامخواہ چائے وغیرہ بنا کردینے کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ چائے پینے کے مرحلے میں باتوں کا دور چل نکلے گا۔ پھر سونا اور آرام کرنا سب ایک طرف ہوجائے گا۔" وہ جس طرح انگارے

...باتے ہوئے بول رہی تھیں۔ وہ رومیلہ کے لیے نیا نہ ہونے کے باوجود نیا تھا۔
سکینہ تو ان کی بات کا پس منظر نہیں سمجھی' کیونکہ وہ بہت ساری باتوں سے بے خبر تھی' لیکن رومیلہ کو بخوبی ...ساس ہوگیا تھا کہ وہ اسے کیا باور کرانا چاہتی ہیں۔
الیان کمرے میں چائے پیتے وقت بھلا کس سے باتیں کرسکتا تھا۔ رومیلہ کی موجودگی میں اس کا کوئی کزن تو ...کرے میں آئے گا نہیں۔
پھر الیان کو آرام کرنا چاہیے اور اسے سونے دینا چاہیے۔ چائے اور باتوں کا وقت نہیں ہے۔
یہ ساری ہدایتیں کسے دی جارہی تھیں۔ جو شگفتہ غفار رومیلہ کو سنانا اور جتانا چاہتی تھیں۔ وہ اس کی سمجھ میں ...بھی طرح آگیا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کررہی ہیں۔
کیوں وہ نہیں چاہتیں کہ وہ الیان کے ساتھ جاکر اس کے کمرے میں رہے۔
کیوں وہ یہ چاہ رہی ہیں کہ اس کے کمرے میں جانے سے پہلے ہی الیان سوچکا ہو۔
رومیلہ کتنی ہی دیر شگفتہ غفار کو دیکھتی رہی' جو خود بھی اسے غصے سے گھور رہی تھیں۔ لیکن سکینہ کے ٹوکنے پر ...میلہ مشینی انداز میں گھومتی اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگی اور جب تک وہ تائی اماں کے کمرے سے نکل نہیں ...ئی اسے اپنی پشت پر شگفتہ غفار کی نفرت بھری نظروں کی تپش محسوس ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے ...کے دروازے پر پہنچ گئی۔ ایک طویل راہ داری عبور کرلینے کے باوجود' ان کی نظروں کی حدود سے نکل جانے کے ...جود ان کے سامنے موجود نہ ہونے کے باوجود۔
اس نفرت بھری نظروں کا حصار اس کے گرد ہی کھنچا رہا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

☆ ☆

اُمِ طیفور

رمضان شروع ہونے میں محض دو چار دن رہ گئے ہیں۔ اور ہر "پکے مسلمان" کی طرح میں نے بھی پورے جوش و خروش سے کمر کس لی ہے۔ ہزاروں کام بھگتانے والے ہیں۔ گھر کی تفصیلی صفائی' کچھ نئے آئٹمز کی خریداری مثلاً نئے پردے' کشن کورز' بیڈ شیٹس نئی کراکری ڈیکوریشنز وغیرہ وغیرہ۔ میرا تو دماغ گھوم گیا ہے۔ سمجھ ہی نہیں آرہا کہاں سے شروع کروں۔ پورے مہینے کی راشن کی لسٹ' سوالگ آخر میاں جی اور بچوں کی فرمائش پہ سحری اور افطاری کے لیے جو ان گنت لوازمات چاہئیں ان کی تیاری کے لیے مجھے ابھی سے ہی کمر کسنی ہے۔ رول' کباب' سموسے' کٹلس اور نگٹس۔ یہ وہ چیزیں ہیں' جن سے پورا مہینہ میرا فریزر لبالب بھرا رہتا ہے۔

زبیر جنہیں میرے خاوند کے عہدے پہ فائز ہونے کا درجہ حاصل ہے' ان کے لیے سارا کمال بس یہی ہے کہ ایک خطیر رقم' ان تمام چیزوں کی خریداری کے لیے میرے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اور بس! پھر میں جانوں اور میری اکیلی جان۔ اوپر سے افطار پارٹیوں کے بھی بلا کے شوقین ہیں۔ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی کو انوائٹ کر لیتے ہیں۔ ایسے میں ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ میرا اس صورت حال میں کیا حال ہو سکتا ہے؟ وہ تو ابھی اللہ کا شکر ہے کہ میرے پاس دو کل وقتی ملازمائیں ہیں۔ جو بچوں کے ساتھ ساتھ گھر کی بھی دیکھ بھال کر لیتی ہیں۔ عید تہوار پہ بھی میں انہیں گھروں کو نہیں بھیجتی' اب ظاہر ہے سو طرح کا آنا جانا لگا رہتا ہے' میں تنہا تو نہیں بھگتا سکتی نا؟ اور پھر غریبوں کی بھی کیسی عید؟ حق ہاہ...!

بے چاروں کو دس' دس ہزار کے عوض ماں باپ کام کرنے کے واسطے لوگوں کے گھروں میں رکھواتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ بس مہینے کے کسی ایک دن آکر ان کی تنخواہ لے جانا نہیں بھولتے۔ بس اس کے علاوہ ساری سرور دلی ہماری۔ کپڑا لتا' کھانا پینا ہر چیز کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی بات سے یاد آیا ابھی تو مجھے اپنی "چھوٹیوں" (اصل میں ہمارے ہاں ان لڑکیوں کو اصل ناموں کی بجائے چھوٹی اور ننھی ٹائپ ناموں سے ہی پکارا جاتا ہے۔) کے لیے بھی کپڑے نکالنے ہیں۔ دونوں کو ہی اپنے پچھلے سیزن کے پہنے "عمدہ سوٹ" کاٹ چھانٹ کے بعد انہیں دیتی ہوں درزن تھوڑے سے پیسوں میں ان کے ناپ کا کر دیتی ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

مجھے تو درزن کے چہرے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیسا پانی بھر آتا ہے اس کے منہ میں' میرے اتنے عمدہ کپڑے دیکھ کر۔ توبہ اللہ برا وقت نہ دکھائے' بے چاری کے خود کے کپڑوں کا گھس گھس کر حشر ہو چکا ہوتا ہے۔ میں نے اکثر "دکھاوا" کرنے والی عورتوں کو اپنی اترن اسے پہنچاتے دیکھا ہے۔ جسے وہ اپنی چار عدد بیٹیوں اور خود کے استعمال میں لاتی ہے۔ لہٰذا میرے کپڑے دیکھ کر جو مخصوص "لالچ کی چمک" اس کی آنکھوں میں اترتی ہے وہ مجھے اندر تک پرسکون کر دیتی ہے۔ میں تسلی میں آجاتی ہوں کہ میرے گھر کام کرنے والی دونوں "چھوٹیاں" ان کپڑوں کو پہن کر شاد ہو جائیں گی۔

ایک دفعہ درزن نے مجھ سے تقاضا کیا بھی تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ آخر گھر میں کام کرنے والیوں کے تن بھی تو ڈھکنے ہیں نا! ٹھیک ہے کہ میں ایک سیزن کے کپڑے اگلے سیزن ذرا "سیاپے" سے ہی پہنتی ہوں پر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اپنے میاں کی محنت کی کمائی جھگیوں میں جا کر بانٹ آؤں' اب ہر سیزن کے کم از کم بھی چھ جوڑے میں سنبھالوں تو ایک' ایک کے حساب سے میری دونوں "چھوٹیوں" کے تین سیزن تو نکل گئے نا اسی لیے تو اوپر والے کمرے کی پوری وارڈ روب میرے پرانے کپڑوں سے بھری ہے۔ ساری عمر بھی پہنیں تو جوڑے کم نہ ہوں گے "چھوٹیوں" کے۔ اب میں نے ان غریبوں کا دل بھی خوش کرنا ہے نا اللہ جزا دے بس مجھے' اسی کا دیا ہے جو بانٹ رہے ہیں نہیں تو بندے کی کیا اوقات برا وقت ہو گیا اسی جوڑ توڑ میں' میرا خیال ہے اب میں بازار کے لیے نکل ہی پڑوں کیونکہ میں تو وہ "مومنہ" ہوں جو رمضان میں خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے لو لگا لیتی ہے۔ مجھے نہیں پسند اپنی عبادت میں خلل۔ میں تو رمضان سے دو دن پہلے ہی سب کچھ نبٹا کر کونا سنبھال لیتی ہوں' جہاں میں ہوتی ہوں اور مجھ پہ برستی ہوئی رب کی ان گنت "رحمتیں" باقی سب گھر کے دھندے نبٹانے کے لیے ہیں نا "میری چھوٹیاں"۔

☼ ☼ ☼

ناشتے کے بعد میں جلدی جلدی تیار ہوئی تیاری کیا کرنی تھی مجھ سے سادہ بندے نے؟ بس گاؤن پہن کے اسکارف لیتی ہوں۔ ذرا سی ہفنگ اور لائٹ رسٹ کلر کی لپ اسٹک پنسل لگا کر میں ریڈی ہوتی ہوں۔ میں شروع سے ہی خاصی سوبر واقع ہوئی ہوں۔ سو اس وقت بھی میں نفیس ہی دکھ رہی ہوں' اچھا چلیں چھوڑیں' میری نفاست کے قصے' کون سا آپ کو کتاب چھاپنی ہے۔ اچھا تو میں چاہ رہی ہوں کہ زبیر اور بچوں

کے واپس آنے تک میں مارکیٹ کا کام بھگتا آؤں۔ زبیر فیکٹری سے لوٹیں یا بچے اسکول سے مجھے گھر نہ پاکر باؤلے ہوجاتے ہیں۔"

"چھوٹی... اے چھوٹی۔ پتا نہیں کم بختیں فوراً کیوں نہیں آتیں۔ ارے آپ زیادہ چونکیں مت۔ یہ پاٹ دار اور تیز دھاڑ آواز میری ہی تھی جو مجھے بوقت ضرورت اپنی چھوٹیوں کو حاضر کرنے کے لیے نکالنی پڑتی ہے۔

لوگ حیران ہوتے ہیں کہ میں نے دو چھوٹیاں رکھی ہوئی ہیں تو کم از کم ایک کا نام بدل دوں۔ تو اس کے پیچھے بھی میری دوراندیشی کار فرما ہے۔ تمیز اور تہذیب جی ہاں! یہ دو عوامل ہیں۔ اب دیکھیں! میں جیسے ہی چھوٹی کی آواز لگاتی ہوں۔ دونوں پھرکی کی طرح گھومتی گھامتی میرے سامنے پہنچ جاتی ہیں، کیونکہ دونوں کو علم نہیں ہوتا کہ آیا بلایا کس چھوٹی کو گیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو زیادہ مستعدی کے ساتھ مجھ تک پہنچنا پڑتا ہے۔ اور اس چیز کے لیے مجھے بارہا دونوں چھوٹیوں کی ہڈیں سینکنی پڑی ہیں۔ تب جاکر یہ ادب دونوں کی جڑوں میں بیٹھا ہے۔

ٹھیک ہے جی! بہت سے لوگ میری اس لاجک پر ہنستے ہیں تو ہنسیں۔ لوگ تو پاگل ہیں۔ اب بھلا میں "بڑی والی چھوٹی" اور "چھوٹی والی چھوٹی" بلانے سے تو رہی افوہ... ا پھر کتنا ٹائم برباد ہوگیا۔

"اے چھوٹی الو کی پٹھی... ادھر مر۔" بس! دیکھا آگئیں نا دونوں۔

"چل چھوٹی گاڑی میں چل کر بیٹھ۔ میں کمرے کو لاک کر آتی ہوں۔" میں نے چھوٹی والی چھوٹی سے کہا، اور بڑی والی چھوٹی کو ضروری ہدایات دینے لگی جس میں سرفہرست گھر کی دیکھ بھال اور غیر ضروری کھانے پینے سے اجتناب شامل ہیں۔ زیادہ چرین گی تو کام کیسے کریں گی۔ سڈ حرام ہو گئیں تو ماں باپ کو کیا جواب دوں گی میں ان کے؟

نا بابا نا! اللہ معاف کرے، بیٹی کا معاملہ ہے، کل کو بیاہ ہے جانا ہے اور میں کسی کی بچی کی ہڈیوں میں پانی نہیں بٹھا سکتی۔ بس جی! ایسا ہی دردمند ہے میرا دل یہی تو وہ طور طریقے ہیں جنہیں سکھانے میں، میں ہلکان ہوگئی ہوں۔ آج میری آواز پہ دونوں بے شک مرنے پڑی ہوں بھٹ بھاگی آتی ہیں۔ تو کل ساس کی آواز پہ بھی لبیک کہیں گی نا! اور ساس مجھے دعائیں دے گی کیونکہ وہ بھی تو ویسی ہی تسکین محسوس کرے گی نا جیسی میں محسوس کرتی ہوں۔ بالکل ملکاؤں جیسی آہ! بس نیکی کرنے کا شوق گھٹی میں پڑا ہے میری۔

☼ ☼ ☼

بڑی والی چھوٹی کو ٹی وی لاؤنج کا مرکزی دروازہ بند کرنے کو کہہ کر میں پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ مالی لان میں اپنے گیارہ سالہ بیٹے کے ساتھ موجود پودوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف ہے۔ میں نے ایک سرسری نظر گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے دونوں پر ڈالی۔ آج پھر مالی کا بیٹا پھٹے ہوئے بوسیدہ جوتوں میں ہے۔ میرا دل تاسف سے بھر گیا۔ پر میں کیا کرسکتی ہوں؟ اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر میں تو پہلو نہیں بدلتی کجا گھر کی کوئی چیز کسی کو دینا۔

اب اس مالی کو ہی دیکھیں تین ماہ سے مجھ سے تقاضا کررہا ہے کہ میں زبیر کے اور اپنے منجھلے بیٹے کے جوتوں کی ایک، دو جوڑیاں اسے دے دوں۔ کیونکہ زبیر کا ناپ اسے لگتا ہے کہ اسی کے جوتے کا ناپ دے کر منگوایا جاتا ہے، ایسا ہی کچھ خیال اس کا اپنے بیٹے اور میرے منجھلے کے سائز کے متعلق بھی ہے۔ اب میں ٹھہری غریبوں کی مسیحا۔ لیکن میں کتنے غریبوں کا دکھ بانٹوں؟ اصل میں میرے شوہر زبیر اور بچے ذرا اصل طبیعت کے ہیں۔ نرم سے نرم کپڑا اور نرم سے نرم جوتا انہیں سوٹ کرتا ہے اور اسی مجبوری کے باعث وہ ہمیشہ "ربن سول" "ہش پپیز" یا اسی پائے کے شو اسٹورز سے خریدنا پسند کرتے ہیں۔ اور کوئی جوتا بھی چار ہزار سے کم کا ہوتا نہیں "اوپر سے نخرے اتنے ہیں کہ حد نہیں صرف ایک سیزن پہنیں گے اور اگلی دفعہ آؤٹ فیشن کہہ کر میرے متھے منڈھ دیں گے۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آتا ہے جب وہ نئے نکور ہی رد کردیے جاتے ہیں۔ آخر میرے شوہر کی محنت اور جان فشانی کی کمائی ہے اور اس کمائی کو مکمل طور پر ضائع ہونے سے بچانے کے لیے میں نے تقریباً" دو سال پہلے کمال کا حل ڈھونڈ نکالا جس سے ایک غریب کی دعائیں بھی مفت میں ہاتھ آجاتی ہیں۔

زبیر کی فیکٹری کا چوکیدار جو پٹھان ہے۔ شام کے وقت لنڈا بازار میں جوتوں کا ٹھیلا لگاتا ہے۔ غریب آدمی ہے، مجھے معلوم ہوا تو میں نے بلوا بھیجا۔ بس کچھ دیر کی تکرار کے بعد طے پایا کہ وہ ہر تین ماہ بعد آکر تمام جوتے مجھ سے لے جایا کرے گا اور فی جوڑی کے حساب سے مجھے سات سو روپے ادا کرے گا۔ خود تو اس نے فی جوڑی ہزار سے اوپر ہی وصولنے ہوتے ہیں۔ آخر نئے نکور اور برانڈڈ شوز دیتی ہوں اسے۔ اور اب تو ویسے بھی لنڈے والوں کو آفت آئی ہوئی ہے۔ اتنے سستے یہ بھی نہیں رہے۔ اب دنیا نے تو یہی کہنے گی نا کہ غریب کا بھلا کردیا میں نے۔ اور اپنے خاوند کی کمائی کا چوتھائی وصول کرکے ثواب بھی کما لیا۔ بس یہی غریب ہے وہ جو مجھے مالی کو جوتے نہیں دینے دیتا۔ میں بھی کیا کروں؟ غریب بھی تو اینٹ اکھاڑے، دو نکل آتے ہیں، اب یہ تو کسی کی زیرک نگاہی ہے کہ اپنے مطلب کا غریب چن لے۔

میں تو کہتی ہوں جی دو دن کی زندگی ہے۔ (چار دن کی زندگی والا محاورہ ایکسپائر ہوچکا ہے) بندیاں جتنا ہوسکے رب کو راضی کریں اور رب کے بعد خاوند کو۔ مجھے ہی دیکھیں اس غریب پٹھان کو انتہائی سستے داموں مہنگے ترین جوتے دے کر رب راضی کرتی ہوں اور شوہر کی کمائی کو مکمل طور پر اجڑنے سے بچا کر شوہر مناتی ہوں ٹھیک ہے دنیا کی نظر میں سات سو روپے ایک جوڑی جوتے کے پیچھے بچانا کوئی معنی نہیں رکھتا ہوگا۔ پر صرف سات سو تھوڑی ہوتے ہیں، تین میرے بیٹے "ایک میرا شوہر" سب کے ملا کر آٹھ دس جوڑیاں جوتے تو ہوگئے نا۔ اب لگالیں ذرا حساب "سات سو روپے کے حساب سے، اتنے تو ماشاء اللہ ذہین ہوں گے ہی آپ "مگر مجھ سے کم" شکر میرے مولا تیرا! سب تیری ہی دین ہے۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک اوسط درجے کا ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہے۔ یعنی یہاں ہر طرح کا طبقہ خریداری کرتا پایا جاتا ہے۔ چند سو کی چیزیں خریدنے والے بھی میں نے یہاں ٹرالی گھماتے دیکھا ہے اور تیس، چالیس ہزار کی گروسری کرتے بھی لوگ یہاں پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ صاف ستھرا اور ریٹ میں دوسرے اسٹورز کے مقابلے میں نمایاں فرق کی بنا پر خوب چلتا ہے۔

یہاں آکر میری قدر و منزلت میں خوب اضافہ ہوجاتا ہے۔ میں ٹھہری عزت نفس اور انا پہ جان دینے والی۔ اپنا بھرم بنائے رکھنے کی خاطر کسی بھی حد تک جانے والی۔ اسی لیے میں جب یہاں سے ماہانہ سودا سلف خریدنے کے بعد کبھی تیس کبھی پینتیس اور کبھی اس سے زیادہ ہزاروں کی رقم ادا کرکے ٹرالیوں کی قطار کے ہمراہ باہر نکلتی ہوں تو لوگوں کی نگاہوں کا رشک اور عملے کا میری جی حضوری میں بچھ بچھ جانا میرے وزن میں ہمیشہ سے اضافے کا سبب بنا ہے (زبیر کا خیال ہے کہ ہر ماہ اتنا راشن ٹھونسنے کے بعد میں وزن بڑھا لیتی ہوں، جبکہ میرا خیال وہی ہے جو میں اوپر بیان کرچکی ہوں) بس اسی بھرم کے قائم رہنے کی میں سدا دعا مانگتی ہوں۔

"اچھا! اب میں اندر چلتی ہوں۔ رمضان کی خریداری تو کچھ ایکسٹرا ٹائم لے لیتی ہے۔"

"چل چھوٹی!" کم بخت کو ٹھوکا دیے بغیر ہلانا عذاب ہے۔ باؤلی نہ ہو تو... جتنا مرضی کھلاؤ پلاؤ گٹوں میں پانی پڑا ہی رہتا ہے ان چھوٹیوں کے۔

اب اندر ______ گھس کر بھی مرداروں کی طرح ٹرالی گھسیٹے گی۔ خیر دفع کریں۔ آئیں آپ بھی ذرا اندر چل کر رمضان المبارک کے برکتوں اور رحمتوں والے مہینے کے لیے مجھ جیسی ناچیز اور عاجز کی تیاری اور جوش

وخروش دیکھیے۔

توبہ۔۔۔ توبہ! اس قدر رش ہے۔ لو! بندہ پوچھے مفت بٹ رہا ہے کیا راشن؟ اب طرح طرح کی بدبوئیں "سونگھنی پڑیں گی۔ یہ عورتیں اتنا نہیں کرتیں کہ ہم جیسوں میں آنے سے پہلے پسینے کے بھبکے مارتے کپڑے ہی بدل آیا کریں۔ چلیں! کیا کیجئے' میری بھی مجبوری ہے کہ مجھے آج ہی خریداری کا کام ختم کرکے مصلہ سنبھالنا ہے میرے تو ذکر واذکار کی ہی بڑی لمبی فہرست ہے۔ فہرست سے یاد آیا کہ میں بھی راشن کی طویل فہرست نکال لوں' نہیں تو بڑا کچھ بھول جاتا ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے' یہ آپ چھوٹی کو تو دیکھ ہی رہے ہوں گے کیسے دھڑا دھڑ ٹرالی میں میرا مطلوبہ سامان بھرتی جارہی ہے۔ یہ ہے میری ٹریننگ کا نتیجہ۔ ہر ماہ آتی ہے میرے ساتھ کون سا پروڈکٹ یا آئٹم کس مقدار اور حساب سے ٹرالی میں رکھنا ہے' سب پتا ہے اسے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آکر فہرست بھی لے جائے گی مجھ سے۔ اور جو چیزیں رہ گئی ہوں گی انہیں بھی پورا کرلے گی (جو تھی سے اٹھوایا تھا میں نے اسے' اس کی ماں کو کہہ کر وہی تھوڑا لکھا پڑھا میرے بھی کام آجاتا ہے)

"آئے ہائے۔۔۔ ! یہ دیکھو' بے چاری دو چھوٹی بچیاں کیش کاؤنٹر پر آئی ہیں' چینی کا دو کلو والا پیکٹ اور روح افزا کی چھوٹی بوتل پکڑے۔ لیکن ہاتھ میں ہیں صرف 150 روپے۔ لو بھلا بتاؤ اتنے پیسوں میں کہاں آئے گا یہ سب توبہ! کتنے ظالم ہیں یہ لوگ' بے شرمو اتنا بڑا اسٹور چلا رہے ہو' اتنا دے رکھا ہے رب نے بے چاری کو اللہ واسطے کی ہی دے دو۔ حالت تو دیکھو غریب کی۔ یا اللہ تو معاف کرنا ہمیں' تیرا دیا کھاتے ہیں' غریبوں کا بھی کیا روزہ؟ دو کلو چینی اور روح افزا کی بوتل تو خرید نہیں سکتے' روزے کیا خاک رکھیں گے۔"

اب یہ سامنے انتہائی قیمتی کپڑوں میں ملبوس عورت کو ہی دیکھیے کتنا سونا چڑھا کر آئی ہوئی ہے۔ موئی پھسکی اتنا نہیں کرتی رمضان شروع ہونے سے پہلے پہلے نیکیوں کی "بونی" کردے۔ نظر بچا کر تھوڑے سے پیسے تھمادے بے چاریوں کو۔ پر نہیں جی! اتنا کلیجہ کہاں سے آئے لوگوں میں۔۔۔ بس بھینس جیسے دیدے پھاڑ کر تماشا دیکھ رہی ہے۔

اب میں کہاں جاؤں اپنا "ٹشو پیپر" جیسا دل لے کر۔ ادھر کسی کے آنسو بہے نہیں' ادھر یہ گیلا ہوکر سکڑا نہیں۔ پر مجھ سے ریاکاری کیسے ہو؟ کیسے کروں میں دکھاوا؟ دینے کو میں دے دوں پر میں کیسے بھری دنیا کے سامنے اپنی نیکی جتادوں۔ ایک دو چار سو روپے کے لیے میں اپنا پردہ کیسے کھولوں۔۔۔؟ آہائے! چلی گئیں بے چاریاں بیچ بیچ یا اللہ تو غریبوں کے گھر بھردے۔ تو قادر ہے۔

"ہیں۔۔۔ ہیں۔۔۔ یہ دیکھیے ذرا کمبخت چھوٹی کو' دیکھیے دیکھیے پانچ سو ہی ہے نا؟ نمک حرام نے اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھ رکھے تھے' وہی ان بچیوں کو پکڑا دیئے ہیں۔ دیکھا ان چھوٹیوں کی کم ظرفی کو۔ کھلائیں ہم' پلائیں ہم اور جمع جتھا یہ لٹادیں دوسروں پر۔۔۔ سمجھ رہی ہے بڑی نیکی کی۔ بھلا غریب کی بھی نیکی کوئی نیکی ہوتی ہے۔

چل چھوٹی! ذرا گھر چل' تیرے سارے جوڑ کھولتی ہوں۔۔۔ پہلے میں کاؤنٹر پہ اپنا پینتیس ہزار کا بل ادا کردوں۔ یہ ذلیل چھوٹی کب کی ساری ٹرالیاں لیے کیش کاؤنٹر پہ پہنچ چکی تھی اور میں معصوم' خیالوں میں مگن دیکھ بھی نہ سکی۔ اوپر سے کمبخت پانچ سو روپے کا نقصان بھی کرا بیٹھی۔ اور یہ تو میں سود سمیت وصول کرہی لوں گی۔ آخر شوہر کی کمائی یہ جان لٹا سکتی ہوں میں۔"

☼ ☼ ☼

"یا اللہ! یہ منحوس چپ کیوں نہیں کرتی؟ روئے چلی جارہی ہے' روئے چلی جارہے۔ جیسے ماں مرگئی ہو اس کی۔" ایک تو ان چھوٹیوں کے رنگ قدرتی پکے ہوتے ہیں اوپر سے ذرا منہ کے زاویے بگڑیں تو۔۔۔ آگے آپ خود تصور کرلیجیے۔ کتنی بدہیت دکھتی ہیں۔

"آخر میں نے کہہ کیا دیا ہے؟ انگلی تک تو لگائی نہیں حالانکہ 500 روپے غرق کرنے کا تھوڑا

بہت حق بنتا تھا۔ اب ٹھیک ہے نا! مجھے غصہ تو بڑا تھا اس بات کا پر اللہ قسم میں نے اپنے ہاتھوں کا استعمال نہیں کیا۔ وہ تو نائی نے اپنے ہاتھوں کی مہارت کا مظاہرہ کیا ہے' میری چھوٹیوں کے سر پر۔"

"ارے' ارے! منہ تو بند کیجیے آپ لوگ۔ میرا مطلب ہے کوئی اتنا بڑا ظلم نہیں توڑ بیٹھی میں۔ آپ ساری بات سن لیجیے' پھر خود ہی سمجھ آجائے گی۔ آپ خود ہی نتیجہ نکال لیں گے کہ سارا کریڈٹ میری نفاست اور صفائی پسند طبیعت کو جائے گا۔"

شاپنگ کرنے کے بعد میں سخت تھکی ہاری ڈھائی بجے گھر لوٹی تھی۔ زبیر اور بچے آچکے تھے اور "بڑی والی چھوٹی" نے انہیں کھانا بھی کھلادیا تھا۔ ابھی سارا سامان گاڑی سے اتروا کر میں نے کچن سے ملحق پینٹری میں رکھوایا ہی تھا اور سنک کے پاس کھڑی "چھوٹی والی چھوٹی" سہمی ہوئی گلاس سے چھوٹے چھوٹے پانی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ بس جی! اس کے چہرے کا سہم دیکھ کر مجھے پانچ سو روپے کا نقصان یاد آگیا۔ (بے شک وہ روپے اس کے اپنے تھے' پر جوڑے تو میرے میاں کی کمائی سے ہی گئے تھے نا) پھر کیا تھا! میں نے جھٹ سے جھپٹ کر اسے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے لے گئی ٹی وی لاؤنج میں۔ زبیر اور بچے ٹی وی دیکھ رہے تھے' حیران سے تماشا دیکھنے لگے۔ میں نے دو چار مزید جھٹکے دے کر سارا قصہ کہہ سنایا۔

زبیر نے مجھے بہتیرا ٹھنڈا کیا پر مجھے 500 کا دکھ نہیں جارہا تھا۔ تبھی میرا منجھلا طلال اکتا کر بولا۔

"مما! جانے بھی دیں۔ دیکھیں تو اس کے بالوں کا حشر' اوپر سے آپ اتنے جھٹکے دے رہی ہیں کہ ساری جوئیں بالوں سے اتر کر کارپٹ پہ پٹ پٹ گر رہی ہوں گی' وہاں سے صوفے پہ چڑھیں گی۔ ہوسکتا ہے ایک آدھ آپ کے ساتھ ہی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی ہو۔" میرا دماغ بھک سے اڑگیا۔ ایسا لگا جیسے میری انگلیوں اور ناخنوں میں جوئیں پھنسی پڑی ہیں۔ آخ تھو! میری نفیس طبیعت پہ بڑی گراں گزری تھی یہ بات۔ میں نے چھوٹی کے بالوں سے بھرے ہوئے سر کو دیکھا جو

اس نے زور زور سے رونے کی وجہ سے جھٹکے کھا رہا تھا اور یکدم ایک خیال میرے دماغ میں ابھرا۔ میرا غصہ بھی ٹھنڈا ہوجاتا اور میں کسی غریب پر ہاتھ اٹھانے سے بھی بچ جاتی۔ (ہاں! وہی نا' میرا نرم دل) بس منجھلے کو ہی بھگایا نکڑ تک اور نائی گھر بلوالیا۔ پورچ میں بٹھا کر ساری کھیتی صاف کرادی۔

نہیں نہیں۔۔۔! منجھلے کی نہیں' چھوٹیوں کی۔ کمبخت چھوٹی کے غصے میں بڑی والی چھوٹی بھی رگڑی گئی۔ مانا کہ طیش کی وجہ سے میں زیادہ دھیان نہیں دے پائی اور نائی بدتمیز نے بالکل "گنجی" ہیئر کٹ بنادیا دونوں کا۔ وہ تو شکر ہوا کہ بڑے ٹائم سے میں نے دیکھ لیا وگرنہ استرے کے ساتھ ابھی مزید کاریگر کرنے ہی والا تھا۔ بس جی اتنی سی بات تھی اور تب سے دونوں نے ہی رو رو کر دریا بہا دیے ہیں۔ بھلا کون سی نئی بات کردی میں نے۔ تین سال پہلے تک ہر گرمیوں میں' میں دونوں کی "ٹیم ٹنڈ" کروادیتی تھی۔ پر جب سے بڑی والی چھوٹی تیرہ کی اور چھوٹی والی چھوٹی دس کی ہوئی تب سے ہی میں نے احساس کرتے ہوئے ٹنڈ کروانی چھوڑدی تھی۔ یہ تو اب آگے پیچھے کے واقعات نے مجھے دوبارہ اس "بال صفائی" پہ مجبور کردیا اور رہی سہی کسر چھوٹی والی کے آج کے واقعے نے پوری کردی۔

اصل میں چھوٹیاں رکھنے کے ساتھ سو طرح کے چھوٹے مسائل بھی ہیں۔ اول تو ہمارے گھروں میں کوئی بھی چھوٹی پانچ' چھ سال سے زیادہ عمر کی رکھی نہیں جاتی۔ ہوش سنبھالتے ہی ماں باپ بیگمات کے گھروں کو ہانک دیتے ہیں اور جوان ہوتے ہی بیگمات سسرال لڑھکا دیتی ہیں۔ (مگر لڑھکانے سے پہلے ایک اور چھوٹی مکمل "فارم" میں لائی جاچکی ہوتی ہے) ان بڑی ہوتی ہوئی "چھوٹیوں" کی جوانی کو لگام ڈالنے کے لیے ان کے ظاہری حلیے ذرا "ٹائٹ" رکھنے پڑتے ہیں۔

اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔ یہ بے ہودہ بڑی والی چھوٹی جب سے تیرہ کی ہوئی ہے' پر پرزے نکالنے شروع کردیے ہیں۔ کلر رنگ بھی قدرے صاف ہوگیا ہے۔ (ماحول کا اثر) پر ان سب باتوں کا اثر میرا بڑا بیٹا

بلال لے رہا ہے۔ دو تین بار تو میں نے اسے "بڑی والی چھوٹی" کے گرد خود منڈلاتے دیکھا ہے' آگے پیچھے کا پتا نہیں.....

ابھی کچھ دن پہلے میں سارے دن کی "تھکی ہاری" دوپہر کو آرام کرنے کے بعد مغرب کے آس پاس کمرے سے نکلی تو بلال کو کچن سے نکلتے دیکھا' مجھ پہ نظر پڑتے ہی بری طرح گھبرا گیا میرا بچہ۔ میں فورا" کچن کے اندر گئی تو بڑی والی چھوٹی سہمی ہوئی سنک پہ کپ کھنگال رہی تھی' شکل سے روئی ہوئی بھی لگی مجھے۔ میں سب سمجھ گئی' غصے سے میرا برا حال تھا۔ (آپ بھی سمجھ گئے نا؟ وہ مکار میرے معصوم بلال کو ورغلا رہی ہوگی' میرا سیدھا سادا بچہ قابو نہیں آیا ہوگا اس کے تبھی تو میرے بلال کے معصوم چہرے پہ گھبراہٹ اور پکڑے جانے کی وجہ سے چھوٹی کی آنکھوں میں آنسو تھے)

بس جناب! وہی لمحہ بہت تھا مجھ جیسی "معاملہ فہم" عورت کو معاملے کی تہہ میں پہنچنے کے لیے۔ اسی وقت ٹھان لی تھی کہ اس "کالے منہ والی" کا منہ دوسرے پاسے نہ لگایا تو میرا نام نہیں دیکھیں نا جی! ان چھوٹیوں نے دل پشوریاں کرکے خود تو نکل لینا ہے' پتلی گلی سے۔ خراب ہونے کے لیے رہ جاتے ہیں ہمارے لڈو' پیڑوں جیسے بچے۔ جی.....؟ کیا کہا؟ جلیبی جیسے۔ نہیں جی نہیں! جلیبی کو میں مٹھائی مانتی ہی نہیں۔ اجی چلیں چھوڑیں' آپ بھی کیا مٹھائی کی دکان لے کر بیٹھ گئے.....

ہاں تو چھوٹی والی چھوٹی کو سزا مل گئی جنرل اسٹور میں "شوخیاں" مارنے کی' اور بڑی والی چھوٹی کو میرے بیٹے کو "شوخیاں دکھانے کی" آج یقینا" آپ کو اصل مفہوم سمجھ آیا ہوگا۔ مندرجہ ذیل محاوروں کا!

"ایک پنتھ' دو کاج" "ایک تیر' دو شکار۔" اب کم از کم میں گھر کے پاکیزہ ماحول کی طرف سے مطمئن تو ہوجاؤں گی۔ آخر ان چھوٹیوں کے ماں باپ کو بھی تو منہ دکھانا ہے۔ کیا بیتے گی ان پر جب انہیں پتا چلے گا کہ ان کی بیٹیوں کی وجہ سے میرے شریف اور سلجھے ہوئے بچے بگڑتے چلے تھے۔ ان تمام گہری اور دور اندیش باتوں سے آپ اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ ان حالات میں میرا یہ عمل کتنا جائز اور بروقت ہے۔ تو پھر بھلا مجھے ان منحوسوں کا رونا کوفت میں مبتلا کیوں نہ کرے؟ ایک کچن میں کھسی ٹسوے بہا رہی ہے اور دوسری میرے پیروں پہ سر دھرے انہیں تراوٹ پہنچا رہی ہے۔ سمجھایا بھی ہے دونوں کو کہ عید آنے تک اتنے بال آجائیں گے کہ آرام سے کنگھی ہوسکے' ہوسکتا ہے چھوٹی چھوٹی پونی بھی ٹک جائیں اور پھر ابھی تو روزے شروع ہونے میں بھی ایک دو دن ہیں پر ان چھوٹیوں کی عقل بڑی موٹی ہوتی ہے۔ جب تک سر پر ڈنڈا نہ پڑے "ڈنگروں" کی طرح اڑی رہیں گی۔

ان کے رونے کا علاج بھی میرے پاس ہے' وہ ہے نا میرا منجھلا طلال۔ بس ایک آواز دوں گی میں اسے اور دونوں کی دونوں ایسے چپ ہوں گی جیسے سکتہ ہوجاتا ہے۔ وہ کیا ہے نا! میرا طلال بڑا ہتھ چھٹ ہے' نہیں دیکھتا ہاتھ میں بلا ہے یا ریکٹ بس جہاں کھڑا ہوتا ہے وہیں سے ناک کے نشانہ مارتا ہے' جو کبھی خطا نہیں ہوتا اور ہدف ہوتی ہیں "چھوٹیاں" اسی لیے جب میں بڑی زچ ہوجاتی ہوں ان دونوں سے تو اپنے منجھلے سپہ سالار کی مدد لیتی ہوں دونوں کا دم نکلتا ہے اس کے تیور دیکھ کر۔ اسی لیے تو بندے کے پتر بن کر کام سے لگی رہتی ہیں۔ وگرنہ میں بے چاری تو ہلکان ہو' ہوجاتی ہوں۔ کیونکہ مجھ میں تو ایک کاکروچ مارنے کا حوصلہ اکٹھا نہیں ہوتا۔ (کراہیت کی وجہ سے) تو پھر کسی چھوٹی پہ ہاتھ کیسے اٹھاؤں؟ میرا تو جی! دل بڑا نرم ہے' نہیں پیٹ سکتی میں انہیں۔ بی پی لو ہونے لگتا ہے اسی لیے تو منجھلے کی خدمات حاصل کرتی ہوں ورنہ تو جی دنیا بڑی ظالم ہے۔

یہ ساتھ والی "مسز شیخ" ہی دیکھ لیں بڑی ظالم ہیں روئی کی طرح دھنک دیتی ہیں اپنی چھوٹیوں کو۔ ابھی چند ہفتے پہلے کی بات ہے میں ٹیرس میں بیٹھی مزے دار موسم کا مزا لے رہی تھی۔ رات بارش کھل کر برسی

تھی اور ابھی تک موسم پہ اس کے اثرات تھے۔ قریب ہی "بڑی والی چھوٹی" کو چاول چننے کے لیے بٹھایا ہوتا تھا۔ (پورے سال کے چاول میں ایک دفعہ میں ہی صاف کروا کر اسٹاک کرلیتی ہوں)

تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھتی ہوں کہ مسز شیخ اپنے وسیع و عریض بنگلے کے برآمدے میں کھڑی اپنی چھوٹی پہ زور زور سے چلا رہی تھیں۔ وہ غریب بے چاری پتا نہیں کیا کر بیٹھی تھی کہ مسز شیخ ___ توپ کا گولہ بن بیٹھیں۔ پھر تو گالیوں کا وہ طوفان منہ سے نکلا ان کے کہ محلے پار بھی اثرات گئے ہوں گے۔ توبہ' یا اللہ میری توبہ کیا دکھ بھرا منظر تھا' وہ چھوٹی سی غریب بچی ہاتھ جوڑے پتا نہیں کون سی صفائیاں دیئے جارہی تھی پر مسز شیخ تو فرعون بنی قہر برسائے جارہی تھیں۔ میرا تشو پیپر سا دل بھیگنا شروع ہوگیا۔ دیکھا نہیں جارہا تھا مجھ سے ایسا دردناک منظر' پر ہمت مجتمع کیے کھڑی رہی کہ آخر دیکھوں تو سہی وہ ظالم عورت اگلا ظلم کیا توڑتی ہے (چسکہ)۔

کیا دیکھتی ہوں کہ مسز شیخ نے اپنے قدرے چوڑے ہاتھوں سے اپنی چھوٹی کو بالوں سے پکڑا اور اس کا سر برآمدے کی گرل سے ٹکرا دیا۔ ایک بار نہیں تین بار۔ میرے تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ سہمی نظروں سے آسمان کی طرف نگاہ کی تو یوں محسوس ہوا کہ ابھی قہر ٹوٹا کہ ٹوٹا۔ میں تو جی! دل تھامے اس غریب بچی پہ ترس کھاتی واپس مڑی تو دیکھا میری "بڑی والی چھوٹی" یہ منظر دیکھتے ہوئے نیر بہائے جارہی ہے۔ میں نے رکھ کے تھپڑ لگائیں دو اور وہاں سے دفع کیا۔ بھلا چھوٹی کو چھوٹی سے کاہے کی ہمدردی۔ (اس کام کے لیے میں ہوں نا!) بس جی تب سے مجھے اگر اپنی چھوٹیوں کے کس بل نکالنے ہوتے ہیں تو منجھلے کو آواز دیتی ہوں' وہ آتا ہے اور ستھری ٹھکائی کرجاتا ہے۔ میرے خدا ترس ہاتھ کسی غریب پہ اٹھنے سے بچ جاتے ہیں۔ مار کھانے کے بعد اگر چھوٹیوں کے کہیں گہرا زخم یا نیل نمایاں ہوجائے تو دونوں کو ایک دوسرے کی سنکائی پہ بھی لگا دیتی ہوں۔ (بتایا تو ہے 101 طریقے ہیں میرے پاس ثواب کمانے کے۔ "٭

"سبحان اللہ، الحمدللہ! یااللہ تیری رحمتیں یونہی برستی رہیں۔ سال میں ایک ماہ یہ ایسا آتا ہے کہ بس میرا جی چاہتا ہے وجد طاری کیے رکھوں۔ میں ہوں اور بس میرا مصلہ، تسبیح۔ نہ مجھے کوئی بلائے اور نہ میں کسی سے بات کرنے کے لیے منہ کھولوں۔" (بس پیٹ بھر سحری اور جی بھر افطاری کا وقت منہا کردیں)

آج پہلا روزہ ہے۔ واہ، واہ کیا رونقیں ہیں۔ رات چاند نظر آنے کے ساتھ ہی سحری کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ کیونکہ پھر تراویح پڑھنے میں بھرپور وقت صرف ہوتا تھا۔ اس کے بعد دوسرے ذکرواذکار، قرآن پاک کی تلاوت، نفل وغیرہ وغیرہ (ارے نہیں نہیں! میں آپ کو تفصیلاً" اس لیے بتارہی ہوں کہ بہت سی بہنیں متاثر ہوکر عبادت میں دل لگا سکیں۔ صرف ثواب کی نیت ہے بس...!) اب یہ ہی دیکھیے کہ سحری میں دو بھاری قیمے والے پراٹھے اور نمکین لسی کے تین گلاس پینے کے بعد کس کا دل چاہے گا کہ لمبی تان کرنہ سوئے؟ بس مجھ جیسی کوئی ہوگی، (ویسے ہو نہیں سکتی...!) جو رمضان کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے اپنی نیند قربان کرکے اللہ کے ذکر میں محو رہے۔

سات بج رہے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد کب سے لان میں تسبیح لیے بیٹھی ہوں۔ ہاتھوں کی پوریں گویا جھڑ گئی ہوں، پر شوق عبادت نہیں جاتا۔ دوسراہٹ کے لیے میں چھوٹیوں کو بھی جگائے رکھتی ہوں۔ کیونکہ بچے اور زبیر تو آج اتوار ہونے کی وجہ سے خوب ڈٹ کر سوئیں گے۔ اوپر سے روزے کی حالت میں نخریلے بھی بڑے ہوجاتے ہیں جب یہ لوگ سوکر اٹھیں گے تب میں ذرا کمر سیدھی کرلوں گی۔ (دوپہر تین بجے تک اٹھ جاؤں گی، فکر مت کریں) ہاں چھوٹیاں تب تک اپنا کام نبٹا ہی لیں گی۔ اصل میں سحری کے بعد میں ہمیشہ انہیں کسی نہ کسی مصروفیت میں گم رکھتی ہوں۔ سوجائیں تو سارا دن بیمار بھینسوں کی طرح لیک لیک چلیں گی اور مجھے اتنی چھوٹی لڑکیوں میں سستی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ میں تو ویسے بھی ان کے والدین کو جواب دہ ہوں۔ چاق وچوبند ہی حوالے کروں گی۔ اسی لیے سحری میں کبھی پراٹھے نہیں کھلاتی کہ خماری نہ چڑھے۔ رات کی روٹی سالن کے ساتھ دیتی ہوں اور پھر ہضم کرنے کے لیے فوراً" دوڑیں بھی لگوادیتی ہوں مختلف کاموں کے لیے۔

اب غریب کے نماز پڑھنے کے علاوہ اور کیا ذکراذکار کرتے ہیں۔ یہ تو ہم جیسوں پہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ زبان اس کے ذکر سے تر رہتی ہے۔ قرآن ان چھوٹیوں کو سکھایا نہیں جاتا اور میں نے بھی کبھی سکھانے کا رسک نہیں لیا کہ غلط پڑھیں گی تو گناہ میرے سر۔ استغفراللہ! ویسے میری "چھوٹی والی چھوٹی" کو پڑھنا آتا ہے۔ میں نے بتایا ناچوتھی جماعت میں تھی جب میرے پاس آئی تھی پر میں قرآن کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی کہ اتنی بچی کی پاکی ناپاکی کا کیا بھروسہ؟ اور میں آفتیں مول نہیں لے سکتی۔

گھروں کے دھندے چلائیں یہی بڑی غنیمت ہے ان کے لیے، سیکھ جائیں گی تو ان کا ہی فائدہ ہے۔

میں ذرا دیکھوں...! کب سے اوپر والی منزل کی صفائی کے لیے بھیج رکھا ہے۔ سارا کاٹھ کباڑ پھینکنے کو کہا ہے، جالے اتارنے ہیں، پردے بدلنے ہیں، باتھ رومز میں تیزاب ڈالنے ہیں، پھر چھت دھونے میں ہی ایک بج جائے گا نہیں کل سوچ رہی ہوں نچلے پورشن کی تفصیلی صفائی کرواؤں، آج رہنے دوں، نہیں تو صحیح سے نہیں کریں گی۔

"ایں...! یہ چوکیدار کے ساتھ بھلا کون منہ اٹھائے چلا آرہا ہے... چچ، آگئے نا میری عبادت کے دشمن۔ اب پتا نہیں کون دماغ کی دہی بنانے آگیا۔ ارے...! یہ تو میری "چھوٹی والی چھوٹی" کا باپ ہے۔"

ہاں...! سمجھ گئی، رمضان شروع ہوگیا نا آگیا ہے زکوۃ لینے۔ ایسے چول ہوتے ہیں اس طبقے کے لوگ، گھی کا پیالہ پی کر بھی ہونٹ خشک ہی رہیں گے ان کے۔ کمبخوں کو جتنا مرضی بھردو، اور کی ہوس نہیں جاتی۔ مانا کہ اللہ کی بے بہا رحمتیں ہیں مجھ عاجز د

مسکین پر، کم ازکم بھی دو، ڈھائی لاکھ زکوۃ کی مد میں نکل جاتے ہیں۔ پر میں اتنی بڑی رقم یکمشت ان ندیدوں میں بانٹ دوں تو یہ تو پھٹ پڑیں گے۔ اسی لیے سارا سال تھوڑا تھوڑا کرکے اپنا "فرض" ادا کرتی ہوں اور اسی میں سے "بڑی والی چھوٹی" کا ہلکا پھلکا جہیز بھی تیار کررہی ہوں کم بخت کی چھ ماہ تک شادی ہے۔ اور "چھوٹیاں" رکھتے وقت ہماری ان کے ماں باپ سے یہی بات طے ہوتی ہے کہ معمولی تنخواہ اور بیاہ کے وقت جہیز کا ایک عدد ٹرک، اب اس جہیز میں چاہے مانگے کے برتن ہوں یا اردگرد سے اکٹھے کیے ہوئے بستر، یہ ہماری دردسری ہے ہلکی ترین کوالٹی کا فرنیچر اور ٹھیلوں سے ملنے والے دیگر سستے لوازمات، آٹھ دس سالوں میں لی گئی انتھک بیگار کے عوض مہنگے تو نہیں اب میں ذرا اس سے نبٹ لوں۔ پتا نہیں کیا تقاضا کرنے آیا ہے۔

"ہاں بولو ہدایت اللہ، خیر سے آئے ہو نا؟ ابھی تو رمضان کی پہلی چڑھی ہے اور تمہاری رالیں بھی ٹپکنے لگیں۔" چھوٹی کا باپ میرے سامنے نرم، مخملیں گھاس پہ بیٹھا تو میں نے پوچھا اور میری بات سن کر یہ جو اس کا چہرہ لال، بینگنی اور آنکھیں گیلی ہوگئی ہیں تو اس کی وجہ غیرت نہیں بلکہ پکی بات ہے "بے شرمی" (غیرت اور عزت نفس سے بھلا ان کا کیا واسطہ)

"وہ جی باجی! میں اصل میں اپنی بیٹی کو لینے آیا ہوں جی۔"

"کیوں جی؟ کس خوشی میں...؟ تم کہیں ڈی سی تعینات ہوگئے ہو؟" لو بھلا بتاؤ... صبح صبح کیسی ہولناک بات کردی۔

"وہ باجی، میری بیٹی کام نہیں کرنا چاہتی، وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ آپ کو پتا ہے ناچوتھی جماعت میں تھی جب آپ کے اس چھوڑ کر گیا تھا جی پڑھائی میں ہوشیار بھی تھی۔ میں پچھلی دفعہ آیا تھا تو آپ کی نظر بچا کر میرے پیچھے گیٹ سے باہر آگئی تھی اور کتنی دیر روتی رہی تھی کہ میں اسے ساتھ لے جاؤں، وہ پڑھنا چاہتی ہے۔ اس سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ آپ کے بچے اسے

مارتے ہیں اور ویسے بھی باجی جی! میں نے جوڑ جمع کرکے چھوٹی سی دکان کھولی ہے روپیٹ کے سہی، گزارہ ہو جائے گا۔ کچھ عرصے تک کوشش کروں گا کہ اتنی رقم جڑ جائے کہ بیٹے کو باہر بھجوا سکوں۔ بس جی آپ میری بیٹی کو میرے حوالے کر دیجیے میں اوقات بھر کوشش کروں گا کہ وہ پڑھ لکھ جائے اور اس کا مستقبل بن جائے۔" میری چھوٹی کا باپ، اپنی اتنی لمبی بات کہہ کر چپ تو ہو گیا ہے پر میری سوئی مستقبل پہ آکر اٹک گئی ہے۔ مستقبل، کیسا؟ کس قسم کا؟ کیا بن جائے گی چھوٹی؟ ٹیچر۔۔۔؟ یا پھر ڈاکٹر۔۔۔؟ آخر کیا؟ بھلا چھوٹیوں کا بھی کوئی مستقبل ہے؟ ماسوائے اس کے کہ اپنے جیسی مزید "چھوٹیاں" پیدا کریں ہمارے لیے۔ اگر یہ پڑھیں گی تو "چھوٹی" کون کہلائے گا؟ "چھوٹیوں" کے مستقبل کا کیا بنے گا۔ ہم جیسے گھروں کا نظام کیسے چلے گا، جہاں چھوٹی کے بنا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہیں کبھی نہیں! چھوٹی کے اس چھوٹے مستقبل کی ایسی کی تیسی۔ سب سمجھ رہی ہوں اس چھوٹی کی چالبازی۔ کب سے اوپر والی منزل کو جاتی سیڑھیوں میں چھپ کر کھڑی جھانک رہی ہے۔ بے ایمان، مکار، میرا بھی پندرہ سالہ تجربہ ہے چھوٹیوں کا۔ بڑے دیکھے ایسے ڈھکوسلے۔ آدھے گھنٹے کی مار ہے تو چھوٹی، دیکھ کیسے تجھے نچوڑتی ہوں۔ پہلے ذرا میں تیرے باپ کو ایک دو باتیں سمجھا لوں، پھر تیری باری۔

☼ ☼ ☼

ارے کہاں گم ہیں آپ؟ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہی نا کہ میں نے ہدایت اللہ کو ایسا کیا کہا کہ وہ چھوٹی کو لیے بغیر بلکہ ملے بغیر چپ چاپ چلا گیا۔

یقین مانیے! میں نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ کیا ہے وہ یہ کیا ہے کہ اندر الماری سے ایک بڑی رقم لا کر (زکوۃ میں سے) اس کے ہاتھ میں دھر دی کہ جاؤ بے شک دکان کو بڑھاؤ یا بیٹے کو باہر بھجواؤ پر چار، پانچ سال تک چھوٹی کو لے جانے کے لیے ادھر کا رخ مت کرنا اور وہ بے ہدایت اتنی بڑی رقم دیکھ کر چھوٹی کو چھوڑ گیا۔ (اب دو دن تک اس کا رونا مجھے برداشت کرنا پڑے گا)

یہ الگ بات کہ میرے دامن ڈھیروں دعائیں ڈال کر گیا ہے ہدایت اللہ، میرا تو روم روم سکون میں آگیا کہ میرا رب مجھ سے راضی ہے۔ کبھی تو ایسے چھوٹے بڑے نیک کام میرے ہاتھوں انجام پائے ہیں بس دین ہے اس کی۔

چھوٹی کا کیا ہے؟ ابھی اسے پتا نہیں نا کہ پڑھنے وڑھنے میں "چھوٹیوں" کا مستقبل نہیں ہے اب اس قدر احساس میرے علاوہ کوئی کرے گا کہ میں نے ہدایت اللہ سے کہہ کر اس کی ایک اور بیٹی منگوالی ہے۔ جی ہاں، اصل میں میری "بڑی والی چھوٹی" تو چھ ماہ بعد چلی جائے گی بیاہ کر۔ تو پھر میری "چھوٹی والی چھوٹی" بے چاری اکیلی رہ جائے گی، بس اس کی دو سراہٹ کے لیے میں نے اس سے بھی چھوٹی اس کی بہن بلوا بھیجی ہے۔ وہ کیا ہے نا! دو، دو چھوٹیوں کی ایسی عادت ہے کہ۔۔۔

لیکن اصل بات ساری نیت کی ہے۔ ثواب محض ثواب! غریب کی بچیاں ہیں کچھ طور طریقہ سیکھ جائیں گی، کچھ بن جائے گا ان کا پڑھائی لکھائی ان چھوٹیوں کا کام نہیں۔ تبھی تو میں نے ہدایت اللہ کی دوسری بیٹی کو بھی اسکول چھڑوانے کا کہہ دیا ہے کم بخت پانچویں کر رہی ہے، ٹاٹ والے اسکول سے۔ کیا فائدہ۔۔۔؟

آپ یہ تو نہیں سوچ رہے نا کہ میں نے اپنے حال کی خاطر ان "چھوٹیوں" کے مستقبل پہ پاؤں رکھ دیا ہے، نہ۔۔۔ نہ، ایسا نہیں ہے۔ بالکل بھی نہیں۔ بدگمانی نہیں کرتے۔ باقی اللہ نیتوں کے حال آپ سے بہتر جانتا ہے۔ میں تو اس کی عاجز مخلوق ہوں۔ کوشش کرتی ہوں کہ غریبوں کے کام آسکوں۔ لیں بیٹھے بٹھائے ظہر کر دی۔ آپ بھی ہل لیجیے تھوڑا۔ حرکت میں برکت ہے۔ ضروری نہیں میری طرح رب نے آپ کو بھی چھوٹیوں سے نواز رکھا ہو۔ میں بھی چلوں اب۔ ظہر کی نماز ادا کروں، پھر قرآن، پھر ذکر و اذکار پھر نوافل۔۔۔ پھر۔۔۔!

☼ ☼

مجھ سے ملیے

رابعہ افتخار

(۱) "تاریخ پیدائش/ اسٹار؟"
☆ "دس جنوری/ جدی۔"
(۲) "خدا سے تعلق؟"
☆ "بہت مضبوط۔"
(۳) "فرصت کا وقت گزارنے کا پسندیدہ طریقہ؟"
☆ "اپنے بچوں کے ساتھ کارٹون دیکھنا، عائشہ باجی اور شمو سے (بہن سے) فون پر باتیں کرنا۔"
(۴) "کون سی چیز خوشگوار تاثر قائم کرتی ہے؟"
☆ "فجر کا وقت، بارش کا موسم، بچوں کی مسکراہٹ۔"
(۵) "وہ چیز جو موڈ خراب کر دے؟"
☆ "جب کوئی منہ پر جھوٹ بول رہا ہو اور آپ پر الزام لگا رہا ہو۔"
(۶) "مشکل ترین لمحہ؟"
☆ "جب ڈاکٹر نے مجھے کارڈیالوجی ہاسپٹل کے ٹیسٹ لکھ کر دیے۔"
(۷) "بہترین تعریف جو وصول ہوئی؟"
☆ "جب میرا ناولٹ "در جوانی توبہ کردم" شائع ہوا تو بہت تعریف ملی۔ ایک بہن "رو شانے یسین" جو فیصل آباد کی تھیں انہوں نے بہت تعریف کی۔ میرا

سیروں خون بڑھا اور ابو جی کا فخر سے مجھے دیکھنا۔"
(۸) "وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ؟"
☆ "ایس ایم ایس فارورڈ کرنا۔"
(۹) "زندگی کا خوفناک واقعہ؟"
☆ "جب ہمارے گھر ڈاکو آئے' جب میری امی ہاسپٹل میں تھیں۔"
(۱۰) "بہترین تحفہ میری نظر میں؟"
☆ "دعائیں جو خلوص دل سے دی جائیں اور میاں بیوی کا ایک دوسرے کو چھوٹے چھوٹے گفٹ دینا۔"
(۱۱) "ایسی تاریخی شخصیت جس سے میں ملنا چاہوں؟"
☆ "جلال الدین محمد اکبر اور علامہ اقبال۔"
(۱۲) "پسندیدہ ساتھی؟"
☆ "میرے شوہر' میرے جیون ساتھی محمد عارف ؒ"
(۱۳) "پسندیدہ ہستی؟"
☆ "ایک نہیں دو ہیں' میرے والدین۔"
(۱۴) "پسندیدہ پروفیشن؟"
☆ "ٹیچنگ۔"
(۱۵) "بہترین کاوش؟"
☆ "در جوانی توبہ کردم۔"
(۱۶) "پسندیدہ ملکیت؟"
☆ "میرے میاں' میرے بچے۔"
(۱۷) "زندگی کی خواہش؟"
☆ "میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دینے تک زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"
(۱۸) "پریشان کن لمحہ؟"
☆ "جب مجھے خبر ملی کہ میرے ابو جی ہاسپٹل میں ہیں۔"
(۱۹) "جب موڈ آف ہو تو کیا کرتی ہوں؟"
☆ "بس چپ ہو جاتی ہوں' میں کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتی اور اگر کسی نہ کسی طریقے سے کہہ دوں تو بعد میں معافی ضرور مانگتی ہوں۔"
(۲۰) "کوئی ایسا فرد جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں؟"
☆ "ویسے تو کوئی نہیں لیکن قابلیت کے لحاظ سے میرا بھائی فلائٹ لیفٹیننٹ محمد علی۔"
(۲۱) "فیشن کب مسئلہ بنتا ہے؟"
☆ "جب بدل جائے اور آپ کے پاس پرانے فیشن کے بہت سے کپڑے ہوں۔"
(۲۲) "انسان کا دل کب ٹوٹتا ہے؟"
☆ "جب کوئی خلوص پر شک کرے۔"
(۲۳) "کیا چیز جذباتی کر دیتی ہے؟"
☆ "آنسو۔"
(۲۴) "زندگی کا یادگار دن؟"
☆ "جب میں ماں بنی۔"
(۲۵) "موسیقی میرے نزدیک؟"
☆ "جذبات کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔"
(۲۶) "پسندیدہ گانا؟"
☆ "رہنے دیں گانا بتا دیا تو بہت سے راز کھل جائیں گے عارف صاحب خوشی سے مزید پھول جائیں گے۔"
(۲۷) "پسندیدہ فقرہ؟"
☆ "یا اللہ تیرا شکر ہے۔"
(۲۸) "پسندیدہ کردار؟"
☆ "مولوی نذیر احمد کی "اصغری" اور "ہمیں معلوم ہی کب تھا" کا یعسوب آفریدی۔"
(۲۹) "سب سے عزیز اور قیمتی اثاثہ؟"
☆ "والدین کی تعلیم و تربیت' عارف صاحب کی طرف سے دی گئی محبت' عزت اور توجہ۔"
(۳۰) "اچھا اور خوب صورت موسم؟"
☆ "بارش کا موسم۔"
(۳۱) "ناقابل فراموش واقعہ؟"
☆ "میری شادی' واقعہ ہی تو ہے ناقابل فراموش واقعہ۔"
(۳۲) "پہلی کاوش شائع ہونے پر تاثرات؟"
☆ "ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔ میں بہت خوش تھی۔"
(۳۳) "وہ رات جو کبھی نہ بھولے گی؟"
☆ "جب میرے ابو آدھی رات کو میری دوائی لینے گئے تھے' مجھے شدید تکلیف تھی۔"
(۳۴) "میرا خواب؟"
☆ "ایک اچھی رائٹر بن سکوں۔"
(۳۵) "پسندیدہ مزاح؟"
☆ "آج کل تو بس مزاح لکھنے کی کوشش ہی کی جا رہی ہے۔"
(۳۶) "حسد محسوس کرتی ہوں؟"
☆ "نہیں' حسد محسوس نہیں کرتی کیونکہ میرے رب نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ حسد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
(۳۷) "خوشبو پسند ہے تو کیوں؟"
☆ "بہت پسند ہے اور کیوں کا کیا سوال' سب کو اچھی لگتی ہے۔"
(۳۸) "پسندیدہ خوشبو؟"
☆ "بارش کے بعد مٹی کی خوشبو' بریانی کی خوشبو' پکوڑوں کی خوشبو ویسے Gardenia۔"
(۳۹) "آخری کتاب جو میں نے پڑھی ہو؟"
☆ "مراۃ العروس۔"
(۴۰) "پسندیدہ جگہ؟"
☆ "میرا اپنا گھر جو ہم دونوں نے بہت محنت سے بنایا ہے۔"
(۴۱) "وہ جگہ جہاں چھٹی گزارنا پسند کروں؟"
☆ "امی کے گھر' ویسے اگر چھٹی زیادہ ہو تو کسی اچھے سے پہاڑی مقام پر۔"
(۴۲) "میری قوت ارادی؟"
☆ "بہت مضبوط۔"
(۴۳) "گھر کا پسندیدہ کمرہ؟"
☆ "ٹی وی لاؤنج اور میرا کچن بھی مجھے بہت پسند ہے۔"
(۴۴) "کیا پہننا پسند کرتی ہوں لباس میں؟"
☆ "شلوار قمیص' آج کل کی لمبی قمیص مجھے بہت پسند ہے۔"
(۴۵) "پسندیدہ رنگ؟"
☆ "سفید' سیاہ اور سبز۔"
(۴۶) "پسندیدہ مصنف؟"
☆ "ڈپٹی نذیر احمد' اشفاق احمد' پریم چند' آسیہ رزاقی' فائزہ افتخار' لبنیٰ عروج اور اب انیقہ انا نے جو لکھا' اچھا لکھا۔"
(۴۷) "پسندیدہ شاعر؟"
☆ "مرزا غالب' علامہ اقبال۔"
(۴۸) "ویران سنسان جزیرے پر پہلا کام کیا کروں گی؟"
☆ "اسے Explore کروں گی۔"
(۴۹) "خود اپنی بری عادت؟"
☆ "اپنے لیے بچت نہیں کرتی۔"
(۵۰) "کھانے کی پسندیدہ جگہ؟"
☆ "اپنا گھر' کے ایف سی۔"
(۵۱) "اگر میں مصنفہ نہ ہوتی تو؟"
☆ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے' میں تو ہر وقت کہانیاں بنتی

رہتی ہوں یہ الگ بات ہے کہ وہ کاغذ پر اتریں یا نہ اتریں۔"

(۵۲) "ایک لفظ جو مجھے واضح کر دے؟"

☆ "مخلص۔"

(۵۳) "جنس مخالف کے بارے میں رائے؟"

☆ "ابھی تک میرا پانچ مردوں سے واسطہ پڑا ہے 'ابو' بھائی' میاں اور میرے دونوں بیٹے سچ تو یہ ہے کہ ان کے بغیر زندگی محفوظ ___ اور مکمل نہیں ہوتی۔"

(۵۴) "محبت کے بارے میں خیال؟"

☆ "کائنات کی بنیاد۔"

(۵۵) "پسندیدہ رشتہ؟"

☆ "میاں بیوی کا' اگر ان میں دوستی اور عزت کا جذبہ بھی ہو۔"

(۵۶) "اگر محبت کی تو کیا نتائج نکلے؟"

☆ "سب ہنسی خوشی رہ رہے ہیں اور کیا۔"

(۵۷) "پسندیدہ لو اسٹوری؟"

☆ "اپنی لو اسٹوری۔"

(۵۸) "کوئی ایسی فلم جو بار بار دیکھنا چاہیں؟"

☆ "چلڈرن آف دی ہیون' ہیرا پھیری اور باغبان۔"

(۵۹) "چہرے کچھ بتاتے ہیں؟"

☆ "بہت کچھ' غم' غصہ' خوشی' پیار' نفرت..... سب کچھ بتاتے ہیں۔"

(۶۰) "شاعری کے بارے میں خیال؟"

☆ "دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے..... بہت گہرائی ہے۔ اس صنف ادب میں۔"

(۶۱) "میری جستجو میری کھوج؟"

☆ "ہمارے معاشرے میں لوگ اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتے اور دوسرا یہ کہ اگر کوئی اپنی غلطی پر شرمندہ ہو' معافی مانگے تو کھلے دل سے معاف نہیں کرتے۔ میری جستجو یہ ہی ہے کہ ہم سب اپنی غلطی دوسروں کے سر ڈالنا چھوڑ دیں اور معاف کرنے میں دیر نہ کریں۔"

(۶۲) "بہترین کامیابی؟"

☆ "میری تحریروں کی اشاعت۔"

(۶۳) "وہم کا ازالہ کس طرح کرتی ہیں؟"

☆ "اپنے میاں سے شیئر کرتی ہوں' وہ ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔ دعا کرنے کو کہتے ہیں اور درود شریف پڑھنے کی تو بہت ہی تلقین کرتے ہیں۔"

(۶۴) "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

☆ "موبائل فون اور کمپیوٹر۔"

(۶۵) "بدترین ایجاد؟"

☆ "یہ موبائل فون ہی میری نظر میں بدترین ایجاد بھی ہے اور ایٹم بم۔"

(۶۶) "ایسی شخصیت جو شدت سے یاد آتی ہے؟"

☆ "نہیں کوئی نہیں۔"

(۶۷) "بستر پر جانے سے پہلے کیا جانے والا آخری کام؟"

☆ "نماز عشاء کی ادائیگی۔"

(۶۸) "ایک بات جو ہمیشہ یاد رہی؟"

☆ "دوسروں کے لیے دعا کرو' خواہ وہ تمہارے حق میں کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اگر وہ برا کرے گا تو اسے سزا ضرور ملے گی لیکن اس کے حق میں کی جانے والی دعائیں آپ کی زندگی کی راہیں ہموار کر دیتی ہیں۔"

(۶۹) "زندگی کا خوب صورت ترین دن؟"

☆ "تین دن ہیں جس دن میری شادی ہوئی۔ پھر جس دن میرا بیٹا حسین پیدا ہوا اور پھر وہ دن جس دن میرا دوسرا بیٹا شہزادہ محمد حسن پیدا ہوا۔"

(۷۰) "قارئین کے لیے پیغام؟"

☆ "ہمارے قارئین بہت سمجھدار ہیں' بہت غور سے تحریر کو پڑھتے ہیں پھر بھی یہ ضرور کہوں گی کہ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ موضوع پرانا تھا۔ موضوع اسی دنیا سے لیا جاتا ہے بس ہر مصنف کا طریقہ الگ ہے جو تحریر کو منفرد بناتا ہے۔ تنقید کریں لیکن تعریف بھی کریں کیونکہ آپ کی تعریف آکسیجن کا کام کرتی ہے۔"

(۷۱) "کرن کے بارے میں رائے؟"

☆ "کرن نے بہت سی مصنفین کو متعارف کروایا۔ اللہ بہت ترقی دے۔ (آمین)"

☆ ☆

شعاع عمیر
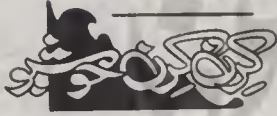
حدیث مبارک

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جو لوگ رمضان کے روزے' ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ایسے ہی لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے۔ ان کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح جو شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے ان کے بھی تمام پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

(صحیح بخاری)

صدف عبداللہ..... لاہور

انمول موتی

☆ بے شک دلوں میں برے خیالات آتے ہیں' مگر عقل و دانش انسان کو ان سے دور کر دیتی ہے۔

(حضرت علیؓ)

☆ موت کو بہت زیادہ یاد رکھنے سے دل نرم ہو جاتا ہے۔

(حضرت عائشہؓ)

☆ گناہ نیکی کے لباس میں دھوکا دے سکتا ہے۔

(جوئے تل)

☆ اچھی کتابوں کا مطالعہ دل کو زندہ اور بے دار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

(امام غزالی)

☆ ناامید مت ہو کہ اس سے زندگی کم ہو جاتی ہے۔

(سقراط)

☆ جو صدقہ کرتا ہے اللہ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔

(طبرانی)

☆ عقیدت کا براہ راست تعلق دل سے ہوتا ہے۔ دماغ سے نہیں۔

(برنارڈشا)

☆ جب تم دنیا کی مفلسی سے تنگ آجاؤ اور رزق کا کوئی راستہ نہ نکلے تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کر لیا کرو۔

(حضرت علیؓ)

سدرہ وزیر..... خوشاب (چپل)

حرف مدعا

لندن میں ساقی فاروقی کا ایک محبوب مشغلہ باہر سے آنے والے دوستوں کو مرحوم مشاہیر کے مکانوں اور ان سے منسوب جگہوں کی سیر کروانا ہے۔ ایسی ہی ایک سیر کے دوران اس نے مجھے' عطاالحق قاسمی اور بڑے قاسمی' یعنی احمد ندیم قاسمی صاحب کو ڈی ایچ لارنس' چارلس ڈکنز' رابندر ناتھ ٹیگور' جان کیٹس اور ڈاکٹر جانسن سے منسوب مختلف جگہیں دکھائیں اور ساتھ ساتھ کمنٹری بھی جاری رکھی کہ ان مشہور آدمیوں کی ان جگہوں سے تعلق کی نوعیت کیا تھی۔

اس عمل میں تین چار گھنٹے لگ گئے۔ زبان پر کانٹے اگنے اور پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ مگر ساقی اپنے وفور اضطراب و اشتیاق میں ایسا محو تھا کہ اسے ہماری حالت کی خبر ہی نہیں تھی۔ اچانک ایک جگہ رک کر عطاء الحق قاسمی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"یار ساقی! یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مشہور لوگ بیٹھ کر کھانا وانا کھایا کرتے تھے۔"
(امجد اسلام امجد کے سفرنامے "ریشم ریشم" سے اقتباس)
شہلا رضا۔۔۔ جلال پور

کچھ کرنیں

☆ سناٹے جب روح میں اتر جائیں تو رونقیں متاثر نہیں کرتیں۔
☆ بعض لوگ اس لیے زیادہ بولتے ہیں کہ کوئی ان کے اندر کے سناٹوں کو نہ جان لے۔
☆ جو نہیں مل سکا اس میں آپ کی خیر خواہی کا پہلو چھپا ہوگا۔
☆ اعتبار عمل میں ہوتا ہے' لفظوں میں نہیں۔
☆ ایک لمحے کی نفرت سالہا سال کی محبت بھلا دیتی ہے۔
☆ کسی کے خوابوں پر کبھی مت ہنسیں' کیونکہ جو لوگ خواب نہیں دیکھتے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔
شفق راجپوت۔۔۔ گوجرہ

گفتگو کا سلیقہ

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے خواب دیکھا کہ اس کے بہت سے دانت ٹوٹ گئے ہیں۔ صبح ہوئی تو عالموں کو بلا کر خواب کی تعبیر پوچھی۔ ایک عالم نے کہا۔ "آپ کے اکثر عزیز آپ کے سامنے انتقال کر جائیں گے۔" یہ بات سن کر خلیفہ نے اسے دربار سے باہر نکلوا دیا' پھر دوسرے عالموں سے تعبیر پوچھی اور جواب سے ناخوش ہو کر انہیں بھی باہر نکلوا دیا۔

آخر میں ایک عقل مند اور موقع شناس درباری نے عرض کی۔

"جہاں پناہ! حضور کا خواب بہت مبارک ہے' جس کے مطابق اللہ حضور کو اتنی لمبی عمر عطا فرمائے گا کہ حضور کے جیتے جی شاہی خاندان میں شادی اور غم کی اکثر رسمیں انجام پائیں گی۔"

یہ جواب سن کر ہارون رشید بہت خوش ہوا' بہت سا انعام درباری کو دیا اور کہا۔ "میں خوب سمجھتا ہوں کہ مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ مگر بیان کرنے کا انداز جدا جدا ہے' آخری درباری کو گفتگو کا سلیقہ آتا ہے۔"
شہناز تاج۔۔۔ میرپور خاص

باتوں سے خوشبو آئے

☆ توبہ جب منظور ہو جاتی ہے تو یاد گناہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔
☆ ہم لوگ فرعون کی سی زندگی چاہتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی سی عاقبت۔
☆ نگاہ کا عادل وہ ہے' جسے دوسرے کی بیٹی میں' اپنی بیٹی نظر آئے۔
☆ جو انگلیاں کانٹوں کی نوک سے ڈرتی ہوں' وہ پھولوں کی نرمی سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکتیں۔
☆ آرزو ایک خوب صورت تتلی ہے' جس کو پکڑنے کی خواہش میں ہم نہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔
☆ زیادہ آرزو کرنے والے انسان کی جیب بھرتی ہے' دل نہیں بھرتا۔
☆ خوشامد کی چھری' عقل و فہم کے پر کاٹ کر ذہن کو آزادی کی پرواز سے محروم کر دیتی ہے۔
☆ پیار ایک ایسا ہتھیار ہے' جس کے آگے ہر دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔
صباحت صباح۔۔۔ آزاد کشمیر

ناراضی

خط میں لکھا کہ عید کب ہوگی
ہم کو تاریخ لکھ کے بھجوائیں
چونکہ جھگڑا تھا اس لیے ہم نے
لکھ دیا آپ جب آ جائیں
روبینہ شریف۔۔۔ کراچی

پیشکش

اتنے اچھے موسم میں
روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں
کل پہ ہم اٹھا رکھیں
آج دوستی کر لیں!
(پروین شاکر)
صبا سحر۔۔۔ کراچی

غافل مچھلیاں اور دانا بچی

ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ مچھلیاں پکڑ رہے تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی چھوٹی لڑکی بھی بیٹھی تھی۔ آپ جو مچھلی پکڑتے وہ لڑکی کو دیے جاتے اور وہ لڑکی والد سے مچھلیاں لے لے کر پھر دریا میں ڈالتی جاتی۔ حضرت جب فارغ ہو کر اٹھے تو لڑکی سے فرمایا۔

"مچھلیاں کہاں ہیں؟" تو وہ بولی۔

"ابا جان میں نے تو ان سب کو پھر دریا میں ڈال دیا ہے۔" حضرت نے فرمایا۔

"تم نے کیا' کیا ساری محنت برباد کر دی۔" تو وہ بولی۔

"آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ جو مچھلی ذکر اللہ سے غافل ہو جاتی ہے وہ جال میں پھنستی ہے تو آپ جس مچھلی کو پکڑتے تھے میں سمجھ لیتی تھی کہ یہ مچھلی ذکر اللہ سے غافل ہے۔ جب ہی تو پکڑی گئی ہے۔ اس لیے میں نے اس خیال سے کہ غافل مچھلیاں کھا کر ان کی صحبت سے کہیں ہم بھی ذکر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے وہ ساری مچھلیاں پھر دریا میں ڈال دیں۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

تم بھی سنو

☆ رویے موسموں کی طرح محسوس ہوتے ہیں۔ اس سے نمٹنے کے لیے لہجوں کے لباس بدلنے پڑتے ہیں۔
☆ بعض لوگوں کے ساتھ رہنا ان سے جدا ہونے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔
☆ لڑکیاں رزق کی طرح ہوتی ہیں۔ اپنی ہوں تو ہمیشہ خوشی اور شکر کی نگاہ ڈالو۔ لفظوں سے مت کہو' نگاہوں اور دل سے ان کی سلامتی چاہو۔ دوسروں کی ہوں تو نگاہیں جھکا لو' بات کرو تو کوئی گدلا خیال دل اور نگاہوں کو آلودہ نہ کرے۔ تمہارا ہونا تحفظ کا احساس دلائے تاکہ سامنے والے کو اپنی عزت کی پڑ جائے۔
☆ پتھروں سے واسطہ پڑے یا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں۔
☆ خوابوں کی بیل کو اتنا اونچا مت چڑھنے دو کہ جب پھل اتارنے کا وقت آئے تو تمہارے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں۔
☆ گناہ اس قدر کم کرو کہ اس کی عقوبت کی تاب نہ لا سکو۔
☆ کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں' ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔
☆ محبت میں محبت جائز ہے' دھوکہ جائز نہیں۔
ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

انتظار

میں نے انتظار کرنے والوں کو دیکھا۔ انتظار کرتے کرتے سو جانے والوں کو بھی اور مر جانے والوں کو بھی۔ میں نے منتظر نگاہوں اور بے چین بدنوں کو دیکھا ہے۔ آہٹ پر لگے ہوئے کانوں کے زخموں کو دیکھا ہے۔ انتظار میں کانپتے ہاتھوں کو دیکھا ہے۔ منتظر آدمی کے دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مقررہ جگہ پہ انتظار کرتا ہے۔ دوسرا جو پذیرائی کے لیے' بہت دور نکل جاتا ہے۔ جب انتظار کی گھڑیاں دنوں' مہینوں اور سالوں پر پھیل جاتی ہیں تو کبھی کبھی یہ دوسرا وجود واپس نہیں آتا اور انتظار کرنے والے کا وجود اس خالی ڈبے کی طرح رہ جاتا ہے جسے لوگ خوب صورت سمجھ کر سینت کر رکھ لیتے ہیں اور کبھی اپنے درمیان سے جدا نہیں کرتے۔

خالی ڈبا کئی بار بھرتا ہے۔ مگر اس میں وہ لوٹ کر نہیں
تا جو پذیرائی کے لیے آگے نکل گیا تھا۔ ایسے لوگ
ے مطمئن پورے طور پر شانت ہو جاتے ہیں' ان
سکون اور شانت لوگوں کی پرسنالٹی میں بڑا چارم ہوتا
ہے اور انہیں اپنی باقی ماندہ زندگی اسی چارم کے ذریعے
گزارنی پڑتی ہے۔ یہی چارم صوفیا اور عمر قیدیوں کے
رے پہ دکھائی دے گا۔ اسی چارم کی جھلک آپ کو عمر
سیدہ پروفیسروں کی آنکھیں میں نظر آئے گی۔

(اشفاق احمد کی "سفر در سفر" سے اقتباس)

حور العین اقبال۔۔۔ کراچی

حق دار

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا۔

"میں صدقہ خیرات کرنا چاہتا ہوں' لیکن مجھے اندازہ
ہیں کہ کون حق دار ہے اور کون نہیں۔"

"تم اس کو دے دو جو حق دار ہے۔" بزرگ نے
کہا۔

"اور اس کو بھی دے دو جو حق دار نہیں' اللہ تجھے وہ
دے گا جس کا تو حق دار ہے اور وہ بھی دے گا جس کا تو حق
دار نہیں ہے۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

خطرناک دھمکی

ایک عورت کافی دنوں سے اپنی ماں کے گھر آئی
ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ایک سہیلی کو فون کیا۔ شوہر جی
کے مزاج گرامی پہ بات ہونے لگی تو اس نے بتایا۔
"آج کل میں نے اپنے شوہر کے غصے کو کنٹرول کیا ہوا
ہے۔" سہیلی حیرت سے بولی۔ "وہ کیسے؟"

"میں نے انہیں دھمکی دی ہے کہ اگر آپ نے
زیادہ غصہ کیا تو میں فوراً گھر واپس آجاؤں گی۔"
عورت نے چہکتے ہوئے جواب دیا۔

مہوش اختر۔۔۔ نارتھ کراچی

رحم دلی۔۔۔؟

ایک دفعہ تاتاریوں کے سردار چنگیز خان سے کسی
نے پوچھا۔

"اے خان تاتار تو نے کبھی کسی پر رحم کیا ہے؟"

"ہاں!" چنگیز خان نے جواباً کہا۔

"ایک دن میں گھوڑے پر سوار نیزہ اٹھائے ایک
ندی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک
عورت ندی کے کنارے کھڑی روتے ہوئے مدد کے
لیے پکار رہی تھی۔ قریب ہی اس کا ننھا بچہ ندی میں
ڈبکیاں کھا رہا تھا۔ مجھے عورت پر ترس آگیا۔ بچہ
کنارے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں گھوڑے سے اتر
کر بچے کے قریب پہنچا' پھر میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر نیزہ
بچے کے پیٹ میں گھونپ دیا اور اسے نیزے کی نوک پر
اٹھا کر اسے اس کی ماں کے سپرد کر دیا۔"

سیدہ عابدہ حسین شاہ۔۔۔ فتح جنگ

اولاد کی تربیت

شیخ سعدیؒ سے پوچھا گیا۔

"اولاد کی تربیت کیسے کرنی چاہیے؟" تو آپؒ نے
فرمایا۔

"جب بچے کی عمر دس سال سے زائد ہو جائے تو
اسے نامحرموں اور ایرے غیروں میں نہ بیٹھنے دو' اگر تم
چاہتے ہو کہ تمہارا نام باقی رہے تو اولاد کو اچھے اخلاق کی
تربیت دو' اگر تمہیں بچے سے محبت ہے تو اس سے
بے جا لاڈ پیار نہ کرو' بچے کو استاد کا ادب سکھاؤ' اسے
استاد کی سختی سہنے کی عادت ڈالو۔ بچے کی تمام ضرورتیں
خود پوری کرو' اسے عمدہ طریقے سے رکھو' تاکہ وہ
دوسروں کی طرف نہ دیکھے' بچوں پہ کڑی نگرانی رکھو'
تاکہ وہ بروں کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔ بچوں کو ہنر
سکھاؤ' تاکہ کسی بھی برے وقت میں کام آسکے۔"

نمرہ اقراء۔ کراچی

اب بھی

اب عمر' نہ موسم' نہ وہ رستے کہ وہ پلٹے
اس دل کی مگر خام خیالی نہیں جاتی
ہمراہ ترے پھول کھلاتی تھی جو دل میں
اب شام وہی درد سے خالی نہیں جاتی

قرۃ العین۔۔۔ لاہور

یادوں کے دریچے سے

اُرم رومان' کی ڈائری میں تحریر

رحمٰن خاور کی غزل

دل میں تو قید ہے اب تجھ کو رہا کیا کرنا
جسم سے روح کو دانستہ جُدا کیا کرنا

میں نے جب یاد کیا' یاد وہ آیا مجھ کو
اب زیادہ اسے مجبورِ وفا کیا کرنا

کچھ ملے یا نہ ملے کوچۂ جاناں ہے بہت
ہم فقیروں کو کہیں اور صدا کیا کرنا

مجھ کو جب ترکِ محبت کا کچھ احساس نہ ہو
تجھ سے پھر ترکِ محبت کا گلہ کیا کرنا

یاد کرنے پہ جو ناراض ہے مجھ سے خاور
بھول کر اس کو بھلا اور خفا کیا کرنا

نوشین اقبال نوشی' کی ڈائری میں تحریر

ایک نظم

لُڈو'

یہ جو سانپ سیڑھی کا کھیل ہے
ابھی ساتھ تھے دونوں ہم نوا
وہ بھی ایک پہ' میں بھی ایک پہ
اُسے سیڑھی ملی وہ چڑھ گیا
مجھے راستے میں ہی ڈس لیا
میرے بخت کے کسی سانپ نے
بڑی دور سے پڑا لوٹنا
زخم کھا کے اپنے نصیب کا
وہ ننانوے پہ پہنچ گیا
میں دس کے پھیر میں گر گیا
اُسے ایک نمبر تھا چاہیے
جو نہیں ملا سو نہیں ملا
میں بڑھا تو بڑھتا چلا گیا
بس ایک چوکے کی بات تھی
پر اس سے جیتنا میری مات تھی
میں نے جان کے گوٹی غلط چلی
اور سانپ کے مُنہ میں ڈال دی
یہ جو پیار ہے کبھی سوچنا
یہ بھی سانپ سیڑھی کا کھیل ہے

فاخرہ' کی ڈائری میں تحریر

امجد بخاری کی غزل

وقت بے وقت کسی پر نہ عنایات کرو
تم جو چاہو تو فقیروں سے ملاقات کرو

منتظر تھا کہ کبھی آؤ گے تم پاس مرے
آکے بیٹھے ہو تو خوشبو کی طرح بات کرو

مجھ پہ احسان میری جان تمہارا ہوگا
آج کی رات اگر وقفِ ملاقات کرو

زندگی جب کہ تمہاری ہے تمہاری مرضی
دن میں تم عید کرو رات کو شبرات کرو

میری جانب سے اجازت ہے زمانے والو
درد جتنے ہیں مرے تام سے خیرات کرو

کچھ تو رکھو مرے جذبوں کا بھرم چارہ گرو
یوں زمانے میں عیاں میرے نہ جذبات کرو

صدف سلیمان، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی نظم

کہاں جاؤ گے؟

اور کچھ دیر میں لٹ جائے گا ہر بام پہ چاند
عکس کھو جائیں گے آئینے ترس جائیں گے
عرش کے دیدۂ نمناک سے باری باری
سب ستارے سرِ خاشاک برس جائیں گے
آس کے مارے تھکے ہارے شبستانوں میں
اپنی تنہائی سمیٹے گا، بچھائے گا کوئی
بے وفائی کی گھڑی، ترکِ مدارات کا وقت
اس گھڑی اپنے سوا یاد نہ آئے گا کوئی
ترکِ دنیا کا سماں، ختم ملاقات کا وقت
اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے
اس گھڑی کوئی کسی کا بھی نہیں، رہنے دو
کوئی اس وقت ملے گا ہی نہیں رہنے دو
اور ملے گا بھی تو اس طور کہ پچھتاؤ گے
اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے
اور کچھ دیر ٹھہر جاؤ کہ پھر نشترِ صبح
زخم کی طرح ہر اک آنکھ کو بیدار کرے
اور ہر کشتۂ واماندگیِ آخرِ شب
بھول کر ساعتِ درماندگیِ آخرِ شب
جان پہچان ملاقات پہ اصرار کرے

شفق راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
گلزار کی غزل

کھلی کتاب کے صفحے الٹتے رہتے ہیں
ہوا چلے نہ چلے، دن پلٹتے رہتے ہیں

بس ایک وحشتِ منزل ہے اور کچھ بھی نہیں
کہ چند سیڑھیاں چڑھتے اترتے رہتے ہیں

مجھے تو روز کسوٹی پہ درد کستا ہے
کہ جاں سے جسم کے بخیے ادھڑتے رہتے ہیں

کبھی رکا نہیں کوئی مقام صحرا میں
کہ ٹیلے پاؤں تلے سے سرکتے رہتے ہیں

یہ روٹیاں ہیں، یہ سکے ہیں اور دائرے ہیں
یہ اک دوجے کو دن بھر پکڑتے رہتے ہیں

بھرے ہیں رات کے ریزے کچھ ایسے آنکھوں میں
اجالا ہو تو ہم آنکھیں جھپکتے رہتے ہیں

حور العین اقبال، کی ڈائری میں تحریر
احمد فراز کی غزل

غیر سے تیرا آشنا ہونا
گویا اچھا ہوا برا ہونا

خود نگوں سار، ہم سفر بیزار
اک ستم ہے شکستہ پا ہونا

کتنی جانکاہ ہے ضمیر کی موت
کتنا آسان ہے بے وفا ہونا

نشۂ لذتِ گناہ کے بعد
سخت مشکل ہے پارسا ہونا

آدمی کو خدا نہ دکھلائے
آدمی کا کبھی خدا ہونا

دل کی باتوں پہ کون جائے فرازؔ
ایسے دشمن کا دوست کیا ہونا

شائستہ امتیاز کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

"عیادت"

پت جھڑ کے موسم میں تجھ کو
کون سے پھول کا تحفہ بھیجوں
میرا آنگن خالی ہے
لیکن میری آنکھوں میں
نیک دعاؤں کی شبنم ہے
شبنم کا ہر تارا
تیرا آنچل تھام کے کہتا ہے
خوشبو، گیت، ہوا، پانی اور رنگ کو چاہنے والی لڑکی
جلدی سے اچھی ہو جا
صبحِ بہار کی آنکھیں کب سے
تیری نرم ہنسی کا رستہ دیکھ رہی ہیں

روبینہ سراج کی ڈائری میں تحریر
یعقوب غزنوی کی غزل

جو قید تجھ کو ملی اس کو داغدار نہ کر!
درِ قفس پہ کسی کا بھی انتظار نہ کر
زمانے بھر سے مراسم تو ٹھیک ہیں لیکن
محبتوں میں کسی کو بھی رازدار نہ کر
جنوں میں حد سے گزرنے کا فائدہ کیا ہے
یہ مصلحت ہے اسے اتنا پائدار نہ کر
اسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے
ذرا ٹھہر کہ ابھی مجھ کو شوق [illegible] نہ کر
ہر اک خواب ہے میرا تجھی سے وابستہ
یہ بات سچ ہے مگر میرا اعتبار نہ کر!
کسی کے دل میں دھڑکتا ہے اب بھی نام ترا
محبتوں میں نیا کوئی کاروبار نہ کر!!
مرا خیال تیری آنکھ سے جھلکتا ہے
نئی کہانی نیا لہجہ اختیار نہ کر!!

نمرا ماقراء، کی ڈائری میں تحریر
عبدالوحید بیتاب کی غزل

دل میں کوئی آ بسا اچھا لگا
پھول صحرا میں کھلا اچھا لگا

ہر ادا اس شوخ کی ہے دلفریب
کیا بتائیں ہم کو کیا اچھا لگا

جب سے دیکھی ہے کسی کی ایک جھلک
پھر نہ کوئی دوسرا اچھا لگا

ساتھ رہتا ہے تصور میں کوئی
ہے عجب یہ رابطہ اچھا لگا

بیٹھ کر تنہا کسی کو سوچنا
خوب ہے یہ مشغلہ اچھا لگا

پیار میں گو کچھ نہیں جز اضطراب
پر ہمیں یہ سلسلہ اچھا لگا

فوزیہ رشید کی ڈائری میں تحریر
عاصی کرنالی کی ایک غزل

اب ہمہ وقت ہے سورج میرے گھر کا درباں
اب ستاروں سے ملاقات نہیں ہو سکتی
ان کی سائنس کے قبضے میں ہیں بادل میرے
اب میرے گاؤں میں برسات نہیں ہو سکتی
ایک دریا کے قبیلے میں ہیں شامل موجیں
کیا مری ذات تری ذات نہیں ہو سکتی
ان کی تفریح کا سامان ہیں میری غزلیں
اس سے بڑھ کر مری اوقات نہیں ہو سکتی
فن کے اظہار کی کیا شکل نکالیں عاصیؔ
آنکھوں آنکھوں میں بھی اب بات نہیں ہو سکتی

☆ ♥

...نا امتیاز ______ کراچی
میرے آنگن میں دبے پاؤں تنے روگ لیے
سال کے سال کوئی عید چلی آتی ہے

...یلہ عباس ______ کراچی
روٹھنے والے اگر اجازت ہو
عید کے روز ملنے آ جاؤں

...نیہ ______ لاہور
تم آؤ بام پہ ایسے کہ دید ہو جائے
اسی بہانے سے میری بھی عید ہو جائے

...ہک سہیل ______ لاہور
غربت کے سائے میں بڑا اک ننھا سا بچہ
جھوٹی ہنسی سے عید پر احسان کر گیا

...افیہ ______ گجرات
مجھے تیری نہ تجھے میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی

...زکیہ خان ______ کراچی
عید کے چاند غریبوں کو پریشان نہ کر
تجھ کو معلوم نہیں زیست گراں ہے کتنی

الماس علی ______ کورنگی
میرے ویران دریچوں میں بھی خوشبو جلے گی
وہ میرے گھر کے در و بام سجانے آئے
اُس سے اک بار تو روٹھوں میں اُسی کی مانند
اور میری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

شہلا رفیق ______ کراچی
وہ چاند بن کے مرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اُس کے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی

شافعہ اعوان ______ کراچی
ہمیں خبر ہے کہ ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رُکے بھی نہیں

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات
پریت کی تھی تو عمر بھر نبھاتے سجن
یوں بیچ راہ میں تو چھوڑ کے نہ جاتے سجن
دے گئے ہو آنسو، آہیں اور غم کی بارشیں
ساون رُت آئی ہے کاش تم بھی چلے آتے سجن

حورالعین اقبال ______ کراچی
بڑھ گئیں وحشتیں موسم کی عنایت کے بعد
ہم کبھی روئے کبھی ہنس دیے برسات کے بعد
اتنی مضبوطی سے ویرانے کے در بند ہوئے
دل میں اُتری نہ کوئی ذات تیری ذات کے بعد

سدرہ وزیر ______ خوشاب (پیل)
تیری نظر کو فرصت نہ ملی دیدار کی
ورنہ میرا مرض اتنا لاعلاج نہ تھا
ہم نے وہاں بھی محبت بانٹی فراز
جس شہر میں محبت کا کچھ رواج نہ تھا

عنقہ قیصرانی ______ کوٹ قیصرانی
بہت تبدیلیاں لائے ہیں اپنے آپ میں لیکن
تمہیں بس یاد کرنے کی وہ عادت اب بھی باقی ہے

نمرہ، اقرا ______ کراچی
ہوا کے ساتھ اُڑ گیا گھر پرندوں کا ! !
کیسے بنا تھا گھونسلا یہ طوفان کیا جانے

حنا کنول ______ حویلی لکھا
راہِ وفا میں اذیت شناسیاں نہ گئیں
کسی بھی رُت میں ہماری اداسیاں نہ گئیں

شفق راجپوت ______ گوجرہ
میں شہر بھر میں ایک ہی اذیت پسند ہوں
گر چاہیے دعا تو میرا دل دکھائیے !

امامہ حبیب ______ عبدالحکیم
جو تیرے ہجر کا سال ہے سو گزرنا اس کا محال ہے
نہ مجھے کوئی بھی ملال ہے مجھے صرف تیرا خیال ہے

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ
اسے اپنا نہیں سکتا مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدت حسین خوابوں میں کھو کر جی لیا ہم نے

عذرا ناصر ______ کراچی
محبت میں خدا جانے یہ آپس میں گلہ کیوں ہے
محبت میں بھلا کیا کام شکوے اور شکایت کا

سمیعہ حبیب ______ عبدالحکیم
ہم نے یہ سوچ کر ہنسنے کا ہنر سیکھ لیا
درد رکھنا ہے تو پھر دیدہ تر کیا رکھنا

ارم آفتاب ______ کراچی
اوروں کا ہاتھ تھامو، انہیں راستہ دکھاؤ
میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر، تم کو اس سے کیا
تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر، تم کو اس سے کیا

صبا سحر ______ کراچی
میں جب بھی چاہوں، اُسے چھو کے دیکھ سکتی ہوں
مگر وہ شخص کہ لگتا ہے اب بھی خواب ایسا

تبو نشاط ______ لاہور
حال پوچھا تھا اس نے ابھی
اور آنسو رواں ہو گئے !

افشاں اسلم ______ کوئٹہ
ایک نظر دیکھ لو میری جانب
اس سے آگے میرا مقدر ہے

صائمہ ______ کوئٹہ
کوئی زنجیر نہیں پھر بھی گرفتار ہوں میں
کیا خبر تھی مجھے یہ ہنر بھی آتا ہوگا

مہوش فاروق ______ کراچی
تصور تیرا جو مجھے چھو جائے
میری ہر سانس سے تیری خوشبو آئے
یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے جستجو
پانی میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

اقصیٰ، عذرا ______ کراچی
سمجھ جاتا ہوں مگر دیر سے میں داؤ پیچ اس کے
وہ بازی جیت جاتا ہے میرے چالاک ہونے تک

سعدیہ اشتیاق ______ کہروڑ پکا
اسی اُلجھن کو شب بھر سوچنا اور جاگتے رہنا
وسائل سے جواں بیٹی کے قد کو ناپتے رہنا

رُباب علی ______ کھلا بٹ کالونی
یہ الگ بات مقدر کے سبب دیکھے ہیں
ایسے کب دیکھے تھے جیسے کہ اب دیکھے ہیں
غم کو اپناؤ کہ کچھ زیست کے معنی کھلیں
دوستو! تم نے فقط رنگِ طرب دیکھے ہیں

شاہینہ ______ کراچی
سکوتِ عرضِ تمنا کو ہم نہ توڑیں گے
محبتوں کا یہی سلسلہ توہات میں ہے

جمیلہ احمد ______ خانیوال
تُو کہ انجان ہے اس شہر کے آداب سمجھ
پھول روئے تو اُسے خندہ شاداب سمجھ
اب کیسے ساحل اُمید سے تکتا ہے فراز
وہ جو ایک کشتیٔ دل تھی اسے غرقاب سمجھ

فرزانہ گلستان ______ اوکاڑہ
اُن کی بکھری ہوئی زلفوں کا تصور تو یہ !
نکہتِ نُور کے دھاروں کو سزا ملتی ہے
وہ جو داستوں میں دباتے ہیں گلابی آنچل
کتنے پُرکیف نظاروں کو سزا ملتی ہے

فوزیہ خالد ______ پنڈدادنخان
یوں خوش ہیں آج اس سے مُلاقات پر کہ ہم
تسخیر جیسے ارض و سما کر کے آئے ہیں

ناہید ضمیر جونیجو ______ لاڑکانہ
زمانہ تیرے مقدر میں ہجر لکھ دے گا!
کسی سے بھول کر ذکرِ وصال مت کرنا
تعلقات کی تشہیر ہو نہ جائے کہیں
میری جُدائی کا اتنا ملال مت کرنا

ہما بشارت ______ کراچی
میں پربتوں سے لڑتا رہا اور کچھ لوگ
گیلی زمیں کو کھود کر فرہاد بن گئے

ریحانہ امجد بخاری
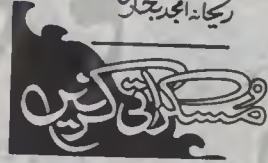
درست طریقہ

ایک اسپتال میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو نرس نے ریسیور اٹھایا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔
"کیا آپ کمرہ نمبر 52 کے مریض کا حال بتا سکتی ہیں۔ اس کا آپریشن پچھلے ہفتے ہوا تھا۔"
نرس نے فون کرنے والے کو دو منٹ رکنے کو کہا، پھر بتایا۔
"میں نے ریکارڈ میں مریض کا چارٹ دیکھا ہے، ان کی حالت ٹھیک ہے اور وہ تیزی سے روبہ صحت ہیں۔ آپریشن کامیاب رہا ہے اور اب یہ بیماری انہیں کبھی نہیں ہوگی۔ وہ تو اس وقت سو رہے ہوں گے، صبح کو میں انہیں آپ کا کیا نام بتاؤں؟" فون کرنے والے نے جواب دیا۔
"میں کمرہ نمبر 52 کا مریض ہی بول رہا ہوں، آپ کو اس لیے زحمت دی کہ میرے ڈاکٹر تو مجھے کچھ بتاتے نہیں ہیں۔"

ثمینہ۔۔۔ منڈی سمبڑیال

زخمی ہیرو

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔
"پاکستانی فلم میں ہیرو زخمی ہوا تو اسے اسلحے کی گاڑی میں ڈال کر لے جایا گیا۔"
"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" دوست نے تصحیح کرنے کی کوشش کی۔
"وہ اسلحے کی گاڑی نہیں، ایمبولینس ہوگی۔"
"نہیں بھئی! وہ اسلحے کی گاڑی ہی تھی۔" ان صاحب نے یقین سے کہا۔
"دراصل ہیرو کے جسم میں اتنی گولیاں پیوست تھیں کہ اسے اسلحے کی گاڑی میں لے جانا ہی مناسب تھا۔"

سونیا۔۔۔ لاہور

بے بسی

شوہر نے پہلی بار اپنی نئی نویلی دلہن کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا شروع کیا تو پہلے ہی نوالے میں حالت خراب ہوگئی، نوالا اس کے منہ سے باہر آگیا اور اسے الٹی آتے آتے رہ گئی۔ اس نے بے چارگی سے کہا۔
"بیگم! میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھا سکتا۔" موت کے مارے اس نے بیوی کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کہ کھانا کس قدر بدذائقہ تھا۔ بیوی اطمینان سے بولی۔
"کوئی بات نہیں۔ میں نے کھانا پکانے کی ترکیبوں والی کتاب میں یہ بھی پڑھا ہے کہ بچے ہوئے اور باسی کھانوں سے نئی ڈشیں کیسے تیار کی جاتی ہیں۔" یہ سن کر شوہر خوف زدہ انداز میں نہایت بے بسی سے کھانے کی طرف دوبارہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔
"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ٹھیک ہے۔ میں یہی کھانا کھا لیتا ہوں۔"

سعدیہ۔۔۔ لاہور

آزادی

"مجھے جو نئی ملازمت ملی ہے، اس میں مجھے بہت آزادی حاصل ہے۔"
"کیسی آزادی۔" سلیم نے جاننا چاہا۔
"میں صبح نو بجے سے پہلے جس وقت چاہوں، دفتر پہنچ سکتا ہوں اور شام کو پانچ بجے کے بعد جس وقت

چاہوں چھٹی کر سکتا ہوں۔" حمید نے فخریہ انداز میں بتایا۔

عائشہ سعید۔۔۔ گلشن اقبال

عملی مظاہرہ

ایک دیوہیکل پہلوان ٹائپ آدمی ایک شراب خانے میں آیا اور بارٹینڈر سے کہنے لگا۔
"میں نے سنا ہے کہ تمہیں ایک کن کٹے بدمعاش کی ضرورت ہے، جو ناپسندیدہ افراد سے نبٹ سکے۔"
"ضرورت تو بڑی شدید ہے۔ مگر تمہیں اس کا کوئی تجربہ ہے؟" بارٹینڈر نے پوچھا۔
"تجربہ تو کوئی خاص نہیں، لیکن میں عملی مظاہرہ کرکے دکھا سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر کن کٹے بدمعاش نے ادھر ادھر دیکھا۔ ساتھ والے کمرے میں ایک مست شرابی فون پر کسی کو گالیاں دے رہا تھا۔ کن کٹے نے کمرے میں جاکر اس شخص کو دبوچا اور کسی احتجاج کی پروا کیے بغیر اسے شراب خانے سے باہر پھینک دیا اور فاتحانہ انداز سے جھومتا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا۔
"عملی مظاہرہ پسند آیا؟"
"بہت خوب۔" بارٹینڈر نے کہا۔
"مگر نوکری کی اجازت تمہیں باس سے لینی پڑے گی۔"
"باس کہاں ہے؟" بدمعاش نے پوچھا۔
"جسے تم باہر پھینک آئے ہو، وہی اس بار کا مالک ہے۔"

الماس علی۔۔۔ کورنگی، کراچی

اندیشہ

ایک صاحب جھومتے ہوئے نائٹ کلب سے نکلنے لگے تو دربان ان کے لیے دروازہ کھولنے کی غرض سے لپکا، مگر کسی چیز میں الجھ کر گر پڑا۔ کلب کے منیجر نے باہر آکر اس کو ڈانٹا۔
"ذرا احتیاط سے چلا کرو، تمہارے اس طرح گرنے سے کوئی سمجھے گا کہ تم دربان نہیں، کلب کے ممبر ہو۔"

رافعہ۔۔۔ کراچی

بچے ہمارے عہد کے

بچے گلی میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ گیند ایک مکان کی کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔ خاتون خانہ نے جھلا کر دروازہ کھولا، لیکن گلی سنسان پڑی تھی۔ انہوں نے گیند اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی۔ آدھے گھنٹے بعد دروازے پر ایک بچہ موجود تھا۔
"معاف کیجیے گا آنٹی۔۔۔ ہماری غلطی سے آپ کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا، وہ ادھر دیکھیے۔۔۔ میرے والد نیا شیشہ لگانے کے لیے آرہے ہیں۔" اس نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔
"اب آپ جلدی سے مجھے گیند دے دیجیے۔"
خاتون خانہ نے دیکھا کہ ایک شخص تھیلا ہاتھ میں لیے اور دوسرے ہاتھ میں کھڑکی کے سائز کا شیشہ تھامے ان کے مکان کی طرف چلا آرہا تھا۔
"کوئی بات نہیں بیٹا گیند لے لو۔" خاتون نے بچے کو گیند دیتے ہوئے شفیق لہجے میں کہا۔ اتنی دیر میں وہ شخص دروازے پر آگیا۔ بچے نے گیند لی اور رفوچکر ہوگیا۔
اس شخص نے کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی جگہ نیا شیشہ لگا دیا اور خاتون سے بولا۔
"سو روپے عنایت کر دیجیے۔"
"کیا۔۔۔ کیسے سو روپے؟" خاتون نے گڑبڑا کر حیرت سے پوچھا۔
"کیا تم اس بچے کے باپ نہیں ہو جو ابھی گیند لے کر گیا ہے؟"
"ہرگز نہیں!" اس شخص نے جواب دیا۔ پھر چونک کر پوچھا۔
"کیا آپ اس بچے کی ماں نہیں ہیں؟"

کشور۔۔۔ بنوں

منافع بخش

ایک دولت مند صاحب کھانا کھانے کے لیے اپنے مخصوص ہوٹل پہنچے تو انہیں دیکھ کر پریشانی ہوئی کہ آج انہیں ایک نیا ویٹر اٹینڈ کر رہا ہے۔

"وہ پرانا ویٹر کہاں ہے؟" انہوں نے غصے سے ویٹر سے پوچھا۔

"جناب اب میں ہی آپ کی خدمت کیا کروں گا۔ گزشتہ رات میں نے جوئے میں آپ کو اس سے جیت لیا ہے۔" نئے ویٹر نے متانت سے جواب دیا۔

مونا علی۔۔۔ بدین

ہم خیال

فیلڈنگ کے دوران ایک کھلاڑی بار بار امپائر کے قریب آ کھڑا ہوتا اور ہر اس گیند پر جو مس ہو جاتی ایل بی ڈبلیو کی اپیل کرتا۔ مگر امپائر کس سے مس نہ ہوتا۔ اپیلوں کی تعداد جب حد سے تجاوز کر گئی تو امپائر پلٹ کر کھلاڑی کی طرف متوجہ ہوا اور اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"پچھلے آدھے گھنٹے سے میں تمہاری حرکات دیکھ رہا ہوں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" کھلاڑی نے ذرا سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ کھیل کیوں نہیں دیکھتے؟"

تانیہ خان۔۔۔ کراچی

نالائق

باپ نے طیش میں آ کر بیٹے سے کہا۔

"میں نے اپنا عیش و آرام غارت کیا' دن رات محنت مشقت کر کے روزی کماتا رہا' ایک ایک پیسہ بچا کر رکھا۔۔۔ محض اس لیے کہ تمہیں میڈیکل میں داخل کراؤں گا۔

اور اب جبکہ تم ڈاکٹر بن چکے ہو' تم نے پہلا کام کیا' کیا۔۔۔ یہی کہ مجھ سے کہہ رہے ہو' ابا جی! سگریٹ چھوڑ دیجیے۔"

امبرین اسلم۔۔۔ کراچی

شکایت

ایک عورت نے اپنی سہیلی سے شکایت کی۔

"تم نے عالیہ سے وہ راز کی بات کیوں کہہ دی۔ حالانکہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے مت بتانا۔"

"اچھا۔۔۔" سہیلی افسوس کرتے ہوئے۔

"جبکہ میں نے اس سے کہہ بھی دیا تھا کہ وہ تمہیں ہرگز نہ بتائے کہ میں نے اس سے وہ بات کہہ دی ہے۔"

"اوہ۔۔۔" اس عورت نے طویل آہ کھینچی اور بولی۔

"خیر' جو ہوا سو ہوا' مگر اب اسے یہ مت بتا دینا کہ میں تم سے شکایت کر رہی تھی۔"

یسری ندیم۔۔۔ میرپور خاص

دھمکی

کرکٹ کا ایک شوقین بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس کے دوست نے پوچھا۔

"بیوی نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے کرکٹ نہ چھوڑی تو وہ مجھے چھوڑ جائے گی۔"

"اوہ! یہ تو واقعی بری خبر ہے۔" دوست نے افسوس کا اظہار کیا۔

"ہاں۔۔۔ یقین کرو میں اپنی بیوی کو بہت مس کروں گا۔"

ریحانہ علی۔۔۔ کراچی

علاج

ایک ڈاکٹر فخر سے دوسرے ڈاکٹر کو بتا رہا تھا۔

"آخر کار میں نے جمال کے لڑکے کا علاج کر ہی لیا۔ تمام ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا۔"

"کیا بیماری تھی اسے۔" دوسرے ڈاکٹر نے پوچھا۔

"وہ دانتوں سے ناخن کو کترتا تھا۔ میں نے اسے ڈینٹسٹ کے پاس بھیج کر تمام دانت نکلوا دیے۔" پہلے ڈاکٹر نے فخر سے بتایا۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

حلوہ کون سا

نئی نویلی دلہن نے اپنے شوہر سے کہا۔

"مجھے دو ڈشز بنانے میں مہارت حاصل ہے۔ ایک مرغی کا سالن دوسرا گاجر کا حلوہ' لیجیے ذرا چکھیے۔" شوہر نے داد دیتے ہوئے کہا۔

"خوب بہت خوب' لیکن یہ بتاؤ کہ ان میں سے سالن کون سا ہے اور حلوہ کون سا۔"

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

ڈائمنڈ کا سیٹ

بیوی نے شوہر کو فون کیا۔

"اس وقت کہاں ہیں آپ؟" شوہر نے کہا۔

"تمہیں وہ جیولری کی دکان یاد ہے جہاں تم کو ڈائمنڈ کا سیٹ پسند آیا تھا اور میرے پاس پیسے نہیں تھے کہ خرید سکتا۔" بیوی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں' ہاں مجھے یاد ہے۔"

"میں اس کے ساتھ والی دکان میں بال کٹوا رہا ہوں۔" شوہر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

ثانیہ جمال۔۔۔ بہاولنگر

ہدایت

ایک لڑکی نے اپنی سہیلی کو بتایا۔

"کل میں بس اسٹاپ پر کھڑی تھی کہ ایک اسمارٹ اجنبی نوجوان آیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھ سے اظہار عشق کرنے لگا۔" سہیلی نے پوچھا۔

"ہائے اللہ! تم نے اسے ڈانٹا نہیں' خاموش ہونے کے لیے نہیں کہا؟"

"نہیں! تمہیں تو معلوم ہے کہ امی نے مجھے اجنبی لڑکوں سے بات کرنے کے لیے منع کیا ہوا ہے۔" لڑکی نے بے بسی سے جواب دیا۔

جمیلہ۔۔۔ حیدر آباد

جواز

کالج میں ایک لڑکے نے اپنے کلاس فیلو سے پوچھا۔

"تم نے تقریری مقابلے میں حصہ لینے کے لیے فارم بھرا تھا' کیا تمہیں مقرروں کی ٹیم میں شامل کر لیا گیا ہے؟"

"نن۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ ان۔۔۔ ک۔۔۔ کک۔۔۔ کا۔۔۔ کہنا ہے۔۔۔ کہ۔۔۔ مم۔۔۔ میرا۔۔۔ ق۔۔۔ قد۔۔۔ چھ۔۔۔ چھوٹا ہے۔" کلاس فیلو نے بمشکل جواب دیا۔

ناصرہ۔۔۔ لطیف آباد

بے بسی

ایک شخص اپنے دوست سے۔

"یار جب میری شادی ہوئی تھی تو مجھے اپنی بیوی بڑی خوب صورت اور پیاری لگتی تھیں۔ میرا دل کرتا تھا میں اسے کھا جاؤں۔"

دوست "تو اب کیا لگتی ہے۔" ۔۔۔ ایک سرد آہ بھر کر۔۔۔

"سوچتا ہوں' اسے اس وقت کھا ہی جاتا تو اچھا تھا۔"

اقرا۔۔۔ گجرات

سوالاً جواباً

○ "بیگم! تمہیں کچن میں گئے تین گھنٹے ہو گئے ہیں کیا چانپیں ابھی تک تلی نہیں جا سکیں۔"

"تل تو میں نے لی تھیں لیکن وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں گلی نہیں تھیں' اس لیے میں نے انہیں بھون لیا۔ لیکن بھونتے ہوئے وہ جل گئیں اب اگر آپ صبر کریں تو میں انہیں ابال کر بس لا رہی ہوں۔"

○ "کیا واقعی اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی اکثر مردوں کو خودکشی سے باز رکھتی ہے۔"

"جی ہاں! اعداد و شمار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خودکشی اکثر مردوں کو شادی سے باز رکھتی ہے۔"

نجمہ حفیظ۔۔۔ کراچی

☆ ☆

حسن و صحت

ادارہ

ناخن انگلیوں کی خوب صورتی ہیں' ضرورت ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ خاص طور پر لڑکیوں کے ناخن دیکھے جاتے تھے کہ کہیں بڑے بڑے تو نہیں ہیں۔ اس زمانے میں ناخنوں کی سجاوٹ بس اتنی تھی کہ ان پر نیل پالش یا مہندی لگالی۔

لیکن اب ناخنوں کو مختلف دلکش انداز سے سجایا جاتا ہے' بلکہ یہ ایک آرٹ کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ ناخنوں کو طرح طرح سے سجایا جاتا ہے۔ پھر ان کی چمک دمک کسی بھی تقریب میں لوگوں کو دیکھنے کے لیے مجبور کردیتی ہے۔

یہ ایک ایسا آرٹ ہے' جس میں بے شمار رنگوں کا ماہرانہ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ آپ کے ناخنوں کو دیدہ زیبی عطا کرتا ہے اور اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ آپ کے ناخن لانبے ہوں۔ یہ آرٹ ہر طرح کے ناخنوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی قدرتی چھوٹے ناخن اور مصنوعی بڑے ناخن۔

آپ کے ناخن اس آرٹ کی وجہ سے جگمگانے لگیں گے اور ان کا حسن آپ کی پوری شخصیت پر محیط ہوجائے گا اور محفل میں آپ مرکز نگاہ بنی رہیں گی۔

اس قسم کی آرائش کے لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ شوخ گہرے اور چبھتے ہوئے رنگوں کا انتخاب کریں۔ بلکہ آپ خود اس میں اپنی مرضی اور موڈ کے مطابق جدت پیدا کرسکتی ہیں۔

آپ کے پاس انتخاب کے لیے بہت کچھ ہے۔ فلاور ورک' لائن ورک' جیومیٹریکل ورک' آرٹ کے مناظر' نگینے یا اسی قسم کی اور ایسی چیزیں یا منظر جو آپ کے ناخنوں کو زیادہ سے زیادہ خوش نما بنادیں اور یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ ہلکے رنگوں کا استعمال کرتی ہیں یا گہرے شوق رنگوں کا۔

فرض کریں کہ آپ پھولوں کی شوقین ہیں تو پھولوں کا کوئی پیٹرن اپنا سکتی ہیں۔ اس طرح کے بے شمار پیٹرن آپ کو مل جائیں گے۔ نیل آرٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ آپ کے تصور کے ساتھ رہتا ہے۔

آپ خود جتنی آرٹسٹک ہوں گی' اتنی ہی خوب صورتی آپ کے ناخنوں میں آئے گی۔ ان کی سجاوٹ کا اصل گر آپ کی مہارت' مشق اور صبر میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا برش اٹھائیں اور مصوری شروع کردیں۔

آپ کے پاس رنگوں کا انتخاب ہے۔ پر کس کا انتخاب ہے یا پھر آپ نے ایک ناخن پر جو پیٹرن اختیار کیا ہے۔ وہی دوسرے ناخنوں پر دوسرے رنگوں میں کرسکتی ہیں۔

آپ اپنے ناخنوں میں واٹر کلر بھر سکتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آخر میں نیل شائز کا ایک کوٹ کروا جائے۔ تاکہ آپ کے ناخن اپنی چمک دمک برقرار رکھ سکیں۔

لیکن یہ عمل اس وقت ہی کریں جب آپ کے

پاس آپ کے لباس کی میچنگ کی نیل پالش نہ ہو۔ واٹر کلر کے صحیح رنگوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اپنے لباس کے رنگوں کے مطابق نیل کلر تیار کریں اور اپنے ناخنوں کو اس سے سنوارتی جائیں۔

آپ نے بہترین رنگوں اور ڈیزائن کا انتخاب کیا۔ پینٹ کرنے میں محنت کی' لیکن آپ کی یہ ساری محنت اس وقت رائیگاں ہوجاتی ہے جب آپ کے ناخن بے ڈھنگے ہوں۔

سخت اور کھردرے ناخن آپ کے ہاتھوں کی ساری خوب صورتی کو برباد کردیتے ہیں۔ آپ نے جو نیل پالش استعمال کی ہے۔ وہ آپ کو کبھی کبھی مطلوبہ رزلٹ نہیں دے گی۔

باریک سخت ذرات سے بچاؤ

اگر آپ ایسا کوئی کام کرتی ہیں جس میں ہاتھ پیر مٹی میں اٹ جاتے ہیں تو ناخنوں کو گندا ہونے سے بچانے کے لیے کام شروع کرنے سے قبل اپنے ناخنوں کو صابن کی گیلی ٹکیہ پر کئی مرتبہ رگڑیں۔

اس طرح آپ کے ناخنوں کے اندر صابن بھر جائے گا اور گرد و غبار کو ناخنوں کے اندر داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

ناخن ماس

○ اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح چکنا رکھیں۔ پھٹی ہوئی خشک جلد ناخن ماس (ہینگ نیل) کا سبب بن سکتی ہے۔

○ اسی طرح ضرورت سے زیادہ مقدار میں کیوٹیکلز کو تراشنا بھی اس کا باعث ہوسکتا ہے۔ کیوٹیکل کنڈیشنر صرف مینی کیور (ناخن تراشنے) کے دوران ہی نہ لگائیں بلکہ روزانہ لگاتی رہا کریں۔

○ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آپ کوئی خوب صورت پینٹنگ کررہے ہوں' لیکن کینوس اگر صاف اور ہموار نہیں ہوگا تو پھر آپ کی محنت بھی بے کار ہوجائے گی۔

○ ناخنوں کی ناہمواری کو آپ بڑی آسانی سے نیل بفر کے ذریعے دور کرسکتی ہیں۔ یعنی اسے اپنے ناخنوں پر گھس کر' لیکن یاد رکھیں کہ گھستے ہوئے اس کا رخ ناخنوں کی جڑوں کی طرف ہونا چاہیے اور اوپر کی طرف نہیں۔

○ ناخنوں کو کاٹنے یا مختصر کرنے کے لیے کبھی قینچی یا ریتی وغیرہ استعمال نہ کریں۔ اس سے آپ کے ناخنوں کی پلیٹ پر ضرب پہنچتی ہے اور ناخن برباد ہوجاتے ہیں۔

○ اپنی انگلیوں کو چند منٹ کے لیے زیتون کے نیم گرم تیل میں تر کرلیں۔ یہ تراوٹ آپ کے کیوٹیکلز اور ہاتھوں کو ملائم کردے گی اور ناخنوں کو مضبوط بنادے گی۔

○ کوشش کریں کہ ناخنوں کی تراش کے لیے لوہے کی ریتی کی بجائے ایمری کی فائل استعمال کیا کریں۔ (ایمری ایک قسم کا نرم پتھر)

○ یہ فائل چونکہ نرم پتھر سے بنا ہوتا ہے۔ اس لیے گھستے وقت ناخنوں پر زور نہیں پڑتا اور وہ ٹوٹنے سے بچ جاتے ہیں۔

○ مردہ چمڑے اور ٹوٹے ہوئے ناخنوں کو علیحدہ کرنے کے لیے بہت اچھی کیوٹیکل کریم استعمال کیا کریں۔ اس کے علاوہ اگر جلد دکھ رہی ہو اور ناخن سے باہر نکلی ہوئی ہو تو اسے اورنج اسٹک کی مدد سے آہستگی سے پیچھے دھکیل دیں۔

یاد رکھنے کی باتیں

یاد رکھیں کہ نیل آرٹ شروع کرنے سے پہلے آپ کے ناخنوں کا صحت مند' خوب صورت اور ہموار ہونا بہت ضروری ہے۔ اس آرٹ کی ابتدا سے پہلے آپ کو دو چیزیں دھیان میں رکھنی ہیں۔

ایک بہتر اور عمدہ و اعلا معیار کے رنگوں کا انتخاب۔

اس کے بعد آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ کس قسم کے رنگ آپ کی شخصیت' لباس اور ماحول کے لحاظ سے خوب صورت لگیں گے۔

آپ کے سامنے وسیع انتخاب ہے۔ تیز رنگ سے لے کر ہلکے رنگ تک۔ سوبر سے لے کر شوخ و شنگ رنگ تک۔ یہ انتخاب آپ کی مرضی اور سلیقے پر منحصر ہے۔

رنگ

○ ناخنوں کی سجاوٹ کے لیے بازار میں کسی خاص قسم کے رنگ نہیں ملتے' بلکہ وہی پولسٹر کلر وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ جو عام طور پر آپ پینٹنگ میں استعمال کرتی ہیں۔

○ سیدھی یا خم دار لکیریں بنانے کے لیے نوک دار برش استعمال کریں۔ ڈیزائن کو شارپ کرنے کے لیے آپ باریک خلال یا اسی قسم کی کوئی نوک دار چیز استعمال کر سکتی ہیں۔

○ پینٹنگ اس وقت شروع کریں جب پہلا کوٹ مکمل طور پر خشک ہو چکا ہو اور پہلے کوٹ سے پہلے آپ کو بنیاد بنانے کے لیے بھی کوٹ (تہ) کرنا ہوتا ہے۔

○ اور جب آپ نے اپنے ناخنوں پر کوئی ڈیزائن بنالیا تو اسے مکمل طور پر خشک ہو جانے دیں ورنہ رنگ بگڑ جائیں گے۔ ڈیزائن کے اوپر اسے محفوظ رکھنے کے لیے آپ ایک ______ کوٹ بھی کر سکتی ہیں۔

○ ان ڈیزائنز میں آپ خشک پھولوں' نگینوں' بندیا یا موتیوں کا استعمال کر کے چار چاند بھی لگا سکتی ہیں۔

خشک پھولوں کا استعمال

پہلا مرحلہ تو یہی ہے کہ اپنے ناخنوں کو خوب اچھی طرح صاف کرلیں۔ اس پر کسی قسم کا داغ دھبا نہ رہے۔ ورنہ مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔ پھر جہاں جہاں پر آپ خشک پھول چپکانا چاہتی ہیں وہاں Sealing کوٹ لگادیں۔ پھر ٹوئیزر کی مدد سے پھول اٹھا کر مقررہ مقام پر چپکاتی چلی جائیں اور جب یہ اچھی طرح چپک جائیں تو اوپر سے ایک اور کوٹ کردیں۔

اب ناخنوں کو اچھی طرح خشک ہو جانے دیں۔ کچھ اور بیل بوٹے بنانا چاہتی ہیں تو خالی جگہوں پر نوک دار چیز یا Tooth Pick کے ذریعے ڈیزائن بناتی جائیں۔

اگر Dots کے بجائے لانبی لکیر بنانی ہے تو اس کے لیے نوک دار برش استعمال کریں۔ پھر اوپر سے نیل شائنر کا ایک شفاف کوٹ چڑھالیں۔ تاکہ وہ ڈیزائن ناخنوں پر محفوظ ہو جائیں اور بگڑنے نہ پائیں۔ پھر خشک ہو جانے دیں۔

سجاوٹ کے لیے بندی کا استعمال

پہلے تمام ناخنوں کو خوب اچھی طرح صاف کرلیں۔ کسی قسم کا داغ دھبا نہ رہے۔

اس کے بعد بندیوں کے سائز اور ڈیزائن کا انتخاب کریں۔ اس انتخاب میں یہ بھی مدنظر رکھیں کہ آپ اسے سادہ ناخنوں پر استعمال کرنا چاہتی ہیں یا رنگے ہوئے ناخنوں پر۔ پھر ٹوئیزر کی مدد سے بندی اٹھائیں اور ناخنوں پر رکھتی چلی جائیں۔ پھر Sealing کوٹ لگا کر اوپر سے ہلکے ہلکے دبادیں۔ تاکہ یہ اچھی طرح چپک جائیں۔

بندیوں کو اچھی طرح چپکائے رکھنے کے لیے کم از کم دو کوٹ ضرور استعمال کریں۔ ایک ناخن کے بعد یہی عمل دوسرے ناخنوں پر دہرائیں۔

آپ بندیوں کے آس پاس رنگ برنگے Dots کے لیے خلال یا نوک دار چیز وغیرہ کا استعمال بھی کر سکتی ہیں۔

چمک دار ناخنوں کے لیے

آپ یہ چاہتی ہیں کہ آپ کے ناخن انتہائی چمک دار اور دلکش دکھائی دیں۔ اس کے لیے آپ اپنے ناخنوں کو تیز یا ہلکے رنگ سے پینٹ کرلیں۔ (آپ چاہیں تو انہیں نیچرل لک بھی دے سکتی ہیں۔)

اگر آپ اپنے ناخنوں کو کلاسیکل یا روایتی انداز میں سنوارنا چاہتی ہیں تو اس کے لیے زرد رنگ کا انتخاب سب سے بہتر ہوگا۔ ☼

کِرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

بادامی شیر خرما

ضروری اجزا :

دودھ	ایک لیٹر
باریک سویاں	ایک کپ
بادام' پستے	آدھا کپ
چینی	ایک کپ
کھویا	آدھا کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
الائچی (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
بادام' پستے' ناریل کشمش چھوہارے	ایک کپ

ترکیب :

ایک دیگچی میں گھی گرم کریں۔ الائچی ڈالیں۔ سویاں اور پستہ بادام اور کشمش' چھوہارے ڈال کر ہلکی آنچ پر فرائی کریں۔ پکتے ہوئے دودھ میں سویاں' میوہ' چینی ڈالیں۔ ابال آجائے تو ہلکی آنچ پر کردیں۔

پستے' بادام' کھویا ڈالیں' ہلکی آنچ پر پانچ منٹ پکائیں۔ آخر میں کیوڑا ڈال کر چولہا بند کردیں اور گرم گرم سرو کریں۔

کریمی شیر خرما

ضروری اجزا :

دودھ	ڈیڑھ کلو
کریم	آدھا کپ
چاول کا آٹا	ایک کھانے کا چمچہ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچہ
پستے' بادام' ناریل' چھوہارے	حسبِ ضرورت
چینی	ایک کپ
باریک سویاں	آدھا کپ
گھی	ایک کھانے کا چمچہ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

دودھ کو ابال لیں۔ آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں چاول کا آٹا مکس کر کے گرم دودھ میں شامل کردیں اور چینی بھی ڈال دیں۔ فرائنگ پین میں گھی گرم کریں۔ اس میں سویاں اور بادام' پستے' ناریل' چھوہارے ہلکی

آنچ پر فرائی کریں اور پلٹتے دودھ میں شامل کرکے ہلکی آنچ پر دس منٹ پکائیں۔ الائچی پاؤڈر' کیوڑا اور کریم مکس کردیں۔ گرم گرم سرو کریں۔ مزے دار کریمی شیر خورما تیار ہے۔

خوش ذائقہ فروٹ شیر خرما

ضروری اجزا :

دودھ	دو کلو
چینی	ایک کپ
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچہ
بادام' پستہ' ناریل	آدھا کپ
الائچی (کوٹ لیں)	چھ عدد
مکھن	دو کھانے کے چمچے
باریک سویاں	ایک کپ
آم (بڑا)	ایک عدد (چوکور کاٹ لیں)
انگور	ایک کپ
چیری	آدھا کپ

ترکیب :

دودھ کو ہلکی آنچ پر پکا کر گاڑھا کرلیں۔ اب ایک پین میں مکھن گرم کریں اور الائچی' سویاں ڈال کر فرائی کریں۔ پستہ' بادام' ناریل' سلائس بھی ڈال دیں اور ہلکا سا فرائی کرلیں۔ دودھ میں چینی ڈال کر پکائیں۔ پھر فرائی سویاں میوہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ کیوڑا ڈال کر آنچ سے اتار لیں۔ پانچ منٹ بعد فروٹ ڈال دیں اور ڈش میں نکال لیں۔ فروٹ' بادام' پستہ' ناریل اور چیری سے گارنش کریں۔

شاہی ٹکڑے رنگین سویوں کے ساتھ

ضروری اجزا :

رنگین سویاں	ڈیڑھ کپ
دودھ	ایک لیٹر
چینی	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
بادام' پستہ سلائس	حسبِ ضرورت
ڈبل روٹی کے سلائس	آٹھ عدد
تیل یا گھی	تلنے کے لیے
چینی	آدھا کپ
پانی	آدھا کپ

ترکیب :

دودھ کو ابال لیں۔ چینی اور سویاں ڈال کر پکائیں۔ سویاں نرم ہوجائیں تو چولہا بند کردیں اور ڈش میں نکال لیں۔

ڈبل روٹی کو کسی بھی شیپ میں کاٹ کر فرائی کرلیں۔ چینی میں پانی ڈال کر پکائیں کہ چینی گل جائے۔ اب فرائی سلائس شیرے میں ڈال کر نکال کر سویوں پر رکھیں۔ سلائس پر کھویا' بادام' پستہ رکھ کر پیش کریں۔

جیلی بھرے شاہی ٹکڑے

ضروری اجزا :

ڈبل روٹی کے سلائس	حسبِ ضرورت
کنڈینسڈ ملک	آدھا کپ
پستے بادام (سلائس کرلیں)	دو کھانے کے چمچے
جیلی	(ریڈ والی) ایک پیکٹ
(دو کپ پانی میں ڈال کر پکائیں اور کسی پیالے میں سیٹ کردیں)	
گھی	تلنے کے لیے
کریم	آدھا کپ

ترکیب :

ڈبل روٹی کے سلائس کو گول کاٹ کر گرم گھی میں فرائی کرلیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ کنڈینسڈ ملک ایک پیالے میں نکال لیں اور فرائی کیے ہوئے سلائس پر کنڈینسڈ ملک دونوں سائیڈ پر لگائیں۔

پلیٹ میں ایک سلائس رکھیں۔ اس پر جیلی لگائیں۔ دوسرا سلائس رکھیں۔ اسی طرح سارے سلائس بنالیں۔ اب سلائس پر کریم لگائیں۔ اس پر پستے' بادام ڈالیں اور سرو کریں۔

☆ ☆

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جارہے ہیں۔

ذوالقرنین

سعدیہ نسرین ...... کراچی

س : ذوالقرنین جی! سچ سچ بتادو یہ قمیص اور گھڑی سچ مچ تمہاری ہے؟

ج : دونوں مانگے کی ہیں۔ میرا مطلب ہے دونوں تحفے میں آئی تھیں۔

مہرالنساء رشید ...... رحیم یار خان

س : دل و دماغ کا آپس میں گہرا تعلق ہونے کے باوجود دونوں کے فیصلے جدا کیوں ہوتے ہیں؟

ج : بی بی فیصلہ صرف دماغ کا ہوتا ہے دل کے چکر میں نہ پڑیں۔

نجمہ عروج اشتیاق ...... کراچی

س : ذوالقرنین یہ آپ اپنی تصویر چھاپ کر اتنی پبلسٹی کیوں کررہے ہیں؟

ج : ذرا کمپنی کی مشہوری ہوجائے گی آپ کا کیا بگڑ جائے گا۔

عینی طفیل ...... کراچی

س : ابھی ابھی ایک کالم پڑھ کر بیٹھی ہوں نہ جانے کیوں سر میں درد ہورہا ہے۔ پلیز بتایئے کیا کروں؟

ج : سمجھا! ذوالقرنین کا کالم پڑھ لیا ہوگا۔ اب ایسا کرو کہ اسی کالم کو تین مرتبہ اور پڑھو۔

س : آپ نے کبھی غصہ پیا ہے کیسا لگا؟

ج : مشہور زمانہ شربت کی طرح کڑوا۔

بینا صفدر ...... گلبہار پشاور

س : پہلی مرتبہ شرکت کررہی ہوں استقبال کے لئے تیار ہوجائیں۔

ج : وہ آئیں ہمارے کالم میں خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کے سوال اور کبھی اپنے جواب دیکھتے ہیں

ساجدہ الیف کے ...... پشاور

س : انسانیت کا تقاضا۔

ج : انسان بن کر رہو۔

شاہدہ خان ...... گورنر ہاؤس کراچی

س : ایک سچی سچی بات بتائیں اصلیت کب ظاہر ہو رہی ہے؟

ج : کس کس کی اصلیت۔

شہناز فیضی ...... کراچی

س : ویسے اب کی دفعہ میں ایک تصویر دوں گی وہ چھاپے گا ؟

ج : جلد بھیجیں۔

نزہت سعید ...... لاہور

س : سچ سچ بتاؤ تصویر کس کی تھی؟

ج : خادم کی۔

ثناء بختاور...... حاصل پور

ہمارے گھر شروع سے خواتین اور شعاع ہی آتے تھے لیکن پھر پچھلے سال سے میں نے کرن بھی منگوانا شروع کر دیا۔ کرن بہترین ڈائجسٹ ہے جس سے بہت سی لڑکیوں کو سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔ کرن میں یہ میرا دوسرا خط ہے پہلا خط شائع کرنے کے لیے شکریہ!

اب بات ہو جائے کرن کی تحریروں کی تو جناب سب سے پہلے بات کرتے ہیں ٹائٹل گرل کی۔ ٹائٹل گرل کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل و روح کو معطر کرنے کے بعد پہنچے "درِ دل" پر اس ناول میں مجھے زری اور علیزے کا کردار بہت پسند ہے۔ پہلے دل آور شاہ بہت پسند تھا پر حقیقت کھلنے پر کچھ خاص اچھا نہیں لگتا۔ زری کی محبت 'عشق' جنون پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ واہ نبیلہ جی کیا بات ہے آپ کی۔ پہلے آپ میری فیورٹ رائٹر تھیں۔ پر "در دل" لکھنے کے بعد آپ میری موسٹ موسٹ فیورٹ رائٹر بن گئی ہیں۔ پلیز زری کے ساتھ برا مت کیجیے گا اسے دل آور شاہ کے مقدر میں لکھئے گا۔ مدحیہ حیات کے بدلے بدلے انداز بھی بہت پسند آئے۔

"دست کوزہ گر" میں زوسیہ کی بے وقوفی اور معصومیت پر غصہ آیا کہ وہ خرم کے ساتھ یونیورسٹی چل پڑی نمل اور خرم کو ایک دوسرے کو چڑانے اور غصہ دلانے والی حرکتیں اچھی لگتی ہیں۔ پلیز فوزیہ جی رومیلہ کے بھائی کے کیے کی سزا رومیلہ کو مت دیجیے گا۔ الیان کے دل میں رومیلہ کے لیے محبت نہیں تو ہمدردی ہی جگا دیجیے اور جلد از جلد الیان پر رومیلہ کا بے قصور ہونا ثابت کر دیجیے اور پلیز تھوڑے صفحات بڑھا دیں اور کہانی کی رفتار بھی تھوڑی تیز کر دیں۔

اب بات کرتے ہیں مکمل ناول "میں ندیا تم ساگر" کی ہلکے پھلکے انداز میں معصومیت سے لبریز کہانی پڑھ کر بہت مزا آیا۔ بہت مہینوں بعد کوئی ایسی تحریر پڑھنے کو ملی جو دوسری تحریروں سے مختلف تھی۔ نازی کی باتیں اور میر کی محبت بہت اچھی لگی۔ حشمت پر غصہ آیا اور حیرت بھی ہوئی کہ ایسے بھائی بھی ہوتے ہیں جو بہنوں کو اپنے ہاتھوں اندھے کنویں میں دھکیل دیں۔ بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں۔ ان کی عزت کے رکھوالے ہوتے ہیں۔ پر کچھ لوگ ہوتے ہیں جو رشتوں کے تقدس کو پامال کر دیتے ہیں۔

"اک پل فیصلے کا" فرحین اظفر کی تحریر پسند آئی۔ غانیہ کی زندگی کے نشیب و فراز پڑھ کر افسوس ہوا اور وقار پر غصہ بھی آیا۔ جو شخص محبت کا دعوے دار ہو اسے کمزور نہیں ہونا چاہیے ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مرتضیٰ کا کردار پسند آیا۔ غانیہ کے دل میں اب بھی کہیں وقار کی محبت باقی رہی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلی محبت انسان چاہ کر بھی بھلا نہیں سکتا۔

"وہ اک پری ہے" میں اذان کی فرماں برداری پسند آئی اور فرزان کی باتوں پر غصہ۔ پلیز ریحانہ جی کہانی کو آگے بڑھائیے۔ تین اقساط کے بعد بھی لگتا ہے کہ کہانی اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے۔ ماہ وش گل کی تحریر "بھول" میں سب لڑکیوں کے لیے رہنمائی موجود تھی اور اس ماہ جو کہانی سب سے زیادہ اچھی لگی وہ ہے فرحت شوکت صاحبہ کی "وفا میری ضد" پڑھ کر مزا آگیا۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔

افسانے سب بہت اچھے تھے۔ اعتبار ذات 'تو بہت ہی پسند آیا۔ "مدثر کے ابا" پڑھ کے ہنسی تھم ہی نہیں رہی تھی۔ "یادوں کے دریچے" سے شہربانو کی ڈائری میں تحریر انور شعور کی غزل پسند آئی۔ "نامے میرے نام" کرن کرن خوشبو" سب سلسلے بہت اچھے تھے۔ مجموعی طور پر کرن اس دفعہ بہت بہت اچھا تھا۔

عاصمہ فرحین...... کراچی

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ بہت دن ہو گئے کرن کی بزم میں شامل ہوئے۔

اس دفعہ میں نے صرف قسط وار کہانیاں پڑھی ہیں۔ "دست کوزہ گر" کی اگر تعریف نہ کی جائے تو زیادتی ہو گی۔ کہانی پڑھ کر محسوس ہو رہا ہے کہ کم از کم اس کی پوزیشن درمیانی حالت میں تو آچکی ہے۔ خیر نمل اور خرم کو ایک بہترین، مضبوط کردار کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ اگر فوزیہ خرم کا ہمسفر زوسیہ سے بناتی ہیں۔ تو کم از کم مجھے ہضم نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ کردار اس ناول کے شروع سے ہی نا صرف انٹرسٹنگ ہیں۔ بلکہ ہمیں تو اسے پڑھنے میں بھی اس لیے مزا آتا ہے۔ کہ اس میں نمل اور خرم ہیں۔

"در دل" بھی شاندار جا رہا ہے۔ شاید نبیلہ جی نے علیزے کی نازک مزاجی سے آگاہ ہی اس لیے کیا تھا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہی ہیں۔ دل آور شاہ کا کردار حیرت میں مبتلا کر گیا۔ جبکہ کومل سے یہی امید تھی۔ آتے ہیں۔ ریحانہ امجد بخاری صاحبہ کی جانب۔ ان کا نیا ناولٹ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ بلاشبہ ایک شاہکار ہے۔ میں کبھی بھی کہانی پڑھتے وقت شاعری پر دھیان نہیں دیتی۔ لیکن ان کی کہانی میں شاعری کے بغیر کچھ مزا نہیں خیر فرزان اور اذان دونوں بڑے اچھے لگے۔

ایک عدد کہانی بھی ارسال کر رہی ہوں پڑھ لیجیے گا۔ اپنی آرا سے نوازیں گی تو خوشی ہو گی۔ مجھے آپ لوگوں پر نا صرف یقین ہے۔ بلکہ بھروسہ بھی ہے۔ کہ اگر میری تحریر اچھی ہوئی تو نا صرف چھپے گی۔ بلکہ داد بھی پائے گی۔ اگر نہ چھپی تو میں ایک دوسری کہانی لکھوں گی۔ محنت کروں گی۔ اور ایک دن اللہ نے چاہا تو میری پہلی کہانی کرن میں ہی چھپے گی۔ اچھا ہمیں مت اجازت دیں آئندہ پھر حاضر ہوں گی۔

فوزیہ ثمر بٹ...... گجرات

اس بار کرن سولہ تاریخ کو ملا۔ حسب روایت ماڈل اچھی لگی۔ اس کی آنکھوں کا میک اپ اچھا لگ رہا تھا۔

حمد و ثنا سے دل و ذہن کو منور کیا۔ انٹرویوز بھی تھوڑے سے اچھے تھے۔ کافی مشہور ہستیاں براجمان تھیں "خالد انجم" کی ملاقات اچھی رہی۔ "مبرین سبلانی" کافی پرکشش شخصیت کی مالک ہیں۔

فہرست میں اک نگاہ دوڑائی سب سے پہلے افسانہ "مدثر کے ابا" پڑھا بشریٰ احمد نے کیا اچھوتا آئیڈیا تراشا ہے۔ پر مزاح جملے تھے۔ بے اختیار ہنسی آتی رہی۔ مزے دار تحریر تھی۔ خوب انجوائے کیا۔

مکمل ناول فرح بخاری کا "میں ندیا تم ساگر" بہت اچھا لگا۔ میر کا کردار پسند آیا۔ بہت اچھا موضوع تھا۔ شاید کہیں ایسا ہمارے ملک میں بھی ہوتا ہو۔ دور جہالت کے کچھ لوگ ابھی بھی ایسی رسم و رواج کو پورا کر رہے ہیں۔ افسوس ہوا نازو کی بھائی بھابھی پہ کہ ایک مکان کی خاطر اپنی بہن کو پاگل بھی جن کا سایہ کے ڈرامے رچائے رکھا۔ نازو کی قسمت اچھی تھی۔ جو میر جیسا معاملہ فہم انسان اس کی مدد کرتا رہا ہے اور پھر اسے اپنی عزت بھی بنا لیا۔

"ایک پل فیصلے کا" غانیہ حسن بے چاری اک عرصہ وقار الحسن کے محبت کے حصار میں رہی۔ غانیہ کو تو اسی وقت اپنی زندگی سے سمجھوتا کر لینا چاہیے تھا۔ جب وقار نے ماں' بہنوں کے دباؤ میں آکر غانیہ کو چھوڑ دیا۔ ایسے ہی زندگی کے قیمتی سال برباد کر دیے ٹھیک ہے محبت بچھڑ جائے تو سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ مگر انسان کو یہ بھی تو دیکھنا چاہیے جو محبت میں دھوکا دے اس کو اک پل میں بھلا دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ غانیہ کا زندگی کی طرف لوٹنا اچھا تھا۔ اور نازش جیسی لڑکیاں جب کسی اور کا مقدر کا ستارہ اپنے نام کرتی

ہیں تو ان کو ہمیشہ اک شرمندگی کا احساس رہتا ہے۔ جو نازش ' وقار احسن سے لڑجھگڑ کر نکالتی تھی۔ نہ خود خوش رہتی ہیں نہ دوسروں کو خوش ہونے دیتی ہیں۔

ماہ وش گل کی "بھول" اچھی تھی۔ انیلا جیسی لڑکیوں کو جب تک ٹھوکر نہ لگے۔ زندگی انہیں سمجھ نہیں آتی۔ مدثر اور انیلا کے اتنے اچھے دوست تھے انہوں نے اچھی دوستی کا بھی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اصل میں انسان کی فطرت ذرا مشکل سے ہی بدلتی ہے۔ انیلا جیسی لڑکیاں بھول جاتی ہیں۔ یہ مرد ذات اپنا فائدہ نکال کر بے وقعت کر دیتا ہے عورت کو۔ یہ تحریر بھی ایک نصیحت تھی لڑکیوں کے لیے۔ جو اگر عمل کر لیں۔

"کسک" بھی اچھی کہانی تھی۔ سائرہ خاتون شکر ادا کریں کہ اپنی بھتیجی — کو بہو نہیں بنایا۔ ورنہ ان کے گھر کا بھی ویسا ہی حال ہونا تھا جو ماہم نے اپنے گھر کا کیا تھا۔

"وفا میری ضد" ساری کہانی کا مزا کرکرا ہو گیا۔ جب باقی آئندہ دیکھا۔

عبیرہ گل کے افسانے کی شاعری اچھی تھی۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔

"نامے میرے نام" اس بار اچھا لگا۔ اگست میں رمضان شروع ہو چکا ہو گا۔ 28 اگست کو میرے بھائی عمران بٹ صاحب کی سالگرہ ہوتی ہے اللہ انہیں ڈھیروں خوشیاں عطا کرے۔

سب کو رمضان کی مبارک باد۔ ہم سب کو اللہ پاک توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس پر نور مہینے کو نہایت ادب و احترام سے رخصت کرے۔ اور اپنے اعمالوں کو درست کرے۔ جن کی وجہ سے ہمیں نااہل حکمران مل رہے ہیں۔ اللہ پاک کرن کے تمام اسٹاف کو خوش و آباد رکھے۔ نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت دیں ہم سب کو رب رحیم اپنی حفظ و امان میں رکھے (آمین۔)

ام رومان ...... عبدالحکیم

کرن چودہ کو ملا ' سرورق اچھا لگا۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد سب سے پہلے مستقل سلسلوں کی طرف دوڑ لگائی اپنی غیر موجودگی افسوس کا باعث بنی

'اس کے بعد نبیلہ عزیز کا ناول "در دل" پڑھا علیزے کی حالت پہ بہت دکھ ہوا جو بھی ہے وہ بے چاری تو بالکل بے قصور ہے اور زری کی اتنی شدید محبت کا انجام بھی ہول ہولا رہا ہے۔

اس کے بعد فوزیہ یاسمین کی "دست کوزہ گر" پڑھی خرم کا زوبیہ کو استعمال کرنا بالکل اچھا نہیں لگا' باقی ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔

فرح بخاری کا مکمل ناول "میں ندیا تم ساگر" بہت اچھا لگا۔ باقی کا رسالہ پیپر اور رمضان المبارک کی مصروفیت کی وجہ سے نہ پڑھ سکی ان پر تبصرہ ادھار رہا۔

اللہ تعالیٰ پیارے کرن کو اسی طرح دن دگنی رات چوگنی ترقی اور کامیابی سے نوازے۔ قارئین اور تمام اہل وطن کو دل کی گہرائی سے عید مبارک اللہ پاک وطن کو ایسی ہزاروں عیدیں دیکھنا نصیب کر آمین۔ ثم آمین۔

انیلا گل نوشین گل ...... ایبٹ آباد

خوب صورت ٹائٹل سے سجا کرن ڈائجسٹ پندرہ جولائی کی بھیگی بھیگی شام میں مل گیا۔ سب سے پہلے نبیلہ عزیز کا "دردل" پڑھا۔ دل آور اتنا سخت دل کیسے ہو سکتا ہے وہ بھی علیزے کے ساتھ۔ علیزے کی حالت پہ دل بہت دکھی ہوا۔ مریم اور جودت کے بارے میں ضرور لکھا کریں۔ "دست کوزہ گر" میں خرم اور زوبیہ کا ساتھ بالکل نہیں اچھا لگا۔ فوزیہ جی خرم اور نمل کے درمیان غلط فہمیاں ختم کریں۔ خرم اور نمل کے درمیان زوبیہ کو لا رہی ہیں۔

اس بار سب سے زیادہ جو ناولٹ پسند آیا وہ فرحت شوکت کا ناولٹ "وفا میری ضد" تھا۔ پہلی قسط بہت اچھی لگی۔ افسانوں میں نمرہ انوار کا "فسانہ محبت" بہت اچھا لگا۔ مکمل ناول دونوں اچھے تھے۔ لیکن فرح بخاری کا زیادہ اچھا لگا۔

کرن کی رائٹرز کہاں ہیں؟ نادیہ جہانگیر' نادیہ امین' سعدیہ راجپوت' آمنہ ریاض' رابعہ رزاق' مریم عزیز' ان سے کرن کے لیے لکھوائیں پلیز۔ نایاب جیلانی کا بھی بہت شدت سے انتظار کر رہے ہیں عید کے شمارے میں نایاب جیلانی اور نبیلہ عزیز کے مکمل ناول

ضرور شامل کیجیے گا۔ باقی رسالہ بھی بہت اچھا تھا۔ انیقہ انا اور نواب زادی سونگی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ پلیز آپ دونوں ضرور کرن میں شرکت کیا کریں۔

نمرہ ثمرین انوار ...... راولپنڈی

سب سے پہلے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے میرے افسانے کو اس قابل سمجھا کہ وہ کرن میں شائع ہوا۔

اب آتے ہیں کرن کی طرف ' ٹائٹل بہت زبردست تھا کلر فل سا ماڈل کا ڈریس اور بیک گراؤنڈ کا کلر بہت ملتے جلتے تھے سمپلی کہوں کی فنٹاسٹک ...... ناولٹ ایک ہی پڑھا ہے۔ بہت زبردست تھا جبکہ دوسرا ناولٹ دیکھا تو باقی آئندہ لکھا ہوا تھا اس لیے اس کو آئندہ پر ہی چھوڑا کہ ایک ساتھ پڑھوں گی۔ "مجھ سے ملیے" میں انیلا کرن سے مل کر اچھا لگا کافی حساس معلوم ہوتی ہیں۔ ایک ریکویسٹ کرنی تھی کہ "مجھ سے ملیے" میں سدرہ سحر عمران سے بھی ملاقات کروائیے پلیز۔ ناول دونوں ہی کافی اچھے تھے۔ افسانوں میں "مدثر کے ابا" بہت مزے کا افسانہ تھا۔

صدف سلیمان ...... شور کوٹ شہر

کرن تب سے پڑھ رہی ہوں جب "عشق آتش" کی دوسری قسط تھی نہ جانے کیسا سحر تھا اس ناول میں لگتا ہے اب تک اس کے حصار میں بندھی ہوئی ہوں ۔ کرن تو بجلی کی لوڈشیڈنگ سے بھی زیادہ انتظار کرواتا ہے دس تاریخ سے لے کر پندرہ تک مسلسل پانچ دن انتظار کرنا پڑتا ہے اور جب "کرن" کی کرن ہم پر پڑتی ہے تو گویا سکون آ جاتا ہے۔

اس بار بھی کرن پندرہ کو ہی ملا سرورق ' ماڈل اور بیک گراؤنڈ دونوں ہی زبردست تھے۔ حمد و نعت کے بعد سیدھا اپنے فیوریٹ ناول "در دل" کی طرف بڑھے۔ جس نے واقعی میں دل میں درد بڑھا دیا علیزے اتنے مشکل دور میں ' آذر اتنا افسردہ اور دل آور ' زری کے اتنے قریب ہو کر اس کے قریب نہیں رہ سکتا۔ یہ تینوں سوال مشکل ترین لگ رہے ہیں لیکن نبیلہ جی ان کے جواب آپ کے پاس ہیں پلیز میری آپ سے ریکویسٹ ہے کہ یہ تینوں سوال جلد سے جلد حل کر دیجیے ' ناول بہت سست جا رہا ہے تھوڑی اسپیڈ بڑھا دیں۔ تاکہ علیزے ' آذر ' زری اور دل آور کو خوشی جلد سے جلد مل جائے۔

"دست کوزہ گر" تو جیسے خرم اور نمل پر رک گیا ہے روز روز ایک ہی بات وہی جھگڑا اور ایک دوسرے کو تاؤ دلانا فوزیہ جی آپ کو نہیں لگتا یہ جھگڑا بہت طویل ترین ہوتا جا رہا ہے۔ خرم جو زوبیہ کے ساتھ کر رہا ہے وہ بھی غلط حرکت ہے۔ کسی کی معصومیت کا اس طرح فائدہ اٹھانا بہت غلط بات ہے۔ فوزیہ جی پلیز شائستہ خالہ کے معاملے کو بھی کلیئر کر دیجیے ایک ہی بات پڑھ پڑھ بندہ بور ہو جاتا ہے۔

"وفا میری ضد" فرحت جی آپ کا ناولٹ تو زبردست ہے جس کی تعریف لفظوں میں ناممکن ہے بس اتنا کہوں گی اتنا اچھا ناولٹ لکھنے کے لیے بہت بہت شکریہ۔ اگلی قسط کا انتظار شدت سے رہے گا۔ "بھول" ماہ وش گل نے بہت اچھا لکھا پاشا جیسے لڑکوں کی وجہ سے ہی آج ہمارا معاشرہ اور ہمارا مستقبل اندھیرے میں ہے اور انیلا جیسی لڑکیاں نہ جانے کیوں یہ بات بھول جاتی ہیں کہ وہ ایک ماں کی بیٹی اور باپ کی عزت ہیں وہ عزت جس کو بنانے میں نہ جانے کتنے سال لگ جاتے ہیں اور ختم ہونے میں صرف ایک لمحہ۔

افسانے سارے اچھے تھے۔ مکمل ناول میں "میں ندیا تم ساگر" نے تو کرن کو چار چاند لگا دیے۔ میر جیسے لوگ واقعی عظیم ہوتے ہیں جو عزت کو محبت پر فوقیت دیتے ہیں۔ اور وہ محبت بھی عظیم ہوتی ہے جو عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ فرح بخاری جی آپ تو کمال ہو اور ایسے کمال کرتی رہیے گا۔ "فرحین اظفر کا ناول ابھی پڑھا نہیں اس لیے تبصرہ ادھار۔ مستقل سلسلے میں "یادوں کے دریچے" اور "مجھے یہ شعر پسند ہے" میرے فیورٹ سلسلے ہیں۔ شاعری کی دیوانی ہوں۔ اس لیے رسالہ ملتے ہی سب سے پہلے یہ دو سلسلے پڑھتی ہوں۔

"یادوں کے دریچے" میں سارے انتخاب اچھے تھے۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" بہت پسند آیا۔ سارے شعر اچھے تھے۔ "مسکرائی کہ نہیں" تو پھر مسکرائی

کرنیں ہوتی ہیں۔ جس میں سب ہنسانے کی ضد میں ہوتے ہیں۔

"نام میرے نام" میں فوزیہ منظور اور کرن فاطمہ کا تبصرہ اچھا لگا۔ باقی تبصرے بھی اچھے تھے۔ تبصرہ لمبا ہوتا جارہا ہے تمام قارئین سے گزارش ہے کہ ماہ رمضان کے مقدس مہینے میں اپنے ملک پاکستان کی سلامتی اور تمام مشکلوں سے آزادی کی دعا کیجیے گا اللہ پاکستان کو تمام مشکلات سے دور رکھے (آمین۔)

نادرہ بیگم...... راولپنڈی

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ اور آپ کی جملہ ٹیم کی سلامتی کے لیے ہزار ہا دعائیں اور ان پر خالص قلبی محبت سے آمین۔

میں باقاعدگی سے آپ کے ڈائجسٹ "کرن" کا مطالعہ کرتی ہوں ہر شمارے پر دل میں یہ امنگ انگڑائی لیتی ہے کہ کچھ نہ کچھ اپنی ڈائری سے آپ کے اور اپنے ڈائجسٹ "کرن" کے لیے ارسال کروں لیکن وقت کی قلت مجھے ہر مرتبہ ایسا کرنے سے روکے رکھتی ہے مگر اس مرتبہ خود کو مجبور کر کے آپ کے نام اپنا محبت نامہ لکھنے بیٹھ گئی ہوں اور سوچا یقیناً" آپ میری ڈائری کے ان چند اوراق کو بھی اپنے ماہنامہ کی زینت بنائیں گی۔

کرن بہترین رسالہ ہے اللہ اسے ترقی عطا فرمائے۔ یہ تبصرہ شائع ہو گیا تو آئندہ تفصیلی تبصرے کے ساتھ آپ کی بزم میں حاضر ہوں گی اجازت دیں۔ اللہ ہم سب کی حامی و ناصر۔

صبحیٰ صدیق...... ٹیکسلا

میں کرن کی بہت پرانی قاری ہوں۔ جب میں 3rd کلاس میں تھی تب سے کرن زیر مطالعہ ہے حالانکہ اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے سمجھ آنے لگا۔ اب میں اس کی مستقل قاری ہوں۔ اب کچھ تبصرہ کرن پر "درد دل" بہت اچھا ہے۔ مجھے اس کے سارے کردار بہت پسند ہیں۔ لیکن زری کے عشق کی پاکیزگی بہت متاثر کرتی ہے۔ اور اسے دل آور شاہ ملے گا؟ اگر نہیں تو بہت زیادتی ہوگی' آپ کا خیال کیا ہے؟...

"دست کوزہ گر" بھی بہت اچھا ناول ہے۔ لیکن اس بار تو رومیلہ کے بارے میں بہت ہی تھوڑا بتایا گیا ہے۔

"مدثر کے ابا" پڑھ کر بہت مزا آیا۔ "میں ندیا تم ساگر" بہت خوب تھا بس دھڑکا لگا ہوا تھا کہ میر اور ناز ملتے ہیں کہ نہیں لیکن اینڈ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ "فسانہ محبت" میں شروع میں ہی پتا لگ گیا تھا کہ عینا' عریشہ ہی ہو گی۔ لیکن یہ خیال کہ جس کو آپ چاہتے ہو وہ کسی اور کو چاہتا ہے اور آپ کو اس کی خوشی بھی مقصود ہو۔ یہ بہت روح فرسا ہوتا ہے۔ "بھول" بھی بہت اچھی تحریر ہے صد شکر انیلا کسی ناقابل معافی نقصان سے دوچار نہیں ہوئی۔ اور "وفا میری ضد" کی اگلی قسط کا بہت انتظار ہے۔ باقی تمام سلسلے مجھ بہت پسند ہیں اور میں اس سے بہت کچھ سیکھتی ہوں۔ خاص کر کرن کرن خوشبو سے۔

آخر میں ایک فرمائش کرنی تھی کہ مجھے 2002ء نومبر اور 2008 مئی کا کرن چاہیے۔ کیا اب مجھے مل سکتا ہے۔ پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔ اب اجازت دیں۔

نامعلوم

مانا کہ پرانی قارئین کو ضرور شمارے میں جگہ ملنی چاہیے مگر نئی قارئین (میری جیسی) کو نظر انداز کرنا کہاں کا انصاف ہے یہ میرا پانچواں اور آخری خط ہے جب اک چیز ہونی ہی ردی کی نذر ہے تو پھر لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ ہمارا گاؤں شہر سے کافی دور ہے۔ میں ڈائجسٹ بہت مشکل سے منگوا پاتی ہوں تو خط بار بار کیسے لکھ سکتی ہوں۔ ڈائجسٹ بھی چھپ چھپا کے پڑھتی ہوں گھر والے ڈائجسٹ کے بہت خلاف ہیں۔ لیکن کیا کروں پڑھنے کا شوق ہی اتنا ہے کہ حساب ہی نہیں۔ پلیز اب کی بار میرے خط کو کرن میں جگہ دے دیجئے گا نہیں تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

پہلے چار خط تفصیل سے لکھے تھے لیکن اب کی بار مختصر لکھ رہی ہوں شاید جگہ مل ہی جائے۔ اگر اب کی بار میرے خط کو کرن میں جگہ ملی تو اگلی بار تفصیل سے لکھ کر بھیجوں گی۔